

فہرست مضامین کتاب

- عرض ناشر
- ہم قرآن سے کیوں پوچھیں
- کلمات افتتاحیہ طیبہ
- تمہید
- مہجوریت قرآن
- اسباب مہجوریت قرآن
- ۱۔ منافقین و نادان دوستوں کی مشترکہ کاوشیں
- ۲۔ حفظ قرآن اور دیگر دینی تقریبات کا اہتمام
- ۳۔ روح کی دوا کو جسم کے زخم پر لگانا
- ۴۔ قرآن ناقابل فہم ہے؟
- ۵۔ انیس اموات
- ۶۔ تفسیر بالرائے
- ۷۔ وجود آیات متشابہات
- ۸۔ اسلام میں حدیث اور اخبار گری کا گروہ
- ۹۔ تفسیر قرآن کو آئمہ معصومین سے منحصر کرنا

.....تفسیر قرآن آئمہ معصومینؑ سے مخصوص کرنے کی توجیہات

.....قرآن اور آئمہ معصومینؑ

.....مصادیق تفسیر اہل بیتؑ

.....تفسیر قرآن کے بارے میں آئمہؑ سے وارد روایات کے نا کافی ہونے کی دیگر وجوہات

.....قرآن کلمات امیر المؤمنینؑ میں

.....قرآن کا تعارف

.....انتساب قرآن

.....اسمائے قرآن کریم

.....۱۔ کلمہ ”قرآن“

.....۲۔ دوسرا نام ”الکتاب“ ہے

.....۳۔ تیسرا نام ”ذکر“،

.....۴۔ الفرقان

.....یہ عربی ہے جس کے معنی واضح و روشن ہیں

.....۵۔ قیم

.....۶۔ مہمیں

.....۷۔ یہ کھلا ہوا قول فصیل ہے

.....۸۔ یہ بصائر ہے

.....۹۔ یہ کواہ ہے

.....۱۰۔ بیان، تبیان، بین بینات، مبین

۱۱۔ قرآن کتاب ہدایت.....
قرآن مقابلے کیلئے جن وبشر کو چیلنج کرتا ہے.....
قرآن کریم، تلاوت کی ضرورت، اہمیت اور اس کے احکام.....
قرآن فہمی مغربی مفکرین اور دانشمندوں کی نظر میں.....
کیا آپ قرآن کا ساتھ دینگے دشمنوں کا.....
قصص قرآن کریم.....

۱۔ خلقت و جودی کا نمایاں نمونہ حضرت آدم صلی اللہ.....
۲۔ قانون ولادت سے خارج اور سن طفولیت میں آیت حق بننے میں حضرت عیسیٰ.....
۳۔ ضرورت تسلسل بعثت انبیاء کی برہان کو خاتمہ بخشا حضرت مصطفیٰ.....
دعا آیات قرآن کے روشنی میں.....
دعا کرنے والے کی خصوصیات.....
۱۔ داعی کی چند قسمیں.....

۲۔ مدعو.....
مضامین دعا.....
اسماء اللہ تعالیٰ.....
حالت اور کیفیت داعی.....
توسل یا وسیلہ.....
توسل بدینا.....
وسائل الی اللہ کی ایک قسم.....
نظام اجتماعی و سیاسی قرآن و سنت کی روشنی میں.....

.....نظامِ سیاست

.....نظامِ علمانی

.....علمائیت منافقت کی روپ میں

.....اسلامی ملکوں میں داعیاں سیکولرزم کی کامیابی اور کاموزانہ

.....نظام زوجیت قرآن و سنت میں

.....اجتماعی اور سیاسی زوج

.....حقوق انتخاب زوجیت

.....ازدواجی زندگی کی ضرورت

.....کفو حقیقی کی جگہ خود ساختہ کفو

.....اسید کی تعریف لغت عرب قرآن و احادیث آئمہ معصومین اور عرفِ فقہاء میں

.....بروں کو ہمارے لئے اور اچھوں کو خدا کیلئے

.....جہیز یا گھر کی ویرانی

.....ازدواج متبادل

.....کلام خدا کی جگہ خود ساختہ کلام کو ترجیح دینا

.....مخطوط اجتماع

.....حقوق زوجین

.....ارث سے محرومیت

.....میاں بیوی کے درمیان تقسیم کاریا میدان عمل کا تعین

.....اسلامی نظام زوجیت پر تعدد زوجات کا داغ

.....خانہ ازدواج میں موسم خزاں

..... اسلام میں عورت کا مقام و منزلت

..... نظام ولادت اور اس کے احکام قرآن و سنت، عقل اور تجربہ کی روشنی میں

..... اقسام ولادت

..... انسان کی اولاد کی چند اقسام ہیں

..... اولاد نسبتی کی اقسام

..... فلسفہ احتیاج و نیاز مندی اولاد

..... عید، قرآن اور روایات اسلامی میں

..... کلمہ ”تاویل“ آیات قرآنی میں

..... کلمات اختتامیہ ناصحہ و دعائیہ

..... علمائے اعلام سے خاضعانہ درخواست

..... روشن حقائق (۱) اپنوں سے جنگ

..... روشن حقائق (۲) تعلقات انسانی کے اقسام

..... روشن حقائق (۳) جہالت کی بالادستی

..... روشن حقائق (۴) حلال و حرام سے کھیلنا

..... روشن حقائق (۵) دانشمندی قرآن سے وابستگی میں ہے

..... مصادر و مآخذ کتاب قرآن سے پوچھو

..... فہرست مضامین کتاب



قرآن سے پوچھو

اس میں گزشتہ کی خبریں حال کے احکام اور مستقبل کیلئے پیشگوئیاں ہیں

تالیف

سید علی شرف الدین موسوی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب..... قرآن سے پوچھو
 تالیف..... سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی
 ناشر..... دارالثقافة الاسلامیہ پاکستان
 طبع دوم..... ۲۴ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
 تعداد..... ۱۰۰۰

قرآن سے پوچھو

یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی ہے

عرض ناشر

کسی کتاب کی تجدید طباعت کے موقع پر مصنف، مؤلف یا اس ادارے کی طرف سے خوشی اور مسرت کے انداز میں چند سطور تحریر میں لائی جاتی ہیں جیسے ہمارے لئے خوشی کا موقع ہے کہ ہماری یہ کتاب انتہائی قلیل عرصہ میں قارئین کرام کی توجہ کا مرکز بنی اور اس نے پذیرائی حاصل کی جس کی وجہ سے ہمیں اس کی تجدید طباعت کی ضرورت پڑی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے معاشرے میں اہل فکر و دانش اور صاحبان تحقیق کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور اسی کے ساتھ صاحبان قدر شناس بھی بڑھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ہم اپنی اس کتاب کے بارے میں مندرجہ بالا سطور تحریر میں نہیں لاسکتے کیونکہ ہماری کتب کے بارے میں تاثرات جو ہمیں تحریری طور پر تو نہیں ملے لیکن نجی گفتگو سے وہ بقول بعض جو سننے میں آیا ہے کہ اس وقت ایسی کتابوں کی یا ایسے مسائل کو اٹھانے کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملت کے شیرازہ کو متحد رکھا جائے اور اس میں شگاف پڑنے نہ دیا جائے۔

ہماری اس کتاب کی تجدید طباعت کا مقصد اپنی کوتاہیوں کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا ہے جہاں کتابت میں غلطیاں نظر آئیں وہاں ہی بعض مضامین میں کمی اور خلل نظر آنے کی وجہ سے تجدید طباعت کی ضرورت کو محسوس کیا اسی طرح تجدید طباعت کی ضرورت کے کچھ اور عوامل و اسباب بھی محرک بنے ہیں۔

اس کتاب کی نئی طباعت کی ضرورت پیش آنے کی وجہ کتاب میں موجود غلطیاں ہیں اور ان غلطیوں کا سبب طباعت میں عجلت ہے۔ اور عجلت کا سبب خوفِ مرگ ہے کہ کہیں ہم اپنی عرائض کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنے اور قارئین تک پہنچانے سے پہلے ہی اس دنیا سے چلے نہ جائیں۔ کیونکہ مجھے یہ یقین نہیں کہ میرے مرنے کے بعد میرے وارثین اور ان کی مشاورین اسکی طباعت کی اجازت دیں گے۔ چنانچہ اسی کشمکش کے نتیجے میں پچاس فیصد مطالب لوگوں تک پہنچنے کی امید سے طباعت میں جلدی کی۔ خداوند متعال کا شکر ہے کہ

اس نے مجھے یہ توفیق بخشی کہ ان غلطیوں کا کسی حد تک ازالہ کر کے دوسری طباعت کو پیش کروں۔

خداوند عالم سر و خفا تو میرے عیاں و نہاں سے آگاہ و آشنا ہے میں نے یہ سطور اس لئے تحریر نہیں کیں کہ تیرے دین کے مقدسات کی اہانت ہو اور نہ ہی میرا یہ عمل اس لئے ہے کہ دین مقدس کے محافظین پاسداران حق کی تنقیص و تنقید سے اپنے احساسِ کمتری کا ازالہ کروں بلکہ میں نے جب اس دین مقدس میں آئے دن بڑھتے ہوئے انحرافات و خرافات کو دیکھا جو دین پر ہجوم کر رہے ہیں۔ تو ان حالات میں ایک انسان دیندار و آگاہ کی مسئولیت و ذمہ داری کو جب قرآن و سنت و سیرتِ انبیاء و آئمہ اطہار و اولیا میں دیکھا اور دوسری طرف اعلیٰ و ارفع علمی و فکری مناصب پر فائز اور اجتماع میں مقام و منزلت اور حیثیت کے حامل افراد کو ان مسائل پر دانستہ لا پرواہی برتتے ہوئے دین و مکتب کی پکار پر سکوت و خاموشی کو مصلحتِ دین قرار دیتے ہوئے دیکھا تو ان مناظر کو صغریٰ و کبریٰ حد وسط دیکر اپنے لیے خاموشی کا حکم نکالنے کی خاطر ضمیر سے مجادلہ اور مباحثہ کیا لیکن ضمیر و وجدان آیات و روایات اور سیرتِ انبیاء و آئمہ طاہرین نے مجھے ان حالات پر سکوت و خاموشی اور لا پرواہی کی راہ اپنانے کی اجازت نہیں دی لہذا میں نے قرآن و سنت و سیرتِ معصومین کی طرف سے اپنے اوپر عائد ذمہ داریاں ادا کرنے کی خاطر ان چند صفحات سفید کو سیاہ کیا ہے۔

باری تعالیٰ! تو ان حالات سے آگاہ و آشنا ہے جو اس وقت یہاں دین و مکتب اور اہل دین پر گزر رہے ہیں اور تو اس سے بھی واقف ہے جو میں نے کہا اور جو میں نے لکھا ہے میں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی حقائق کے خلاف کوئی بات گھڑی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تشخیصِ مصلحت میں غلطی کا ارتکاب ہوا ہو۔ اگر سعی و کوشش کے باوجود تشخیصِ مصلحت سے کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے معاف فرما اور اپنی بخشش و مغفرت سے نوازا اور اگر میں نے ادائے حق دین میں یہ چند سطور موقعِ محل پر لکھی ہیں تو اس کے اجر و صلہ کو میرے لیے اس دن کے لئے ذخیرہ فرما جس دن کے بارے میں تو نے فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُونَ مَالٌ وَلَا بَنُونَ﴾

۱۔ ہمارے ملک میں کچھ ایسی لاغر قوتیں ہیں جنہوں نے اس ملک میں اسلامِ عزیز کے بارنگین کو اپنے

کیا یہاں تک کہ تم پر مسلسل حملے شروع ہو گئے اور تمہارے علاقوں پر قبضہ کر لیا گیا“
(نہج البلاغہ، خ ۲۷، ترجمہ ذیشان، ص ۷۱)

اس صورتحال کو دیکھ کر ہم نے ”غلوگرائی“ سے متعلق چند صفحات کا بھی اضافہ کرنا مناسب سمجھا تا کہ قارئین یہ بھی جان سکیں کہ مذہب تشیع، قرآن کریم کی آیات کریمہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے آئمہ کے بارے میں ہر قسم کی غلوگرائی کو مسترد کرتا ہے۔

۴۔ اس ملک میں اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے بعض انتہا پسند گروہ کی طرف سے شیعہ فرقہ سے وابستہ افراد کی جان و مال کو درپیش خطرات کے پیش نظر بعض دانشمند یا ذمہ دار افراد اس مسئلہ کے علاج و حل میں اشتباہ اور غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جس طرح ایک مہلک مرض میں مبتلا انسان اپنے مرض کی دوا کی تشخیص میں اشتباہ کرتے ہوئے زہریلی چیز کو دوا سمجھ لیتے ہیں بالکل اسی طرح ان علماء حضرات نے ان خطرات سے نجات کو سیکولر افراد سے وابستگی اور ان سے ہمدردی میں گردانا ہے جبکہ سیکولرزم کا یہ وطیرہ رہا ہے تشدد و ظلم کرو اور دوسری جانب سے ان کے خرد و نوش اور امن و امان کے تحفظ کے دعویدار بھی بنو۔ یہ بعینہ وہی روپ ہے جسے صدر اسلام کے منافقین اپناتے تھے۔ لہذا ہم نے مناسب سمجھا کہ موضوع ”علمانی“ میں چند صفحات ”علمانی منافقت کے روپ میں“ کے عنوان سے پیش کریں۔

حال ہی میں ہمارے ملک میں ترقی اور تمدن کے حوالے سے پسماندہ صوبے میں قرآن و سنت پر حکومت قائم کرنے کا اعلان کر کے اس صوبے کے ارباب اقتدار نے اس ملک میں مسلمانوں کے تڑپتے ہوئے دلوں میں اُمید کی ایک کرن پیدا کی ہے۔ اس مبارک اعلان کی مناسبت سے ہم نے اُن کے ساتھ یکجہتی کے اظہار کی خاطر قرآن کریم سے متعلق ایک نئی کتاب پیش کرنے کی بجائے اسی کتاب کی تجدید طباعت کو فی الحال مناسب اقدام سمجھا۔

آخر میں ہم ان قارئین کرام سے بھی معذرت خواہ ہیں جن کی نظروں سے مسلسل ہماری حقیر کاوشیں گزرتی رہیں ہیں اور وہ پابندی سے انکا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ وہ شاید نئی طباعت کو خریدنا ایک قسم

کا نقصان تصور کریں لہذا ہم پیشگی معذرت کے ساتھ ساتھ ان کی خدمت میں چند گزارشات بھی پیش کرتے ہیں:

۱۔ آپ ہماری کتابیں پڑھنے میں جس طرح حُسنِ نظر رکھتے ہیں اسی طرح ان کتب میں موجود کوتاہیوں کے بارے میں بھی ہماری آپ سے یہی توقع ہے۔ اسکے علاوہ ہم اس سلسلے میں کسی قسم کے مادی منافع کو نظر میں نہیں رکھتے۔

۲۔ قدیم زمانے سے عصرِ حاضر تک مصنفین و مؤلفین کا وطیرہ رہا ہے اور رہے گا کہ وہ اپنی ایک کاوش کو پیش کرتے ہیں لیکن تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد اسے نئی تراجم کے ساتھ بہتر صورت میں لاتے ہیں۔ اسی طرح خریدار یا تو پُرانی پر اکتفاء کرتے ہیں یا نئی اشاعت کو برداشت کر کے اس سے بھی مستفیض ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ امید ہے قارئین کرام بھی ہمارے ساتھ اپنی وسعت و گنجائش میں رہتے ہوئے ایسا رویہ اپنائیں گے۔

۳۔ جس طرح ہم تمام تر نامساعد حالات و مشکلات اور چہ میگوئیاں برداشت کر کے مفہیمِ اسلامی اور سر بلندیِ افکارِ قرآنی کیلئے کوشش کرتے ہیں امید ہے قارئین بھی اس سلسلے میں ہمارے ہم سفر اور ہم رزم بنیں گے۔

ہم قرآن سے کیوں پوچھیں

کتاب کے مضامین کے حوالے سے جہاں قارئین کرام کے عالمانہ اور محققانہ نقد و انتقادات موصول ہوئے ہیں وہیں بعض مذہبی حیثیت سے پہچانے جانے والے افراد کے کفر والحاد آمیز اعتراضات بھی سننے میں آئے ہیں جیسے انہوں نے کہا ہم قرآن سے کیوں پوچھیں یا نعوذ باللہ یہ قرآن ہمیں کن ہاتھوں سے ملا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہذا ہم نے ضروری سمجھا کہ کتاب کی دوسری اشاعت میں خود قرآن اور جن ہستیوں سے متمسک ہونے کا ہمارا دعویٰ ہے ان کے کلمات سے قرآن سے پوچھنے کی سند کو پیش کریں۔ البتہ یہ بات واضح رہے ہمارے مخاطب جنہیں ہم قرآن سے پوچھنے کی دعوت دے رہے ہیں وہ امت اسلامی اور امت قرآن ہے۔ جو قرآن اور سنت دونوں کو شریعت اسلامی کا مصدر اور ماخذ حقیقی ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ قارئین کرام کی مزید تسکین اور اطمینان قلبی کی خاطر ہم نبی البلاغہ میں موجود امیر المومنین علیہ سلام کے قرآن کریم سے متعلق کلمات اور اسی طرح دیگر آئمہ طاہرین کے فرامین بھی پیش کریں گے۔ جنہوں نے ہمیں ہر قسم کے پیچیدہ و مشکل مسائل میں قرآن کی طرف برگشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک فہرست کتاب کے شروع میں ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ ابتداء ہی سے کتاب سے انس پیدا ہو جائے۔

ہم اس سوال کا جواب دینے سے پہلے سوال کرنیوالے کے ذہنی تصورات کا تجزیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ سوال دو قسم کی ذہنیت کے حامل انسانوں کے اذہان سے نکل سکتا ہے۔ ایک وہ انسان جو قرآن کریم کے مقابل ضد اور مخالفت میں کھڑا ہے یہ قرآن کو کسی قسم کی حیثیت اور کسوٹی دینے کیلئے تیار نہیں لہذا قرآن دشمنی اور اس سے روگردانی کرنے والا ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم قرآن سے کیوں پوچھیں؟ اس کا جواب ہم ”قرآن کریم ایک معجزہ جاوید زندہ و نابندہ“ کے عنوان میں پیش کریں گے۔ دوسرا اگر وہ قرآن سے معترض نہیں

بلکہ وہ مولف کتاب (قرآن سے پوچھو) کی ضد و مخالفت میں یا خود ان کے اندر موجود بعض فرسودہ اور خود ساختہ مذہبی رسومات کی رد میں لکھے گئے مضامین سے نالاں ہو کر کہتے ہیں کہ ہم ان سے کیوں پوچھیں کیونکہ یہ مضامین انکی جہالت اور انکے خود ساختہ نظریات اور رسم و رواج جنکا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں سے پردہ اٹھاتے ہیں جس سے پریشان ہو کر یہ مولف کو اپنے غم و غصہ کا نشانہ بناتے ہیں۔ اب ہم قارئین کرام کی خدمت میں مرحلہ وار جواب پیش کریں گے۔

۱۔ ہم نے اس میں کسر نہیں چھوڑی

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِحَنَاحِهِ إِلَّا أَمَّكُمْ مَا قَرْنًا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ ”اور زمین پر چلنے والے تمام جانور اور ہوا میں اپنے دو پروں سے اڑنے والے سارے پرندے بس تمہاری طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔“ (انعام/۳۸)

۲۔ خوفِ قرآن میں آیا ہے کہ اس میں خشک وتر کا حکم موجود ہے

﴿وَعَنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ يُعَلِّمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمٍ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مبین﴾ ”اور اس کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے اور وہ خشک وتر سب کا جاننے والا ہے کوئی پتہ بھی گرتا ہے تو اسے اس کا علم ہے زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین کے اندر محفوظ نہ ہو۔“ (انعام/۵۹)

۳۔ اس میں ہر چیز کا بیان اور توضیح موجود ہے

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ ”اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے اور یہ کتاب ہدایت گزاروں کیلئے ہدایت رحمت اور بشارت ہے۔“ (نحل/۸۹)

۴۔ قرآن فرماتا ہے اہل ذکر سے پوچھو۔ اگر اہل ذکر سے مراد اہل بیت اطہار ہیں تو اس وقت مشرکین اور یہود و نصاریٰ جو حضرت محمدؐ کی نبوت کے بارے میں شکوک و شبہات رکھتے اور ایمان نہیں لاتے تھے۔ آیا انکو حکم ہوا ہے کہ پیغمبر کی نبوت کے بارے میں حضرت علیؑ، حضرات حسنینؑ سے پوچھو یا اہل ذکر سے مراد علماء یہود ہیں جو تو رات سے آشنا تھے کیونکہ قرآن میں یہاں ذکر سے مراد تو رات ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا تَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ ذِكْرٍ أَنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور ان کی طرف بھی وحی کرتے رہے ہیں تو ان سے کہہ کہ اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو“ (نحل/۴۳) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا تَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ ذِكْرٍ أَنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جن رسولوں بنا کر بھیجا وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف وحی کیا کرتے تھے تو تم لوگ اگر نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے دریافت کرو“ (انبیاء/۷) ﴿وَلَقَدْ كُتِبَ فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ ”اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے“ (انبیاء/۱۰۵)

اس آیت میں تو رات کا علم رکھنے والوں اے پوچھنے کا حکم ہے جن روایات میں اہل ذکر سے مراد آئمہ اہل بیت ہیں وہ اس آیت کی تاویل ہو سکتی ہے نہ کہ تنزیل اگر تاویل میں اہل ذکر سے مراد آئمہ معصومینؑ کو لیا ہے۔ تو آئمہ بھی قرآن کے ذریعے بات کرتے ہیں اور قرآن ہی کو سند بناتے ہیں۔

۵۔ کتاب الندوہ شمارہ ۶ ص ۵۴ میں اصول کافی جلد ۱ ص ۱۱۳ سے ایک حدیث نقل ہے جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ أَتَرَلُ فِي الْقُرْآنِ تَبَيَّنَ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّىٰ وَاللَّهِ مَا تَرَكَ اللَّهُ شَيْئًا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْعِبَادُ حَتَّىٰ لَا يَسْتَطِيعَ عَبْدٌ يَقُولُ لَوْ كَانَ هَذَا أَتَرَلُ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا وَقَدْ أَتَرَلَهُ اللَّهُ قَبْلَهُ﴾ خداوند متعال نے قرآن میں ہر چیز کے بیان کو نازل کیا ہے یہاں تک کہ خدا کی قسم خدا نے کوئی ایسی چیز

نہیں چھوڑی جس کے بندے محتاج ہوں تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اگر یہ چیز قرآن میں ہوتی تو اچھا ہوتا۔

۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کوئی امر یا مسئلہ ایسا نہیں جس میں دو انسان اختلاف کریں ایک ثابت کرے اور دوسرا اسکی نفی کرے اسکا حکم کتاب خدا میں موجود ہے لیکن عام انسانوں کی عقل کی اس تک رسائی ممکن نہیں۔

۷۔ عبدالاعلیٰ بن اعین نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں پیغمبر اکرمؐ کا فرزند ہوں اور میں کتاب خدا میں سب سے زیادہ عالم ہوں۔ اس کتاب میں کائنات کی تخلیق کا آغاز اور قیامت تک ہونے والے حقائق کا بیان ہے۔ اس میں آسمان و زمین، جنت و جہنم کی خبریں ہیں۔ گزشتہ و آئندہ کے احوال ہیں اور میں ان سب کے بارے میں اس انداز سے جانتا ہوں جس طرح اپنی انگلیوں کے بارے میں جانتا ہوں۔ بے شک خدا نے فرمایا ہے اس کتاب میں ہر چیز کا بیان ہے۔

۸۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا مولا امیر المومنینؑ نے اپنے اصحاب کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا قرآن روشن دن میں بھی ہادی ہے اور تاریک رات میں بھی۔ امام صادق علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے

”ہر وہ چیز جو کتاب خدا سے موافق ہو وہ لے لو اور جو خلاف ہو اسے چھوڑ دو“

۹۔ عبداللہ بن ابی یعقوب نے آئمہ سے وارد مختلف روایات کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: ہم کبھی روایات ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جن پر ہمیں مکمل اعتماد ہے اور کبھی ایسے لوگوں سے جن پر اعتماد نہیں تو ہم اس ضمن میں صحیح اور غلط کی پہچان کیسے کریں۔ تو امام نے فرمایا

”اگر تمہارے پاس کوئی روایت آئے اور اسکی تائید اور سند کتاب خدا اور قول رسول میں موجود ہو تو اسے لے لو اور اگر ایسا نہ ہو تو اسے چھوڑ دو۔“

۱۰۔ ایوب بن حر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے ہر وہ چیز جسکی برگشت کتاب خدا اور سنت قطعی

رسول اللہ کی طرف نہ ہو وہ زخرف یعنی فالتو ہے۔

۱۱۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہر وہ چیز جو کتاب خدا اور سنت نبوی کے خلاف ہو وہ کفر ہے۔

۱۲۔ ﴿فَمَا ذَلِكَ الْقُرْآنُ عَلَيْهِ مِنْ صِفَتِهِ قَائِمٌ بِهِ وَالْمُسْتَعْنَىٰ بِنُورِ هِدَايَتِهِ وَمَا كَلَّفَكَ الشَّيْطَانُ عِلْمَهُ مِمَّا لَيْسَ فِي الْكِتَابِ عَلَيْكَ قَرْضُهُ وَلَا فِي سُنَّةِ النَّبِيِّ وَأَتَمَّةَ هُدًى أَثَرُهُ فَكُلَّ عِلْمِهِ إِلَى اللَّهِ مَبْحَاتُهُ﴾ ”قرآن مجید نے جن صفات کی نشاندہی کی ہے انھیں کا اتباع کرو اور اسی کے نور ہدایت سے روشنی حاصل کرو اور جس علم کی طرف شیطان متوجہ کرے اور اسکا کوئی فریضہ نہ کتاب الہی میں موجود ہو اور نہ سنت پیغمبر اور ارشادات آئمہ ہدی میں تو اس کا علم پروردگار کے حوالے کر دو۔“ (نہج البلاغہ خطبہ ۹۱ پیرا گراف ۸)

۱۳۔ ﴿وَتَعْلَمُوا الْقُرْآنَ قَاتَهُ أَحْسَنَ الْحَلِیْثِ، وَتَفْقَهُوا مِنْهُ قَاتَهُ رِیْعَ الْقُلُوبِ، وَاسْتَشْفُوا بِنُورِهِ قَاتَهُ شَفَاءَ الصُّلُورِ، وَاحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ قَاتَهُ انْفِعَ الْقَصَصِ﴾ ”قرآن مجید کا علم حاصل کرو کہ یہ بہترین کلام ہے اور اس میں غور و فکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے۔ اس کے نور سے شفا حاصل کرو اور اسکی باقاعدہ تلاوت کرو کہ یہ مفید ترین قصوں کا مرکز ہے۔ (خطبہ ۱۱۰ پیرا گراف ۶)

۱۴۔ ﴿إِنَّا لَمْ نَحْكَمْ الرِّجَالَ: وَإِنَّمَا حَكَمْنَا الْقُرْآنَ، هَذَا الْقُرْآنُ إِنَّمَا هُوَ خَطٌّ مَسْتَوٍ بَيْنَ اللَّغَتَيْنِ، لَا يَنْطِقُ بِلِسَانٍ، وَلَا يَدُلُّهُ مِنْ تَرْجَمَانٍ، وَإِنَّمَا يَنْطِقُ عَنْهُ الرِّجَالُ وَلَمَّا دَعَا الْقَوْمَ إِلَى أَنْ تَحْكُمَ بَيْنَنَا الْقُرْآنُ لَمْ تَكُنِ الْفَرِيقُ الْمَتَوَلَّىٰ عَنْ كِتَابِ اللَّهِ مَبْحَاتُهُ وَتَعَالَىٰ﴾ ”ہم نے افراد کو حکم نہیں بنایا بلکہ قرآن کو حکم قرار دیا تھا اور قرآن وہی کتاب ہے جو دو جلدوں کے درمیان موجود ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ خود نہیں بولتا اسے ترجمان کی ضرورت ہے اور ترجمان افراد ہی ہوتے ہیں۔ اس قوم نے ہمیں دعوت دی کہ ہم قرآن سے فیصلہ کریں ہم تو کتاب خدا سے روگردانی کرنے والے نہیں تھے۔ (خطبہ ۱۲۵ پیرا گراف ۲۱)

۱۵۔ ﴿فَإِنَّمَا حَكَمَ الْحُكَمَانِ لِیَحْيَا مَا أَحْيَا الْقُرْآنُ، وَیَمِيتَا مَا أَمَاتَ الْقُرْآنُ، وَاحْيَا الْإِجْتِمَاعَ عَلَيْهِ

واما تسمه الاقتراق عنه فان حرتا القرآن اليهم تبعاهم وان جرهم اليها اتبعوتا ﴿﴾ ”ان دونوں افراد کو حکم بنایا گیا تھا تا کہ ان امور کو زندہ کریں جنہیں قرآن نے زندہ کیا ہے اور ان امور کو مردہ بنا دیں جنہیں قرآن نے مردہ بنا دیا ہے اور زندہ کرنے کے معنی اس پر اتفاق کرنے اور مردہ بنانے کے معنی اس سے الگ ہو جانے کے ہیں ہم اس بات پر تیار تھے کہ اگر قرآن ہمیں دشمن کی طرف کھینچ لے جائے گا تو ہم ان کا اتباع کریں گے اور اگر انہیں ہماری طرف لے آئے گا تو انہیں آنا پڑے گا۔“ (خطبہ ۱۲۷ پیرا گراف ۹، ۱۱)

۱۶۔ ﴿يعطف الهوى على الهلى، اذا عطفوا الهلى على الهوى، ويعطف الراى على القرآن اذا عطفوا القرآن على الراى﴾ ”وہ بندہ خدا خواہشات کو ہدایت کی طرف موڑ دے گا جب لوگ ہدایت کو خواہشات کی طرف موڑ رہے ہوں گے وہ رائے کو قرآن کی طرف جھکا دے گا جب لوگ قرآن کو رائے کی طرف جھکا رہے ہوں گے۔“ (خطبہ ۱۳۸ پیرا گراف ۱)

۱۷۔ ﴿ذلك القرآن قاستطقوه ولن ينطق، ولكن اخبركم عنه الا ان فيه علم ماياتى، والحديث عن الماضى، ودواء دائكم، وتنظم ما بينكم﴾ ”یہ وہی قرآن ہے اسے بلوا کر دیکھو یہ خود نہیں بولے گا میں اسکی طرف سے ترجمانی کروں گا یا درکھو اس میں مستقبل کا علم ہے اور ماضی کی داستان ہے۔ تمہارے درد کی دوا ہے اور تمہارے امور کی تنظیم کا سامان ہے۔“ (خطبہ ۱۵۸ پیرا گراف ۲)

۱۸۔ ﴿واعلموا ان هذا القرآن هو لناصح الذى لا يغش، والهادى الذى لا يضل، والمحدث الذى لا يكذب، وما جالس هذا القرآن احدا الا قام عنه زيادة او نقصان، زيادة فى هلى، او نقصان من عمى، واعلموا انه ليس على احد بعد القرآن من فاقه ولا لاحد قبل القرآن من غنى، قاستشفوه من ادوائكم، واستعينوا على لا وائكم فان فيه شفاء من اكبر اللاء وهو الكفر وتفاق والغى والضلال۔ فسلوا الله به وتوجهوا اليه بجهه﴾ ”یا درکھو یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکہ نہیں دیتا اور وہ ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا ہے۔ وہ بیان کرنے والا ہے جو غلط بیانی سے کام لینے والا نہیں ہے۔ کوئی

شخص اس کے پاس نہیں بیٹھتا مگر جب اٹھتا ہے تو ہدایت میں اضافہ کر لیتا ہے یا کم سے کم گراہی میں کمی کر لیتا ہے۔ یاد رکھو قرآن کے بعد کوئی کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا اور قرآن سے پہلے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اپنی بیماریوں کی اس سے شفا حاصل کرو اور اپنی مصیبتوں میں اس سے مدد مانگو کہ اس میں بدترین بیماریوں کفر و نفاق اور گمراہی وہ بے راہ روی کا علاج موجود ہے۔ اس کے ذریعے اللہ سے سوال کرو اور اس کی محبت کے وسیلہ سے اسکی طرف رخ کرو۔ (خطبہ ۱۷۶ پیرا گراف ۹۸، ۷۷)

۱۹۔ ﴿وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ لَمْ يَعْظَمْ اَحَدًا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ، فَاتَّهَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِينِ، وَسَيِّئُ الْاٰمِيْنَ، وَفِيهِ رَبِيعُ الْقُلُوْبِ، وَيَتَابِعُ الْعِلْمُ﴾ ”پروردگار نے کسی شخص کو قرآن سے بہتر کوئی نصیحت نہیں فرمائی ہے کہ یہ خدا کی مضبوط رسی اور اسکا امانت دار وسیلہ ہے۔ اس میں دلوں کی بہار کا سامان اور علم کے سرچشمے ہیں۔

(خطبہ ۱۷۶ پیرا گراف ۲۸)

۲۰۔ ﴿وَاللّٰهُ اَللّٰهُ فِی الْقُرْآنِ، لَا یَسْبِقُکُمْ بِالْعَمَلِ بِہٖ غَیْرُکُمْ وَاللّٰهُ فِی الصَّلٰۃِ، فَاتَّهَ اَعْمُوْدُ دِیْنِکُمْ﴾ ”دیکھو اللہ سے ڈرو قرآن کے بارے میں کہ اس پر عمل کرنے میں دوسرے لوگ تم سے آگے نہ نکل جائیں اور اللہ سے ڈرو نماز کے بارے میں کہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ (کتب ۴۷ پیرا گراف ۵)

۲۱۔ ﴿وَتَعْمَلُکَ بِحَبْلِ الْقُرْآنِ وَاسْتَنْصَحْہٖ وَاحِلَ حَلَالِہٖ وَحَرَمَ حَرَامِہٖ وَصَلِّ بِمَا سَلَفٌ مِنَ الْحَقِّ، وَاعْتَبِرْ بِمَا مَضٰی مِنَ الدُّنْیَا لِمَا یَقِیْ مِنْہَا﴾ ”قرآن کی رہنمائی ہدایت سے وابستہ رہو اور اس سے نصیحت حاصل کرو۔ اس کے حلال کو حلال قرار دو اور حرام کو حرام۔ حق کی گزشتہ باتوں کی تصدیق کرو اور دنیا کے ماضی سے اس کے مستقبل کیلئے عبرت حاصل کرو۔

(نہج البلاغہ مکتب ۶۹ پیرا گراف ۱)

۲۲۔ ﴿وقی القرآن نباء ما قبلکم، وخبر ما بعدکم، وحکم ما بینکم﴾ ”قرآن میں تمہارے پہلے کی خبر، تمہارے بعد کی پیشگوئی اور تمہارے درمیانی حالات کے احکام سب پائے جاتے ہیں۔ (نہج البلاغہ مکملات قصار ۳۱۳)

۲۳۔ ریان بن صلت نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا آپ قرآن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔
 ﴿کلام اللہ لا تتجاوزہ ولا تطلبوا الہدی فی غیرہ فتضلوا ہو جبل اللہ المتین وعروۃ الوثقی و طریقۃ المثلی المعودی الی الحنۃ والمنحی من النار، لا یخلق علی الاذنۃ ولا یفث علی الا لسنۃ لانه لم یجعل لزمان دون زمان، بل جعل دلیل البرہان والحجۃ علی کل انسان، لا یتبہ الباطل من بین ینبہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید﴾ ”قرآن سے آگے مت بڑھو ہدایت کو قرآن کے علاوہ کسی اور چیز میں تلاش کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہ خدا کی محکم رسی ہے جو انسان کو جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جہنم سے نجات دلاتی ہے۔ زمانہ اسے کہنہ و بوسیدہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کسی مخصوص زمانہ کیلئے نہیں۔ یہ ہر دور کے انسان کیلئے دلیل و راہنما ہے باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے۔ یہ خدا حمید و حکیم کی نازل کردہ کتاب ہے۔“

(کتاب قرآن حکیم از منظر امام رضا آیت اللہ جوادی آملی صفحہ ۲۲)

۲۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

”اللہ رب العزت نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جسکے بندے محتاج ہوں مگر اسے اپنی کتاب قرآن حکیم میں نازل کیا ہے اور اپنے پیغمبر سے اسے بیان کیا ہے۔ ہر چیز کی ایک حد مقرر کی گئی ہے پہلے کتاب خدا ہے پھر سنت رسول ہے“

(نقل از بحار جلد ۹۲ صفحہ ۸۴)

﴿یقول الحلث عن ابی الحارود قال قال ابو جعفر امام باقر علیہ سلام اذا حدثکم بشی

قاسالونی من کتاب اللہ ثم قال فی بعض حلیثہ ان رسول اللہ نہی عن القیل و القال و قساد الحال و کثرة السئوال، قیل لہ ای الباقر ابن رسول اللہ ابن ہذا من کتاب اللہ؟ قال، ان اللہ یقول لا خیر فی کثیر من نعوام (سورہ نساء ۱۴۴) و ام اللیل القرآن علی قسال الحال (سورہ نساء ۵) و ام اللیل علی النہی عن کثرة سوال (سورہ مائدہ ۱۰۱) ﴿صفحہ ۱۲۵﴾ الی جا رو د نے امام محمد باقر علیہ سلام سے نقل کیا ہے ”جب بھی تم میں سے کوئی گفتگو کرے تو تم مجھ سے اس گفتگو کے بارے میں کتاب خدا کا حوالہ پوچھو یعنی مجھ سے پوچھو کہ یہ بات میں نے کتاب خدا کی کس سورہ اور کس آیت سے کی ہے۔ پھر امام نے اپنے جد بزرگوار سے ایک حدیث نقل کی آپؑ نے فرمایا قیل و قال مت کرو، مال کو ضائع نہ کرو زیادہ سوال مت کرو۔ اس پر سائل نے امام سے پوچھایا ابن رسول اللہ آپؑ نے رسول اللہ سے جو حدیث نقل کی وہ قرآن کی کس آیت کے تحت ہے تو امام باقر علیہ سلام نے فرمایا یہ جو کہا ہے کہ تمہارے لئے نجوی ہے یعنی تمہاری بہت سی سرکشیوں میں خیر نہیں یہ سورہ نساء کی آیت ۱۴۴ میں ہے۔ اسی طرح فساد مال کے بارے میں سورہ نساء آیت ۵ اور زیادہ سوال مت کرو کے بارے میں سورہ مائدہ آیت ۱۰۱ میں ہے۔

(الندوہ شمارہ ۳ صفحہ ۱۲۲)

۲۵۔ ﴿سالت ابی الحسن علی بن محمد بن رضا ما بال القرآن لا یزداد علی النشر والدرس الا غضاضة؟ قال ان اللہ تعالیٰ لم یصلہ لزمان دون زمان ولا لئاس دون ناس، قہو فی کل زمان حلید و عند کل قوم غص الی یوم القیامہ﴾ ”ایک شخص نے امام علی الہادی علیہ سلام سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم کے جتنے درس ہوتے ہیں یہ اتنا ہی زیادہ نشر ہوتا ہے اس میں اتنی ہی تازگی پیدا ہوتی ہے تو امام نے فرمایا خداوند متعال نے قرآن کریم کو کسی خاص زمانے کیلئے ہی نہیں بنایا اور نہ ایک گروہ کو چھوڑ کر دوسرے گروہ کیلئے بنایا ہے بلکہ یہ ہر زمانے میں تازہ ہے اور ہر قوم کیلئے نیا ہے۔“ (الندوہ ش ۵ ص ۳۲۲)

۲۶۔ قرآن کے حوالے سے لوگوں کی تقسیم بندی

﴿وَعَنِ الصَّادِقِ عَنْ ابَانَ بْنِ تَغْلِبٍ قَالَ: النَّاسُ أَرْبَعَةٌ: رَجُلٌ أُوتِيَ الْإِيمَانَ وَلَمْ يُوْتِ الْقُرْآنَ، أَيْ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ لَكِنَّهُ لَا يَحْمِلُ الْمَعْرِفَةَ الْقُرْآنِيَّةَ، وَرَجُلٌ أُوتِيَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يُوْتِ الْإِيمَانَ، أَيْ لَيْسَ لَدَيْهِ الرُّوحِيَّةُ قُرْآنِيَّةٌ فَهُوَ يَمْتَلِكُ ثِقَافَةَ الْقُرْآنِيَّةِ وَرَجُلٌ أُوتِيَ الْقُرْآنَ وَأُوتِيَ الْإِيمَانَ، وَرَجُلٌ لَمْ يُوْتِ الْقُرْآنَ وَالْإِيمَانَ، أَمَّا الَّذِي أُوتِيَ الْإِيمَانَ وَلَمْ يُوْتِ الْقُرْآنَ فَهُوَ كَمَثَلِ الثَّمَرَةِ طَعْمُهَا حُلُوٌّ وَلَا رِيحُ لَهَا، وَرَجُلٌ لَمْ يُوْتِ الْقُرْآنَ وَالْإِيمَانَ فَهُوَ كَمَثَلِ الْأَمْرِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَأَمَّا الَّذِي أُوتِيَ الْقُرْآنَ وَالْإِيمَانَ فَهُوَ كَمَثَلِ الْإِنْتَرِجَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَأَمَّا الَّذِي لَمْ يُوْتِ الْإِيمَانَ وَلَا الْقُرْآنَ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحُ لَهَا﴾ ”ابان بن تغلب نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا آپ نے فرمایا لوگ چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جنہیں ایمان تو دیا ہے لیکن قرآن نہیں دیا۔ یعنی وہ مومن ہیں لیکن قرآن کی معرفت نہیں رکھتے اور انکا ایمان قرآن سے ماخوذ نہیں۔ دوسرے وہ ہیں جنہیں قرآن تو دیا ہے لیکن ایمان نہیں دیا یعنی وہ قرآن کو تو سمجھتے ہیں لیکن ان کے اندر روح قرآن نہیں ہے۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہیں قرآن بھی ملا ہے اور ایمان بھی اور اسی طرح چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں نہ ایمان میسر ہے اور نہ ہی قرآن، جن لوگوں کو ایمان دیا ہے اور قرآن نہیں ان کی مثال اس پھل کی سی ہے کہ جسکا ذائقہ تو میٹھا ہے لیکن اس میں خوشبو نہیں ہوتی۔ جنہیں قرآن دیا ہے اور ایمان نہیں انکی مثال اس پھل جیسی ہے جسکی خوشبو تو اچھی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جنہیں قرآن اور ایمان دونوں ملے ہیں انکی مثال اس پھل کی مانند ہے جسکی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی۔ اور جنہیں نہ ایمان ملا ہے اور نہ ہی قرآن انکی مثال حوصلہ جیسی ہے۔ جسکا ذائقہ کڑوا ہے اور اس میں خوشبو بھی نہیں۔

(الندوہ شمارہ ۶ صفحہ ۶۲)

قرآن کو مرجع و ماخذ قرار دینے کے حوالے سے کسی کے ذہن میں یہ دوسوہ پیدا ہونے نہ پائے کہ یہ بھی تحریک قرآنیوں کا ایک تسلسل ہے جو سرسید احمد خان سے شروع ہوتے ہوئے غلام احمد پرویز اور ان کے

بعد ان کے شاگردوں تک جاری ہے کیونکہ ان کی تحریک قرآن سنت رسول کو شریعت سے بے دخل کرنے کی خاطر تھی وہ اس طرح سے شریعت اسلام میں ایک خلاء اور نقص پیدا کر کے مغربی الحاد اور ان کے عزائم کو شامل کر کے دین اکبری کو دین الہی بنا کر پیش کرتے تھے۔ جبکہ ہم قرآن کے حکم کے مطابق

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ﴾ یا ﴿وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

حدیث معتبر و مستند کو شریعت اسلامی کی دوسری جلد سمجھتے ہیں لیکن وہ حدیث جو قرآن کے خلاف ہو وہ پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے فرامین کے مطابق مردود ہے کیونکہ قرآن کے مطابق پیغمبرؐ اور آئمہؑ قرآن کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتے۔ پیغمبرؐ و آئمہؑ و اصحاب قرآن کی وضاحت، تفسیر و توضیح کر سکتے ہیں لیکن قرآن کے مقابل خود سے کوئی احکام نہیں بنا سکتے۔

آئمہ سے مروی احادیث کی صحت کی کسوٹی ”قرآن“

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل تشیع اور اہل سنت والجماعت کے محققین و علماء اپنی احادیث کی کتب میں ایسی کثیر احادیث پائے جانے کا اعتراف کرتے ہیں جو دشمنان اسلام، علمائے یہود، منافقین اور اہل غلو و غیرہ کی طرف سے جعل کی گئیں ہیں حتیٰ آئمہ طاہرینؑ سے منسوب ایسی کتب موجود ہیں جن کی کوئی سند نہیں بطور مثال کتاب ”اسرار آل محمد“ جو آئمہ کی شان میں غلو سے پر خطبات و روایات پر مشتمل ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ نے اپنے دور میں ہمیں ان جعلی اور خود ساختہ روایات سے نجات دلانے کیلئے بڑے واضح اور آشکار بیان میں ایک کسوٹی کی طرف مبذول کیا ہے۔

کتاب الندوہ جلد ۷ صفحہ ۱۹۵ میں بحوالہ علامہ مجلسیؒ

هذا يضع الامام الصادق (ع) خطا بيانيا في تقويم ما روى عنهم (ع) من

الاحادیث مکان مما قاله: ((لا تقبلوا علينا حلیثا الا ما وافق القرآن---- فانا ان حلیثا حلیثا بموقفة القرآن)) وقال (ع) ((ما خالف کتاب اللہ فهو زخرف)) وقال (ع) ((ما جاءکم من حلیث من یراوا فاجر ضوہ علی کتاب اللہ فما وافق کتاب اللہ فخلوہ وما کالف کتاب اللہ فخلوہ لان کتاب اللہ هو الکتاب الذی لا یتبطل الباطل من بین یدیه ولا من خلفه))

بجاء انوار جلد ۲ باب ۲۵ حدیث ۶۲ جو کہ امام جعفر صادق سے مروی ہے اس میں امام فرماتے ہیں ”ہماری طرف سے کوئی ایسی حدیث قبول نہ کرنا جب تک وہ قرآن کریم سے موافقت نہ رکھتی ہو اگر ہم کوئی بات کرتے ہیں تو قرآن کے مطابق کرتے ہیں پھر فرمایا جو بات کتاب خداوند متعال کے خلاف ہو وہ زخرف ہے اگر کوئی نیک اور اچھا صحابی یا جھوٹا و فاجر ہماری طرف سے کسی ایسی حدیث کو نقل کرے تو تمہیں چاہیے کہ دونوں کو کتاب خدا کی طرف نسبت دو اور جو حدیث کتاب خدا کی خلاف ہو اسے چھوڑ دو کیونکہ صرف تنہا کتاب خدا ہی وہ کتاب ہے کہ نہ تو جس کے آگے سے اور نہ ہی پیچھے سے کوئی باطل کنندہ اس میں داخل ہو سکتا ہے۔“

بعض مسلمان تنہا احادیث کو کل اسلام سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم نے قرآن کو اس لئے قبول کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ جس طرح بعض لکیر کے فقیر علماء دانشور یا سادہ لوح قرآن کے بارے میں سوچتے ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں اگر ایسا ہوتا تو قرآن کا حشر بھی حدیث جیسا ہوتا۔ قرآن نے کہا مجھے خدا کی طرف سے لانے والے خدا کے نبی برحق ہیں جو اپنے دعویٰ میں صادق ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم کلمات افتتاحیہ طیبہ

یہ وہی کلمہ طیبہ ہے جسے خالق انسان نے سورہ علق میں پڑھنے کا حکم دیا ہے:

﴿اقراء باسم ربك الذي خلق﴾ ”(اے رسول) پڑھیے! اپنے پروردگار کے نام سے جس نے خلق کیا۔“ سورہ محمد / ۱۹ میں سمجھنے کا حکم دیا: ﴿فاعلم انه لا اله الا الله﴾ ”پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“ جس کی حقانیت پر سورہ آل عمران / ۱۸ میں خدا، ملائکہ اور صاحبان علم نے گواہی دی: ﴿شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم﴾ ”اللہ نے خود شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی طرح فرشتوں اور اہل علم نے بھی یہی شہادت دی۔“ سورہ یونس / ۹۰ میں ذکر ہے کہ منکرین نے ہلاکت کے وقت کہا: ﴿حسى اذا مر به العرق قال امننت انه لا اله الا امننت به بتوا اسر ائيل﴾ ”یہاں تک کہ فرعون غرق ہونے لگا تو کہنے لگا: میں ایمان لے آیا کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لے آئے۔“ اور سورہ انبیاء / ۸۷ میں ذکر ہے کہ مخلصین نے امتحان و آزمائش کے موقع پر کہا: ﴿قنادى قى الظلمات ان لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظلمين﴾ ”چنانچہ وہ اندھیروں میں پکارنے لگے: تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ یقیناً زیادتی میری طرف سے ہوئی ہے“

خداوند متعال سے دعا ہے ہمارے پیارے رؤف وہربان والدین جو زندہ ہیں انکے ایمان اور توفیقات میں اضافہ فرمائے اور جو کوچ کر چکے ہیں انھیں اپنی رحمت و رضوان میں جگہ عطا فرمائے جب بولنے کے لئے ہماری زبان کھلی تو انہوں نے ہی یہ کلمہ طیبہ ہمیں سکھایا، اس کو دہراتے ہی ہم دوہرے مسلمان ہوئے ایک اس

حدیث شریف کے تحت ”کہ ہر مولود اپنے والدین کے تابع ہے“ ہم اپنے مسلمان والدین کے تابع تھے اور جب انہوں نے یہ کلمہ ہم سے پڑھوایا تو اس کی وجہ سے ہم دوبارہ مسلمان ہوئے، اس کلمہ کو احادیث شریف میں مختلف ناموں سے بیان کیا گیا ہے جیسے کلمہ اخلاص، کلمہ احسان، کلمہ دعوت حق، کلمہ عدل اور کلمہ طیبہ وغیرہ اور اسی کے بارے میں سورہ فاطر آیت ۱۰ میں فرماتے ہیں:

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ ”پاکیزہ کلمات اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں

اور عمل صالح انہیں بلند کرتا ہے۔“

دنیا میں یہ کلمہ ”کلمہ تقویٰ“ ہے:

﴿فَإَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا

وَأَهْلُهَا﴾ ”اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنا سکون نازل فرمایا اور انہیں تقویٰ کے اصول پر

ثابت رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق تھے“

(فتح/۲۶)

اللہ کا کلمہ ہی بلند رہے گا:

﴿كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ ”اور اللہ کا کلمہ تو سب سے بالاتر ہے“ (توبہ/۴۰)

آخرت میں جہنم سے رہائی کے لئے یہی کلمہ ”کلمہ باقیہ“ ہے اور اسی کلمہ طیبہ کے بارے میں مولا امیر المومنین کا ایک فرمان سید شریف الرضیؒ نے کتاب شریف نہج البلاغہ خطبہ ۲ میں نقل کیا ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

”میں اس کلمہ طیبہ کے اخلاص پر یقین رکھتا ہوں، جب تک زندہ ہوں اس پر پابند رہوں گا کیونکہ

یہ کلمہ نیکی اور حسنات کو ہم تک پہنچانے کا دروازہ ہے، رب کریم کی خوشنودی کا موجب ہے

اور شیطانِ رجیم کی دوری کا سبب ہے۔ اسی طرح اس رب کریم کے محبوب و برگزیدہ بندے محمدؐ کی

نبوت و رسالت کی گواہی دیتا ہوں جسے اس نے واضح علامات اور نشانیوں والے دین کے ساتھ

مبعوث کیا اور اس کے ساتھ ایک ایسی کتاب بھیجی جو ضبطِ تحریر میں ہے، نور و روشنائی کے لحاظ سے

بے نظیر ہے، اس کے بیان واضح و روشن ہیں اور یہ کتاب ملحدین و شرکین اور معاندین کے شبہات کے دفع کے لئے دندان شکن ہے، نبوت و رسالت اور دین کی حقانیت کے بارے میں واضح و روشن کواہ ہے۔ جس وقت دین کی رسی کے ٹکڑے ہو چکے تھے، یقین کے ستون متزلزل ہو گئے تھے، مخلوق پر اگندہ و منتشر تھی، نہ داخل ہونے کا راستہ تھا نہ نکلنے کا، ہدایت کے چراغ بجھ چکے تھے، بے بصیرتی چھائی تھی، خداوند متعال کے احکام کا کھلے عام عصیان ہوتا، شیطان کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے راستے پر چلتے اس کی ہر قسم کی مدد کرتے اور اسی کے چشمے سے پانی پیتے تھے، اس کے جھنڈے بلند تھے، حق کے جھنڈے سرنگوں اور اہل حق پاؤں تلے روندھے جاتے تھے اس وقت آپ کو مبعوث فرمایا۔“

ادب و سیرتِ مؤلفین و مصنفین کی تائسی کرتے ہوئے اپنی اس ادنیٰ کوشش اور اس میں موجود مضامین کو ضبط تحریر میں لانے کے اسباب و وجوہات کو ان کلماتِ افتتاحیہ میں بطور خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ قارئین کرام اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے اس کے مضامین سے کچھ حد تک آشنا ہو سکیں۔ مذہبِ شیعہ خداوند متعال کی وحدانیت کے اعلیٰ و ارفع مصادیق پر آگاہی اور بصیرت کے ساتھ یقین محکم رکھتے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کی نبوت و رسالت کی خاتمیت پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہے اور ان کے اس دارِ فانی کو چھوڑنے اور دارِ رضوان کی طرف چلے جانے کے بعد ان کی عترتِ پاک کی تائسی و پیروی کو اپنے لئے باعثِ شرف و افتخار سمجھتا ہے۔ یہ وہ ذوات ہیں جن پر امتِ اسلامی میں عصرِ نبوی سے لیکر عصرِ حاضر تک تمام مسلمانوں کے فرقے صلوٰۃ و درود بھیجتے ہیں اور مختصری اہانت و جسارت کو نبی کریمؐ کے حق میں جسارت سمجھتے ہیں۔ انھیں عترتِ پاک کے آثارِ باقیہ میں سے اس وقت ہمارے درمیان دو جامع اور انمول نمونے موجود ہیں۔ ایک کتاب بنام ”نہج البلاغہ“ ہے جو توحیدِ خداوندی کے دقیق و باریک بین بیان، اصولِ حکومت و جامعہ شناسی میں امتِ اسلامی کے لئے ایک بے نظیر مہدروماخذ ہے۔ دوسری کتاب ”صحیفہ سجادیہ“ ہے جس میں بندہ عاصی و نافرمان سے لے کر اولیاء اللہ تک کی خدا سے راز و نیاز کرنے کی اعلیٰ و ارفع تعبیرات

موجود ہیں۔

قرآن کریم اور اس کے حامل نبی رحمت کی ختم نبوت پر ایمان رکھنے اور ان کی عزتِ پاک کی تائسی کرنے والے یہ لوگ ایک عرصہ سے بہلوت، قادیانیت، آغا خانیت، نصیریت اور دیگر داخلی و بیرونی لادینی قوتوں اور اہل غلو کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان کے قومی اور مذہبی مقدرات کے انجام و انصرام کی کلید بھی انہی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جس کی وجہ سے اس مذہب کو ناقابلِ جبران و تلافی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ ان افراد کو جو قیمتی مکتب ورثہ میں ملا تھا اس کے ساتھ انکی غارت گری کی مثال ایسے ہی ہے جیسے برطانیہ نے اپنی نوآبادی مستعمرات سے جواہرات اور قیمتی اشیاء غارت میں لیں۔ اسی طرح اس مذہب پر قابض گروہوں نے نبی کریمؐ اور اہلبیت اطہارؑ سے ملے ہوئے ورثے کو لوٹا اور اس کے بدلے میں انہیں خرافات، فرسودگی اور کفر و الحاد کی وہ باتیں سکھائیں جو پہلے مشرکین اور اہل کتاب انبیاء کے خلاف کہتے تھے۔ یہ غارت گری اس وقت اپنے عروج کو پہنچی جب مذہب کے بنیادی سرمایہ کو ان سے چھیننے کے بعد اس کے بارے میں وہی بات کہنے لگے جو مشرکین اس وقت قرآن کے بارے کہتے تھے کہ یہ (قرآن) شعر ہے۔ عمامہ و قبائیں ملبوس اور وزنی القابات کو اپنانے والوں نے اس قرآن کو قصیدہ اہلبیت کہہ کر دیگر اہانتوں کے ساتھ حدیث ثقلین کو بھی نظر انداز کیا جس میں پیغمبر اکرمؐ اور خود اہلبیت نے قرآن کو امام الانبیاء و المرسلین کہا ہے۔ انھوں نے پہلے مرحلہ میں اس پر عمل کرنے سے روکا اور دوسرے مرحلہ میں کلام خدا ہونے سے انکار کیا۔ تیسرے مرحلہ پر اس پر غور و فکر کرنے سے روکا اور کہا یہ ناقابلِ فہم کتاب ہے، چوتھے مرحلہ پر سیاسی و اجتماعی شخصیات، صاحبانِ شہرت کے بچوں کو قرآن سیکھنے سے محروم رکھا، پانچویں مرحلہ پر دین و مذہب سکھانے والی درس گاہوں میں اسے داخل ہونے سے روکا۔ غرض اس کتابِ عظیم کے ساتھ تمام تر ظلم و جنایت ہوتے ہوئے دیکھ کر مذہب کے علمائے اعلام کے بال تک نہ ہلنے کے آثار دیکھنے میں آئے۔ میں جب سورہ فرقان کی آیت ۳۰ پڑھتا ہوں کہ قیامت کے دن پیغمبر اکرمؐ بارگاہِ رب العزت میں یہ شکایت کریں گے:

﴿وقال الرسول يارب ان قومي اتخذوا هذا القرآن مهجورا﴾ ”اور رسول کہیں گے: اے

پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو واقعی ترک کر دیا تھا“

تو خوف زدہ ہو جاتا ہوں چنانچہ قرآن کریم کے ساتھ روارکھی جانے والی ان نا انصافیوں اور ناروائیوں کے خلاف چند دن اپنے ذہن و قلم کو حرکت میں لایا تا کہ قرآن کریم سے ہونے والی ان ظلم و زیادتیوں کے خاتمے کی خاطر اپنی بساط کے مطابق ذمہ داری نبھانے کی کوشش کروں۔ شاید امت اسلامی کے بہت سے مخلص اور متقی و دیندار لوگ اس راہ میں ہمارے ہم سفر ہو جائیں۔ اور اس طرح اُن کے ساتھ ساتھ ہماری بھی اس شکایت کی زد میں آنے سے بچنے کی امید پوری ہو جائے۔ اگر میری یہ تحریر حق و صدق پر مبنی ہے تو صاحب کتاب اور حامل کتاب مجھے اپنے قہر و غضب سے مستثنیٰ فرمائیں گے اور اجرِ عظیم سے نوازیں گے جسے ہم اپنے اور اپنے والدین اور خدمت گزارانِ قرآن کی خدمت میں ہدیہ کریں گے۔ لیکن اگر ان سطور سے ہم نے صرف کچھ صفحات کو سیاہ کیا تو بندہ جاہل و نادان کی سیأت کو حسنات میں تبدیل کرنا اس کی رحمتِ واسع کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَمَیِّد

الحمد لله الذي جعلنا من المتمسكين بالقرآن العظيم وبنبيه و صفيه ونجيبه
وحبيبه سيدنا و امامنا و امام الانبياء و الائمة المعصومين محمد و عترته
الطاهرين صلواة الله و صلواة المصلين تبرأ من اعدائهم و اعداء الله اجمعين من
الآن الى قيام يوم الدين.

قرآن کریم خداوند متعال کا وہ کامل و دائم منشور ہے جسے ہر قسم کے گزند نسخ و تحریف سے مصون و محفوظ رکھنے کی ضمانت خود اسی ذات نے اس کتاب کی متعدد آیات میں دی ہے۔ یہ کتاب آخری کتاب ہونے کے حوالے سے تمام کتب آسمانی کے حقائق کی حامل اور ان میں موجود کمی و نقص کی تکمیل ہے۔ اسی طرح بشریت کو آئندہ درپیش مسائل و مشکلات کے حل کی بھی حامل ہے۔ اس کتاب کو صاحب کتاب نے انسانیت کے سیاسی، اجتماعی، اقتصادی اور ثقافتی امراض کے لئے مرہم و شفا بنا کر رسالت الوہیت سے فرشِ عبودیت پر بسنے والوں کے لئے نازل فرمایا ہے، لیکن کس کے توسط سے؟ اس کے توسط سے جس کی صفت میں اس نے اپنی کتاب میں ”نبی امین و کریم“ صاحبِ جو دو سخا، ”رحمة العالمین“ کہا ہے جس سے اس ذات نے کہا ”اور عنقریب

آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے“ (ضحیٰ/۵) جس سے اس نے کہا ”امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا“ (اسراء/۷۹) جس کے بارے میں فرمایا ”شفیع المذنبین“ یعنی صاحب شفاعت کبریٰ۔ اس نبی نے قیامت کے دن پیش آنے والے حالات کو اس کتاب کی متعدد آیات کے ذریعے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ لَكُمْ لَازِلَةٌ السَّاعَةُ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُنْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَهُمُ بِسُكْرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾ ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو؛ کیونکہ قیامت کا زلزلہ بڑی (خوفناک) چیز ہے۔ جس دن تم دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی (ماں) اپنے شیر خوار بچے کو بھول جائے گی اور تمام حاملہ عورتیں اپنے حمل گرا بیٹھیں گی اور تم لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہوگا“ (حج/۲۱)

اس دن باپ بیٹے سے فرار کرے گا، کسی کی شفاعت فائدہ مند نہیں ہوگی نہ اولاد کام آئے گی نہ ہی مال و دولت، ہر شخص یاس و ناامیدی، حسرت و ندامت اور خسارہ کی حالت میں زندگی اور موت کے درمیان سربہ زانو ہوگا۔ اُس وقت اس قرآن کے حامل اس قرآن کے داعیٰ محشر میں اس قرآن کو بھور و متروک اور نظر انداز کرنے والوں کے خلاف ان کلمات میں درگاہ خداوندی میں شکایت فرمائیں گے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ انْصُرْنِي﴾ ”اور رسول کہیں گے: اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو واقعی ترک کر دیا تھا“

(فرقان/۳۰)

نمی دانم! اس گروہ کے بارے میں دل سوزی اور ان کی ہدایت کے بارے میں حرصِ شفقت اور ان کی نافرمانی اور بے ادبی پر خدا سے عفو و درگزر کی درخواست کرنے والے نبیؐ کے دل سے اس دن رحمت کہاں گئی ہوگی۔ جب وہ اس کی بارگاہ میں شکایت کریں گے کہ میری اس قوم نے نور و بصیرت کے بدلے میں ظلمتِ رحمتِ شفا

کے بدلے میں قیمت و مصیبت کو اپنایا اور ماعین کے بدلے میں پیاس اور سرگردانی کا انتخاب کیا۔ اسی طرح ہدایت کے بدلے میں ضلالت و گمراہی کو اپنایا۔ پیغمبر کی یہ شکایت جو اس آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ کافرین و ملحدین کے خلاف تو شکایت نہیں کریں گے کیونکہ وہ آپ کی قوم نہیں اور نہ منافقین کی شکایت ہوگی کیونکہ سورہ منافقون کے تحت جو آپ کی رسالت کو نہیں مانتے وہ بھی آپ کی قوم نہیں۔ یہ دونوں گروہ تو ہمیشہ آپ اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کو صفحہ ہستی اور اذہان انسانی سے مٹانے پر تلے رہے اور اس کیلئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لہذا یہ واضح ہے کہ آپ کی شکایت امت اسلامی سے متعلق ہوگی جو آپ کی نبوت و رسالت کے معتقد اور دعوے دار ہوتے اور اس کتاب کو خدا کی کتاب ہونے اور اس کی عظمت و بزرگی اور بابرکت ہونے کے معتقد تھے جو ایک طرف تو اس کو بوسہ دینے والوں میں تھے لیکن دوسری طرف اس کے دستور کو ٹھکرانے والوں میں بھی شامل تھے۔ اس کتاب کو دستور حیات مانتے تھے لیکن اپنی عملی زندگی میں میکاؤلی کی سیاست، مارکس کی دین دشمنی، ہٹلر کی انسان دشمنی اور مغربیت کی اسلام دشمنی میں لکھی گئی کتب و مجلات کو دقت سے پڑھتے اور ان کے پیرایوں پر حاشیہ لگاتے تھے۔ یہ شکایت خصوصاً امت کے اُس گروہ کے خلاف بھی ہوگی جنہیں علمائے اسلام کہا جاتا تھا جو خود کو محافظِ دین سمجھتے تھے اور اپنے علاقے اور دور میں خود کو آپ کا خلیفہ اور جانشین سمجھتے۔ انہیں جب تقریر و بیان کا موقع ملتا تو خود ساختہ جھوٹے اور من گھڑت قصے کہانیوں، خوابوں اور علماء و مجتہدین کے مذاہبہ جملات سے محفل کو رونق بخشتے تھے۔ اگر کسی وقت مشکل و پیچیدہ مسائل پیش آتے تو ان کی سند کے لئے تاریخ کے نوابغ شعرائے کرام، دیبر و انیس، غالب و سعدی، حافظ و اقبال کے شعر پیش کرتے لیکن سہواً بھی آیاتِ قرآنی سے استدلال و سند پیش نہیں کرتے۔ وہ علماء ہونگے کہ جنہیں رب غفور و کریم نے یہ توفیق عنایت کی کہ وسیع و عریض، بلند و بالا مدرسے کی عمارتیں کھڑی کریں اور کثیر تعداد میں ملک کے گوشہ و کنار سے معارفِ علوم اسلامی کے تشریف یافتہ علماء و عرفاء میں زندگی گزارنے کا شغف رکھنے والے جب ان کی شاگردی کا شرف حاصل کر کے ان کے سامنے تلمذِ زانو ہوئے اپنے دل اور پورے وجود کو سماعت بنا کر ان (استاد) سے معارفِ اسلام سننے کے

لئے اپنے ذہن و قلب کے بٹن کو آن کیا اور شوق و رغبت و انہماک سے استاد محترم کی طرف متوجہ ہوئے تو استاد گرامی نے ابن مالک، سیبویہ، خلیل اور ابن حاسب کے نظامِ تکلم کو سکھایا اور ادب میں متنبی اور امراء القیس کے اشعار سکھائے اور فکر کی پالش کے لئے ارسطو، فارابی اور تفتادانی کی منطق سکھائی، دورِ حاضر کے جدید معاشرے میں انسانی زندگی کو درپیش مسائل کے حل کے لئے چار پانچ سو صدیوں پہلے لکھے گئے فقہ اور اصول فقہ سکھائے۔ اسی طرح جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ان مدارس سے معارفِ اسلامی سے خالی ذہن، فارغ التحصیل ہونے والوں کے حصولِ روزگار کے لئے انگریزی زبان اور کمپیوٹر کے کورس وغیرہ کا بھی اہتمام کیا۔ غرض سب کچھ کیا لیکن جس کو نصاب میں شامل نہیں کیا وہ تنہا قرآن کریم تھا۔ یقیناً پیغمبر اکرمؐ کے دل کو ناراض و شکستہ کرنے، دکھ و درد اور غم و غصہ سے بھرنے اور مہجوریتِ قرآن کی مصداقِ جلی امت کی یہی مقتدرہ ستیاں ہونگی۔ البتہ امت کے دیگر گروہ جو خدا کی وحدانیت، پیغمبر کی ختم نبوت اور قرآن کریم کی جاویدیت اور کتابِ ہدایت ہونے کے معتقد ہیں وہ افراد بھی مختلف زاویوں سے اس شکایت میں شامل ہونگے۔

قرآن نے دو کتابوں کو جامع اور واضح و روشن شمار کیا ہے ان میں سے ایک خود قرآن کریم ہے اور دوسری وہ کتاب ہے جو آخرت میں خلاق کو ملے گی جسے نامہ اعمال کہتے ہیں۔ سورہ یٰسین میں اس دوسری کتاب کو کتابِ مبین کہا گیا ہے ان دونوں میں چندین لحاظ سے مشابہت و مطابقت اور گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں رابطہ خود انسان ہے ہم ان پہلے دونوں میں موجود نکاتِ مشابہت و مطابقت کو پیش کرتے ہیں:

۱۔ **دونوں جامع اور مکمل ہیں:** ان میں کسی قسم کا نقص و کجی نہیں ہے۔ قرآن کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں ہر خشک و تر اور ہر چیز کا بیان موجود ہے اور اس دن کی کتاب کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ ہر چیز کو ہم چُن چُن کر اس میں شامل کریں گے چاہے وہ دانہ خردل کے برابر ہو۔ ایک جگہ فرمایا کہ ہم درحقیقت پہلے سے ہی اس کی نسخہ گیری کر رہے تھے۔

۲۔ **قرآن ناطق بالحق ہے:** قرآن حق بات کرنا ہے اسی طرح کتابِ آخرت کے بارے میں بھی ہے کہ

یہ کتاب حق کے بارے میں بات کرے گی۔

۳۔ جس نے جہاں سے کتاب لی ہے آخرت میں بھی اسی زاویے سے کتاب لیں گے۔ جس نے قرآن کو مبارک ہاتھوں سے لیا اور اس پر وہ خرم و خرسن رہے تو آخرت میں بھی وہ انہی ہاتھوں سے کتاب لیں گے۔ جس نے دنیا میں غلط لوگوں سے کتاب لی ہے انہیں وہاں (آخرت میں) انہی غلط لوگوں سے کتاب ملے گی۔

۴۔ یہ کتاب تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کی دعوت دیتی ہے۔ لہذا جنہوں نے تعلیماتِ قرآنی کے مطابق نیک اعمال میں دوسروں پر سبقت لے جانے اور آگے رسبنے کی کوشش کی اور اپنے اعمال میں قرآن کو آگے اور مقدم رکھا انہیں آخرت میں نامہ اعمال بھی مقدم دیئے جائیں گے اور جس نے دنیا میں اس کتاب کو پیچھے چھوڑ کر گمراہ و ضلالت کنندہ کتب کی صحبت اختیار کی اسے آخرت میں بھی عقب سے کتاب دی جائے گی۔

۵۔ قرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہ کتاب ہمارے پاس پوشیدہ تھی اور آخرت کی کتاب کے بارے میں فرمایا تمہارے اعمال اس میں پوشیدہ رکھے تھے۔ اور اب یہ نکل کر دکھائے جائیں گے۔

۶۔ اگر اس قرآن نے ہمارے اندر نفوذ کیا ہے تو آخرت میں بھی یہی ہمارے اندر سے کتاب کا نسخہ بن کر نکلے گا اور اگر ہمارے اندر کسی اور کتاب نے نفوذ کیا ہے تو آخرت میں وہی کتاب نکلے گی۔

۷۔ جس طرح ہمیں اس کتاب کی تلاوت کرنے اور غور کرنے کا حکم دیا گیا ہے بالکل اسی طرح آخرت میں بھی ہمیں نامہ اعمال پڑھنے کا حکم ہوگا۔

۸۔ جس طرح خداوند عالم نے اس کتاب کو ﴿لاریب فیہ﴾ فرمایا ہے اور یہ ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے اسی طرح کتاب آخرت کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ تم خود پڑھو اور خود فیصلہ کرو۔

۹۔ جس طرح دنیا میں قرآن کے حوالے سے ہمارے اجتماع مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اسی طرح اس کتاب کے حوالے سے اہلِ محشر مختلف حصوں میں بٹ جائیں گے جس کا ذکر سورہ واقعہ، سورہ

اسراء، سورۃ الحاقہ، اور سورۃ الشقاق میں بیان ہوا ہے۔

۹-۱۔ اُن میں سے ایک گروہ اُن افراد پر مشتمل ہوگا جنہوں نے اس دنیا میں قرآن کو چھوڑ کر بائبل، ڈائجسٹ، کہانی و افسانے وغیرہ کو پڑھا ہوگا اور اُن پر عمل کیا ہوگا انہیں قرآن نے اصحابِ شمال کہا ہے۔ قیامت کے دن ان کو نامہ اعمال بائیں طرف سے ملیں گے تو وہ چیخ کر کہیں گے کہ کاش ہمیں یہ کتاب نہ دی جاتی اور ہم اس کتاب کے مضمون سے آگاہ نہ ہوتے، کاش ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہ ہوتے، یہ وہ گروہ ہے جو آج کل کے محاورہ کے تحت اسلام کے خلاف انتہا پسندی پر اتر ا ہے۔ اس کے مقابل ایک گروہ اسلام کا مخالف ہے لیکن اپنی مخالفت میں اعتدال کی راہ اپناتا ہے جسے موجودہ اصطلاح کے تحت دائیں بازو والے کہتے ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں مولانا امیر المومنینؒ نے فرمایا ہے: یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں۔

۹-۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس نے آخرت کا سرے سے انکار کیا ہے اور صرف دنیوی حیات میں مشغول رہا ان کو نامہ اعمال پیچھے سے دیئے جائیں گے۔

۹-۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے دنیا و مافیہا کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھا اور بقول امیر المومنینؒ اس گروہ کے افراد نے مال و دولت دنیا اور جاہ و حشمت کو ”بکری کی چھینک سے بدتر اور جوتے سے کم تر سمجھا اور حجت خدا قرآن و انبیاء اور ائمہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم ہوا۔ اس گروہ کا قرآن نے اصحابِ یمن کے نام سے ذکر کیا ہے انہیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ یہ اہل محشر کو پکار کر دعوت دیں گے کہ آؤ ہماری کتاب پڑھو ہمیں یہی توقع تھی۔ مزید اقسامِ مجہوریت ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

ہماری مکتوبات کے بارے میں نگارشات

بعض علماء دانشمندان جنہیں ہم علم و فکر حوالے سے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے اذہان شریف میں دین و مذہب سے زیادہ وحدت ملت کے بت نے جگہ بنائی ہے وہ ہماری مکتوبات کے بارے میں چند تنقیدی نقطہ نظر رکھتے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ مذہب سے متعلق کوئی چیز تحریر میں لانے سے پہلے اسے بزرگان قوم ارباب حل و عقد کے علم میں لانا چاہیے اور اپنی تجاوزات ان تک پہنچانا ضروری ہے کیا آپ نے یہ فریضہ ادا کیا ہے؟ اس سلسلے میں گزارش ہے اگر یہ ممکن ہوتا کہ ہماری اعتراض سنی جاتیں تو ہم اتنی مخالفت مول نہ لیتے۔ جبکہ بزرگان قوم تک ہماری رسائی ناممکن ہے بلکہ اونٹ موسیٰ کے سوراخ سے گزارنے کے مترادف ہے۔ اگر ہمارے بزرگان کے گھر مولا علی علیہ السلام کے گھر سے مشابہت رکھتے جہاں ہر فقیر و حقیر کو بات کرنے کا موقع ملتا تھا تو شاید آپ کے اعتراض کی نوبت نہ آتی۔

۲۔ اردو املاء، ادبی نقص:

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ بعض حضرات مجھے پہنچاتے ہیں اور بعض شاید نہ پہنچاتے ہوں تو عرض ہے کہ میرا تعلق بلتستان سے ہے میں بلتی ہوں اس تعارف کو میں اپنے لئے نہ بدبختی سمجھتا ہوں اور نہ ہی سعادت۔ خداوند عالم نے آدم صفی اللہ کو مٹی سے خلق کیا مجھ حقیر کو بھی مٹی سے خلق کیا۔ زمین و زبان میں نہ کوئی افتخار ہے نہ ہی کوئی نقص۔ اردو زبان نہ میری مادری زبان ہے نہ ہی تعلیمی۔ میرے دل میں معارف دینی یا اس ملت اسلامیہ پر گزرنے والے حالات کے بارے میں جو کچھ مواد ہے اسے صفحہ قرطاس پر لانے کی مثال اس عورت کی مانند ہے جو بچہ تو پیدا کرتی ہے لیکن لباس اسے دوسرے افراد پہناتے ہیں اسی طرح ہمارے چند محسن برادران جو اپنے فارغ اوقات میں ہمارے پاس تشریف لاتے ہیں انہیں میں املا دیتا ہوں تا کہ کم

از کم ۵۰ فیصد مطالب قارئین تک پہنچ جائیں۔ البتہ یہ برادران اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرتے ہیں لیکن ان میں کوئی دانشور یا اردو ادب میں سند یافتہ نہیں ہے۔ سند یافتہ افراد تک ہماری رسائی نہ صرف ناممکن ہے بلکہ ہمارے ادارے کی استطاعت سے بھی باہر ہے۔ البتہ پھر بھی کوئی محسن اس سلسلے میں ہماری کتابوں کی تصحیح کرنے کی زحمت فرمانا چاہیں تو ہم اپنی دعا کے ساتھ حسب استطاعت ان کی خدمت بھی کریں گے۔

۳۔ کتابوں کا مہنگا ہونا:

بعض حلقوں کی طرف سے یہ شکایت سامنے آئی ہے کہ ہماری کتابیں مہنگی ہیں۔ ایک حوالے سے یہ شکایت حقیقت سے قریب ہے کیونکہ اکثر و بیشتر خریدار معاشرے کے تیسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ اونچے طبقے کے افراد اس سلسلے میں کوئی ذمہ داری نہیں اٹھاتے کیونکہ نہ تو انہیں دینی و مذہبی کتب کے مطالعہ کا شوق ہے اور نہ ہی انہیں تعلیمات اسلام و قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت سے کوئی غرض ہے۔ ہم نے کبھی بھی برادران اسلامی سے یہ درخواست نہیں کی کہ وہ کتابیں خرید کر پڑھیں بلکہ ہم نے ان کی خدمت میں ہمیشہ یہی درخواست کی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے کتابیں ضرور پڑھیں تا کہ معاشرے سے جہالت و فرسودگی کا خاتمہ ہو اور معاشرے کے تمام افراد پر حقائق واضح و آشکار ہوں جائیں۔ قارئین کرام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ آنکھ کان کھول کر اس ادارے اور اسکے چلانے والوں کے بارے میں صادقین سے پوچھیں کہ کیا اس ادارے کی کتابیں قیمت میں دوسرے اداروں کی کتابوں کے برابر ہیں یا ان سے مہنگی ہیں۔ ہم اس سلسلے میں یہ وضاحت کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہماری کتابیں اپنی طباعت اور کاغذ کے حوالے سے دوسرے اداروں کی کتابوں کی بہ نسبت بہت سستی ہیں اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارا ادارہ ابھی تک اپنے ذاتی مکان میں قائم ہے لہذا دفتر کے کرائے اور دیگر لوازمات کا بوجھ کتابوں پر نہیں پڑتا۔ شاید بعض اذہان میں یہ تصور ہو کہ یہ کتابیں مالِ خمس سے چھپتی ہیں۔ لہذا انہیں بہت سستا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں بھی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ادارہ نہ تو کسی سرمایہ دار کی اور نہ ہی کسی مجتہد کی سرپرستی میں چلتا ہے اور نہ ہی ہم نے کبھی خمس جمع کرنے کی تشہیر کی ہے۔ البتہ بعض دوست احباب مجھے سید سمجھتے ہوئے خمس کا کچھ حصہ دیتے ہیں لیکن ہمیں

اس ادارے کو چلانے کے لیے نہ تو کہیں سے خمس ملا ہے اور نہ ہی ہم نے کبھی اسکی کوشش کی ہے۔ لہذا خمس کی انتہائی قلیل رقم جو مجھے ملتی ہے اس سے کسی ادارے کو چلانا قطعاً ممکن نہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مشکل ترین حالات کے باوجود بھی اس کی توفیق و عنایت اور استعانت کے باعث دن رات ترجمہ و تالیف میں مصروف و مشغول رہ کر ابھی تک ادارہ چلا رہا ہوں۔ اور ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیم و تربیت اور کفالت کی ذمہ داریاں بھی نبھا رہا ہوں۔ قارئین کرام کی یہ بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ میرے حلقہ احباب سے استفسار کریں کہ میں کس سطح کی زندگی گزار رہا ہوں، پھر انہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے ادارے کی کتابیں مہنگی ہیں یا بہت سستی۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ہمارے بارے میں ملنے والی خبریں چاہے تعریف میں ہوں یا مذمت میں اس سے پہلے سورہ مبارکہ حجرات کی آیت نمبر ۶

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو“

کو ضرور پڑھیں۔ البتہ اسکا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں خود کو زاہد و معصوم پیش کر رہا ہوں بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نہ تو علم فروش ہوں اور نہ ہی دین فروش۔

۴: مخالفین کے لئے سند کا پیش کرنا۔ اس میں بعض اہل علم و دانش پیش پیش ہیں:

اس سلسلے میں بعض افراد میرے ایک عرصے سے حج بیت اللہ کے سفر کو سند پیش کرتے ہیں۔ گزارش ہے اس ملک میں تنہا ہم نہیں بلکہ بہت سے علماء اور مومنین ہم سے پہلے کئی سالوں سے اس فریضہ الہی کے لئے دیا ر مقدسہ کے حضور کا شرف حاصل کر رہے ہیں جیسے علامہ رضی جعفر غلام محمد امینی، سید حیدر موسوی، سید عباس صاحب، علامہ غلام علی وزیری وغیرہ جہاں تک میری بات ہے۔ اس بارے میں یہ بھی واضح کروں کہ میں کبھی تنہا سفر حج پر نہیں گیا بلکہ ہمیشہ کاروانوں کے ساتھ سفر کیا ہے۔ کاروانوں میں ایک دفعہ ہم حرمین شریفین کے ساتھ گئے ہیں جس کی سرپرست برادر نوازش ہیں جس میں ہمیں باعث فخر ساتھی علامہ مرتضیٰ زیدی نیر زیدی اور سید عبد اللہ شاہ ٹھٹھہ کے علاوہ بعض دیگر برادران کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ ایک دفعہ کاروان عمار یاسر میں زیر سرپرستی قبلہ مولانا ثقلین کاظمی اور قاضی شبیر علوی کے ساتھ رہے ہیں۔ باقی تمام سفر کاروان بلال

میں کیے ہیں جس کی سرپرستی جناب برادر دینوا کرتے ہیں جو ہمارے غصہ کو انتہائی تحمل سے برداشت کرتے آئے ہیں اور علامہ رضی جعفر اور علامہ غلام محمد امینی اس کے نگران ہیں میں کہاں کہاں جاتا تھا اور کس سے بات کرتا تھا اور وہاں میری کیا سرگرمیاں تھیں یہ افراد آپ کو معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہمارے ادارے کی طرف سے سیرت معصومین پر نشر ہونے والی کثیر کتب کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن یہ کہنا کہ ہماری کتابوں سے وہابیوں کو سند ملے گی یہ بات آپ کی انتہائی بے حسی کی نشانی ہے کیونکہ ایام عزائم میں جھنڈے سے چمٹ کر رونے گھوڑے کے کان میں حاجات مانگنے اس کے نیچے سے گزرنے خون چہرے پر لگانے اور خون پینے جیسے مناظر جو آج کل کے زمین اور فضاء میں نصب کیمروں میں ریکارڈ ہو کر منظر عام پر آرہے ہیں اور یہ خرافات گزشتہ چند سالوں سے ہماری بے وقوفی اور بے عقلی کا پرچار کر رہی ہیں۔ لہذا ان کے ہوتے ہوئے آپ کا یہ کہنا ہے کہ ہماری کتابوں سے سند ملتی ہے درحقیقت ان خرافات کو تحفظ دینا ہے۔ بلکہ جو سند آپ دے رہے ہیں اس پر غور کریں۔ ورنہ آخرت کے دن ندامت و پریشانی آپ کے شامل حال ہوگی۔ اسکے علاوہ ہم وہابی ہونے کی تہمت سے خوفزدہ نہیں کیونکہ وہابی مسلمان ہیں اگر مسلمان منافق بھی ہو تب بھی قرآن و سنت کی رو سے اسے مسلمان سمجھا جاتا ہے۔

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ امْتَاعَ لَمْ تَوْمَتُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾ ”عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم

ایمان لائے (اے رسول) کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ (یوں) کہو کہ اسلام لائے حالانکہ

ایمان کا تو ابھی تک تمہارے دلوں میں گزر رہا ہی نہیں۔“ (حجرات/۱۴)

مولا امیر المومنین علیہ السلام کے پیچھے چلنے والوں نے انہیں کافر کہا ہماری تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ لیکن جو افراد سیکولر اور لادینی طاقتوں کی حمایت کرتے ہیں وہ اپنے انجام کے بارے میں ضرور سوچیں۔

بعض قارئین کرام جنہیں ہم علم و فکر کے حوالے سے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ باتیں اپنی جگہ حقیقت رکھتی ہیں ہمارے معاشرے میں ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ باتیں حکمت سے لوگوں تک پہنچانی چاہیے۔ نہ کہ ایک کتاب کی صورت میں اسکی تشہیر کی جائے۔ کیونکہ اس طرح یہ باتیں ہمارے

دشمنوں تک بھی پہنچتی ہیں اور اس طرح انھیں ہمارے خلاف سند ملتی ہے۔ لیکن ان دو سالوں میں زنجیر زنی، چھوٹے بچوں کے سروں سے خون نکالنا، عاشورا محرم میں ڈھول دف بجانا اور اس جیسی خرافات جنہیں سی این این پر دکھا کر مذاق اڑایا جاتا ہے یہ سب ان کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ جناب آپ کا یہ نقطہ نظر عقلیت اور عدل و انصاف کے توازن سے باہر ہے۔ اگر کسی شخص کا بیٹا جرائم پیشہ ہو تو وہ انسان اسے کب تک چھپا کر رکھے گا۔ اسی طرح ان مسائل کو چھپانے میں کیا ہماری مصلحت ہے یا معاشرے کی مصلحت ہے۔ آپ اس حد تک تو متفق ہیں کہ معاشرے میں دین مسخ ہو رہا ہے خرافات پھیل رہی ہیں لیکن پھر بھی آپ اسکی مذمت کے خلاف ہیں تو پھر تشہیر کیے بغیر اس عمل کو روکنے کا کردار آپ خود ادا کریں یا ہمیں کسی ایسی حکمت عملی سے آگاہ کریں کہ جس سے دین میں مداخلت اور نئی بدعت گزاری کا سلسلہ ختم ہو سکے۔

ان بزرگان کی نظر میں دشمن سے مراد اس وقت اہل سنت والجماعت ہے یہ اپنی دشمنی کو صرف انھیں تک محدود سمجھتے ہیں ان کی نظروں سے دنیا کفر و استبداد کی اسلام کے خلاف تہمت تراشی پوشیدہ ہے یا اس پر انھیں کوئی درد و الم نہیں۔

۵۔ از خود مدرسہ کیوں قائم کرتے:

ایک بڑے گروہ کی طرف سے یہ سوال بھی اٹھا ہے کہ میں از خود مدرسہ قائم کیوں نہیں کرتا۔ درحقیقت انہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ مجھے ہمیشہ اپنے سوالات میں اشیر رکھیں۔ ورنہ انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ جو انسان اسلام و مسلمین سے متعلق کسی مسئلے کا درد رکھتا ہے، ضروری نہیں کہ اس کے پاس اس درد کی دوا بھی موجود ہو کیونکہ اگر اس کے پاس کسی مسئلے کے علاج کے لئے ضروری وسائل ہوتے تو وہ از خود ہی اسے حل نہ کر لیتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ ایسی صورت میں مسائل کی نشاندہی اور ان کا قابل عمل حل پیش کرنے سے بھی سبکدوش ہو جائے گا۔ میں اس درد مند انسان کی مانند ہوں کہ جو درد کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے میرے سر یا پیٹ میں درد کیوں ہے۔ ہمارا شکوہ و شکایت اس وقت بلند ہوتا ہے جب میں اپنے دین و مکتب سے متعلق ناروا اعتراضات و سوالات کو حملہ آور ہوتے دیکھتا ہوں اس وقت یہ سب کچھ میری برداشت سے

باہر ہو جاتا ہے۔ صرف مجھے ہی نہیں بلکہ ہر مخلص و ہمدرد اور درد دل رکھنے والے مسلمان کو یہ سوچنا چاہئے کہ آخر دین کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ دین کے محافظ و دیندار افراد ناتوانی کی زندگی گزار رہے ہیں آخر کب تک دین و مکتب کے مسائل کو بغیر حل کیے جوں کا توں رہنے دیا جائے۔ جس طرح اکثر لوگ مساجد بنا کر ضرر میں اضافہ کا باعث بن رہے ہیں میں بھی اسی طرح ایک مدرسہ بنا کر اس میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ایک مدرسہ قائم کرنے کے لئے ذلت برداشت کروں اور پھر آخرت میں درگاہ خداوندی میں اس کا حساب بھی دوں۔

۶۔ حالات کو جوں کا توں رہنے دیا جائے:

ہمارے بعض علماء اعلام اور فقہاء عظام کا یہ خیال ہے کہ اب تک دین و مکتب کی بقاء انکی دورانہدیشی، مصلحت شناسی اور حقائق سے چشم پوشی کی وجہ سے ہے۔ ان کے خیال میں انھی کے طفیل یہ دین و مکتب اب تک قائم و دائم ہے۔ جس طرح ماہر طبیب بعض مریضوں کو انتہائی نگہداشت کی جگہ پر رکھتے ہیں اسی طرح انہوں نے خرافات اور جعلیات کو دین حقیقی کی جگہ پر رائج کرنے کو وقت کی مصلحت و تقاضا قرار دیکر دین کو انتہائی نگہداشت میں رکھا ہوا ہے۔ ان کی نظر میں دین و مکتب اس لڑکی کی مانند ہے کہ جوانی شکل و صورت کے حوالے سے بد صورت ہے اور بڑی مشکل سے کسی کے ساتھ اسکا عقد نکاح ہوا ہے لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی۔ لہذا ایسی صورتحال میں اگر لڑکی والے لڑکے والوں سے کسی بھی مسئلے پر اختلاف کریں یا ان کی ناجائز شرائط نہ مان کر انہیں بہانہ تراشی کا موقع فراہم کریں گے تو یہ شادی رخصتی سے پہلے ہی ختم ہو جائے گی۔ لہذا اس وقت ان کے پاس جو دین و مکتب ہے وہ بے بنیاد من گھڑت افکار و نظریات اور جھوٹے قصے کہانیوں پر قائم ہے اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اس دین و مکتب کے دیگر خدوخال لوگوں کو دکھانے کے قابل نہیں ہیں اور اسے انہوں نے مصلحت و دورانہدیشی سے ابھی تک نگہداشت کے خانوں میں چھپا کے رکھا ہوا ہے۔ لیکن الحمد للہ ہمیں قرآن و سنت سے جو دین و مکتب ملا ہے وہ ایسا نہیں کہ جیسا انہوں نے سمجھا ہے کیونکہ واضح دلائل و براہین رکھنے کی وجہ سے پائیدار و مستحکم ہے۔ بلند و بالا پہاڑوں کی جڑیں اور بنیادیں تو اپنی جگہ سے ہل سکتی ہیں مگر ہمارے مذہب

کی بنیادیں کبھی بھی اور کسی بھی صورتحال میں متزلزل نہیں ہو سکتیں اور اس کے واضح و روشن اور حسین و جمیل خدوخال سورج کی آب و تاب کی مانند اپنے حسن جمال کی خود دلیل ہیں اگر اس دین و مذہب اور لوگوں کے درمیان کوئی سیاہ بادل پردہ یا حجاب بنا ہے تو وہ ایک وہی صورت ہے۔ مذہب کو خیر باد کہنے سے نہ تو خداوند متعال کو کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ ہی یہ قرآن و سنت و سیرت معصومینؑ سے ملنے والے دین و مکتب کی خرابی و خامی کی دلیل ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی انسان کسی بھی وجہ سے دین حقیقی سے روگردانی کرے گا اسے حقیقی دین و مکتب کو چھوڑنے کے صلہ میں عذاب جہنم کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ کے دور تک بت پرستی پھیلی اور حضرت عیسیٰؑ سے خاتم الانبیاء تک کے چھ سو سالوں میں کفر و شرک کو فروغ ملا لیکن اس سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو کوئی ضرر پہنچا اور نہ ہی دین و مکتب کی فکری بنیادوں کو۔

۷۔ کتاب افق گفتگو لکھ کر دین کی کون سی خدمت کی ہے:

اس قسم کا سوال کرنے والوں سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ نے کتاب افق گفتگو پڑھی ہے یا کسی سے کوئی بات سنی ہے۔ اس کتاب میں ہی لکھا ہے کہ خداوند کریم نے کسی بات کے سننے کے بعد اس پر تحقیق و تفکر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ خبر لانے والا جھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور سچا بھی۔ لہذا اگر آپ نے یہ کتاب خود پڑھی ہے تو اس میں ایسی کون سی گفتگو موضوع یا ایسا مواد ہے جو دین اسلام کے خلاف ہے۔ ہر شخص اپنی علمی و فکری صلاحیت کے تحت دین کی خدمت کرنا ہے ایک طالب علم کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ ایک نابغہ روزگار جیسی خدمت دین کرے کیونکہ ہر شخص اپنی وسعت علمی کے تحت ہی کوئی کام انجام دے سکتا ہے اسکے بعد قارئین کی ذمہ داری ہے کہ وہ کتاب پر مہر صحت لگائیں یا اپنی تنقیدی نظر کو پیش کریں۔ ہم نے جہاں افق گفتگو کو کھولا ہے وہاں گفتگو سننے کے لئے آمادہ بھی ہیں۔ راقم نے اپنے ذہنی تصور کے مطابق اسے خدمت دین سمجھ کر لکھا ہے لہذا اس میں غلطی کا انکشاف کرنا قارئین کا کام ہے اس کتاب میں ایک بحث تقلید و اجتہاد ہے تمام علماء جانتے ہیں کہ اس ملک میں خاص کر وہ افراد جو مناہر حسینی پر قابض ہیں وہ ایک عرصہ سے تقلید و اجتہاد کے خلاف مہم چلائے ہوئے ہیں انکا کہنا ہے مذہب تشیع میں نہ اجتہاد ہے اور نہ ہی تقلید۔ ہم نے اپنی بساط علمی میں رہتے

ہوئے تقلید و اجتہاد کو ایک ناگزیر حقیقت ہونا پیش کیا ہے شاید یہ نظریات سطحی نہ ہوں لیکن یہ ہمارا اجتہاد نہیں بلکہ انکی سند علماء و مجتہدین کے اقوال ہیں اسی طرح غیبت امام زمانہ (عج) کے بعد علماء اسلام کی مرجعیت کے ادوار کو جہاں تک ممکن ہو سکا ذکر کیا ہے اور نظام مرجعیت کے حوالے سے کسی قسم کی جسارت و اہانت سے ہر ممکن گریز کیا ہے۔ تاہم علماء و فقہاء سوال و استفسار، نقد و انتقاد سے مافوق نہیں ہیں تاکہ انکی استحضانات اور ہر قیاسات پر مبنی نئی سنتوں کو من و عن قبول کریں۔ یہ خدشات اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ ایک عرصہ سے ہمارے ہاں بعض علماء اور کچھ خاص افراد فقہاء و مجتہدین پر کساء عصمت چڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں جسکی کوئی سند نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ہی سنت پیغمبر و سیرت آئمہ معصومین میں ملتی ہے۔ قرآن و سنت سے صرف عصمت انبیاء و آئمہ ہی ثابت ہے۔ قرآن و سنت میں ظلم و استبداد کے بنیادی عوامل کو حسب دنیا، اقتدار و ریاست، مال و دولت سے لگاؤ اور دیگر خواہشات نفسانی میں قرار دیا ہے۔ لہذا جہاں دیگر فرقہ کے علماء و مجتہدین خواہشات نفسانی کے اسیر ہو سکتے ہیں تو کیونکر ہمارے علماء و مجتہدین اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہمارے علماء و فقہاء کا قرآن و سنت سے ہٹ کر فتویٰ دینے کا جواز رکھتے ہیں تو کیونکر صحابہ کو اجتہاد کرنے کا حق حاصل نہیں۔

اسی کتاب میں ایک عنوان تاریخ میں فقہاء و مراجع شیعہ وحدت امت کے پاسدار بننے کا ذکر ہے۔ اس موضوع پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا سوائے ان فقہاء اور ان کے حاشیہ نشینوں کے جو اس وقت امت اسلامی میں افتراق و انتشار کے خواہاں ہیں۔

۸۔ ہماری کتب ملت میں فساد کا سبب بنتی ہیں:

قرآن کریم کی رو سے فساد قتل سے بھی بدتر ہے لہذا ہر وہ قول و فعل جو ملت کے شیرازہ وحدت میں انتشار و شگاف کا باعث بنتا ہو، اس سے گریز کرنا ضروری ہے اس اعتراض کے بارے میں بھی قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ یہی اعتراض کرنے والوں سے پوچھیں کہ آیا ہر وہ اتحاد ملت مقدس ہے جسے ظالم و جائر حکمرانوں اور مفاد پرست لوگوں نے مقدس بنایا ہو۔ جب کہ حقیقت میں اتحاد ملت اس وقت مقدس ہے

جب ملت دین حق پر قائم ہے اور اپنے سلوک میں قرآن سنت پیغمبر پر قائم ہو۔ لیکن جہاں اگر خدا نا خواستہ کسی مسئلہ میں غرض دنیوی یا غلط فہمی کی بنیاد پر افتراق و انتشار پیدا ہو جائے تو سورہ نساء ۳۵ کے مطابق ہر درک کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اس مادہ نزاع کو افہام و تفہیم سے ختم کروائے۔ بصورت دیگر حق کا ساتھ دے۔ ورنہ تنہا ملت کے نقطہ اتفاق میں کوئی تقدس نہیں چاہے یہ مذہبی بنیاد پر ہی قائم کیوں نہ ہو۔ بلکہ یہ ایک بت کی مانند ہے۔ ظالم و جابر حکمرانوں نے ہمیشہ انبیاء کے خلاف بھی یہی آواز اٹھائی کہ یہ ملت میں انتشار رکوسبب بن رہے ہیں چنانچہ فرعون نے حضرت موسیٰ و ہارون کے بارے میں یہ ہی کلمہ دھرایا کہ تم ہمارے درمیان انتشار پھیلانا چاہتے ہو۔ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ آئے تو یہود کے مفاد پرست علماء نے حضرت عیسیٰ کو انتشار و فساد پھیلانے والا قرار دیا اسی طرح مشرکین نے خاتم انبیاء پر انتشار پھیلانے کی تہمت لگائی۔ اور یزید نے بھی امام حسین علیہ سلام کے قیام کو امت میں اختلاف کا سبب قرار دیا۔

درحقیقت اختلاف وہاں قابل مذمت ہے جہاں معاشرہ قرآن و سنت پر قائم ہو۔ قرآن کریم میں جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۶ میں اسکا ذکر ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ أَمَرَ بِالْحَقِّ وَأَنَّ الَّذِينَ أَتَوْا بِالْكِتَابِ لَفِيَ شِقَاقٍ بَعِيدٍ﴾ ”یہ اس وجہ

سے ہے کہ اللہ نے تو حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی اور جن لوگوں نے کتاب کے بارے میں

اختلاف کیا وہ دور دراز کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں“

لیکن جہاں ملت خرافات اور غلط عقائد کو فروغ دے رہی ہو ہاں آواز بلند کرنا ہمیشہ سے سیرت انبیاء، اولیاء اوصیا اور فقہاء و مجتہدین رہی ہے۔ چنانچہ اس سیرت کے بارے میں قرآن کریم میں سورہ بقرہ آیت ۲۱۳ شاہد و کواہ ہے۔ ایسے جیسے سینکڑوں اعتراضات، تہمتیں میرے حق میں روارکھے ہوئے ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا ہے۔ میرے ساتھ نا انصافی برتنے والے اپنی تمام سعی و کوشش کو بروئے کار لائیں تاکہ میں لوگوں کی نظروں میں گر جاؤں لیکن وہ حضرات جان لیں کہ مجھے کوئی طاقت و قدرت خدا اور اسکے رسول کے عدالت میں جانے سے روک نہیں سکتے مجھے اب اس وقت کی زندگی سے ذرہ بھر محبت نہیں ہے کیونکہ اس وقت ہم ایک

ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں باطل خرافات اور فرسودہ روایات کے خلاف آواز اٹھانے والے کو امت میں انتشار و افتراق پھیلانے کی تہمت لگا کر اس کی زبان کو لجام دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اسکے بالمقابل جو افراد خود سے کوئی چیز گھڑ کر اسے شعار اللہ قرار دیتے ہیں انھیں کھلی آزادی حاصل ہے کہ جو ان کے جی میں آئے وہ کریں۔ اسی وجہ سے ملک میں نصیرت غلویت اور شریعت کو معطل کرنے کی فکر و ثقافت کو فروغ مل رہا ہے۔ ایسے ماحول میں ہم جینے کی بجائے مرنے کی دعا کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ بقول مولا امیر المومنین علیہ السلام:

﴿فلو ان امرا مسلما مات من بعد هذا اسفا ما كان به ملوما بل كان به عندي حليرا﴾ ”اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی“ (خ ۲۷ پیرا گراف ۸) ﴿الى الله اشكو من معشر يعيشون جهلا ويموتون ضلالا ليس فيهم سلعة ابور من الكتاب اذا تلى حق تلاوته ولا سلعة﴾ ”اور جو بات اسے سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جانا ہے کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے۔ خون اس کے نار و فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں۔ اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مر جاتے ہیں۔“ (خ ۱۷ پیرا گراف ۱۱) ﴿ما تنتظرون بنصركم ولا جهاد على حقكم، الموت او الذل لكم قوالله لعن جاء يومى ولياتينى بينى وبينكم﴾

(خ ۱۸۰ پیرا گراف ۳، ۷)

مندرجہ بالا خطبات کے تحت ہم موت سے کسی قسم کی جھجک اور پریشانی محسوس نہیں کرتے۔ جس معاشرے میں چلنے کیلئے کھلی راہ نہ ہو اور جینے کیلئے سازگار فضا نہ ہو جہاں باطل سے خاموشی اور کنارہ کشی کو احترام گردانا جاتا ہو ایسے معاشرے سے کوچ کرنا ہی بہتر ہے۔ ہاں جو خوف ہے وہ اگلے عالم سے ہے ان کوتاہیوں اور غلطیوں کا خوف ہے جنکا وہاں احتساب ہوگا۔ لیکن کتنے ہی مجرم کیوں نہ ہوں ایک وسیلہ سے امید وابستہ ہے یعنی رحمت خدا ہے۔ وہ رحمت جو اسکے غضب پر حاوی ہے۔ ہم کتاب خدا کی حرمت و تقدس کو واسطہ قرار دے کر خدا سے

یہ دعا نہیں کریں گے کہ ہمیں مزید عمر دے یہ دعا نہیں کریں گے کہ مقام و منصب دے، خدمت دین کیلئے مال و دولت دے بلکہ ہم ایک ہی دعا کریں گے زندگی کے جتنے دن باقی ہیں ان میں تیری کتاب سے انس رہے۔ اسکے معارف سے آشنا ہو سکیں اسکے پیغام کو دوسروں تک پہنچا سکیں۔ اور یہ دعا کریں گے کہ موت کے وقت ہمیں ایمان بہ تو حید، رسالت و ولایت اور روز جزا دل میں راسخ کر دے۔

قارئین کرام! مہجوریت قرآن کی اشک آور داستانیں اور ان کی اقسام بیان کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں جن برادران عزیز نے میرے مخزون سینے سے ان درد و الم کی داستانوں کو اپنے قلم و بیان کے ذریعے ان صفحات میں اتارنے میں میری مدد کی ہے ان کی دین و دنیا کی سعادت کیلئے دست بہ دعا ہوں جن میں سے زیادہ اہمیت کے حامل افراد یہ ہیں۔

۱۔ محمد یوسف شگری۔

۲۔ میرے عزیز پیارے بیٹے سید محمد روح اللہ جن کیلئے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر عزیزوں کی طرح انھیں بھی دین مبین کی خدمت کرنے اپنے خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے سرخرو ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔

۳۔ تیسرے عزیز محمد باقر ہیں جن کے بغیر میری دین و دنیا دونوں کو چلانے والا انجن فیل ہے انھوں نے اپنے مخلصانہ اور ہمدردانہ تعاون اور ہم کاری سے میرے مردہ جسم میں جان ڈالی اور ہمہ وقت اپنی زبان و قلم اور جسمانی خدمت سے مجھے دیرینہ جینے کیلئے ہمت و تسکین دی ہے۔

۴۔ جناب محمد فیاض حسین اور جناب محمد خادم حسین کی خدمات قابل قدر ہیں۔

۵۔ جنھوں نے دوسری طباعت کیلئے کتاب میں غلطیوں کی تصحیح کے علاوہ حذف زوائد اور اضافہ ضروری کی نشاۃ ہی کی ہے وہ میرے دو دوست گرامی قدر ہیں۔ جنھوں نے دیا غربت میں اس بے آسرا انسان کو مایوس کن حالات میں اپنے تعاون و ہم کاری کی غیر متوقع مثال اور نمونے پیش کئے ہیں وہ دوست گرامی قدر سید ناصر شاہ اور جناب محترم برادر محمد جاوید ہیں۔ ان دونوں کا میرے غصہ و عتاب کو برداشت

کر کے مجھے تنہا نہ چھوڑنے کی ہمت و ارادہ میری نگاہ میں قدر و قیمت رکھتا ہے۔

اور دیگر برادران جنھوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی انکی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ رب غفور کریم سے دعا ہے
اگر یہ صفحات اس کی بارگاہ میں قبول و قابل اجر و ثواب ہیں تو وہ ان سب کو اس میں شریک فرمائے اگر اس میں
کچھ اشتباہ یا کوتاہی ہے تو اس حوالے سے تنہا مجھے ہی نشانہ بنایا جائے۔ اسلام و مسلمین کی سر بلندی، کافرین و
ظالمین اور داخلی و خارجی عناد و سازشوں کی سرنگونی اور بشریت کی نجات دہندہ ہستی کے ظہور کی تعجیل کیلئے دست
بہ دعا ہیں (امین۔ ثم امین)

علی شرف الدین موسوی علی آبادی

شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

مہجوریت قرآن

مہجوریت مادہ ہجر سے ہے۔ ماہرین لغت عرب و قرآن نے ہجر کے معنی اس مفہوم میں کیے ہیں کہ کوئی انسان یا کوئی گروہ اپنی تمام قلبی یا وجودی حیثیت سے کسی جگہ کو چھوڑے یا روگردانی کرے۔ ہجر کا ایک معنی غلط کوئی بھی ہے:

۱۔ ہجر بمعنی دوری: ﴿وَاذْهَبْ مِنْهَا﴾ ”اور تو ایک مدت کے لئے مجھ سے دور ہو جا“ (مریم/۳۶)

۲۔ بُری صفت: ﴿وَالرَّجُلَ الْقَاسِيَ﴾ ”اور ناپاکی سے دور رہئے“ (مدثر/۵)

۳۔ تنبیہ کے لئے: ﴿وَاذْهَبْ مِنْهَا﴾ ”عورتوں کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو تو انہیں نصیحت کرو اور (اگر باز نہ آئیں تو) خواب گاہ الگ کر دو“

(نساء/۳۴)

یہ معنی لغت اور قرآن کے حوالے سے تھے لیکن اصطلاح شریعت میں ہجر دیا شرک و کفر کو چھوڑنے کے معنوں میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں پیغمبر پر ایمان لانے والوں نے سرزمین مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی لہذا ان کی فضیلت و صفات میں بہت سی قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں جیسے:

”اور اپنے گھر سے خدا و رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے اور اس کے بعد اسے موت

آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے“ (نساء/۱۰۰)

اور اسی طرح سورہ توبہ آیت ۱۱۰ میں ذکر ہے کہ

”اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کا اتباع کیا ہے

ان سب سے خدا راضی ہو گیا ہے۔“

لیکن اس کے برعکس مذہب پر عمل کرنے کی پاداش میں سختیوں اور مصیبتوں کے باوجود ہجرت نہ کرنے والوں

کو قرآن نے ظالم قرار دیا ہے۔ اور یہ وعید سنائی کہ ترکِ ہجرت کرنے والوں کو بروز قیامت ملامت کیا جائے گا:

﴿قَالُوا لَمْ تَكُن لِرِضِ اللَّهِ وَسِعَةً فَتُهَاجِرُوا قِافًا وَلَعَلَّكَ مَادُهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ ”کیا اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے“ (نساء/ ۹۷)

لیکن آج تاریخ کے صفات الٹ گئے ہیں جیسے سابق زمانہ میں مردِ مسلمان آسائش کی زندگی کو چھوڑ کر دین و مذہب کی خاطر دیا و غربت کی طرف ہجرت کرتے تھے اسکے برعکس آج مسلمان اپنی عزت اور جان و مال فروخت کر کے دیا و کفر و شرک کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔

ہجرت سے کلمہ مہجوریت نکلا ہے اور یہ قرآن میں سورہ فرقان/ ۳۰ میں آیا ہے ایک واقعہ کے طور پر جو روز قیامت ہوگا کہ جہاں پیغمبر اکرمؐ اپنے رب قدوس کے حضور انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ اپنی امت کے خلاف شکایت کریں گے۔ کہ میری اس امت نے قرآن کو مہجور چھوڑا اور اس سے روگردانی کی۔ لیکن یہاں ایک سوال جو ہر ذی شعور کے ذہن میں ابھرتا ہے کہ یہ جو ”میری قوم“ کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد کیا پوری امت ہے یا اس سے کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ یہاں ہم آیات قرآنی، احادیث اور امت مسلمہ کے قرآن سے سلوک کو مد نظر رکھتے ہوئے چند مفروضات پیش کرتے ہیں قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ وہ کس مفروضے کو ترجیح دیتے ہیں:

۱۔ امت سے مراد پوری امت ہے قرآن کا خطاب ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ ﴿يَا بَنِي آدَمَ﴾ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا خطاب تمام انسانوں، بنی آدم اور ایمان والوں یعنی ہم سب سے ہے امت کی اکثریت اس روگردانی میں شامل ہے اور بے توجہی کا رویہ اپنائے ہوئے ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ یہ شکایت پوری امت سے متعلق ہو۔

۲۔ اس سے مراد وہ افراد ہوں جو قرآن کو الحان و ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اپنے اس عمل ہی کو حق

قرآن گردانتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ ہیں جو تلاوت قرآن کرتے ہیں لیکن قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

۳۔ وہ افراد جو آیات قرآنی کی تلاوت کرتے ہوں اسکے احکام کو درک کرتے ہوں لیکن آیات کی تفسیر کفار و ملحدین اور متکبرین کی خواہشات کے مطابق کرتے ہیں شاید یہ افراد اس شکایت کے مصداق جلی ہوں۔

۴۔ امت اسلامی کے وہ علماء و دانشمند جو وطن اسلامی میں نظامِ لادینی و سیکولرزم کو لا کر کرنے کی سر توڑ مہم چلا رہے ہیں اور اپنے ان منحوس عزائم میں بہت حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔ ممکن ہے یہ افراد اس شکایت کے مصداق ہوں۔

۵۔ امت کے تمام افراد جو شریعت و نظام قرآن کو لا کر کرنے میں اپنی زبان و قلم کو جنبش میں نہ لاتے ہوں اور اس سلسلے میں واقعی غفلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ شاید یہ اس شکایت کے مصداق ہوں۔

۶۔ وہ علماء و مجتہدین جو دین و شریعت، اخلاق و آداب کو بیان کرتے وقت اس کتاب ﴿لارطب ولا یابس﴾ کو چھوڑ کر غیر مستند احادیث یا اشعار حافظ، سعدی انیس و دیبر یا ملحد شعراء کے کلام کو اپنے مطالب کے بیان کرنے میں بطور سند اپناتے ہیں۔ شاید یہ لوگ اس شکایت کے مصداق ہوں۔

۷۔ اس سے مراد مجبوریتِ استماع ہو قرآن میں آیا ہے کہ جب قرآن کی تلاوت ہو تو انتہائی توجہ سے سنو۔ جہاں تلاوت قرآن ہو رہی ہو وہاں کوئی مسلمان گفتگو میں مصروف ہو تو اس کا یہ عمل ایسا ہے جیسے ایک متدین انسان مھل موسیقی سے روگردانی کرتا ہے اسی طرح یہ شخص قرآن سے روگرداں ہے۔ شاید اس شکایت کے مصداق ایسے افراد ہوں۔

۸۔ قرآن سرسری تلاوت کا نام نہیں بلکہ اس کتاب کو پڑھنے کا طریقہ اور مدعا خود اس کتاب میں بیان ہوا ہے جیسے ترتیل سے پڑھیں اس میں تدبر و تعقل کریں اس کے احکامات و تعلیمات پر خود بھی عمل کریں اور معاشرے میں ان کے اجراء و نفاذ کی کوشش بھی کریں۔ جو افراد قرآن کی تلاوت تو کرتے

ہیں مگر قرآن میں واضح طور پر بتائی گئی تلاوت قرآن کی ان شرائط پر عمل نہیں کرتے، شاید وہ اس شکایت کے مصداق ہوں۔

۹۔ وہ افراد جو بزم اپنے دین کی سر بلندی کی خاطر دینی درس گاہوں میں صرف ونحو پڑھنے اور اچھے نمبر لینے والوں کو انعامات دیتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی تفسیر قرآن یا لوگوں کو تعلیمات قرآن پر عمل کی رغبت دلانے اور احیائے قرآن کیلئے کوشش نہیں کی یہ افراد اس شکایت کے مصداق ہوں۔

۱۰۔ بہت سے لوگ قرآن کو پس پشت ڈالنے کیلئے بزم اپنے جعلی احادیث کو سند بنا کر یہ منطق پیش کرتے ہیں کہ یہ کتاب فہم انسان سے باہر ہے انسان کے بس کی بات نہیں کہ اس کتاب خدا کو سمجھ سکے۔ شاید اس شکایت سے مراد یہ افراد ہوں جو امت اسلامی اور قرآن کے درمیان پہاڑ کا کردار ادا کر رہے ہیں اور امت کو فہم قرآن سے دور رکھنے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

غرض اس وقت قرآن مجبور در مجبور ہے اور اس کی مجہوریت میں آئے دن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اس مجہوریت کے مصداق شمار سے باہر ہیں اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے ایک معمولی اور ادنیٰ کوشش کی ہے جو مندرجہ بالا آخری مفروضے کی رد میں ہے جس میں فہم قرآن کی نفی کی گئی ہے۔

قارئین کرام فہم قرآن نہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی ہے۔ جو شخص بھی جتنی توجہ قرآن کی طرف کرے گا وہ اسی تناسب سے اپنا حصہ پالے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص پیاسا ہے اور نہر کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اپنی پیاس کے مطابق ہی پانی پیے گا۔ بالکل اسی طرح جو شخص جتنی توجہ و کوشش قرآن کے بارے میں کرے گا وہ اسی تناسب سے معارف قرآن سے مستفید ہوگا۔

اسباب مجہوریت قرآن

اس نسخہ کو ہیبت، نعمت ربو ہیبت، امانت رسول پیشوا و مقتداء انبیاء و مرسلین و آئمہ معصومین کا قصہ ہجراں کیا ہے اور اس کے کیا اسباب و وجوہات ہیں۔ اس کی علت ہمیں غیروں اور اپنوں دونوں کے ہاں

تلاش کرنا پڑیں گی۔ یہاں تک عصرِ ظہورِ اسلام سے لیکر دورِ حاضر تک اس کے خلاف مہم جوئی کرنے والوں کے عزائم کی وجوہات تلاش کرنا پڑے گی۔ ان وجوہات دیرینہ و پارینہ کی وجہ دشمنوں کے ساتھ ساتھ اپنوں کی احقانہ سوچ بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سستی و کاہلی اور عدم دلچسپی کے ساتھ ساتھ داخلی منافقین کی خانانہ روش بھی اس میں موثر ہو سکتی ہے۔ لہذا ہم ان وجوہات کو محدود اسباب اور توجیہات میں بند نہیں کر سکتے چنانچہ ایک گروہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ آئیے ہم مرحلہ وار اس میں وارد ہوتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہماری انفرادی، اجتماعی اور سیاسی سعادوں کی برگشت قرآن کی طرف رجوع کرنے اور اس سے دستورِ حیات لینے میں مضمر ہے اور یہ بھی ایک مسلمہ اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ امتِ مسلمہ اور قرآن فہمی میں چندین رکاوٹیں دیوارِ چین کی مانند کھڑی ہیں۔ جب تک ان موانع اور رکاوٹوں کو دور نہیں کریں گے ہم قرآن سے دستورِ حیات نہیں لے سکتے۔ سب سے پہلے ان موانع اور رکاوٹوں سے شناسائی ضروری ہے یہ رکاوٹیں جعلی اور خود ساختہ ہیں جنہیں دشمنانِ قرآن یا نادان و احمق دوستوں نے جعل کیا ہے اور بعض اس کے ذیلی یا حاشیہ نشین موضوعات میں سے ہیں۔ جن کا کسی غیر عاقل انسان کو سرگرم اور مصروف رکھنے کی خاطر اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ اصل اہمیت تو انہیں موضوعات کو حاصل ہے۔ غرض اس وقت ہم روح و جانِ قرآن سے بہت دور اور فاصلے پر کھڑے ہیں۔ اگر کوئی ارادہ قوی رکھنے والا ہو اور اسلام و مسلمین کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے ہجوم و حملوں کی تیز ہواؤں سے اس کی غیرت و حمیت متزلزل نہ ہو تو یہ رکاوٹیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ جعلی اور خود ساختہ اور مسلمانوں کو مصروف رکھنے والے موضوعات کون کون سے ہیں:

۱۔ منافقین و نادان دوستوں کی مشترکہ کاوشیں

۱۔ نومولود اولادوں کے لئے قرآن سے نام نکالنا: ہماری طالب علمی کی عمر چالیس سال سے اوپر ہو چکی ہے اور یہ طریقہ (قرآن سے نومولود کا نام نکالنا) صحیح و معتبر کتاب تو چھوڑیں کسی فرسودہ

کتاب میں بھی نظر نہیں آیا۔

۲۔ **قرآن سے استخارہ:** استخارہ کے موضوع کے بارے میں فریقین کی کتبِ روائی میں کچھ حد تک مسلمہ ثبوت ہیں لیکن اس کے طریقے اور مواقع اور احکام اعتماد کے بارے میں بہت سے صفحات لکھنے کی ضرورت ہے مرحوم سید علی خان شارح صحیفہ سجادیه نے اپنی کتاب ”ریاض السالکین“ جلد ۵ صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۶ تک تفصیل سے لکھا ہے اس میں پہلے مرحلہ پر دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے لئے درپیش مسائل کے بارے میں خدا سے طلبِ خیر کرنے کو استخارہ قرار دیا ہے۔

۲۔۱ **استخارہ ذات الرقاق:** جس کے لئے چھ نئے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ لکھ کر پھر ﴿عِزِّهِ مِنَ اللّٰهِ عَاقِبِہٖ﴾ لکھیں اس میں سے تین پر اُفعل اور تین پر لا تفعّل لکھ کر سجادیه کے نیچے رکھیں نماز کے بعد نکالیں اور اُفعل کے تناسب سے عمل کریں یا دریا میں پھینکیں جو پانی کو شق کر کے اوپر نکلے اس پر عمل کریں۔

۲۔۲ **استخارہ بہ تسبیح:** اس کے بھی چند طریقے ہیں اس سلسلے میں وارد روایات کی ضعف سند کا جبران سیرت فقہاء و علماء ہیں۔ بعض محققین علماء نے استخارے کی تفسیر خداوند متعال سے طلبِ خیر کر کے کام کو انجام دینا مقصود ہے۔

۲۔۳ **استخارہ بقرآن کریم:** جس میں حقیر کا بھی حصہ رہا ہے لیکن معلوم نہیں کہ قرآن سے استخارہ یعنی طلبِ خیر تلاش کرنے کا طریقہ کار کیا ہے۔

۱۔ بعض پہلے صفحہ اور اس کے پہلے حرف سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں اس کا طریقہ کار کیا ہے ہمیں اس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہے۔

۲۔ ایران سے طبع ہونے والے بعض قرآن کے صفحات پر خوب و بد اور اختیار لکھا جاتا ہے اسی کو دیکھ کر نتیجہ نکالتے ہیں۔ لہذا بعض افراد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ استخارہ والا قرآن چاہئے۔

۳۔ اور بعض دیگر پہلے صفحے پر پہلی آیت کے مفہوم و معنی کو دیکھ کر اور بعض پہلی آیت کو دیکھنے کے بعد سات

(۷) صفحات گننے کے بعد ساتویں آیت سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں یہ دونوں طریقے مرحوم شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے مفاہیح البیان میں نقل کیے ہیں۔ ہم نے ابھی تک اس طریقے کی صحت اور سند کے بارے میں تحقیق نہیں کی البتہ جن موضوعات کے لئے استخارہ کرنے کا رواج عام ہے وہ درج ذیل ہیں:

الف۔ انتخاب شریک حیات کے لئے لڑکا اور لڑکی دونوں استخارہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

ب۔ مکان، پلاٹ وغیرہ کی خرید و فروخت کے لئے۔

ج۔ سرمایہ دار افراد اپنی آمدن بنک میں جمع کروانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ انہیں وہاں فیکس کا خطرہ ہے گھریا آفس میں رکھنے سے چوری کا ڈر ہے نیا کاروبار کھولنے میں شریک کے غبن اور دھوکہ فریب کا ڈر ہے لہذا وہ اس کے استعمال کے سلسلے میں روزانہ استخارہ کرتے ہیں۔ اور اسی استخارہ کرنے کو اپنی مذہب شناسی، دین داری اور قرآن پر عمل کرنے کا مظاہرہ گردانتے ہیں۔ قرآن کریم میں زندگی گزارنے کے جو طور و طریقے اور لائحہ عمل بتایا گیا ہے بطور مثال اپنے روزمرہ امور میں عقل کو استعمال کرو، صالح اور نیک انسانوں سے مشورہ کرو، خدا پر توکل و بھروسہ کرو، خیانت کاروں پر اعتماد نہ کرو وغیرہ انہوں نے کبھی ان آیات کی تلاوت کی اور نہ ہی انہیں سنائے تو یہ قرآن پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہیں اور نہ معاشرے میں قرآن کو رائج و نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی کردار اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دین کی خدمات میں پسندیدہ ترین خدمات بے ہودہ اور بے ثمر عمارتیں کھڑی کرنا ہے چاہے ان عمارتوں سے دین کو کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو۔ یہ دور حاضر کا پہلا موضوع قرآنی ہے جسے مؤمنین بہت افتخار اور اعزاز کی بات سمجھتے ہیں۔

۳۔ اکثر مسلمان جرکوں، پنجائتوں اور عدالتوں میں خود کو بدنامی اور سزا سے بچانے کی خاطر جھوٹی قسمیں کھانے اور اسمبلی اور دیگر اداروں میں عہد و پیمان دینے کی حد تک اس قرآن سے وابستہ ہیں لیکن قسم اور حلف سے متعلقہ ان مقامات سے باہر اس (قرآن) کے احکام و تعلیمات اور ہدایات کو پاؤں تلے روند جاتا ہے وعدے پامال کرتے ہیں اور بسا اوقات اس قرآن کریم کے خلاف مہم جوئی سے بھی دریغ

نہیں کرتے بعض تو نظامِ قرآن اور قرآن سے نظر آنے والی اس معمولی وابستگی کو بھی فرسودہ گردانتے ہیں۔ لیکن آپ یقین جانئے کہ دشمنانِ قرآن اس کو اتنا اور معمولی سا احترام دینے کے حق میں بھی نہیں ہیں وہ قسم اور حلف کی ان جگہوں سے قرآن کو ہٹا کر کسی اور کتاب کو اس جگہ پر لانے کے مذموم عزائم میں مصروف ہیں۔ اگر مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں تو ان کے یہ خطرناک عزائم شرمندہ تعبیر نہیں ہونگے۔

۲۔ حفظِ قرآن اور دیگر دینی تقریبات کا اہتمام:

امتِ اسلامی کے دو بڑے فرقوں اہلِ سنت اور اہلِ تشیع میں سے اہلِ سنت والجماعت قدیم زمانے سے فقط حفظِ قرآن کا اہتمام کرتے چلے آ رہے ہیں اور اہلِ تشیع کے بعض نادان کبھی کبھی ان کے اس عمل کا مذاق اڑاتے ہیں۔ انقلابِ اسلامی ایران کے بعد وہاں حفظِ قرآن کا بہت اہتمام ہوا چنانچہ اندرونِ و بیرونِ ملک حفاظِ قرآن کو نئے طور طریقوں سے تیار کر کے محافل منعقد کرائی گئیں اور ملکی اور انکی حوصلہ افزائی کی گئی۔ بین الاقوامی سطح پر خُسنِ قرأت کے مقابلے منعقد کرائے گئے۔ اگر اس عمل کو ابتدائی مراحل قرار دیں تو ممکن ہے کہ یہ اعمال داد و تحسین کے قابل ہوں لیکن اگر ہم حقیقت و انصاف پسندی کی نظر سے دیکھیں تو اس وقت دنیا نے کفرِ قرآن و شریعت کے احکام و تعلیمات کے اجراء و نفاذ کو روکنے کے لئے سینہ سپر ہو کر ہمارے گھروں پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ اس تناظر میں اتنی کثیر رقم اور اُمتِ اسلامی کی تمام تر توانائیوں کو اتنے سالوں سے صرف حفظِ قرآن اور انقلابِ اسلامی کی راہ ہموار نہ کرنے والی محافل و مجالس پر خرچ کرنا ایک ناقابلِ فہم بات ہے۔ حفظِ قرآن کا تصور جو اس وقت عالمِ اسلامی میں موجود ہے وہ قرآن کے الفاظ کو یاد کرنا ہے روایاتِ اسلامی میں اس قسم کے حفظ کی فضیلت اور تائید دیکھنے میں نہیں آئی قرآنِ کریم میں کلمہ ”حفظ“ نگہداری، نگہبانی اور رقابت یعنی کسی چیز کو خطرے یا گزند سے محفوظ رکھنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

سورہ طارق/۴ میں ہے کہ ”ہر نفس کا ایک محافظ ہے“۔ سورہ ہود/۵۷ میں ہے کہ ”خدا ہر چیز کا محافظ

ہے۔“ سورہ رعد/ ۱۱ میں ہے کہ ”اس کے پہرے دارا انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔“ سورہ حجر/ ۹ میں فرماتا ہے کہ ”ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

حفظ قرآن ہر پہلو سے محافظت کرنے کو کہتے ہیں جبکہ اس وقت اگر ہم قرآن کے احکام و تعلیمات کو دیکھیں تو وہ اجتماعی، سیاسی، اقتصادی غرض ہر زاویے سے غیر محفوظ ہیں کسی بھی میدان میں اُن پر عمل ہونا دکھائی نہیں دیتا ہمیں ڈر ہے ہم بھی اُن روایات کے مصداق نہ ہو جائیں کہ جن میں قرآن کے حروف کو حفظ کر کے اُس کے حقائق مفہوم و معانی اور اس کے احکام و تعلیمات پر عمل سے لاپرواہی برتنے والوں کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ ہمارا تعجب اُس وقت انتہا کو پہنچا جب ہم نے سنا کہ اس سال حوزہ علمیہ قم سے تبلیغات کیلئے اعزام ہونے والے علماء کو حُسنِ قرأت سکھا کر بھیجا گیا ہے گویا دس پندرہ سال پڑھنے کے بعد بھی ان کا کام یہاں محافل و مجالس میں فقط سرسری تلاوت کرنا ہے۔ ہم حُسنِ قرأت اور حفظِ آیاتِ قرآن کو غیر مستحسن قرار نہیں دے رہے لیکن عمر بھر اور نسل بہ نسل اپنی پوری توانائی اسی پر مرکوز کرنا اور خود کو اس تک محدود رکھنا بھی کوئی قابلِ قدر اور لائقِ تعریف و ستائش اقدام نہیں ہے۔ بلکہ اس تصور نے امتِ اسلام کو حقائق و معارفِ قرآن سے دور رکھنے میں بھی بہت کردار ادا کیا ہے۔ اگر حقائقِ قرآن کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں نافذ کرنے کا اہتمام کیا جاتا تو ہماری تقدیر بدل جاتی اور یہ دشمنانِ اسلام مایوس ہو کر پلٹ جاتے۔

۵۔ جن کے قبضہ قدرت میں بیان و قلم ہے اور جو قرآن سے متعلق خدمت کرنے کا عزم و ارادہ اور اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں وہ انتخابِ موضوع میں نہ مستقبل پر نظر رکھتے ہیں اور نہ حال پر یہ نہیں پوچھتے کہ انکے موضوعات لوگوں کو قرآنی و شرعی احکام و تعلیمات پر عمل کی طرف کھینچ رہے ہیں یا مہجوریتِ قرآن کا موجب بن رہے ہیں۔ درحقیقت انکے یہ موضوعات قصہ درینہ و پارینہ کو دھرانے پر اصرار کرتے ہیں جیسے اقسامِ قراء، جمعِ قرآن، نسخ و منسوخِ قرآن اور تحریفِ قرآن وغیرہ یہ افراد ان موضوعات

سے باہر نہیں نکلتے۔ یہ افراد جب تک مذکورہ موضوعات میں مصروف رہیں گے اس وقت تک ہمیں قرآن سے کسی قسم کی نجات و حیات کے دستور کا ”الہام و ایحاء“ ہونا محال ہے۔

۳۔ روح کی دوا کو جسم کے زخم پر لگانا: جس طرح آنکھوں کی دھند صاف کرنے والے قطرات کو گردے کی پتھری توڑنے کے لئے استعمال کرنا، اور زبان کے چھالے کی دوا کو کینسر پر لگانے سے مذکورہ بیماریوں کا علاج ممکن نہیں۔ اسی طرح کفر و شرک، نفاق و حسد، کینہ اور بغض و عداوت جیسی مہلک امراض کے لئے تشخیص کیے جانے والے نسخوں کو بلیڈ پریشر، شوگر، کینسر اور دل کی بیماریوں کے لئے استعمال کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہمارے بعض علماء کی مثال اس بچے کی مانند ہے کہ جسے اس کی ماں نے کہا کہ میرے بیٹے کی آنکھیں بادام جیسی ہیں تو بچے نے فوراً کہا کہ مجھے بادام چاٹئے۔ انھوں نے بھی جب قرآن کریم میں یہ پڑھا کہ ”یہ قرآن مومنین کے لئے شفاء ہے“ تو سمجھے کہ اس کی آیات یا سورتوں کی تلاوت کرنے سے مہنگی دوائیوں اور بڑے بڑے ماہر ڈاکٹروں کی فیسوں سے بے نیاز ہوا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو وسیع و عریض رقبہ میں پھیلے ہوئے طب سکھانے کے کالج پولو گراؤنڈ میں تبدیل ہو جاتے، جدید ترین تشخیص امراض کے آلات سے آراستہ ہسپتال بے معنی و ناکارہ ہو جاتے قرآنی حقائق و معارف تو گنجا اس کے سرسری معنوں سے آشنا ایک ملا آخوند ان سب وسائل کی جگہ ایک معمولی اور مختصر سے ہدیہ کے ساتھ اس خلا کو پُر کر سکتا، ان بے چاروں نے قرآن میں موجود صرف لفظ شفاء کو سنا ہے نہ آیت کی ابتداء کو دیکھا نہ انتہاء کو۔ یہ کلمہ قرآن کریم اور نبی البلاغہ میں مختلف جگہوں پر استعمال ہوا ہے لیکن ان میں سے کسی بھی جگہ یہ امراض جسمانی کی شفا ہونے کے حوالے سے استعمال نہیں ہوا

۱۔ ﴿وَإِذَا مَرَضْتَ فَيَعْفُوكَ وَشَفَىٰ﴾ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے“ (شعراء/۸۰)

۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُلْ إِنَّمَا رُفِعَ الْكَوْفُ مِنَ رَيْبِكُمْ وَشَفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّلُورِ وَهَدَىٰ رَحْمَةُ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اے

لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے یہ قرآن تمہارے پاس نصیحت اور تمہارے دلوں کی بیماری

کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت و رحمت بن کر آیا ہے“ (یونس/۵۷)

۳۔ ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَعْرَبِي وَعَرَبِي قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشَفَاءٌ ۚ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ قُلْ إِذْ أَنْتَهُمْ وَقُرْهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾ ”اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں قرار دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اسکی آیات کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا؟ عجمی (کتاب) کہاں اور عربی (نبی) کہاں؟ کہہ دیجئے: یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بھاری پن (بہرا پن) ہے اور وہ ان کے لئے اندھا پن ہے وہ ایسے ہیں جیسے انہیں دور سے پکارا جاتا ہے“ (حم سجدہ/۴۴)

۴۔ ﴿وَنُتْرِلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَرْيَا الظَّالِمِينَ الْاِخْسَارَ﴾ ”اور ہم قرآن میں سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کیلئے تو شفا اور رحمت ہے لیکن ظالموں کیلئے تو صرف خسارے میں اضافہ کرتی ہے۔“

(اسراء/۸۲)

۵۔ ﴿عَاتِلُوهُمْ يَعْلَمُهُمُ اللّٰهُ بِاٰيٰتِكُمْ وَيَخْزَهُمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيُشْفِ صُلُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ”ان سے لڑو تا کہ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے اور انہیں رسوا کرے اور ان پر تمہیں فتح دے اور مومنین کے دلوں کو ٹھنڈا کرے“

(توبہ/۱۳)

۶۔ ﴿وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُوْرَةً فَهُمْ مِّنْ يَقُوْلٍ اٰيْكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهِ اٰيٰمًا قَامًا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَرَأَتْهُمْ اٰيٰمًا تَاوَهُمْ يَمْشِيْنَ فِيْهَا وَمَا يَلِيْكَمْ وَبَيْنَهُمْ رَحْمٰتُ اللّٰهِ رَاجِعًا اِلَيْهِمْ وَمَا تَوَاوَهُمْ كَفَرُوْنَ﴾ ”اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو اس میں سے کچھ لوگ (ازراہ تمسخر) کہتے ہیں: اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ ایمان والوں کے ایمان میں تو اس نے اضافہ ہی کیا ہے اور وہ خوشحال ہیں۔ اور البتہ جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی نجات پر اس نے

مزید نجاست کا اضافہ کیا ہے اور وہ مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہے“ (توبہ/۱۲۳ تا ۱۲۵)
ان تمام آیات میں شفا کو مومنین کے روحی و دلی امراض کے لئے مختص کیا ہے۔

۷۔ ﴿وَتَعْلَمُ الْقُرْآنَ فَاتَهُ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ، وَتَفْقَهُوْا قِيَمَةَ رِيعِ الْقُلُوبِ، وَاسْتَشْفَعُوا بِنُورِهِ فَاتَهُ شِفَاءُ الصَّلَاةِ، وَاحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَاتَهُ أَفْضَعَ الْقَصَصِ۔ وَإِنَّ الْعَالَمَ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمِهِ كَالْحَاحِلِ الْحَافِرِ الَّذِي لَا يَسْتَفِيْقُ مِنْ جَهْلِهِ بَلِ الْحَقُّ عَلَيْهِ اعْظَمُ مِنَ الْحَسْرَةِ لَهُ الزَّمُّ، وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ الْوَمُّ﴾ ”قرآن مجید کا علم حاصل کرو کہ یہ بہترین کلام ہے اور اس میں غور و فکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے۔ اس کے نور سے شفا حاصل کرو کہ یہ دلوں کے لئے شفا ہے اور اس کی باقاعدہ تلاوت کرو کہ یہ مفید ترین قصوں کا مرکز ہے اور یاد رکھو کہ اپنے علم کے خلاف عمل کرنے والا عالم بھی حیران و سرگردان جاہل جیسا ہے جسے جہالت سے کبھی آفاقہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس پر حجت خدا زیادہ عظیم تر ہوتی ہے اور اس کے لئے حسرت و اندوہ بھی زیادہ لازم ہوتی ہے اور وہ بارگاہ الہی میں زیادہ قابل ملامت ہوتا ہے“ (نہج البلاغہ خطبہ/۱۱۰ ترجمہ جوادی)

۸۔ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ هُوَ النَّاصِحُ الَّذِي لَا يَغْشَى، وَالْهَادِي الَّذِي لَا يَضِلُّ، وَالْمُحَدِّثُ الَّذِي لَا يَكْذِبُ، وَمَا جَالَسَ هَذَا الْقُرْآنَ أَحَدًا لَأَقَامَ عَنْهُ زِيَادَةً أَوْ تَقْصَانًا، زِيَادَةً فِي هِدْيٍ، أَوْ تَقْصَانًا مِنْ عَمَى۔ وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ لِيَعْلَمَ الْقُرْآنَ مِنْ قَافِيَةٍ وَلَا لِأَحَدٍ قَبْلَ الْقُرْآنِ مِنْ غَنَى، فَمَا شَفَعُوهُ مِنْ أَدْوَانِكُمْ، وَاسْتَعِينُوا بِهِ عَلَى لَاوَائِكُمْ، فَإِنَّ فِيهِ شِفَاءً مِنْ أَكْبَرِ النَّعَاةِ وَهُوَ الْكُفْرُ وَالنَّفَاقُ، وَالْغِي وَالضَّلَالُ، فَمَا سَأَلُوا اللَّهَ بِهِ وَتَوَجَّهُوا إِلَيْهِ بِحَبِّهِ﴾ ”یاد رکھو کہ یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکہ نہیں دیتا ہے اور وہ ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا ہے وہ بیان کرنے والا ہے جو غلط بیانی سے کام لینے والا نہیں ہے کوئی شخص اس کے پاس نہیں بیٹھتا ہے مگر یہ کہ جب اٹھتا ہے تو ہدایت میں اضافہ کر لیتا ہے یا کم سے کم گمراہی میں کمی کر لیتا ہے۔

یاد رکھو! قرآن کے بعد کوئی کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا ہے اور قرآن سے پہلے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے اپنی بیماریوں میں اس سے شفا حاصل کرو اور اپنی مصیبتوں میں اس سے مدد مانگو کہ اس

میں بدترین بیماری کفر و نفاق اور گمراہی و بے راہ روی کا علاج بھی موجود ہے اس کے ذریعہ اللہ سے سوال کرو اور اس کی محبت کے وسیلہ سے اس کی طرف رخ کرو“ (خطبہ/۷۶ اتر جمعہ جوادى)

۹۔ ﴿قُلُوبُهُمْ دُوبِقَةٌ ۖ مَوْصِفَاتُهُمْ تَقِيَةٌ ۖ يَحْشَوْنَ الْخِفَاءَ وَيَلْبِثُونَ الضَّرَاءَ ۖ وَصَفَهُمْ دَوَاءٌ وَقُلُوبُهُمْ شِفَاءٌ ۖ وَقَعْلُهُمُ النَّاءُ الْعِيَاءُ﴾ ”انکے دل بیمار ہیں اور ان کے چہرے پاک صاف۔ اندر ہی اندر چال چلتے ہیں اور نقصانات کی خاطر ریگتے ہوئے قدم بڑھاتے ہیں ان کا طریقہ دوا جیسا اور ان کا کلام شفا جیسا ہے لیکن ان کا کردار ناقابل علاج مرض ہے“ (خطبہ/۱۹۴ اتر جمعہ جوادى)

۱۰۔ ﴿فَإِنْ تَقَوَّى اللَّهُ دَوَاءَ قُلُوبِكُمْ، وَبَصَرَ عَمَىٰ أَخْلَتَكُمْ، وَشِفَاءَ مَرَضِ اجْسَادِكُمْ، وَصَلَحَ فسادِ صُلُوكِكُمْ﴾ ”یہ تقویٰ الہی تمہارے دلوں کی بیماری کی دوا ہے اور تمہارے قلوب کے اندھے پن کی بصارت۔ یہ تمہارے جسموں کی بیماری کی شفا کا سامان ہے اور تمہارے سینوں کے فساد کی اصلاح۔ یہی تمہارے نفوس کی گندگی کی طہارت ہے اور یہی تمہاری آنکھوں کے چندھیانے کی جلا‘ اسی میں تمہارے دل کے اضطراب کا سکون ہے“

(خطبہ/۱۹۸ ص ۴۰۵، اتر جمعہ جوادى)

۱۱۔ ﴿كَفَاكَ ادْبَالُ نَفْسِكَ اجْتِنَابَ تَكْرِهٍ مِنْ غَيْرِكَ﴾ ”اپنے نفس کی تربیت کے لئے یہی کافی ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کرو جنہیں دوسروں کے لئے بُرا سمجھتے ہو“ (خطبہ/۳۱۲ اتر جمعہ جوادى)

ان تمام کلماتِ امیر المومنین میں بھی شفاء کو امراضِ روح و قلب سے مختص کیا گیا ہے۔

ان آیاتِ قرآنی اور کلماتِ امیر المومنین سے عام اور سادہ ذہن افراد کیلئے بھی یہ بات سمجھنا انتہائی آسان ہے کہ قرآن کریم کتابِ ہدایت و رہبری ہے اور اس کی آیات روح و قلبِ انسانی کی تسکین کے لئے مختص ہیں۔ قرآن کو جسمانی زخموں کے لئے استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر یہود و ہنود اور صلیبی جو کہ اسلام پر نقد و انتقاد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور ان کے ساتھ ہمارے بعض دانشور جو دین و مذہب کی سر بلندی کو

مغرب نوازی میں دیکھتے ہیں کیا اسلام کا تمسخرہ و مذاق نہیں اڑائیں گے؟ تو ایسی صورت میں اسکا ذمہ دار کون ہوگا۔ ان افراد کا یہ عمل عقل و منطق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ لہذا ہم اس سلسلے میں چند الفاظ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے بہا نعمتوں میں سے ایک نعمت ”پانی“ ہے جس سے ہر چیز زندہ و باقی ہے۔ یہ نعمت صرف اس پر ایمان رکھنے والوں سے مخصوص نہیں بلکہ کافر و شرک اور منافق و ملحدین بھی اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اُس نے بھوک سے بچانے کے لئے اس کائنات کو ارزاق کے ذخائر کی جگہ بنایا اور ہر ذی حیات کے رزق کو اپنے ذمہ لیا ہے اس میں بھی مومن و منافق اور کافر و شرک کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ آکسیجن انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضروریات حیات میں سے ہے اسے بھی ہر ذی روح کے لئے بطور مساوی فراہم کیا ہے لہذا آپ کسی بھی جگہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ یہ چیزیں غیر مومنین کے لئے غیر موثر یا نقصان دہ ہوں اور صرف مومنین ہی ان سے استفادہ کر سکتے ہوں۔ جبکہ سورہ اسراء کی آیت ۸۲ میں خداوند متعال نے قرآن کو صرف مومنین کے لئے شفا بتایا ہے:

”اور ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے“ چنانچہ سورہ توبہ کی آیت ۱۲۳ اور ۱۲۵ میں ہے ”اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ (ازراہ تمسخر) کہتے ہیں اس سورہ نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ ایمان والوں کے ایمان میں تو اس نے اضافہ ہی کیا ہے اور وہ خوشحال ہیں۔ البتہ جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی نجاست پر اس نے مزید نجاست کا اضافہ کیا ہے اور وہ مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہے۔“

۲۔ دنیا میں دوا سازی کے ماہرین چاہے کمیونسٹ، مشرک اور ملحد ہی کیوں نہ ہوں جس نے بھی کوئی ٹیبلیٹ، سیرپ، انجکشن یا کسی بھی قسم کی کوئی دوا تیار کی تو وہ اپنی افادیت یا اثر کے لحاظ سے دعویٰ خدائی کرنے والے، دین و مذہب سے خود کو آزاد سمجھنے والے یا تہجد گزار مومن، ولی فقیہ یا امام معصوم سب پر ایک

جیسا اثر کرے گی۔

۳۔ جو بیوقوف افراد دوا کو چھوڑ کر یہ عمل کرتے ہیں ان سے سوال ہے کہ یہ دوا جو افادیت کے لحاظ سے سب کے لئے یکساں ہے اس کے مادہ کو کس نے خلق کیا ہے؟۔

جس طرح ان قاریان قرآن نے حقیر ماڈے کے متبادل بلا سند شرعی آیات قرآنی کو دوا کی جگہ جسمانی بیماریوں کے لئے فروخت کر کے ان (عوام) کو اندھیرے میں رکھا، اسلام و قرآن کے چہرے کو فرسودہ بنایا، ان کی ردیف میں بعض بزرگ علماء اسلام نے بھی وہی کردار ادا کیا ہے۔ لیکن مختصر سے فرق کے ساتھ، انہوں نے بعض احادیث کی الٹی تفسیر پیش کی ہے مثال کے طور پر جب انہوں نے یہ حدیث پڑھی کہ ”جس کی معاش نہیں اس کا معا نہیں“ تو کہنے لگے کہ لوگوں کے سامنے دین کو تنہا پیش نہیں کر سکتے بلکہ نوٹوں کی گٹھری میں چھپا کر میٹھی سیرپ کے مانند پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جب انہوں نے یہ سنا کہ بزرگ علماء نے فرمایا تھا کہ دین میں سیاست ہے تو انہوں نے اسے بھی الٹا کر کے پیش کیا کہ سیاست میں دین ہے انہوں نے دین و مذہب کتاب ہدایت اور پیغمبر اکرم کی طرف سے عائد کردہ بہت سی ذمہ داریوں کے بوجھ کو اٹھانے کی بجائے لوگوں کی معیشت اور سیاست کے بار کو اٹھانا ہلکا اور منفعت بخش سمجھا اور اس کے حصول کیلئے اس سر زمین میں لادینی طاقتوں کے قدم جمانے میں بہت کردار ادا کیا اور یوں ملت اسلامیہ اسلام کے فیوض و برکات اور ثمرات تک رسائی حاصل نہ کر سکی۔ اگر اس گروہ سے ہم جیسے بے علم و بے حیثیت انسان سوال کریں تو فتوؤں، کہانیوں اور اجمال کوئی سے بھگا دیتے ہیں۔ پہلے گروہ کے افراد اپنے عمل کی سند میں قارئین کے سامنے دعاؤں اور تعویذوں کی کتابوں میں لکھی گئی آیات و سورتوں کی خاصیتیں بیان کرتے ہیں اور ان کتابوں کے لکھنے والوں کی شان کو درجہ عصمت پر فائز گردانتے ہیں۔ آیت اللہ ہادی معرفت نے اپنی کتاب ”تفسیر المفسرون“ میں محققین و علماء بالخصوص حضرت آیت اللہ العظمیٰ ابوالقاسم الخوئی رضوان اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ان آیات و سورتوں کی تلاوت کی خصوصیات میں ماڈی فوائد کے بیانات جعلیات میں سے ہیں جنہیں بعض دشمنان قرآن اور نادان دوستوں نے گھڑا ہے۔

۴۔ قرآن کا قائل فہم ہے: عرصہ نزول سے لے کر دورِ حاضر تک مخالفین اسلام و قرآن نے مختلف محاذوں، متعدد ذرائع ابلاغ اور مختلف طور و طریقوں سے عوام الناس کو فہم و درکِ قرآن سے دور رکھا ہوا ہے۔ اس کی مثال خود قرآن کریم کی بعض آیات و احادیث ہیں اور اسی طرح اس دور میں اسلام و قرآن کے دشمنوں اور ہمارے اندر موجود انکے زرخیز غلاموں کی سرگرمیاں اس بات کی گواہ ہیں۔ انکی وجہ سے بہت سے سادہ لوح مسلمان دھوکہ اور فریب میں مبتلا ہوئے ہیں ان کی سازشیں بہت زیادہ کارآمد بھی ثابت ہوئی ہیں اس سلسلہ میں ہم آپ کی خدمت میں چند شواہد پیش کرتے ہیں:

۱۔ اس قرآن کو مت سنو:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَايِہِ لَعَلَّكُمْ تَعْظُونَ﴾ ”اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں

وہ کہتے ہیں: اس قرآن کو نہ سنا کرو اور شور مچا دیا کرو تا کہ تم غالب آ جاؤ“ (فصلت/۲۶)

۲۔ یہ قرآن محمدؐ کو ایک عجی نے سکھایا ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمَ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ أَتَمَّا يَظَعُهُ بَشَرٌ لِّلسَّانِ الَّذِی یُلْحِدُونَ إِلَیْہِ أَعْمٰی وَهٰذَا لَسَانُ عَرَبِی

مِیْن﴾ ”اور تحقیق ہمیں علم ہے کہ یہ لوگ (آپ کے بارے میں) کہتے ہیں: اس شخص کو ایک

انسان سکھاتا ہے۔ حالانکہ جس شخص کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجی ہے اور یہ

(قرآن) تو واضح عربی زبان ہے“ (نحل/۱۰۳)

۳۔ آیاتِ قرآن مجمل اور پیچیدہ ہیں:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰہُ قُرْآنًا عَرَبِیًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فِصْلُتْہِ اِنَّہٗ ؤ اَعْمٰی وَعَرَبِی قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدٰی

و شفاء﴾ ”اور اگر ہم اس قرآن کو عجی زبان میں قرار دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کو کھول

کر کیوں بیان نہیں کیا گیا؟ عجی (کتاب) کہاں اور عربی (نبی) کہاں؟ کہہ دیجئے: یہ کتاب

ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت اور شفاء ہے“ (فصلت/۴۴)

۴۔ خدا نے اس کو اہل مکہ اور طائف کے کسی محترم شخصیت پر کیوں نازل نہیں کیا:

﴿وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم﴾ ”اور کہتے ہیں: یہ قرآن دونوں

بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟“ (زخرف/۳۱)

۵۔ عربی زبان کو دو مرحلوں میں امت اسلامی سے چھینا گیا ہے، پہلے مرحلہ میں خود عربوں سے فصیح عربی کو چھین کر اس کے بدلے میں ایک بازاری زبان کو رواج دیا گیا جو قرآن کریم سے کسی بھی قسم کا ربط نہیں رکھتی۔ دوسرا امت اسلامی کی توجہ کو عربی زبان سے ہٹا کر ان کے قلب و ذہن میں مغربی زبان کی اہمیت جاگزیں کی گئی۔

۶۔ ظاہری حفظ قرآن کو فہم قرآن پر مقدم رکھنا۔

۷۔ اکثر و بیشتر پڑھے لکھے دانشور مسلمان قرآن پاک کی سرسری تلاوت سے محروم ہیں۔

۸۔ درس گاہوں میں عربی قواعد و ضوابط میں کامیاب ہونے والوں کی حوصلہ افزائی موجود ہے لیکن فہم قرآن ان کی فہرست سے خارج ہے۔

۹۔ ذہنی آزمائشی مقابلوں میں قرآن سے متعلق سوالات کا فقدان۔

۱۰۔ حال ہی میں حکام کی طرف سے مروجہ تعلیم کی درس گاہوں میں آیتوں کے ترجمہ یا آیات ہی کو حذف کرنے کی مذموم مہم۔

۱۱۔ قرآن کریم کے مفہوم کو سمجھنا ظنی دلالہ (یعنی مشکوک) ہے اور حدیث کی دلالت کو قطعی ٹھہرانا۔

۱۲۔ مدارس دینی کے نصاب میں قرآن سے متعلق دروس کا نہ ہونا۔

۱۳۔ مدارس دینی میں انگریزی زبان یا کمپیوٹر کو اس منطق کے تحت مقام و اہمیت دینا کہ طلباء مدارس سے فارغ ہونے کے بعد بے روزگار نہ رہیں۔ انکی اس منطق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدارس دینی کا بورڈ صرف مال امام کھینچنے کے لئے ہے نہ کہ دین سکھانے کے لئے۔

۵۔ **انیس اموات:** وہ کتاب جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے آخری نبیؐ پر نازل فرمایا اور امت اسلامی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے نبیؐ تمہیں آداب زندگی

سکھانے اور اسلامی انداز سے جینے کا جو درس دیتے ہیں اسے قبول کرو۔ اگر قرآن پر عمل کرو گے اور نبیؐ کی اتباع کرو گے تو اس کے نتیجے میں آخرت میں جنت و رضوان ملنے سے پہلے اس دنیا میں ہی خدا آسمان و زمین سے اپنی ارزاق کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دے گا۔ دنیا کی تمام اقوام و ملل پر تمہیں بالادستی دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر عمل کرنے سے دنیا کی دولتیں بیت المالِ مسلمین میں جمع ہوئیں۔ اسلامی حکمران گرچہ اسلامی اصولوں سے منحرف تھے لیکن مسلمانوں کا خلیفہ ہونے کو اپنے لئے فخر و اعزاز سمجھتے تھے۔ لہذا بادشاہانِ وقت ان کے سامنے خاضع ہوئے۔ بادشاہِ حبش، قیصر و کسریٰ اسلامی حکومت کے سامنے متزلزل رہے اسی طرح مسلمان حکمران عمر بن عبدالعزیز کے دور میں مملکتِ اسلامی میں صدقہ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ ہشام بن حکم نے بادشاہِ روم کے مقابلے میں امام محمد باقرؑ کے مشورہ سے اسلامی سکّہ رائج کیا، ہارون رشید اپنے دور میں واحد سپر طاقت بنا، ظالم و جابر حکمران اور علمائے کرام دونوں ہی اس آیتِ کریمہ پر مکمل یقین رکھتے تھے کہ ”کافرین کے لئے مومنین پر بالادستی نہیں ہے“ لیکن آج امتِ اسلامی کے حکمران بشمول بعض علماء وعدہ خدا سے زیادہ کفار کے وعدوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کفر کی بالادستی اور تائید و حمایت کو اپنے لئے طاقت و قدرت سمجھتے ہیں اور بعض علماء اپنے لادین حکمرانوں کی لادین طاقتوں کے ساتھ ہم کاری اور تعاون کو اسلام کی عظیم مصلحت سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ اسلام کی مصلحت نہیں ہو سکتی کیونکہ جو مصلحت قرآن کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ البتہ اس میں ان کی اپنی مصلحت ضرور ہو سکتی ہے۔

جب امت نے قرآنِ کریم پر عمل کرنا چھوڑا تو حکام نے کفار کی بالادستی کو قبول کیا۔ جب علماء اپنے بیان و قلم اور درس گاہوں میں قدیم و جدید شعراء کے اشعار کو اہمیت اور ترجیح دینے لگے تو اس کتابِ خدا کے لئے کوئی جگہ نہ رہی کہ اس کی تلاوت کی جاتی، بلا آخر یہ کتاب جو ہدایت و عمل کے لئے نازل ہوئی تھی قبرستان میں انیس اموات بن گئی۔

۶۔ تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے کا مفہوم

تفسیر بالرائے کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں بات کرنے سے قبل ضروری ہے کہ ”رائے“ کا معنی و مفہوم معلوم ہو:

لہذا پہلے ہم رائے کے معنی و مفہوم اور اس کے مصادیق بیان کریں گے اسکے بعد تفسیر بالرائے کے بارے میں اقوال و نظریات کو پیش کریں گے اور پھر اس پر بحث و تحقیق کریں گے۔

۱۔ رائے اعتقاد، اجتہاد، غور و فکر استنباط کے نتیجہ کے اظہار کا نام ہے۔

۲۔ رائے اپنی خود ساختہ بات، سلیقہ، خود پسندی، موازنہ یا قیاس سے ماخوذ ہے اس سلسلہ میں حاجی خلیفہ نے کتاب ”کشف الضنون“ میں تفسیر بالرائے کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔

تفسیر بالرائے کے بارے میں اقوال و نظریات

۱۔ مقدّماتی علوم کہ جن کی مدد یا معاونت سے قرآن سمجھا جاسکتا ہے کے بغیر قرآن کے بارے میں رائے قائم کرنا۔

۲۔ متشابہات قرآن جسے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، انکی تفسیر کرنا۔

۳۔ اپنے خود ساختہ مذاہب کی دلیل کیلئے کسی آیت سے استدلال کرنا۔

۴۔ کسی آیت کے غیر ظاہری معنی کو بغیر کسی سند کے پیش کرنے کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

۵۔ استحسان عقل، ہوا و ہوس اور ذوق شخصی کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کرنا تفسیر بالرائے کہلاتا ہے

تفسیر بالرائے کے خلاف روایتیں

فریقین کی کتب میں تفسیر بالرائے کی ممانعت میں مستند کثیر روایات موجود ہیں۔ تفسیر بالرائے سے متعلق روایات کے بارے میں بعض نے تو اتر ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

۱۔ شیخ صدوق نے امیر المومنینؑ اور آپؑ نے پیغمبر اکرمؐ اور آپؑ نے خدا سے یہ روایت نقل کی ہے ”وہ شخص ایمان نہیں لایا جو میرے کلام کی اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہو“ جب حضرت علیؑ کے سامنے کسی نے کہا کہ قرآن میں تناقص ہے تو آپؑ نے فرمایا ”تم اپنی رائے سے قرآن سمجھنے کی کوشش سے گریز کرو۔“

۲۔ امام رضاؑ سے ایک روایت نقل ہے ”کتاب خدا کی تاویل اپنی رائے سے نہ کرو“ امام نے سورہ آل عمران آیت ۷ کو اپنے دعویٰ کی سند کے لئے پیش کیا۔

۳۔ امام جعفر صادقؑ سے نقل ہے ”جس نے قرآن کی اپنی رائے سے تفسیر کی اگرچہ وہ تفسیر صحیح ہی کیوں نہ ہو اس کے لئے کوئی اجر نہیں اور اگر غلط تفسیر کی تو اس کے لئے گناہ ہے۔“

۴۔ شہید اولؒ لکھتے ہیں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ”جو شخص قرآن کے بارے میں بغیر علم بات کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور میں اپنی امت میں ایسے لوگوں کیلئے ڈرتا ہوں جو قرآن کو اسکی جگہ سے ہٹاتے ہیں۔“

۵۔ ابن عباسؓ سے نقل ہے جو قرآن کی اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ تفسیر بالرائے کے مصداق اور اس سے متعلق وارد روایتیں۔ لیکن محققین علماء و مفسرین نے تفسیر بالرائے کی ممانعت کو قرآن فہمی کے خلاف ایک سازش اور شوشا قرار دیا ہے محققین نے اس سلسلہ میں چند نکات اٹھائے ہیں:

۱۔ تفسیر بالرائے کے مفہوم کو سمجھنے کی بجائے اس کے مفہوم کو الٹا گردانا گیا ہے۔ چونکہ رائے ہی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے لہذا رائے سے ممانعت کی کوئی منطق نہیں ہے اس کی وضاحت یوں ہے۔

لفظ ”رائے“ جیسا کہ قاموس قرآن میں آیا ہے کہ یہ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ آنکھ سے دیکھنا اور عقل و دل سے سمجھنا۔ ماہرین علوم لغت و قواعد نے لکھا ہے کہ اگر یہ کلمہ رائے صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہو تو صرف دیکھنے کے معنوں میں آتا ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل آیات میں آیا ہے۔

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا لَيَالِي فَتُلَاقِي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أَحِبُّ الْآفَلِينَ﴾ ”جب رات کی تاریکی

ان پر چھا گئی تو انھوں نے ایک ستارہ دیکھا تو انھوں نے کہا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو انھوں نے کہا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا“ (انعام/ ۷۶) ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ كُمُودًا قَالَ إِنَّهُ مِّنْ كِذِّكَ إِنَّ كِذِّكَ عَظِيمٌ﴾ ”خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کرنا پیٹھ کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے بے شک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے“ (یوسف/ ۲۸)

اسی طرح یہ کلمہ اگر دو مفعول کی طرف بغیر حرف جر متعدد دی ہو تو دیکھنے اور سمجھنے کے معنوں میں استعمال ہوگا جیسے مندرجہ ذیل آیات میں آیا ہے۔

﴿وَيُرِي الْمَلٰٓئِكَةَ اٰتٰوَالْعِلْمَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقُّ وَیَهْدِیْ اِلَیْ صِرَاطٍ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ ”اور جنہیں علم دیا گیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور وہ بڑے غالب آنے والے اور قابل ستائش (اللہ) کی طرف ہدایت کرتا ہے“ (سبا/ ۶)

اس آیت کریمہ میں ﴿الَّذِیْ اَنْزَلَ﴾ یہ مفعول اول ہے اور (وہو الحق) مفعول دوم (یری) ہے۔ یعنی یہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے جانتے ہیں کہ آپ پر جو نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔

﴿اِنْ تَرٰنِ اِقْلَ مِنْكَ مَالًا وَّلَوْ لِقَا﴾ ”اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے“ (کہف/ ۳۹)۔

یہاں ترن ”ن“ کے بعد ایک ”ی“ محذوف ہے جسے ”ی“ متکلم کہتے ہیں۔ یہ مفعول اول ہے اور کلمہ ”اقل“ مفعول دوم (ترن) ہے۔ کوئی شخص اگر اپنی آنکھ سے دیکھے اور عقل و دل سے سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے تو اس میں کیا قباحت ہے؟۔ اگر قرآن کی تفسیر علم سے نہ کریں تو کس سے کریں؟

۲۔ جن علماء نے تفاسیر قرآن لکھی ہیں کیا یہ انکی رائے سے نہیں لکھی گئیں؟۔

شیخ طوسی

۱۔ تفسیر التبیان

- ۲۔ تفسیر مجمع البیان طبریؒ
 - ۳۔ تفسیر البیان آیت اللہ الخوئیؒ
 - ۴۔ تفسیر المیزان علامہ طباطبائیؒ
 - ۵۔ تفسیر الفرقان آیت اللہ محمد صادقی
 - ۶۔ تفسیر من وحی القرآن آیت اللہ فضل اللہ
 - ۷۔ تفسیر کاشف علامہ جواد مغنیہ
 - ۸۔ تفسیر نمونہ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی
 - ۹۔ تفسیر تنہیم آیت اللہ جوادی آملی
- ان کے علاوہ دیگر علماء اور مفسرین اہل سنت والجماعت کی طرف سے لکھی گئی سینکڑوں تفاسیر قرآن جو مختلف زاویوں سے تصنیف کی گئی ہیں۔ کسی نے قرآن کی تفسیر قرآن سے، کسی نے عربی قواعد کے حوالے سے، کسی نے آیات و روایات دونوں کو ملا کر اور کسی نے علمی تجربات کی روشنی میں قرآن کی تفاسیر کی ہیں۔ انہوں نے اس میدان میں تحقیق کی ہے کیا ان سب کی یہ کوششیں مذموم قرار پائیں گی؟
- ۳۔ جو روایات تفسیر بالرائے کی ممانعت میں آئی ہیں انہیں علماء نے ضعیف السند قرار دیا ہے یا ان افراد کیلئے ہیں جنہوں نے ظاہر قرآن سے ہٹ کر اپنی طرف سے کوئی تفسیر قرآن پیش کی ہے لہذا انکی ممانعت کی گئی ہے۔
- ۴۔ قرآن کریم کی وہ آیات جن میں تدبر اور تعقل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تفسیر بالرائے کی مخالفت میں بیان کی جانے والی روایات ان آیات کے خلاف ہیں۔
- ۵۔ نہج البلاغہ میں مولا امیر المؤمنینؑ نے اپنے خطبات میں بہت سی جگہوں پر قرآن سے رہنمائی لینے کی دعوت دی ہے۔
- ۶۔ کتاب خدا کے بارے میں گفتگو کرتے وقت اور اس کے الفاظ کے معنی و تفسیر بیان کرتے وقت مصداق

کے تعین کی ضرورت ہے۔ کیونکہ گذشتگان سے ہم تک تمام چیزیں نہیں پہنچیں لہذا اس صورت میں مہمات کو متوقف رکھنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے مناسب نظریہ قائم کرنا چاہیے۔

۷۔ اگر قرآن کے تمام معنی و مصداق پیغمبر اکرمؐ نے بیان کیے ہیں اور ہمیں انھیں سمجھنے یا درک کرنے سے منع کیا گیا ہے تو سابق اصحاب و علماء کو اس پر عمل کرتے ہوئے توقف کرنا چاہیے تھا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

۸۔ اصحاب پیغمبرؐ نے تفسیر قرآن میں مداخلت کی ہے اور اس سلسلے میں ہم تک بہت سی روایات پہنچی ہیں تو اگر یہ ایک ممنوع عمل ہوتا تو اصحاب پیغمبرؐ اس پر عمل سے توقف کرتے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ جو رائے عربی قواعد کے مخالف ہو اور دلیل شرعی بھی اسکے خلاف ہو اسے ممنوع قرار دیں۔

۹۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت ناقابل فہم یا توجیہ سے باہر ہے۔ قرآن میں جو بھی معانی بیان ہوئے ہیں انھیں استعمال نہ کرنے کی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔ تمام تفاسیر فہم و درک معانی قرآن کیلئے لکھی گئی ہیں جن میں مفسرین نے اپنی کوششوں سے فہم شدہ معانی کو پیش کیا ہے۔ البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتب غلطی و اشتباہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کیلئے فہم قرآن کی تہہ تک پہنچنا میسر نہیں ہے بلکہ قرآن فہمی کی مثال اس انسان کی مانند ہے جو سمندر سے جتنا بھی پانی پیئیں سمندر میں کمی نہیں آئے گی۔ اسی طرح یہ کلام خالق ہے خالق مخلوق پر محیط ہے کبھی محاط محیط پر احاطہ نہیں کر سکتا۔

مندرجہ بالا دلائل آیات قرآنی اور روایات فریقین اور کلمات نہج البلاغہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد اہل تشیع و اہل تسنن کے علماء کے اس اختلافی مسئلہ کا حل طلسمی کھل جاتا ہے کہ جو کہتے ہیں اس ملک میں نظام اسلامی کی نفاذ کی راہ میں ایک رکاوٹ ان آیات قرآنی کی تفسیر و توضیح میں اختلاف ہے کہ کس مسلک کی تفسیر کو سند اور بنیاد قرار دیا جائے۔ جبکہ انکے برعکس خود قرآن فرماتا ہے میں ایک واضح بیان اور روشن کتاب ہوں۔ اسی طرح حدیث کی سند کی توثیق قرآن سے ہے نہ کہ قرآن کی تصدیق حدیث سے۔ لہذا انکی یہ بات کہ کس

مسلک کی تفسیر کو لے لیں مسلک کو قرآن پر ٹھونسنے کی بات ہے نہ کہ قرآن سے مسلک کو ثابت کرنے کی۔ مسلک کی تفسیر کو قرآن پر ٹھونسنے کی تفسیر بالرائے ہوگی جو فریقین کے تمام علماء کے نزدیک باطل ہے۔ اسی طرح حدیث کی توثیق و تائید قرآن سے ہونی چاہئے نہ کہ قرآن کی تائید حدیث سے ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر مسلک کیلئے کوئی پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں رہتی۔ قرآن میں اس کتاب کو عربی میں نازل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن عربی کے معنی لغت عرب نہیں کیونکہ اسکی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عربی سے مراد بیان واضح ہے۔ اس طرح اگر مندرجہ بالا نظریہ کو مانیں گے تو اس منطق کے تحت حدیث ثقلین بھی قابل عمل نہیں رہے گی کیونکہ اس میں قرآن اور اہل بیت دونوں سے تمسک رکھنے کا حکم ہے۔

۷۔ وجود آیات متشابہات

قرآن کریم میں آیا ہے کہ جن کے دلوں میں کینہ و حسد اور میل کچیل ہے اور وہ بے عزائم رکھتے ہیں وہ آیات متشابہات کو دلیل بنا کر قرآن سے تمسک کرنے کو ناممکن اور ناجائز ہونے کی سند میں پیش کرتے ہیں۔ لہذا پہلے ہم متشابہ اور اس کے معانی و مصادیق بیان کریں گے بعد میں اس مسئلہ کو بنیاد بنانے والوں کو جواب دیں گے۔

معنائے محکم و متشابہ

محکم مادہ حکم سے ہے جیسا کہ قاموس قرآن میں آیا ہے کہ حکم پائیدار اور استوار کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

”وہ ذات منزہ ہے جس کے مصنوع سب سے زیادہ محکم و پائیدار ہیں.....“ (نمل/۸۸)

بعض نے حکم کا معنی اصلاح کی غرض سے فساد سے روکنا بتایا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ طیب کو حکیم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مریض کے مرض کو پھیلنے سے روکتا ہے۔

بعض نے حکم کا معنی حیوان کو لگانے والی لجام بتایا ہے کیونکہ اس سے حیوان کو غلط راستے پر چلنے یا سرکشی سے روکا جاتا ہے۔ بعض نے دو آدمیوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات اور تنازعات کے بارے میں فیصلہ

کرنے کو کہا ہے۔

”تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی رنجش نہ آئے بلکہ وہ (اسے) بخوشی تسلیم کریں“ (نساء/۶۵) ”اور یہ لوگ آپ کو منصف کیسے بنائیں گے جبکہ ان کے پاس تو ریت موجود ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہونے کے باوجود یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے“ (مائدہ/۴۳) ”ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو حق پر مبنی ہے اور اپنے سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان پر نگران و حاکم ہے لہذا آپ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں“ (مائدہ/۴۸) ”اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں“ (ص/۲۶)

اسی مادے سے حکیم بنا ہے اور یہ کلمہ قرآن کریم میں ۹۷ بار استعمال ہوا ہے جس میں پانچ جگہ پر قرآن کریم کے لئے استعمال ہوا ہے:

”یہ اللہ کی نشانیاں اور حکمت بھری نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے ہیں“ (آل عمران/۵۸) ”قسم ہے قرآن حکیم کی“ (یسین/۲) ”یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت والی ہے“ (یونس/۱) ”یہ حکمت بھری کتاب کی آیات ہیں“ (لقمان/۲) ”درحقیقت یہ ام الکتاب میں ثبت ہے، ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ حکمت سے لبریز کتاب“ (زخرف/۴) ”اور جب محکم بیان والی سورت نازل ہو.....“ (محمد/۲۰) ”وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکم ہیں“ (آل عمران/۷)

تثابہ: مادہ ثبہ سے لیا ہے جس کا معنی کسی ایک چیز کا دوسری سے مماثلت یا ہم شکل ہونا ہے یا دو چیزوں کے درمیان زیادہ مماثلت ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی تمیز نہ کر سکتا:

”جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں“ (انعام/۹۹) ”حالانکہ انہیں اس سے ملتا جلتا دیا گیا ہے“ (بقرہ/۲۵) ”گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی“ (بقرہ/۷۰) ”ان سب کے دل ملتے جلتے ہیں“ (بقرہ/۱۱۸) ”زیتون اور انار جو باہم مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی پیدا کئے“ (انعام/۱۳۲) ”اللہ نے ایسی کتاب کی شکل میں بہترین کلام نازل کیا ہے جس کی آیات باہم مشابہ اور مکرر ہیں“ (زمر/۲۳) ”اور انار کے باغات (جن کے پھل) ایک دوسرے سے مشابہ اور ذائقے میں جدا جدا ہیں“ (انعام/۱۰۰) ”جس کی آیات باہم مشابہ اور مکرر ہیں“ ”زیتون اور انار جو باہم مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی پیدا کئے“

(انعام/۲۳ اور ۱۳۲)

قرآن کریم کے سورہ آل عمران/۷ میں آیات قرآن کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک آیات محکمات دوسری آیات متشابہات۔ قرآن میں بعض آیات متشابہ ہیں یعنی ایک دوسرے کے ہم معنی اور ہم لفظ ہیں جسکی وجہ سے کسی لفظ کے معنی میں یقین حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے آیات متشابہ کی پیروی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس تمام گفتگو سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ضلالت و گمراہی اور گروہ باطل سے بچنے کیلئے بہتر یہی ہے کہ ہم قرآن کی تفسیر از خود نہ کریں۔

راغب اصفہانی نے آیات قرآن کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ بعض آیات محکم ہیں یعنی بالکل واضح و روشن ہیں۔

۲۔ ایک رخ سے واضح لیکن دوسرے سے مبہم ہیں۔

۳۔ بعض آیات کلی طور پر مبہم اور غیر واضح ہیں۔

قرآن کریم میں متشابہ اور محکم دونوں قسم کی آیتیں موجود ہیں لیکن ہمیں معلوم کون سی آیت متشابہ ہے اور کون سی محکم اس لئے ہمارے لئے ساری آیات متشابہ ہوئیں۔ اسکے ساتھ آیت متشابہ کی پیروی کرنے والوں کو مرض قلب سے نسبت دی گئی ہے۔

اسباب تشابہ

کتاب علوم قرآنی جلد ۲ ص ۱۵۸ ”باب علماء“ میں بعض کلمات میں ”تشابہ“ پانے کے چند عوامل بیان کئے ہیں۔

۱۔ متکلم اپنی مراد و مقصود بیان کرنے سے عاجز ہے یا لکنت بیانی رکھتا ہے یا جس زبان میں گفتگو کرتا ہے اس میں عبور نہیں رکھتا۔

۲۔ اس کے کلام کا مقصد ہی معنی یا مجمل کوئی ہے یعنی زبان پر عبور ہے لیکن عمداً مجمل کوئی کرتا ہے تاکہ کوئی سمجھ نہ سکے۔

۳۔ مجمل اور ذو معنی کلام اس لئے کرتا ہے تاکہ ہر شخص نہ سمجھ سکے بلکہ صرف اس کے منظور نظر افراد ہی اسے سمجھ سکیں اسلئے وہ مجمل کوئی سے استفادہ کرتا ہے۔

۴۔ کلام میں تسلسل اور ہم آہنگی نہیں لاتا یا بھول جاتا ہے یا اس وجہ سے اس کا کلام چند پہلو یا ذو معنی رہ جاتا ہے۔

۵۔ معنی اور مطالب اتنے وسیع و عریض اور گہرے بیان کرتا ہے کہ وہ کسی خاص لفظ کے قالب میں سما ہی نہیں سکتے لہذا کلام تشابہ اور ذو معنی ہو جاتا ہے۔

۶۔ لفظ مختصر ہونے کی وجہ سے جیسے سورہ نساء آیت ۳ میں ہے ”اور اگر یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کا خطرہ ہے تو جو عورتیں تمھیں پسند ہیں دو۔ تین۔ چار ان سے نکاح کرلو“ یتیموں میں عدالت نہ کر سکنے اور دو تین چار عورتوں سے شادی کرنے میں ربط سمجھ میں نہیں آتا۔

۷۔ کلام مفصل ہونے کی وجہ سے۔ جیسے بہت سے خطباء کی تقاریر جو طویل ہونے کی وجہ سے انسان ابتداء اور انتہا میں ربط نہیں کر پاتا۔

۸۔ نظم کلام سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے جیسے سورہ کہف آیت ۱/ ”ثنائے کامل اس اللہ کیلئے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی“

۹۔ معنی کے حوالے سے ہیں جیسے اوصاف خدا اور اوصاف قیامت بیان ہوئے ہیں چونکہ ہم دونوں کو حس نہیں کر سکتے۔

کمیت میں اشتباہ۔ جیسے ”مشرکین کو قتل کرو (توبہ/۵)

کیفیت میں اشتباہ آیا واجب ہے یا مستحب (نساء/۳)

زمان کے حوالے سے جیسے ”اللہ کا خوف کرو جیسا کہ اس کا خوف کرنے کا حق ہے“ (آل عمران/

۱۰۲)

مکان کے حوالے سے جیسے

”پشت خانہ سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور تم

اپنے گھروں میں دروازے سے ہی داخل ہوا کرو“

(بقرہ/۱۸۹)

راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ تشابہ کی خود تین قسمیں ہیں:

۱۔ لفظ مفرد ہے جیسے (اب) یعنی باپ کو بھی کہتے ہیں چچا اور جد کو بھی کہتے ہیں

۲۔ لفظ مشارکت جیسے ید اور عین وغیرہ۔

۳۔ لفظ مرکب ہونے کی وجہ سے تشابہ ہونا۔

کتاب بھیج و حضارۃ تالیف عبدالشہید مہدی الستراوی ص ۲۵۶ پر تشابہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۔ تشابہ یعنی ایک آیت دوسری آیت سے مشابہت رکھتی ہو۔ اس حوالے سے قرآن کی ہر آیت صدق حق

ہونے اور منکرین کو چیلنج کرنے کے حوالے سے تمام آیات ایک دوسرے سے تشابہ ہیں۔ جیسا کہ سورہ

زمر آیت ۲۳ میں ہے ”اللہ نے ایسی کتاب کی شکل میں بہترین کلام نازل کیا ہے جس کی آیات باہم

مشابہ اور مکرر ہیں۔“

۲۔ جس کے معنی واضح نہ ہوں اس حوالے سے تمام قرآن تشابہ نہیں ہے بلکہ صرف بعض آیات تشابہ ہیں

جیسا کہ سورہ آل عمران آیت ۷ میں ہے ”وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکم (واضح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں“

۳۔ چونکہ واضح نہیں کون سی آیات متشابہ ہیں اور کون سی محکم اس حوالے سے پورا قرآن متشابہ ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک وضاحت کی ضرورت ہے، ان پڑھ انسان اور وہ دانشور حضرات اور علماء حضرات اور مجتہدین جنہوں نے کبھی قرآن فہمی کے بارے میں سوچا بھی نہیں ان کیلئے پورا قرآن متشابہ ہے۔ بعض علماء اور مفسرین قرآن اپنے اپنے مراتب تو جہہ بقرآن کے حوالے سے تعداد آیات متشابہہ میں مراتب رکھتے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ اور آمنہ طاہرہؑ کیلئے کوئی بھی آیت متشابہ نہیں ہے۔

قرآن میں آیات محکمت متشابہات سے زیادہ ہیں

قرآن میں آیات محکم زیادہ ہیں اور آیات متشابہ کم ہیں یعنی اصل قرآن محکم ہے جیسا کہ سورہ ہود آیت نمبر ۱ میں ہے ”یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم کی گئی ہیں پھر ایک با حکمت با خبر ذات کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں“۔

آیات متشابہ کو آیات محکم کی طرف پلٹانے سے متشابہ محکم ہو جاتی ہیں جیسا کہ علامہ طباطبائی کتاب ”قرآن اسلام میں“ صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں کہ اہلبیتؑ سے وارد روایات سے ثابت ہے کہ قرآن میں کوئی آیت متشابہ نہیں ہے بطور مثال سورہ قیامت آیت ۲۲، ۲۳ متشابہ ہیں لیکن سورہ انعام ۱۰۳ اور سورہ شوریٰ آیت ۱۱ سے یہ متشابہ ختم ہو جاتا ہے۔

”بہت سے چہرے اس روز شاداب ہونگے وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے“ (قیامت/

۲۳/۲۲) ”نگاہیں اسے پانہیں سکتیں اور وہ نگاہوں کا برابر ادراک رکھتا ہے کہ وہ لطیف بھی ہے

اور خبیر بھی“ (انعام/۱۰۳) ”وہ سب کی سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے“ (شوریٰ/۱۱)

احادیثِ آئمہ سے ثابت ہے کہ قرآن میں تخصیصِ مانع عام مطلق، حقیقت، مجاز ہے لہذا ان سب کے ہوتے ہوئے کسی آیت سے اسکا معنی اخذ کرنا صحیح نہیں۔ قرآنی آیات کے بارے میں اجمالاً معلوم ہے کہ یہ مطلق

ہیں لیکن انہیں میں مقید اور مجاز کا بھی احتمال ہے اس لئے ہم جو ظاہری معنی لینگے ان پر عمل مشکوک ہوگا۔

۸۔ اسلام میں حدیث اور اخبار گری کا گروہ:

امت اسلامی کے دونوں فرقوں اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع میں ایک گروہ ایسا ہے جو قرآن کریم پر حدیث و سنت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے فرقہ کو اہل حدیث کہتے ہیں جبکہ اہل تشیع سے تعلق رکھنے والے گروہ کو اخباری کہتے ہیں۔ یہ دونوں قرآن کو چھوڑ کر صرف حدیث سے تمسک کرنے کی منطق کے جواز میں ایک دوسرے سے مختلف دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اہل سنت والجماعت: قرآن کریم میں آیات ناسخ و منسوخ ہیں، مجمل ہیں عام و خاص ہیں۔ جب ہمیں ان کے بارے میں علم نہ ہو تو کیسے معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے مراد لیا ہے وہی مراد مقصود مولا ہے۔

۱۔ اہل سنت کے ایک گروہ کے درمیان قرآن کو متروک و مجبور چھوڑنے کے حوالے سے ایک عرصے سے مہم جاری ہے کہ قرآن مجمل و مبہم ہے اس میں ناسخ و منسوخ ہے۔

۲۔ احکام شریعت انسانی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے لہذا حقیقت میں ہمارے لئے شریعت کا ماخذ و مصدر حدیث ہے لہذا اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں ان کی تفاسیر یہ ہیں:

۱۔ تفسیر جامع البیان۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری۔ متوفی ۳۱۰ھ

۲۔ تفسیر الثعلبی۔ ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۲ھ

۳۔ تفسیر ابن عطیہ۔ ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ متوفی ۴۸۱ھ

۴۔ تفسیر الثعالبی۔ ابو زید عبد الرحمن الثعالبی متوفی ۸۷۶ھ

۵۔ تفسیر ابن کثیر۔ حافظ عبدالدین ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ

۶۔ تفسیر درمنثور۔ جلال الدین محمد سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ہے۔

ان کی یہ منطق خود قرآن کریم کی آیات جو ہم آگے جا کر نقل کریں گے کے خلاف ہے اس کے علاوہ اہل سنت

کے جید علماء حتیٰ آئمہ اربعہ میں سے مشہور امام، امام احمد بن حنبل کی قرآن کریم سے متعلق روایات پر تبصرہ و تفسیر کے سراسر خلاف ہے جہاں امام حنبل نے فرمایا ہے تین چیزوں میں وارد روایتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے:

۱۔ تفسیر قرآن کے متعلق وارد روایات۔

۲۔ آئندہ ہونے والی پیشن گوئیاں۔

۳۔ جنگی خبریں۔ کیونکہ ان تینوں میں اسرائیلی روایات نے حد سے زیادہ نفوذ کیا ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد امت مسلمہ کے درمیان جو بھی نظریہ قرآن کو پیچھے چھوڑنے پر منتہی ہوتا ہو، ہم اس تصور کو مخدوش اور مطعون گردانتے ہیں۔

تفسیر روائی میں ایک سقم روایات اسرائیلی ہیں

اسرائیل لقب حضرت یعقوبؑ ہے۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ سلام سے منسوب ہیں چاہے یہ نسبت نسب ہی حوالے سے ہو یا یہودیت پر ایمان لانے کی وجہ سے ہو لفظ اسرائیل عبرانی ہے ”اسر“ عبد کو کہتے ہیں ”ئیل“ خدا کو کہتے ہیں لیکن یہودیوں نے جو بقول شہید مطہریؒ ”قہرمان و شہسوار تحریف ہیں نے“ ”اسر“ کے معنی غلبہ اور ئیل کا معنی خدا کیے ہیں۔ یعنی خدا پر غلبہ حاصل کرنے والا۔ یہ ایک افسانہ ہے جو یہودیوں نے گھڑا ہے کہ ایک رات حضرت یعقوب اور خدا میں کشتی ہوئی اور جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ حضرت یعقوب خدا سے جیت گئے۔ جو بھی روایت اس قوم سے منسوب ہے اسے اسرائیلی کہتے ہیں۔ ہماری کتب روائی میں یہودیوں کی طرف سے کثیر روایات کا شامل ہونا امت اسلامی کے فریقین کے نزدیک مسلمہ حقیقت ہے اور اسکی چند وجوہات ہیں:

۱۔ مشرکین عرب یہود کو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اہل فکر و نظر سمجھتے تھے چنانچہ جب پیغمبر اکرمؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو مشرکین نے آپؐ کی نبوت کی صداقت کے بارے میں یہودیوں سے پوچھا کہ محمدؐ ہدایت پر ہیں یا ہم تو یہودیوں نے کہا کہ تم محمدؐ سے زیادہ ہدایت پر ہو۔

۲۔ خود خداوند متعال نے مشرکین کو حکم دیا کہ اگر تم محمدؐ کے بارے میں شک کرتے ہو تو اہل کتاب سے پوچھو سورہ انبیاء ۷، یونس ۹۴، نحل ۴۳، اسراء ۱۰۱ میں اس کا ذکر ہے:

”اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو“ (انبیاء/ ۷) ”اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو“ (نحل/ ۴۳)

جب ان لوگوں نے حقیقی جواب دینے سے گریز کیا اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تو خداوند متعال نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے قطع تعلق کریں اسکا ذکر سورہ آل عمران ۱۱۸ میں موجود ہے:

”اے ایمان والو! اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ“

۳۔ سورہ مائدہ ۸۲ کے تحت یہودیوں کو اسلام سے بہت زیادہ عداوت و دشمنی ہے:

”(اے رسول) اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہود اور مشرکین کو آپ پیش پیش پائیں گے“

(مائدہ/ ۸۲)

یہودیوں نے جن افراد کے ذریعے جعلی روایات دین اسلام میں داخل کی ہیں ان میں قابل ذکر نام عبداللہ بن سلام، کعب احبار، محمد ابن کعب، وہب بن منبہ اور تمیم داری شامل ہیں۔ سب سے زیادہ اسرائیلی روایات کا نفوذ تاریخ اور تفسیر میں شامل ہوا ہے اس کے ساتھ پیشین گوئیوں میں بھی ان کا دخل ہے۔ بطور مثال قصہ آدم بقرہ ۳۰، ۳۸، قصہ ہاروت و ماروت بقرہ ۲۲۸، قصہ داؤد و جالوت بقرہ ۲۵۱، قصہ ہانبل و قابیل مائدہ ۲۷، قصہ بنی اسرائیل (تبیہ) مائدہ ۲۲، عوج بن عوق، قصہ موسیٰ، الواح تورات اعراف ۱۲۵، ۱۵۰، ۱۵۲، قصہ یوسف، یوسف ۲۳، ۵۲، اصحاب کہف ۲۹ تا ۲۶، ذوالقرنین ۸۳ تا ۹۸، یاجوج و ماجوج کہف ۹۲ تا ۹۹، قصہ بلقیس نحل ۴۴، قصہ سلیمان نحل ۳۵، قصہ ذبیح میں حضرت اسحاق کو حضرت اسماعیل کی جگہ دکھانا، قصہ عدالت داؤد، قصہ ایوب سورہ ص ۴۴، ۴۱، عمر دنیا، رعد و برق، جبل و کیف، نون و قلم یہ تمام واقعات اسرائیلی روایات سے بھرے پڑے ہیں۔

۲۔ اہل تشیع کی منطق یہ ہے: اہل تشیع سے تعلق رکھنے والے بعض علماء دانستہ یا نادانستہ یا بنیادی مسائل میں بھی تعقل اور تفکر کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے تساہل و تسامح سے کام لیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جو تفسیر اہلبیت سے مروی نہیں وہ قابل قبول نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہلبیت کا نام لے کر جو بھی بات کرنا چاہیں کر سکتے ہیں چاہے وہ بات عقل و شرع کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو اسے رد کرے اُسے دشمن اہلبیت قرار دیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ قرآن کریم پیغمبرؐ کے بعد جمع ہوا ہے اور اس کو جمع کرتے وقت بعض آیات یا کلمات کو حذف کیا گیا ہے یا اس کی ترتیب میں تحریف کی گئی ہے۔ یعنی قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ آپ کسی آیت کی تفسیر اس کے سیاق و سباق کے تحت نہیں کر سکتے کیونکہ ممکن ہے جس آیت کی آپ تفسیر کر رہے ہیں اس آیت کے معنی بیان کرنے یا اسکو واضح کرنے والے قرائن کو حذف کر دیا گیا ہو۔

۳۔ باطن قرآن سے تمسک: شیعوں کے درمیان اہل باطن یعنی فرقہ اسماعیلیہ کے عقائد و نظریات کا بھی نفوذ ہوا ہے۔ ان کے نظریات اخباریوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں انھوں نے اپنے مذہبی عقائد و احکام قابل فہم و درک نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کے ظاہر کو مسترد اور باطن سے تمسک کرنے کی مہم چلائی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں انہوں نے قرآن کے فضائل اور تفسیر کے بارے میں آئمہ سے وارد بعض روایات سے مدد لی ہے۔ ان کا کہنا ہے قرآن کے ظاہر پر مت جائیں بلکہ قرآن کے باطن کو سمجھنے کی کوشش کریں اور قرآن کا باطن صرف ہم ہی جانتے ہیں۔ یہ گروہ اسماعیلی جنہیں باطنیہ بھی کہتے ہیں اس فکر میں سرفہرست ہیں۔ ہمارے ملک میں بعض بے وقوف شیعہ اسماعیلوں کو حضرت علیؑ کا نام لینے کی وجہ سے شیعہ گردانتے ہیں حالانکہ اسماعیلیوں کا شیعیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تمام شیعہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کوئی بھی بارہ آئمہ میں سے کسی ایک سے بغض و عداوت رکھے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور ناصبی ہے۔ جب کہ یہ گروہ امام جعفر صادقؑ کے بعد کے آئمہ سے بغض و عداوت رکھتا ہے لیکن اپنی سیاسی حکمت عملی کی بنیاد پر ہمارے درمیان اسکا مظاہرہ نہیں کرتا۔ اسکے علاوہ یہ اسلام کے

بہت سے ضروریات دین کے منکر ہیں۔ لہذا ان سے اہل تسنن حتیٰ جنہیں وہابی کہا جاتا ہے وہ شیعہ کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ نماز، حج گناہ، ماہ مبارک رمضان کے روزے، حج خانہ خدا کے پابند ہونے کے ساتھ ساتھ امیر المومنین حضرت علیؑ سے لے کر امام زمان (عج) تک سب سے محبت رکھتے ہیں اور جب تک اپنے خطبہ جمعہ میں ان ذوات پر صلوات نہ بھیجیں اپنا خطبہ ختم نہیں کرتے۔ اسماعیلیوں کا اسلام سے خارج ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے مصر میں ہونے والی تقریب بین المذاہب کانفرنس میں تمام شیعہ سنی علماء نے متفقہ طور پر اسماعیلیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ اسماعیلیوں کو شیعہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ اہل تشیع کے اصول و فروع دونوں کے خلاف ہیں۔ صرف علیؑ کا نام لینا شیعیت کی علامت نہیں بلکہ یہ علیؑ اللہیت اور نصیریت کو فروغ دے رہے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم وہابیت کی حمایت کرتے ہیں تو ہم ان کے بارے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ وہ اسماعیلیوں کے مفاد کے محافظ ہیں۔

دوسرا اگر وہ اہل صوفیہ کا ہے یہ گروہ قرآنی آیات میں کی پیشی کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ قرآن کے الفاظ کے ظاہری معنی کو نہ لیا جائے بلکہ اس کے باطن پر عمل کیا جائے۔ انھوں نے اس قسم کی بہت سی تفاسیر کی ہیں جسکی ایک مثال یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے واقعہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ ابراہیمؑ سے مراد عقل ہے اور اسماعیلؑ سے مراد نفس اور عقل کو حکم ہوا کہ نفس کو ذبح کرے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی غیر عقلی تفاسیر ان حضرات کے پاس موجود ہیں۔

آیت اللہ ہادی معرفت لکھتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر صرف روایات سے کرنے میں ضعف و نا اعتمادی کی تین وجوہات ہیں۔

۱۔ احادیث ضعیفہ سند و مرسل ہیں یا ان کا ایک ٹکڑا (حصہ) ضعیف ہے۔

۲۔ تفاسیر میں زیادہ ترجیحی اور خود ساختہ احادیث پائی جاتی ہیں۔

۳۔ تفسیر و تاریخ میں اسرائیلی روایات کی کثرت ہے۔

آیت اللہ ہادی معرفت اپنی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۳۳ پر جعلی احادیث کے علل و اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مسلمانوں کا محور و مرکز ہے۔ لہذا مسلمانوں پر اسی محاذ سے حملہ ہوا ہے اس کام کا آغاز معاویہ کے ہاتھوں شروع ہوا لیکن بعد میں بنی عباس نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح ہادی معرفت استاد ذہبی سے بھی نقل کرتے ہیں کہ جعلی احادیث کا آغاز امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد ۴۱ ہجری سے شروع ہوا۔ اسی طرح آپ ابو ریحان سے نقل کرتے ہیں کہ حدیثوں کے جعل کا سلسلہ خلیفہ سومؑ کے آخری دور سے شروع ہوا۔ آپ احادیث جعل کرنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ زندیق و ملحدین نے اسلام کی بربادی کی خاطر مسلمانوں میں اختلاف پھیلانے کی سر توڑ کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ حماد بن زید لکھتے ہیں کہ زندیقوں نے چار ہزار احادیث جعل کی ہیں۔ حماد بن سلمہ نے نقل کیا ہے کہ اس نے چار ہزار احادیث احکام فقہ میں جعل کی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہے۔ روزہ کے دن افطار اور افطار کے دن روزہ رکھوایا۔ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ زندیقوں نے ۱۲ ہزار احادیث جعل کی ہیں۔

۲۔ بعض مذاہب نے اپنے اصول و فروع کی تائید میں احادیث جعل کی ہیں۔

۳۔ بعض علماء اخلاق اور واعظین نے لوگوں کو ہدایت کی طرف زیادہ رغبت دلوانے کیلئے احادیث جعل کی ہیں۔

۴۔ بعض نے خلفاء، امراء، حکام و سلاطین سے قرب حاصل کرنے اور ان کے اقوال و کردار پر مہر صحت لگانے کیلئے احادیث جعل کی ہیں۔

۵۔ ظالمین نے اپنی سیاست سے ہم آہنگی کی خاطر احادیث جعل کی ہیں۔

چنانچہ کتب احادیث میں وارد تمام روایات صحیح اور قابل عمل نہ ہونے کے بارے میں نہج البلاغہ میں ایک خطبہ مولانا امیر المومنینؑ سے نقل ہے قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں: خطبہ نمبر ۲۰۸ ترجمہ مفتی جعفر:

﴿وقد سألہ سائل عن احادیث البدع وعماتی ایلدی الناس من اختلاف الخبر فقال علیہ

السلام۔ ان قی ایلی الناس حقاً و باطلاً، و صلقاؤ کذباً، و ناسخاً و منسوخاً، و عاماً و خاصاً، و محکماً و منشاہاً، و حفظاً و وهماً۔ و لقد کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علی عہدہ حتی قام خطیباً فقال: ”من کذب علی متعمداً فلیتیئو امقعلہ من النار“ و اتما انک بالحدیث لریعہ رجال لیس لہم خامس نرجل متافق مظهر للایمان، متصنع یا اسلام لا ینائم ولا یشرج یکذب علی رسول اللہ متعمداً فلو علم الناس انہ متافق کاذب لم یقبلوا منہ، ولم یصلقوا قولہ، و لکنہم قالوا: صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ رآہ، و سمع منہ، و لقف عنہ، فیا تلون بقولہ، و قد اعبرک اللہ عن المتافقین بما اعبراک، و وصفہم بما وصفہم بہ لک، ثم یقوا بعہ، فتقربوا الی ائمة الضلالة، و الدعاة الی النار بالزور و البہتان، قولوہم الاعمال، و جعلوہم [حملوہم] حکاماً علی رقاب الناس، فاکلو ابہم الدنیا، و اتما الناس مع الملوک و الدنیا، الا من عصم اللہ، فقلنا احداً الاربعہ رجل سمع من رسول اللہ شیاً لم یحفظہ علی وجہہ، فوہم قیہ۔ ولم یتعمد کذباً، فہو قی یدہ، و یرہ و یعمل بہ، و یقول: انا سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، فلو علم المسلمون انہ و ہم قیہ لم یقبلوہ، منہ، و لو علم ہواتہ كذلك لرقضہ، امور رجل ثالث، سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شیاً یا امریہ، ثم انہ نہی عنہ، و ہو لا یعلم، او سمعہ ینہی عن شیء، ثم امریہ و ہو لا یعلم، فحفظ المنسوخ، و لم یحفظ الناسخ، فلو علم انہ منسوخ لرقضہ، و لو علم المسلمون اذ سمعوہ منہ انہ منسوخ لرقضوہ، و آخر رابع، لم یکذب علی اللہ، و لا علی رسولہ، مبعض للکذب، خوفاً من اللہ، و تعظیماً لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، و لم یہم، بل حفظ ما سمع علی وجہہ، فحاء بہ علی ما سمعہ، لم یرد قیہ، و لم ینقص منہ، فہو حفظ الناسخ، فعمل بہ، و حفظ المنسوخ، فعتب عنہ، و عرف الخاص و العام، و المحکم و المنشاہ، فوضع کل شیء موضعہ۔

ایک شخص نے آپؐ سے من گھڑست اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو عام طور سے لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی تھیں، تو آپؐ نے فرمایا:

”لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ و منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم

صحیح اور غلط سب کچھ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں۔ ایک تو وہ جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنالیتا ہے۔ نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھکتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کریں لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے اس نے آنحضرتؐ کو دیکھا بھی ہے اور ان سے حدیثیں بھی سنی ہیں اور آپؐ سے تحصیل علم بھی کیا ہے چنانچہ وہ (بغیر سوچے سمجھے) اس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا ہے، پھر وہ رسولؐ کے بعد بھی باقی و برقرار رہے اور کذب و بہتان کے ذریعہ گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلا وادینے والوں کے یہاں اثر رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا اور ان کے ذریعے سے اچھی طرح دنیا کو حلق میں اتارا اور لوگوں کا تو یہ قاعدہ ہے ہی کہ وہ بادشاہوں اور دنیا (والوں) کا ساتھ دیا کرتے ہیں۔ مگر سوائے ان محدود چند افراد کے کہ جنہیں اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

چار میں سے ایک یہ ہوا اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول اللہ سے سنا لیکن من وعن اُسے یاد نہ رکھ سکا اور اس میں اسے سہو ہو گیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا جو کچھ اس کے دسترس میں ہے اسے ہی دوسروں سے بیان کرتا ہے اور اسی پر خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ

اس کی یادداشت میں بھول چوک ہوگئی ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے اور اگر خود بھی اسے اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا کہ آپ نے ایک چیز کے بجالانے کا حکم دیا ہے۔ پھر پیغمبر نے تو اس سے روک دیا۔ لیکن اسے معلوم نہ ہو سکیا یوں کہ اُس نے پیغمبر کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے سنا پھر آپ نے اس کی اجازت دے دی لیکن اس کے علم میں یہ چیز نہ آسکی اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا اور (حدیث) ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر اسے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اگر اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ اسے نظر انداز کر دیتے۔

اور چوتھا شخص وہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ وہ خوفِ خدا اور عظمتِ رسول کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے۔ اس کی یادداشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی بلکہ جس طرح سنا اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا نہ اس میں کچھ بڑھایا نہ اس میں کچھ گھٹایا۔ حدیث، ناسخ کو یاد رکھا تو اس پر عمل بھی کیا حدیث منسوخ کو بھی نظر میں رکھا۔ اور اس سے اجتناب برتا، وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود، اور اسے بھی جو ہمہ گیر ہے۔ یہ ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے اور یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے۔“

۹۔ تفسیر قرآن کو آئمہ معصومین سے منحصر کرنا

اہل تشیع کے بعض علماء دانستہ یا کسی کی تقلید میں یا عوام الناس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ جس آیت قرآنی کی تفسیر و تاویل آئمہ معصومین کی توسط سے نہ ہو وہ ہمارے نزدیک مردود و ناقابل قبول ہے۔ ان کی یہ منطق دین اسلام میں طے شدہ کسی بھی اصول و ضوابط سے مطابقت وہم آہنگی نہیں رکھتی۔ ان کی اس منطق کی نہ تو قرآن تائید کرتا ہے اور نہ پیغمبر اکرمؐ و آئمہ معصومین سے وارد صحیح روایات میں اسکا ذکر ملتا ہے اس کے علاوہ عملاً بھی اس منطق پر عمل نہیں ہو رہا۔ یہ منطق ہٹ دھرمی، انتہا پسندی

اور تشدد پر مبنی ہی نہیں بلکہ دشمنانِ اسلام (جو داخلی اور خارجی طور پر اسلام پر حملہ آور ہیں) کی اہل تشیع کو قرآن سے دور رکھنے اسلام سے خارج کرنے اور دیگر مسلمانوں سے نبرد آزمائی میں رکھنے کی سازش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس منطق کے استدلال میں جو کچھ اس گروہ نے پیش کیا ہے وہ ہر لحاظ سے مخدوش و مردود ہے اور اسکی حیثیت مکڑی کے جال کی مانند ہے۔ چاہے وہ اپنے مدعا کیلئے عظمتِ اہلبیت کو بطور سپر ہی کیوں نہ استعمال کریں۔ کیونکہ اہلبیت و آئمہ معصومینؑ کبھی بھی باطل کی سپر نہیں بن سکتے ہیں وہ ہمیشہ مدافعِ حق و حقیقت رہے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعتِ اسلام کے دو بنیادی ماخذ قرآن اور حدیث ہیں۔

قرآن کریم میں بعض احکام شرعی کے بارے میں ابہام و اجمال ہے جسکی مثال ہر فقیہ، عالم اور جاہل پیش کرتے ہیں وہ نماز میں تعدادِ رکعت ہے جو ابھی تک کسی آیت سے ثابت نہیں ہے اسی طرح طوافِ خانہ کعبہ اور سعیِ صفا و مروہ کی تعداد کے بارے میں بھی ابہام و اجمال ہے۔ یہاں ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اس ابہام و اجمال کے خلا کو کہاں سے پر کریں؟ اس سلسلہ میں آیت کریمہ ہے:

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

اس سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی کچھ احکام شریعتِ خدا کی طرف سے لیے ہیں اس کی تائید پیغمبر اکرمؐ سے مروی فریقین کی متفقہ اور متواتر روایت مشہور بحديث ثقلین ہے جس میں فرمایا: ”میں تمہارے درمیان دو وزنی امانتیں چھوڑ کے جا رہا ہوں“ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے اور تمہاری نجات ان دونوں سے تمسک کرنے میں ہے اسی روایت سے ثابت ہوا کہ شریعت کا ایک حصہ حدیث کے ذریعے بیان ہوا ہے۔ لہذا حدیث کو چھوڑ کر تنہا قرآن کافی نہیں ہے۔

اسلام کے یہ دونوں فرقے ایک نکتے پر متفق ہیں کہ قرآن قابلِ فہم و ادراک نہیں یا قرآن سمجھنے والی کتاب نہیں یا اگر سمجھ میں آئے گی تو روایات کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔ اس نظریے پر ہم یہاں اہل سنت سے گفتگو کو اپنے سابقہ طریق کار کی بنیاد پر روک کر اپنے مکتب والوں کے افق سے آگے بڑھاتے ہیں۔ ہمارے مکتب کے کچھ نادان اور نا سمجھ لوگ غالی اور دہریوں کے مذموم عزائم، کفر و الحاد اور غلو کو فضائلِ اہلبیت کے نام

سے کسی بھی زاویے سے لینے کو فضائل اہل بیٹ گردانتے ہیں۔ خواہ وہ منطق اہل بیٹ کے خلاف اور ان کی مذمت میں ہی کیوں نہ ہو یا اسلام کے اصولوں سے متصادم کیوں نہ ہو۔ وہ صرف اہل بیٹ کے نام سے ہر بات کر سکتے ہیں ان سے مرعوب ہونے والے ان کی کسی بات کو کسی بھی حوالے سے رد نہیں کر سکتے۔ اسی سلسلہ کی ایک مہم قرآن فہمی اور قرآن سمجھی کو بغیر روایات اہل بیت مسترد کرنا ہے۔ ان کی اسلام دشمنی اور اہل تشیع کو قرآن فہمی سے دور رکھنے کی مہم کے اس افراطی رویے سے مرعوب و خوف زدہ ہو کر علمائے اعلام تفسیر و ترجمہ قرآن سے گریز کرتے گئے۔ اگر کہیں کسی کی ہمت ہوئی کہ قرآن کا کوئی ترجمہ تفسیر کرے تو انکے طعن و تہمت سے بچنے کے لئے اصول و ضوابط سے ہٹ کر ہر آیت کو اہل بیٹ سے مروی اور مربوط بنانے پر مجبور ہوئے۔ ہم اس تصور سے امت اسلامی پر مرتب ہونے والے مہلک اثرات اور ناقابل جبران نقصانات بیان کرنے کے بعد اس کے غلط ہونے کے بارے میں دلائل پیش کریں گے۔ اس تصور کے ساتھ کہ قرآن ہماری زندگی کے تمام شعبوں سے مجبور ہے اور صرف اس کی تلاوت باقی ہے وہ بھی ایک لحاظ سے نیم جان یا نیم مردہ صورت میں۔ کیونکہ اس کی جگہ پر بعض اہل سنت صحیح بخاری کی تلاوت کرتے ہیں اور اہل تشیع میں خود ساختہ حکایت حدیث کساء پڑھنے کا سلسلہ جاری ہے یہاں سے یہ دونوں فرقے اپنی جگہ قرآن کی اس موجودہ حیثیت تلاوت پر ایک کاری ضرب لگا رہے ہیں۔ بعض نادان دوستوں نے قرآن سے دوری اور عدم دلچسپی کی صورت حال کو دیکھ کر قرآن سے لگاؤ پیدا کرنے کی خاطر اس کی تلاوت کے لئے بہت سے جعلی فضائل وضع کیے ہیں کہ فلاں سورہ وسعت رزق کیلئے فلاں آیت فلاں مرض کیلئے ہے، آیہ ﴿امن یجیب﴾ بارہ ہزار یا اس سے کم تعداد ہر مشکل کا حل ہے۔ قرآن کی ایک آیت تو درکنار ایک کلمہ بلکہ صرف ایک حرف کا پڑھنا بھی اتنی فضیلت رکھتا ہے وغیرہ کی احادیث جعل کیں ہیں۔ چنانچہ کتاب ”تفسیر والمفسرون“ جلد دوم صفحہ ۲۹۰ پر حضرت آیت اللہ خوئی (قدس سرہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت اور قاری کی فضیلت میں جو روایتیں وارد ہوئی ہیں وہ عقل انسان کو حیران کر دیتی ہیں اگر ایک حرف پڑھیں گے تو اس کیلئے اتنی نیکیاں ہیں اور ایک حسنہ دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔ اس طریقے سے بہت سی روایتیں صرف

تلاوت کرنے اور آیت و سورہ کی خواص بیان کرنے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ ان راویوں نے یہ احادیث اپنی طرف سے فضیلت قرآن میں جعل کی ہیں ان روایات کا مصدر وحی یا اہل بیٹ نہیں ہیں ان افراد میں سر فہرست ابی عصمت فرج، ابن ابی مریم المروزی، محمد بن عکاشہ الکرمانی وغیرہ ہیں۔ حتیٰ ابو عصمہ المروزی نے کہا: میں نے لوگوں کو قرآن سے روگرداں ہوتے ہوئے دیکھا اور انھیں صرف فقہ ابی حنیفہ اور مغازی محمد بن اسحاق کو پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے یہ احادیث جعل کیں۔ عالم تشیع کے ایک محقق فقیہ اور معتبر عالم کا یہ بیان نقل کرنے کے بعد ہمارا اس سلسلہ میں کچھ کہنا زیادتی ہوگی۔

روایات میں کثیر تعداد میں جعلی، خود ساختہ اور ناقابل اعتبار احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں آیت اللہ ہادی معرفت نے اپنی کتاب ”تفسیر والمفسرون“ جلد دوم ص ۲۹ میں استاد ذہبی کی کتاب ”تفسیر والمفسرون“ جلد ۱ ص ۱۵۶ سے نقل کرتے ہیں کہ جعلی احادیث کی کثرت یہاں تک پہنچی ہے کہ روایات آپس میں تناقص و تضاد کے مرحلے تک پہنچ چکی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ہی شخص سے متضاد احادیث نقل ہوئی ہیں۔ جیسے ابن عباس سے مروی متضاد احادیث نقل ہونے کی وجہ سے ان سے مروی روایات پر اعتماد ختم ہونے کو ہے۔ استاد ذہبی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ تفسیر میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

تفسیر قرآن ائمہ معصومین سے مخصوص کرنے کی توجیہات:

یہ نظریہ رکھنے والے گروہ اپنے صدی میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتا ہے:

الف۔ **ولیل عقلی:** قرآن کلام خدا ہے یہ اسکی صفات ثبوتیہ میں سے ہے۔ جس طرح عقل بشر اس ذات پر احاطہ نہیں کر سکتی اسی طرح اسکی صفات پر بھی احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ذات محیط ہے اور محیط رہے گی۔

قرآن کلام خدا ہے جب ذہن انسانی خدا تک نہیں پہنچ سکتا تو کیونکر اس کے کلام تک پہنچ سکے گا۔ ہم تو اسی زمین پر اور ہمارے درمیان نشوونما پانے والوں کی باتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ جیسے بوعلی سینا، فارابی، ملا صدرا اور تفتازانی وغیرہ کی باتیں سمجھ نہیں آتیں۔ اسی لئے بعض علماء نے لوگوں کو کچھ حقائق بتانے سے

منع کیا ہے۔ بعض شخصیات اسی وجہ سے متنازع بنی ہوئی ہیں۔ محی الدین عربی، سہروردی، حسین حلاج یا خود صدر الدین شیرازی وغیرہ کو ہی لے لیجئے بعض نے انہیں اولیاء اللہ قرار دیا ہے جبکہ دوسروں نے انکے خلاف کفر والحاد کا فتویٰ دیا ہے۔ جب ہم اسفار اربعہ از صدر الدین شیرازی، فصوص الحکم از محی الدین ابن عربی اندلسی اور عبارات ہیگل درک نہیں کر سکتے تو کتاب خدا کو کیسے سمجھ سکتے ہیں جو ﴿کَانَ وَمَا يَكُونُ﴾ کا دعویدار ہے

☆ دلیل عقلی کا جواب یہ ہے: یہ صحیح ہے کہ بشر کا کلام سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ بشر جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی تعریف میں آیا ہے کہ وہ ضعیف اور ناتواں پیدا ہوا ہے۔ اس کی ضعف و ناتوانی کی مقدار کا ہم نے اندازہ نہیں کیا ہے یہ بہت سے شعبوں میں ضعیف و ناتواں ہے۔ اسی میں سے ایک صفت بیان ہے یعنی وہ اپنی مافی الضمیر کو بطور کامل و اتم بیان نہیں کر سکتا اس کی چند وجوہات ہیں:

۱۔ اس کے پاس ذخیرۃ الفاظ بہت ہیں لیکن اسی تناسب سے معانی و معارف نہیں رکھتا لہذا بیان میں الفاظ زیادہ استعمال کرتا ہے۔ اسکی گفتگو میں مبالغہ آرائی، خیالی و تصوراتی رنگ چھاجاتا ہے جیسے شعراء اور ادباء وغیرہ۔

۲۔ اس کے پاس معانی و معارف بہت ہیں لیکن ذخیرۃ الفاظ کا فقدان ہے اس نے جن الفاظ و کلمات سے ان معانی و معارف کو حاصل کیا ہے وہ آج کل استعمال نہیں ہوتے جیسے قدیم زمانے کی زبانیں جو دور حاضر میں سمجھ نہیں آسکتیں۔ جیسے ہمارے علماء جنہوں نے چار پانچ سو سال پہلے کی زبان میں علوم و معارف حاصل کئے ہیں وہ آج پیش نہیں کر سکتے۔

۳۔ بعض اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں کسی کی گرفت میں نہ آجائیں لہذا وہ پورے بیان کے بجائے صرف نیم ادائیگی کو ہی مصلحت سمجھتے ہیں جیسے عرفاء اور ہمارے بعض علماء بہت سی چیزوں کو بیان کرنا صحیح نہیں سمجھتے لہذا ان کے بیان میں اجمال و مبہم کوئی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض فقہاء مسائل میں لفظ احتیاط استعمال کرتے ہیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر انسان کی باتیں سمجھنا مشکل ہے لیکن قرآن کریم خالق کلام کا کلام ہے وہ غنی بذات ہے کسی قسم کا فقر و نقص اس کی ساحت میں نہیں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے کسی سے خوف لاحق نہیں ہے۔ اسی لئے اس کے بیان میں کوئی نقص و عیب نہیں۔

ب۔ آیات قرآنی سے دلائل:

(الف) سورہ واقعہ آیت ۷۷، ۷۸ میں قرآن کی صفت میں بیان ہوا ہے کہ یہ ایک پوشیدہ کتاب ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ جہل و خطا سے منزہ صرف آئمہ طاہرین ہی ہیں۔ لہذا ان آیات کے تحت قرآن کو سوائے انکے کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔

(ب) سورہ آل عمران آیت ۷ میں خداوند متعال نے تاویل قرآن کو صرف اپنے اور راہنہین فی العلم سے مختص کیا ہے۔ جبکہ روایات کے تحت راہنہین فی العلم آئمہ طاہرین ہی ہیں:

﴿فَمَا لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرِيضٌ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ”جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور تاویل کی تلاش میں تشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جبکہ اس کی تاویل تو صرف خدا اور علم میں راسخ مقام رکھنے والے ہی جانتے ہیں جو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں“ (آل عمران/ ۷)

دلائل قرآن کا جواب:

(الف) کیا کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والے نجس ہیں؟ جبکہ قرآنی آیات کی روشنی میں صرف مشرکین نجس ہیں اور تمام کلمہ کو مسلمان پاک ہیں۔

(ب) صاحب المیزان سورہ العمران کی آیت نمبر ۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں راسخون فی العلم سے مراد وہ انسان ہیں جنہیں جو علم خدا کی طرف سے ملا ہے اس پر انہیں یقین حاصل ہے اس میں انہیں کسی قسم کا تردد نہیں اور یقین محکم ہے۔ یہ آیات محکمات پر عمل کرتے ہیں اور جو متشابہات ہیں یعنی سمجھ میں نہیں آتی اس میں توقف کرتے ہیں۔ یعنی راسخون فی العلم کا معنی اپنی معلومات میں غیر متزلزل ہونا ہے نہ کہ لامحدود علم رکھنا۔ چنانچہ خود قرآن کریم کی سورہ نساء ۱۶۲ میں علمائے اہل کتاب کو راسخون فی العلم کہا ہے:

﴿لَكِن الراسخون في العلم منهم المؤمنون يؤمنون بما أنزل اليك و ما أنزل من قبلك﴾ ”مگر ان میں جو لوگ پختہ علم رکھنے والے ہیں اور ایمان دار ہیں وہ سب اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو اے نبیؐ تمہاری طرف نازل کی گئی اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی“ (نساء/۱۶۲) اسی طرح نبیؐ البلاغہ میں راسخون فی العلم کی تفسیر میں شریف رضی نے مولا امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے ملاحظہ کریں:

﴿واعلم ان الراسخين في العلم هم الذين اغناهم عن اقتحام السلد المضروبون الغيوب الاقراو بحملة ما جهلوا تفسيره من الغيب المحسوب قملح الله اعترافهم بالعجز عن تناول ما لم يحيطوا به علما۔ وسميتهم التعمق فيما لم يكلفهم البحث عن كنهه رسوخا فاقصر على ذلك ولا تقلر عظمة الله سبحانه على قدر عقلك فتكون من الهالكين﴾ ”اور اس بات کو یاد رکھو کہ علم میں راسخ و پختہ لوگ وہی ہیں کہ جو غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی ساری چیزوں کا اجمالی طور پر اقرار کرتے (اور ان پر اعتقاد رکھتے) ہیں اگرچہ ان کی تفسیر و تفصیل نہیں جانتے اور یہی اقرار انہیں غیب پر پڑے ہوئے پردوں میں دراندہ گھسنے سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے، اور اللہ نے اس بات پر ان کی مدح کی ہے کہ جو چیز ان کے احاطہ علم سے باہر ہوتی ہے، اس کی رسائی سے اپنے عجز کا اعتراف کر لیتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کی حقیقت سے بحث کرنے کی تکلیف نہیں دی۔ اس میں تعمق و کاوش کے ترک ہی کا نام رسوخ رکھا ہے۔ لہذا بس اسی پر اکتفا کرو اور اپنے عقل کے پیمانہ کے مطابق اللہ کی عظمت کو محدود نہ بناؤ ورنہ تمہارا شمار ہلاک ہونے والوں میں

قرار پائے گا“ (خطبہ/ ۸۹ ترجمہ مفتی ص ۲۶۷)

روایات سے دلائل:

(الف) روایات کتاب وسائل شیعہ جلد ۱۱۸ ص ۱۱۳۱ و حدیث نمبر ۳۸ میں پیغمبر اکرامؐ سے نقل ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی چیز لوگوں کے دلوں سے اتنی دور نہیں جتنی تفسیر قرآن ہے۔ اس میں تمام خلأق متخیر و سرگرداں ہیں سوائے ان ذوات کے جنہیں خدا چاہے۔

(ب) امام جعفر صادقؑ نے جابر انصاری سے فرمایا اے جابر قرآن کا ایک لٹن ہے اور ایک ظاہر اور اسکے ظاہر کا ایک اور ظاہر ہے۔ اے جابر کوئی چیز لوگوں کی عقل سے اتنی دور نہیں جتنی تفسیر قرآن ہے۔ آیت کا اول کسی چیز کے بارے میں ہوتا ہے اور آخر کسی اور کے بارے میں یہ ایک متصل کلام ہے اور اس میں مختلف انداز سے تصرف ہوتا ہے۔ وسائل شیعہ جلد ۸ ص ۱۳۲۔

روایات سے دلائل کا جواب: ان روایات کے مقابل اور بھی روایات خود آئمہ سے مروی ہیں جس میں لوگوں کو اختلاف و تردد کی صورت میں قرآن کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے اصول کافی جلد ۱ ص ۶۰ نقل از ندوہ شمارہ ۶ ص ۵۵ میں امام صادقؑ نے فرمایا ”ہر وہ چیز جس میں دو انسان اختلاف کرتے ہیں ایک اس کو تسلیم کرتا ہے جبکہ دوسرا اسکا انکار کرتا ہے تو اسکا حکم کتاب خدا میں موجود ہے۔ ایک روایت میں امام نے فرمایا ”میں رسول اللہؐ کا فرزند ہوں کتاب خدا میں سب سے زیادہ عارف و آشنا ہوں اس کتاب میں ابتداء خلقت سے قیامت تک ہونے والے واقعات کے بارے میں اور آسمان، زمین، جنت اور جہنم کی خبریں ہیں میں سب جانتا ہوں۔ کیوں کہ خداوند عالم اپنی کتاب میں فرماتے ہیں اس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ اسی طرح فرماتے ہیں ہم نے آپؐ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا بیان کرتی ہے۔ امام صادقؑ نے فرمایا جب تم تک کوئی حدیث پہنچے جس کا کوئی نمونہ کتاب خدا میں یا قول رسولؐ میں ملتا ہو تو لے لو اور اگر نہیں ملتا تو جس نے

یہ حدیث تم تک پہنچائی ہے اسی کو واپس کرو اور اس سے کہو ہمیں تمہاری حدیث کی ضرورت نہیں۔ ہر چیز کی برگشت قرآن اور سنت رسول کی طرف ہے۔ ہر وہ حدیث جو کتاب خدا سے موافقت نہ رکھتی ہو وہ زخرف یعنی فالتو ہے۔ لہذا حدیث کی قبولیت مشروط ہے کہ آیت قرآنی سے متصادم و متناقض نہ ہو۔

☆ قرآن کریم خداوند متعال کے خزانہ الوہیت سے نبی کریمؐ کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے قرآن کریم کی محدود آیات میں مخاطب پیغمبرؐ ہیں جبکہ کثیر تعداد میں قرآن کا مخاطب کافر و مشرک و منافق سے لے کر انسان کے تمام گروہ شامل ہیں قرآن پر توجہ مرکوز کرنے سے یہ بات عیان ہوتی ہے کہ اسکا مخاطب انسان ہے لہذا اگر قرآن میں مخاطبین کے اعداد و شمار کو جمع کریں تو اس میں سوائے چند مقامات کے اس کا مخاطب انسان ہی ہے لیکن یہ خطاب انسان کے مختلف پہلو کے حوالے سے ہے مثلاً:

- ۱۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ گیارہ (۱۱) جگہوں پر کہا ہے
- ۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾ دو بار
- ۳۔ ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ﴾ ایک جگہ پر۔
- ۴۔ ﴿يَا أَيُّهَا الْمَلِئُ﴾ ایک جگہ پر۔
- ۵۔ پینسٹھ (۶۵) جگہوں پر ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ﴾۔
- ۶۔ دوسواکتالیس (۲۴۱) جگہوں پر ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾۔
- ۷۔ انیس (۱۹) جگہوں پر ﴿اَيُّهَا النَّاسُ﴾۔
- ۸۔ پانچ (۵) جگہوں پر ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾۔
- ۹۔ ﴿يَا مَعْشَرَ الْحَنِّ وَالْأَنَسِ﴾ کئی جگہ پر خطاب ہے
- ۱۰۔ سات (۷) جگہوں پر ﴿يَا بَنِي آدَمَ﴾ کہکر خطاب کیا ہے۔
- ۱۱۔ کثیر آیات میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کہکر خطاب کیا ہے۔
- ۱۲۔ سورہ احزاب میں ازواج نبی سے خطاب کیا ہے۔

- ۱۳۔ کثیر آیات میں ﴿يَا اَهْلَ الْكِتَابِ﴾ کہہ کر اہل کتاب سے خطاب کیا۔
- ۱۴۔ ﴿يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ سات جگہوں پر۔
- ۱۵۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّحْلُ﴾ ایک جگہ۔
- ۱۶۔ سورہ کافرون میں ﴿يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ کہہ کر خطاب کیا ہے۔
- ۱۷۔ سترہ (۱۷) جگہوں پر دعوت فکریا صاحب فکر سے خطاب کیا ہے بلکہ نزول قرآن کو ”تفکر“ قرار دیا ہے۔
- ۱۸۔ بیالیس (۲۲) جگہوں پر خدا نے دعوت نظر دی ہے۔
- ۱۹۔ چورانوے (۹۴) جگہوں پر دعوت علم دی ہے۔

لہذا یہ کہنا کہ قرآن صرف اہل بیتِ آمنہ معصومین سے ہی مخاطب ہے، حقائق سے چشم پوشی یا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے آمنہ کا نام استعمال کیا گیا ہے تاکہ اپنے مذموم عزائم پر پردہ ڈال سکیں۔ انسان سے ایک موجود مکلف اور صاحبِ خلافت و کرامت کے حوالے سے خطاب کیا گیا ہے۔ انسان کو یہ شرفِ خطاب صاحبِ عقل ہونے کی وجہ سے ملا ہے۔ اور اسکا ذکر کثیر آیات میں آیا ہے۔

ان خطابات کے پیش نظر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کا محورِ خطاب انسان ہے۔ کبھی بحیثیت انسان کے، کبھی بحیثیت صاحبِ عقل و شعور کے، کبھی صاحبِ قدرت و فکر و نظر کے۔ حتیٰ کافر اور اہل کتاب کو جو پیغمبر پر ایمان لانے میں لجاجت برتتے تھے ان سے بھی خدا نے خطاب کیا ہے۔ گویا اللہ تبارک تعالیٰ کا انسان سے خطاب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن سب لوگوں کیلئے قابلِ فہم و ادراک ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ قرآن کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جن سے قرآن مخاطب ہے یہ بھی ہمارے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن کو اگر صرف مخاطبین ہی سمجھ سکتے ہیں تو آپنے ملاحظہ فرمایا کہ اکثر مخاطبِ قرآن عام انسان ہیں۔ اگر خدا نے ایک دو جگہوں پر ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ کہہ کر خطاب کیا ہے تو یہ بلحاظ پیغام رسانی اعزاز و شرف کی بنیاد پر ہے ورنہ مخاطب ہونے میں آپ اور عام

انسان برابر کے شریک ہیں کو یا پیغمبر دو لحاظ سے افتخار مخاطب خدا رکھتے ہیں۔ ایک افتخار یہ کہ بحیثیت انسان سب کے ساتھ شریک ہیں اور دوسرا تمام انسانوں اور خدا کے درمیان واسطے کے حوالے سے یعنی شرف واسطہ ان کو حاصل ہے۔

اس کتاب میں کافرین و منافقین سے بھی خطاب ہے۔ کیا ان آیات کی تفسیر کافرین و منافقین، آئمہ طاہرین سے پوچھ کر معلوم کرتے تھے یا خود انکی سمجھ میں آتی تھی؟ اگر ان سے پوچھ کر سمجھتے تھے تو اس لحاظ سے وہ انکے معتقد ہوئے اور منافق نہیں رہے۔ اگر بغیر پوچھے انکی سمجھ میں آتی تھی تو یہ دعویٰ غلط ہوگا کہ اہل بیتؑ کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آ سکتا حدیث شریف ثقلین جو کہ فریقین کے نزدیک معروف و مشہور اور متواتر حدیث ہے اس حدیث کے تحت شریعت اسلام کا بڑا اور برتر مصدر و ماخذ قرآن کریم ہے۔ اس حدیث کے تحت ضلالت و گمراہی سے نجات قرآن و سنت دونوں سے تمسک میں ہے۔ لہذا قرآن فہمی اور قرآن سمجھی کو صرف روایات آئمہ معصومینؑ میں منحصر کرنے کا مقصد صرف روایت کو حجت گرداننے اور قرآن کو حجت سے گرانے کے برابر ہے جو ایک بڑا ظلم و جنایت ہونے کے علاوہ خود قرآن، اسی حدیث ثقلین اور دیگر متواتر احادیث اور فقہاء و مجتہدین متقدمین و متاخرین کے نظریات کے خلاف ہے۔

قرآن اور آئمہ معصومینؑ

آئمہ معصومینؑ کا اس نسخہ ملکوتی کے ساتھ نسبت یا رشتہ کس قسم کا ہے؟ یہ تعلق کیا عام انسانوں جیسا ہے یا ان سے مختلف ہے۔ دیگر عقائد و نظریات کی مانند اس میں بھی افراط و غلو پذیری کی روش اپنائی گئی ہے۔ بہت سے افراد جو القابات جلیلہ کے ساتھ ساتھ معاشرے میں مقام بھی رکھتے ہیں انھوں نے اس کتاب الہی کے ساتھ وہی جسارت اور رویہ اپنایا جیسا مشرکین عرب نے دور جاہلیت میں اپنایا تھا۔ یہ کہتے ہیں قرآن اہل بیتؑ کا قصیدہ ہے۔ بعض افراد شاعری کی خصوصیات کو قرآن میں دکھاتے ہیں جب کہ خود قرآن اپنے بارے میں کہتا ہے کہ یہ شعر و شاعری سے پاک و منزہ ہے۔ کیونکہ شعر و ہم و خیال، مبالغہ پر مبنی اور حقیقت سے عاری

ہوتے ہیں۔ جبکہ دور جاہلیت میں شعراء کے استاد ولید بن مغیرہ نے مشرکین سے کہا یہ قرآن شعر نہیں ہے۔ اسی طرح بعض نے کہا اہل بیٹ قرآن سے بلند ہیں اور قرآن محتاج اہل بیٹ ہے۔ جس طرح بعض یہ کہتے ہیں حق علی کا محتاج ہے غرض اس قسم کی تمام فرسودہ باتیں عقل و نقل آیات قرآنی اور اہل بیٹ اطہار سے مروی روایات کے خلاف ہیں۔

۱۔ مجملہ پھر و شپہائے قرآنی شمارہ ۲۱۵ صفحہ ۸۵ میں اصغ ابن نباتہ نے امیر المومنین سے نقل کیا ہے کہ قرآن تین حصوں میں نازل ہوا ہے ایک تہائی ہمارے بارے میں اور ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے اور ایک تہائی آداب و مثالیں ہیں اور ایک تہائی فرائض و احکام ہیں۔ امام صادق سے نقل ہے قرآن چار حصوں میں نازل ہوا۔ ایک چوتھائی حلال کے بارے میں ہے اور ایک چوتھائی حرام کے بارے میں ہے اور ایک چوتھائی آداب و احکام ہیں اور ایک چوتھائی گذشتہ ادوار اور حاضر سے متعلق ہے۔

ابن جارود نے امام باقر سے نقل کیا ہے۔ قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ہے ایک چوتھائی ہمارے بارے میں ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں ایک چوتھائی فرائض و احکام ہیں اور ایک چوتھائی آداب و مثالیں ہیں۔

۲۔ آئمہ معصومین نے فرمایا کہ ہم سے منسوب روایتوں کی تائید و تصدیق قرآن سے کریں اگر یہ قرآن کے خلاف ہوں تو سمجھ لیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کی ہے۔

۳۔ آئمہ معصومین قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرتے تھے کبھی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کرتے اور اسی طرح ایک جملہ کی تفسیر دوسرے جملہ سے کرتے۔

۴۔ آئمہ معصومین عام طور پر ظاہر قرآن کی تفسیر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آیات متشابہات یا آیات کی باطنی تفسیر بیان فرماتے۔

۵۔ آئمہ معصومین کبھی اپنے شاگردوں کو باریک عربی قواعد کی طرف نشاندہی کرواتے۔

۶۔ آئمہ معصومین کبھی علوم قرآن یا تفسیر قرآن کے بارے میں اپنی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرماتے

اور فرماتے قرآن کے بارے میں ہم سے پوچھو چنانچہ امام باقرؑ نے فرمایا کتاب خدا سے متعلق ہم سے پوچھو اور اسکے ساتھ ہی آپ نے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث نقل کی جس میں انھوں نے فرمایا خداوند عالم نے قیل و قال، فساد و مال اور کثرت سوال سے نبی کی ہے۔ تو کسی نے آپ سے پوچھا اس حدیث کی سند قرآن میں کس جگہ پر ہے تو آپ نے فرمایا پہلے جملے کی سند سورہ نساء آیت ۱۴:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يَدْخُلْهُ نَارًا﴾ ”اور جو اللہ اور اس کی رسول کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے حدود سے تجاوز کرتا ہے اللہ اسے داخل جہنم کرے گا۔“

دوسرے کی سند نساء ۵

﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ السُّفَهَاءِ أَمْوَالَكُمُ﴾ ”اور نہ سمجھ لوگوں کو ان کے وہ اموال جن کو تمہارے لئے قیام کا ذریعہ بنایا گیا ہے نہ دو۔“

اور تیسرے کی سند مائدہ ۱۰ میں موجود ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْطَرُّوا عَنْ أَشْيَاءٍ أَنْ تَبْلُغَكُمْ تَسْوَكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔“

مصادیق تفسیر اہل بیت

یعنی اہلبیت کی تفسیر کی نوعیت کیا ہے۔ اسکی چند اقسام ہیں۔

آیات کے باطنی معانی کی طرف اشارہ کرنا۔ اصول کافی اور تفسیر عیاشی وغیرہ میں ذکر ہے سورہ اعراف کی آیت ۳۳ کی تفسیر میں امام موسیٰ ابن جعفرؑ نے فرمایا کہ جو کچھ خداوند عالم نے ظاہری طور پر حرام قرار دیا ہے وہی حرام ہے لیکن اسکا باطن حکام جور (ظالم) ہیں اور جو کچھ ظاہری حلال کیا وہ حلال ہے لیکن اس کا باطن آئمہ حق ہیں۔ آیات قرآنی کا ایک معنی ظاہری ہے اور ایک باطنی۔ جس چیز کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے وہ اس کا ظاہر ہے اور باطن اسکی تاویل ہے۔ تاویل قرآن سورہ مائدہ ۳۲ میں فرمایا ہے اگر کسی نے کسی ایک انسان کو بچایا تو اس نے ساری انسانیت کو بچایا اسکی تاویل میں امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے

ایک انسان کی ہدایت کی تو اس نے ساری انسانیت کی ہدایت کی
قرآن کریم میں ستر ہزار سات سو ایک (۷۷۰۱) کلمے ہیں جبکہ تین ہزار دو سو باون (۳۲۵۲) روایتوں کا
ایک بڑا حصہ ایک ہی مطلب کے بارے میں تکرار ہے۔ اور اکثر و بیشتر روایات کسی ایک کلمے کی تفسیر سے
متعلق ہیں جبکہ اسی آیت کریمہ کے دیگر کلمات کے بارے میں تفسیر نہیں ہے۔ جیسے آیت تطہیر میں اہل بیتؑ
سے مراد کون ہے کے بارے میں تو روایت ہیں جبکہ اس آیت کے دیگر کلمات ارادہ، رجس اور تطہیر کے بارے
میں تفسیر نہیں ان سے مراد کیا ہے۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی دوسری آیت میں صرف کلمہ 'يُفْقَهُونَ' کے بارے
میں روایت موجود ہے اور بقرہ کی تیسری آیت 'يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ' میں صرف کلمہ 'يَتِيمٌ' کی تفسیر ہے۔ اسی
طرح آیت مودت میں صرف مصداق قربی کے متعلق روایت ہے، ایک ہی کلمے کے بارے میں مکرر روایات
کو حذف کرنے کے بعد اور آیت کے دوسرے کلمے کے بارے میں روایت نہ ہونے کے بعد بہت سی آیات
قرآن تفسیر معصومین یا تفسیر روایات سے خالی رہیں گئیں اگر تفسیر قرآن روایات معصومین کے علاوہ ناقابل فہم
ہے تو وہ آیات جن کے بارے میں روایات نہیں ہیں انکا سمجھنا اور ان پر عمل خود بخود ساقط ہو جائے گا۔
اس طرح سے ثقل اکبر کے ایک بڑے حصہ سے تمسک ناممکن ہو جائے گا۔ اگر روایات آئمہ کے بغیر تفسیر ممکن
نہیں تو یہ صرف ایک ہی ثقل سے تمسک ہو گا نہ کہ ثقلین سے۔

اہل تشیع کی تفسیر روایتی

- ۱۔ تفسیر عیاشی۔ محمد ابن مسعود عیاشی سمرقندی۔ متوفی ۳۲۰ھ ایک جلد ہے سورہ کہف تک
- ۲۔ تفسیر قمی۔ ابوالفضل عباس متوفی ۳۲۹ھ دو جلدیں۔
- ۳۔ تفسیر نور الثقلین۔ عبدالعلی بن جمعہ الحویزی۔ متوفی ۱۱۱۲ھ ۵ جلدیں۔
- ۴۔ تفسیر البرہان۔ سید ہاشم بن سلیمان بحرانی متوفی ۱۱۰۷ھ ۵ جلدیں۔
- ۵۔ تفسیر المشہدی۔ محمد بن محمد معروف مشہدی۔ متوفی ۱۱۲۵ھ
- ۶۔ تفسیر صافی۔ ملا محسن فیض کاشانی متوفی ۱۰۹۱ھ

۷۔ تفسیر برغانی۔ مولا صالح بن آغا محمد برغانی متوفی ۱۲۷۰ھ

۸۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ۔

ان تمام تفاسیر روایتی کی اگر ہم ۳۰ جلد فرض کریں اور ان میں موجود روایتوں کے بارے میں مندرجہ ذیل نکات کو نظر میں رکھیں اور پھر فیصلہ کریں ہمارے پاس کتنی روایتیں تفسیر قرآن سے متعلق ائمہ کی طرف سے موجود ہیں:

۱۔ لغت کلمات، اعراب اور اشعار عرب اور اپنی توضیحات کو نکالنے کے بعد

۲۔ اسرائیلی جعلی روایتیں جو ان تفاسیر میں موجود ہیں ان سے منہا کرنے کے بعد

۳۔ احادیث ضعیف السند کو خارج کرنے کے بعد

۴۔ احادیث مکرر کو نکالنے کے بعد کل کتنی صحیح احادیث باقی بچیں گی۔

تفسیر قرآن کے بارے میں ائمہ سے وارد روایات کے نا کافی ہونے کی دیگر وجوہات

۱۔ مجلہ رسالۃ القرآن ۱۴۱۳ھ شمارہ ۸ صفحہ ۹۳ جو کہ آیت اللہ عظمیٰ گلپایگانیؑ کے موسسہ دار القرآن سے شائع

ہوئے ہیں اس شمارے میں موسسہ باقر العلوم (جس کی سرپرستی آیت اللہ مصباح یزدی فرماتے ہیں)

اس موسسہ کی طرف سے ایک مضمون تفسیر قرآن منہاج اہل بیت کے عنوان سے نشر ہوا ہے اس میں

لکھتے ہیں ہمیں قرآن پاک کی تفسیر روایتی کے حوالے سے تین کتب ملتی ہیں: ۱۔ تفسیر نور الثقلین

۲۔ تفسیر البرہان ۳۔ وسائل الشیعة ان تینوں میں سے جو روایات قرآن کے بارے میں آئی ہیں ان

سب کا مجموعہ ۳۳۵۲ احادیث ہیں۔ جبکہ قرآن کی کل آیات حسب تحقیق جناب محمد حسین قاسمی

۶۲۳۶ ہیں اس طرح تقریباً نصف سے زائد آیات قرآن تفسیر معصومین سے خالی ہیں اور ان کے

بارے میں کوئی روایات نہیں۔

۲۔ ان کتابوں میں وارد روایات اکثر و بیشتر ایک کلمے کی تفسیر ہے۔ اگر کلمات قرآن کے اعداد و شمار کو سامنے رکھیں تو پھر یہ روایات کئی گنا کم ہونگی۔ اس حوالے سے جیسا کہ محمد حسین قاسمی صاحب معمای قرآنی صفحہ ۷۶ میں لکھتے ہیں کہ قرآن میں کل ۷۷۷۰ کلمات ہیں۔ قارئین آپ بتائیں کیا دو تہائی کلمات قرآن تفسیر معصومیٰ سے خالی نہیں رہیں گے؟۔

۳۔ تفسیر نور الثقلین جس کے مولف ابوعلی بن جمہ جو یزیدی متوفی ۱۱۱۲ھ ہے ان کے بارے میں آیت اللہ ہادی معرفت اپنی کتاب "تفسیر والمفسرون" کی دوسری جلد صفحہ ۳۲۷ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے ہر اس روایت کو جو اہل بیت کی طرف منسوب ہے یا کسی آیت سے تاویل یا تائید میں ربط دیکھا اسے جمع کیا ہے اس میں موجود روایات کی صورت یوں ہے:

الف۔ روایات کا آیت کے مفہوم سے کوئی ربط نہیں۔

ب۔ احادیث ضعیف السند یا مرسل ہیں۔

ج۔ تمام قرآنی آیات کی تفسیر نہیں ہے۔

د۔ تفسیر کرتے وقت آیت کا ذکر نہیں ہوتا۔

۵۔ کسی روایت کی صحت و سقم کے بارے میں تبصرہ نہیں کرتے، انہوں نے اپنی اس پانچ جلدوں کی کتاب کو اس طرح جمع کیا ہے جس طرح مرحوم مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں روایتوں کو بغیر تحقیق کے جو بھی روایت ملی اسے جمع کیا تھا۔

۴۔ تفسیر برہان تالیف علامہ سید ہاشم بن سلیمان بحرانی متوفی ۱۱۰۷ھ ہے ان کے بارے میں آیت اللہ معرفت لکھتے ہیں کہ علامہ بحرانی علمائے اخباری کی سرکردہ شخصیات میں سے ہیں اخبار کو بغیر کسی جرح، تعدیل و توسیع اور تائید کے جمع کرتے ہیں خواہ وہ عقل و نقل کے صریح خلاف ہی کیوں نہ ہو جو یزیدی اور صاحب بحرانی نے ان روایات کو جس کتاب سے نقل کیا ہے اس کی تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکریؑ ہے جو درحقیقت امام حسن عسکریؑ کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ ابی یعقوب یوسف ابن احمد رشتی آبادی کی لکھی

ہے۔ دوسری تفسیر تفسیر مفتی ہے جو کہ علی ابن ابراہیم مفتی سے منسوب ہے جبکہ یہ کتاب ابی الفضل عباس ابن عربی نے لکھی ہے انہوں نے بھی روایات کو براہ راست امام سے نقل کیا ہے اور درمیان میں راویوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۵۔ مجلہ پڑوشہ شہابی قرآنی شمارہ ۲۶، ۲۵ صفحہ ۳۲۲ پر لکھتے ہیں قرآن کریم کی تفسیر کو روایات میں محصور کرنے کی وجہ سے افتراء اور تہمتوں کا اس مکتب کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان روایات میں حد سے زیادہ ایسی روایات ہیں کہ جن پر یہ اعتماد و بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اس کی چند وجوہات ہیں:

الف۔ ان تفاسیر میں قرآن کریم کے نام سے جو روایت ملتی ہیں وہ درحقیقت اہلبیت کی شان میں غلو کا اظہار کرتی ہیں جو کہ عقل و نقل اور خود سیرت اہل بیت پر مہر بطلان ہے اور کسی بھی موازین عقل و منطق سے نہیں بنتی بطور مثال بعض لوگ ﴿کھیمص﴾ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ 'ک' سے 'کر بلا' مراد ہے۔ لیکن اس سے اور بھی اسم بنتے ہیں 'ک' سے کتاب 'کشمیر'، کابل، وغیرہ بھی بن سکتے ہیں 'ھ' سے ہلاکت یزید مراد ہے جب کہ اس سے ہلاکت فرعون، ہلاکت معاویہ، ہلاکت ہارون الرشید اور کتنے کلمے بن سکتے ہیں۔ 'ع' سے 'عطش حسین' جب کہ اس سے عرب، عامل، عرفان، عیسیٰ، عدالت بھی بنتا ہے اور 'ے' سے یزید لیا ہے جبکہ اس سے یاسر، یعقوب، یہود وغیرہ بھی بنتے ہیں اور 'ص' سے صبر حسین بنایا ہے جبکہ 'ص' سے صادق، صفحہ، صدر وغیرہ بھی بنتے ہیں۔ لہذا اسے تھوڑی سی عقل رکھنے والا شخص بھی تسلیم نہیں کرے گا۔ اسی لئے محققین علوم قرآن نے فرمایا ہے کہ حروف مقطعات کی تفسیر کرنے کی کوشش اندھیرے میں کانٹا دار تار کاٹنے کے برابر ہے جن باتوں سے اپنا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا چہ جائیکہ مخالفین کو قانع کیا جاسکے۔ قرآن کریم کو اپنے مقصد کیلئے استعمال کرنا درحقیقت دشمنان اسلام کی روش ہے لہذا ہم مندرجہ تفسیر کو اپنے مخالف کے سامنے ایک دلیل کے طور پر پیش نہیں کر سکتے۔

۶۔ جو روایت تفسیر قرآن کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اس میں تاویل اور ظاہر و باطن سب مخلوط ہیں اگر ہم ظاہری تفسیر اور باطنی تفسیر کو الگ کریں گے تو ظاہری تفسیر کے بارے میں بہت کم آیات رہ جائیں گی۔

۷۔ شیعہ و سنی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کتب تفسیر میں جو روایتیں آئی ہیں ان میں اکثر و بیشتر تفسیر اسرائیلی ہیں خاص کر کے قصص انبیاء اور اقوام گذشتہ کے بارے میں جو روایات ہیں وہ زیادہ تر اسرائیلی روایات ہیں جو کتب تورات و انجیل سے لی گئیں ہیں۔

۸۔ شیعہ و سنی تفاسیر میں کثیر روایات کی صحت و سقم (صحیح و غلط) کی کسوٹی جانچنے کا معیار قرآن کو قرار دیا ہے یعنی ہر وہ روایت جو قرآن سے متصادم نہ ہو وہ صحیح ہے اور جو قرآن کے خلاف ہو وہ غلط ہے چنانچہ علماء نے بہت سی روایات کو قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے مسترد کیا ہے۔

۹۔ بہت سے حقائق کے بارے میں خود قرآن نے تصریح کی ہے جس میں کسی کو سمجھ نہ آنے کی گنجائش نہیں، ہے ظاہر قرآن کی صحت ہونے میں تمام علماء کا اتفاق ہے، قرآن کی بدولت سے حدیث ثابت ہے نہ کہ حدیث سے قرآن ثابت ہے۔

۱۰۔ ہماری بعض کتب تفسیر کی روایات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے یعنی آیات اور کلمات حذف ہوئے ہیں جبکہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی نہ ہونے کے بارے میں علماء نے بہت سے دلائل پیش کئے ہیں۔

قرآن کا ہمیشہ غلط ہاتھوں کی دست اندازی سے محفوظ ہونے کے بارے میں آیات قرآنی اور کثیر روایات موجود ہیں اور تمام مسلمانوں کے محققین اور علماء کا اتفاق ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں سب سے معتبر پسندیدہ اور مقبول ترجمہ و تفسیر (مولانا فرمان علی) کو گردانا جاتا ہے جس نے ملک میں شیعوں کے چہرے کو قرآن کے حوالے سے مسخ اور سیاہ کرنے میں بہت کردار ادا کیا ہے۔ اور جتنے بھی خطیب و مقرر اس ملک میں غلو اور ٹھیسرت پھیلانے میں کامیاب ہوئے ہیں انکا مصدر و ماخذ یہی تفسیر ہے اگر تحقیق کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے تو پھر یہ اعلان کریں کہ ہم ایک جاہل و نادان قوم ہیں اور ہم اپنے مکتب کے اصول و فروع میں نہ خود تحقیق کریں گے اور نہ کسی کو کرنے دیں گے۔

بعض لوگ آئمہ معصومینؑ کو معاشرے میں مظلوم و محروم رکھنے کے درپے ہیں وہ ان کی حقانیت میں مبہم و مجمل

فضائل بیان کرتے ہیں تاکہ مخالفین سنتے ہی بیزار اور دور ہو جائیں ان فضائل میں سے ایک قرآن کی تفسیر قرآن ناطق ہی کر سکتا ہے ہمارا ان سے سوال ہے اس وقت منظر حضور و شہود میں کون سے قرآن ناطق تشریف رکھتے ہیں تاکہ قرآن صامت کی تفسیر ان سے پوچھی جائے۔ یہ کتب تفسیر اپنی جعلی اور ضعیف السند احادیث کے ساتھ سب قرآن تو نہیں جبکہ یہ کتابیں خود بھی صامت ہیں۔

قرآن کلمات امیر المومنین میں

از روئے نہج البلاغہ کلام امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کہ جس کتاب کی تعریف میں اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ کتاب تحت کلام خالق مافوق کلام مخلوق ہے۔ اس میں ۷۰ جگہ پر قرآن یا کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان میں سے چند جگہوں پر خاص طور سے قرآن کو واضح اور روشن ہونے کی دلیل کہا گیا ہے۔

الف۔ خدا فرماتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کے کلمات ہیں جس میں حلال اور حرام کو واضح طور پر بیان کیا ہے:

﴿کتاب ربکم فیکم مبیناً حلالہ و حرامہ موقر ائضہ و قضا لہ موئنا نسخہ و منسوخہ و رخصہ و عزائمہ

و خاصہ و عامہ۔ و عبرہ و امثالہ۔ و مرسلہ و محلودہ و محکمہ و منشاہ﴾ ”پیغمبرؐ نے تمہارے

پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔ اس حالت میں کہ انہوں نے کتاب کے حلال و حرام،

واجبات و مستحبات، ناسخ و منسوخ رخص و عزائم، خاص و عام، عبر و امثال، مقید و مطلق، محکم و منشاہ کو

واضح طور سے بیان کر دیا ہے۔“ (ترجمہ مفتی خطبہ/۱)

ب۔ اس کتاب کی بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں:

﴿واللہ سبحانہ یقول: ما قرطنا فی الکتاب من شیء و قیہ تیان کل شیء و ذکر ان الکتاب یصدق

بعضہ بعضاً﴾ ”اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں

کو تاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض

حصوں کی تصدیق کرتے ہیں۔“ (ترجمہ مفتی خطبہ/۱۸)

نظر صحیح ہے؟ بد قسمتی سے ہمارے مراکز درس و تدریس اور تعلیم و تربیت مدارس و منابر میں نہ تقدیل قرآن روشن ہے اور نہ چراغ نہج البلاغہ روشن ہے اگر ان کے گھروں میں کتب کی کوئی اہمیت ہے تو وہ دس بیبیوں کی کہانی، خود ساختہ حدیث کساء، معجزات اور جعلیات سے بھری ہوئی بعض دعاؤں کی کتابیں ہیں نہ جانے قیامت کے دن یہ افراد کتاب خدا کو پیچھے چھوڑ کر کس طرح خدا اور رسولؐ کے سامنے سراونچا کریں گے اور اسی طرح نہج البلاغہ کو چھوڑ کر مولائی کے حضور میں شیعہ ہونے کا دعویٰ کیسے کریں گے۔

دشمنان اسلام انکے نمائندوں اور احمق و نادان مسلمانوں کی طرف سے امت اسلام کو قرآن فہمی سے دور رکھنے اور قرآن اور مسلمانوں کے درمیان حائل رکاوٹوں کی فہرست پیش کرنے اور انکے وہم و خیال کو حقیقت سے عاری ثابت کرنے کے بعد اب ہم قارئین کرام کی خدمت میں قرآن کریم کی آیات کی مدد سے تعارف و انتساب قرآن کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کے دلائل پیش کریں گے۔

قرآن کا تعارف

تاریخ تصنیف و تالیف کتب میں ایک سنت رائج رہی ہے کسی کتاب اور اسکے مولف کے بارے میں اس سے بلند یا مساوی شخصیات اسکی تقریظ میں اپنا قلم اٹھاتے ہیں تاکہ ایک تو اس کتاب میں موجود محنت و اور مضامین کا تعارف پیش کروائیں دوسرا اس میں موجود امتیازی نقاط کی طرف توجہ مبذول کروائیں تاکہ حلقہ قارئین میں اس کتاب کو پذیرائی ملے۔ یہ سنت اکثر و بیشتر مفید ثابت ہوئی ہے اور اس سے کتب کو فروغ ملا ہے۔ لیکن اس عادی سنت کے تحت کسی بھی انسان کی یہ جرأت نہیں کہ وہ کتاب خدا یعنی قرآن کریم کا تعارف پیش کرائے کیونکہ جس کتاب کو جن و انس کیلئے بطور چیلنج پیش کیا گیا ہو جو کتاب اشرف انبیاء و مرسلین کی امام ہو تو کون اسکا تعارف کروا سکتا ہے۔ تمام کتب آسمانی اس کتاب کی ذیلی مضمون کی حیثیت رکھتی ہیں اس وجہ سے اگر کوئی ایسی احمقانہ کوشش کرے تو اسکا اختتام کفر و الحاد پر منتهی ہوگا۔ لہذا اس کتاب کے تعارف کیلئے پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ یعنی یہ خود اپنا تعارف کرواتی ہے لہذا ہمیں اس عظیم کتاب خدا میں موجود ان آیات کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا جو اس کتاب کا تعارف کرواتی ہیں۔

ہم چند نقاط خود اپنے اور اپنے جیسے مسلمان بھائیوں کیلئے ضبط تحریر میں لانا چاہتے ہیں جو اس کتاب سے دوری و اجنبیت کی سرحد پر ہیں۔

۱۔ اس کتاب کے انتساب کو آیات قرآنی سے پیش کریں گے۔

۲۔ اس کتاب کے اسماء و صفات مبارکہ جو خود اس میں موجود ہیں کو پیش کریں گے۔

۳۔ وہ آیات جو اس قرآن کریم میں ہر قسم کی کجی اور رکاوٹوں کو اس سے دور کرتی ہیں۔

۴۔ وہ آیات جن میں تمام جن و بشر کو تدبیر و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

نزول قرآن حکیم اور غیاب خاتم النبیین کے بعد سے لے کر اب تک ایک گروہ کی طرف سے مسلسل یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ امت مسلمہ کو اس کتاب حیات بخش سے دور رکھا جائے دشمن نے یہ کام بڑے احترام و تعظیم اور مقام و منزلت اہل بیت بیان کرنے کا لبادہ اوڑھ کر کیا اور مکتب تشیع میں اس فکر کو توجہ دیا کہ یہ کتاب عام انسانوں کیلئے ناقابل فہم و ادراک ہے اور امت مسلمہ کے ایک دوسرے گروہ نے قرأت و حفظ قرآن پر بہت توجہ دی ہے یہ بھی نا دانستہ طور پر دشمنان اسلام کے معاون و مددگار بنے ہیں ہم اپنی بساط علمی اور معلومات کی کمی کے باوجود یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ کتاب سمجھنے اور درک کرنے کیلئے نازل کی گئی ہے اور اس قرآن ہی سے دوسروں کے اقوال کو سمجھا جاسکتا ہے حتیٰ نبی و امام کے قول کی سند و مصدر بھی یہ قرآن ہی ہے رائج سنت کے تحت کسی قول کی صحت کیلئے حدیث، منطق و فلسفہ کو پیش کیا جاتا ہے لیکن انکی صحت و سقم کی بنیاد بھی قرآن کریم ہے۔

قرآن کریم کے فہم و درک کے بارے میں دشمنان دانشمند و دوستان احمق و فریب خوردوں کے قائم کردہ عزائم و کوششوں کے مراحل و مراتب اور رکاوٹوں اور ان کے دلائل مخدوش و مردود کی طرف ہم نے گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا اب ہر خاص و عام کے لئے اپنی ظرفیت اور ذہنیت کے مطابق فہم و ادراک کر سکنے کے بارے میں خود قرآن کریم کی آیات کریمہ اور نہج البلاغہ کے خطبہ اور آئمہ طاہرین سے مروی روایات اور فریقین کے محققین و مایہ ناز علماء کے آراء و نظریات حسب ترتیب درجات و مراحل پیش کریں گے۔

انتساب قرآن

انتساب مادہ نسب سے ہے نسب اور نسبت کے معنی کے بارے میں ارباب معاجم، ماہرین لغت عرب اور موشاگانِ معانی قرآن لکھتے ہیں کہ نسب جس کی جمع انتساب ہے مختلف اشخاص چاہے طول میں ہوں جیسے اولاد والدین، یا عرض میں جیسے برادر زاد، چچا زاد، خالہ زاد، وغیرہ کو ایک شخص سے منسوب کرنے کو نسب یا نسبت کہتے ہیں۔ بعض ارباب لغت اس معنی کو توسیع دیتے ہوئے کسی چیز یا کسی سمت کی طرف نسبت دینے کو نسب کہا ہے۔ بعض دیگر ماہرین نے کسی چیز کے مصدر اور ماخذ اصل کی طرف برگشت دینے کو نسب کہا ہے چنانچہ سورہ فرقان کی آیت ۵۴ میں بشر کی نسبت پانی سے دی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ ”اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک

بشر کو پیدا کیا پھر اس کو نسب اور سرال بنایا۔“

نسب اس معنی میں صحیح ثابت ہونے کے بعد آیاتِ کریمہ میں انسان کو پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی نسبت دی ہے جیسے سورہ قیامت اور سورہ طارق میں انسان کو مٹی سے نسبت دی ہے سورہ آل عمران / ۵۹ اور سورہ حج / ۵ میں انسان کو مٹی سے منسوب کیا گیا ہے:

﴿خَلَقَهُ مِنْ طَرَابُثٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ ”اس نے پہلے اسے مٹی سے خلق کیا پھر اسے حکم

دیا: ہو جا اور وہ ہو گیا“ ﴿فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ طَرَابُثٍ﴾ ”ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا“

آیاتِ قرآنی اور لغت میں نسب کے معنی واضح و روشن ہونے کے بعد ہم اس کلمہ کو وسعت دے کر قرآن کیلئے بطور مجاز استعمال کرتے ہیں یعنی جس طرح ہر چیز کیلئے ایک مصدر و ماخذ ہوتا ہے (جہاں سے نکلا یا جہاں سے لیا ہے) قرآن کریم کا بھی ایک مصدر و ماخذ ہے جسے ہم نے اپنے اسلاف سے لیا یہاں تک کہ یہ سلسلہ خاتم النبیینؐ پر ختم ہوتا ہے جن پر یہ قرآن نازل ہوا ہے اور نبی کریمؐ نے اسے ربِّ جلیل سے لیا ہے۔ یہ ماخذ قرآن ہے اور جہاں تک اس کے مصدر کے بارے میں کہ یہ نکلا کہاں سے ہے تو خود خداوند متعال نے اس قرآن کریم کا مصدر اصل اپنی ذاتِ باری تعالیٰ کو ٹھرایا ہے۔ قرآن کی نسب اور نسبت کے بارے میں وارد

آیات کو سلسلہ وار نقل کریں گے تا کہ نسبت کے ساتھ صاحب نسبت کے اندر مخزون و پوشیدہ معانی اور حقائق و دقائق بھی کشف ہو جائیں گے کیونکہ قرآن کریم کے بارے میں یہ پہلو ایک حوالے سے نظر انداز ہے جہاں سے مفسر تیزی سے گذر جاتے ہیں اور اس نکتہ کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ یہاں پر یہ کلمہ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ نسب قرآن

نسب قرآن کریم کے بارے میں بحث و گفتگو مختلف زاویوں سے ممکن ہے۔ جس طرح کسی کتاب اور اسکے مولف کے بارے میں ان زاویوں سے گفتگو ہوتی ہے۔

- ۱۔ اس کتاب کا انتساب۔ بہت سی کتب اپنا سرورق نہ ہونے کی وجہ سے مخدوش ہیں چاہے یہ کتب کتنی ہی مفید کیوں نہ ہوں لہذا جس کتاب کا مصنف مجہول ہو اس کتاب کو مجہول النسب کہنا غلط نہیں ہوگا۔
- ۲۔ بعض کتب جو فی زمانہ مشہور ہیں لیکن بعض افراد دھوکہ دہی سے اسے کسی اور کی طرف نسبت دیتے ہیں جیسے کتاب تسمیع مادہ کو ایک مصنف کی طرف نسبت دی جاتی ہے حالانکہ یہ کتاب اسکی تالیف نہیں ہے۔
- ۳۔ کتاب کسی سے منسوب ہے اس میں جائے شک نہیں لیکن احتمال ہے اس میں جو الفاظ اور مطالب بیان ہوئے ہیں وہ مختلف کتابوں سے ماخوذ ہیں لہذا اہل کتب کی اصطلاح میں اسے تالیف کہا جاتا ہے۔ تقریباً نوے فیصد کتب اس حال سے خالی نہیں ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر معنی اور مطالب دیگر مولفین کے ہوتے ہیں۔

- ۴۔ کتاب کسی خاص فرد سے منسوب ہے اور اس کے تمام الفاظ بھی اسکی اپنی اختراع و ابتکار ہیں لیکن معنی و مفہوم گذشتگان یا معاصرین سے لئے ہیں۔

- ۵۔ کتاب میں موجود الفاظ اور معنی سب اسی مصنف کی اختراع ہیں لیکن کتاب کی ابتداء اور انتہا میں تناقص

ہے، ایک مطلب دوسرے مطلب سے متضاد ہے جیسے کتاب کے شروع میں ایک نظریہ کو ثابت کرنے کے دلائل موجود ہیں لیکن نتیجہ اس کے خلاف نکالا ہے اور اپنے نظریہ سے ہی انحراف کیا گیا ہے۔

۶۔ کتاب ایک مصنف کی ہے اور اس کا دعویٰ ہے اس نے مطالب کو خلاصہ کی شکل میں بیان کیا ہے جیسے ملاء سعد تفتازانی نے منطق میں تہذیب لکھنے کے بعد دعویٰ کیا تھا کہ کوئی شخص اس میں ایک جملہ کا اضافہ کرے تو وہ اس کتاب کا نقص ہوگا (یعنی میں نے تمام مطالب اس میں خلاصہ کے ساتھ بیان کیے ہیں) اور میں اسے انعام دوں گا لیکن انکی وفات کے بعد ان ہی کے ایک شاگرد نے یہ کام انجام دیا اور کتاب کو بڑھایا۔ اسی طرح ابن حاجب کی نحو اور شیخ بہائی کی نحو کی کتاب صدیہ ان علوم کا نچوڑ ہیں اور ان کے لکھنے والوں کو ماہر گردانا جاتا ہے۔

۷۔ کتاب لکھنے والا اپنے مطالب کو اپنے گہرے اور دقیق الفاظ و معنی میں بیان کرتا ہے کہ دو فیصد انسان ہی اسکی کتاب کو سمجھ سکتے ہیں یا شاگرد متصل ہی اسے سمجھ سکتا ہے لہذا یہ معقولہ مشہور ہے کہ Adam Smith سے جب اس کی کتاب کے کسی موضوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا لکھتے وقت مجھے پر یہ نظریہ واضح تھا لیکن اس وقت مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔

۸۔ کتاب اپنے مضمون و مطالب کے حوالے سے کسی دوسری قوم و ملت کی دشمنی سے پر ہے اور اس میں اسکا غیض و غضب نمایاں ہے جیسے میکاولی کا سیاست نامہ اور مارکس کی کتاب سرمایہ داروں کیلئے آسمانی بجلی سے کم نہیں۔

قرآن کریم کا سلسلہ نسب و انتساب مذکورہ بالا تمام نقائص و عیوب سے مبرا اور پاک و مطہر ہے۔ قرآن نے اپنا سلسلہ انتساب خود پیش کیا ہے اور یہ قارئین پر اس کے مطالعہ کے بعد روشن ہو جائے گا۔

کبھی اس کے سلسلہ نسب کو اس کے مادہ خلقت کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے انسان کی خلقت میں مادے کے حوالے سے اس کے نسب کو کبھی پانی قرار دیا ہے۔، کبھی مٹی بتایا ہے کبھی ”طین لازب“ کہا ہے اور کبھی ”علق“ بتایا ہے۔

بعض چیزوں کا نسب ہوتا ہے اور انہیں با نسب کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت کے حوالے کو وہ اپنے لئے افتخار، امتیاز قرار دیتے ہیں۔ جیسے فلاں سے ہماری نسبت ہے فلاں اس چیز تک پہنچتا ہے۔ بعض کی نسبت نہیں ہوتی یعنی نسبت ہوتی تو ہے لیکن شریعت یا معاشرہ اس کو بے نسبت گردانتے ہیں۔ کہتے ہیں اس کی نسبت صحیح نہیں ہے تاکہ اس کے مقام و منزلت کو لوگوں کی نظروں سے گرایا جائے۔ لہذا مشرکین قریش یا دشمنان اسلام نے قرآن کریم کو بے نسبت دکھانے کی بہت (مذموم) کوشش کی کو یا قرآن کریم بھی اس تہمت و افتراء سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ سورہ نحل آیت ۱۰۳ میں آیا ہے کہ اس قرآن کو عجمی دکھانے کی کوشش کی گئی یعنی کوئی عجمی پیغمبر کو سکھاتا ہے۔

﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِي وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ ”حالانکہ جس کی طرف وہ انہیں

نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے جبکہ یہ (قرآن) عربی زبان میں ہے“ (نحل/۱۰۳)

کبھی اس قرآن کو جنوں کی طرف نسبت دی یعنی محمد کو جن نے مس کیا ہے، یہ جنات کی زبان ہے جیسا کہ سورہ آل عمران آیت ۷۸ میں ہے:

﴿وَإِنْ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ لِقَسَتِهِمْ بِالْكَذِبِ لِيُحْسِبُوهُ مِنَ الْكُتُبِ وَمَا وَهَوْ مِنْ عِنْدَ اللَّهِ وَيَقُولُونَ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”یہودیوں میں سے بعض وہ ہیں جو کتاب پڑھنے میں زبان

کو توڑ موڑ دیتے ہیں تاکہ تم لوگ اس تحریف کو بھی اصل کتاب سمجھنے لگو حالانکہ وہ اصل کتاب نہیں

ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ اللہ کی طرف سے ہرگز نہیں ہے یہ

خدا کے خلاف جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ سب جانتے ہیں“

قرآن کریم کو بے بنیاد غلط جہت کی طرف نسبت دینے یا غیر قرآن کو قرآن کی طرف نسبت دینے کی مذموم کو

ششوں کو خداوند عالم نے مرحلہ وار اور ترتیب سے مستر د کرتے ہوئے اس کی نسبت کو مرحلہ وار بیان کیا ہے۔

ہم ذیل میں اس کتاب عظیم کی اس نسب کو بیان کریں گے جو خود قرآن نے بیان فرمایا ہے اور اسی بیان کے

تحت اس کتاب کے دائرہ نفوذ و سلطنت کے ساتھ اس کے اندر پوشیدہ اور لطاف بھی واضح ہو جائیں گے:

۱۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿وَإِنَّمَا نُنَزِّلُ رُبَّ الْغُلَامِينَ﴾ ”اور بتحقیق یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے“ (شعراء/۱۹۲) ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَارِيبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْغُلَامِينَ﴾ ”ایسی کتاب کا نازل کرنا جس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے رب العالمین کی طرف سے (ہی ممکن) ہے“ (سجده/۲) ﴿تَنْزِيلُ مِنْ رَبِّ الْغُلَامِينَ﴾ ”یہ عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے“ (واقعه/۸۰) ﴿تَنْزِيلُ مِنْ رَبِّ الْغُلَامِينَ﴾ ”یہ عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے“ (حآقہ/۳۳) ﴿تَنْزِيلًا مِّنْ خَلْقِ الْأَرْضِ وَالْمَسْخُوتِ الْغُلَامِينَ﴾ ”یہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور بلند ترین آسمانوں کو پیدا کیا ہے“ (طہ/۴) درج بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قرآن رب العالمین نے عالمین کی تربیت کیلئے نازل کیا ہے۔

۲۔ یہ عزیز رحیم یعنی صاحبِ طاقت و قدرت کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿تَنْزِيلُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ ”(یہ قرآن) غالب آنے والے مہربان کا نازل کردہ ہے“ (یٰسین/۵)

۳۔ یہ عزیز حکیم یعنی صاحبِ عزت و حکمت کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ ”اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے“ (زمر/۱) ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ ”اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے“ (جاثیہ/۲) ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ ”اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے“ (احقاف/۲)

۳۔۱ عزیز کے لئے صفت حکیم بیان کی ہے ملاحظہ فرمائیے: سورہ زمر: ۱، جاثیہ: ۲، احقاف: ۲، بقرہ:

۱۲۹، ۲۰۹، ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۶۰، عمران: ۲، ۱۸، ۶۲، ۱۲۶، مائدہ: ۳۸، ۱۱۸، انفال: ۱۰، ۳۹، ۶۳، ۶۷،

توبہ: ۳۰، ۷۱، ابراہیم: ۳، نحل: ۶۰، نمل: ۹، عنکبوت: ۹۶، ۳۲، روم: ۲۷، لقمان: ۹، ۲۷، سباء: ۲۷، فاطر:

۲، غافر: ۸، احقاف: ۲، حدید: ۱، حشر: ۲۲، ممتحہ: ۵، صف: ۳، تغابن: ۱۸، نساء: ۵۶، ۵۸، ۱۶۵، فتح: ۷، ۱۹۔

ان تمام جگہوں پر عزیز کے لئے حکمت کی صفت بیان کی ہے یعنی ایسا عزیز جو حکیم ہے۔ حکیم، حکم سے لیا گیا ہے اور حکم کے معنی ہیں کسی کی اصلاح کی غرض سے منع کرنا لہذا حیوان کی لجام کو حکیم کہتے ہیں۔ علم کو حکمت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فساد اور خرابی سے روکتا ہے۔ تو گویا خداوند عالم نے اپنی قدرت اور حکمت کی بنیاد پر اس کتاب کو نازل فرمایا ہے یعنی اس میں کسی قسم کا خدشہ، بطلان، یا تبدل ہونے کی گنجائش نہیں۔

۲۔ ۳ خدائے عزیز کی لطف سے نازل ہوا ہے۔ ”عزیز“ اسماء حسنیٰ خدا میں سے ہے۔ عزیز کے معنی توانا اور قادر کے ہیں۔ عزیز اس توانا اور قادر کے ہیں۔ عزیز اس توانا اور صاحب قدرت، ہستی کو کہا جاتا ہے جو مغلوب نہیں ہوتا ہے اگر وہ کچھ کرنے کا ارادہ کرے تو اسے روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن وہ خود جسکو (کسی بات سے) روکنا چاہے اسے روک سکتا ہے جیسا کہ سورہ فاطر آیت ۲ میں ہے ﴿وہو العزيز الحکیم﴾ ”اور وہ عزیز و حکیم ہے“ خدا کی یہ صفت عزیز جیسا کہ پہلے عرض کیا اسماء حسنیٰ خدا میں سے ہے۔ خداوند عالم نے اس اسم کو موصوف بتایا ہے اور اس کیلئے مختلف صفات کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ رُحْمَن رَحِیم کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿تتریل من الرحمن الرحیم﴾ ”خدائے رُحْمَن و رَحِیم کی نازل کردہ ہے“

(فصلت/۲)

رُحْمَن و رَحِیم دونوں کا مادہ ”رَحْم“ ہے رحم عورت کی بچہ دانی کو بھی کہتے ہیں۔ اس بچہ دانی میں جنین جو کہ انتہائی باریک مخلوق ہے یہاں رُشد و نمو پاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس جگہ کو رحم کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے قوم، قبیلے کو ارحام کہتے ہیں۔ کیونکہ سب کی نسبت اسی بچہ دانی پر منتہی ہوتی ہے۔ یعنی صفت رحمت میں شفقت بھی ہے اور رُشد و تربیت بھی۔ لہذا خداوند متعال کا یہ فرمانا کہ یہ قرآن رُحْمَن و رَحِیم کی طرف سے ہے اس کا مطلب یہ ہوا

کہ انسانوں کیلئے شفقت، رحمت، مہربانی ہے اور اس کی پیروی کرنے سے رشد و تربیت بھی حاصل ہوتی ہے۔
 رُحْمَن ورحیم صفت رحم میں مشترک ہونے کے باوجود صیغے کے حوالے سے دونوں کے معنی میں فرق ہے۔ رُحْمَن،
 خدا کی اس رحمت عمومی کا نام ہے جو تمام خلایق بلا تفریق مؤمن، کافر سب کیلئے ہے۔ خدا نے اپنی رحمانیت
 سے کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اور تمام نباتات، حشرات، حیوانات، انسان سب کی تمام ضروریات اسی صفت
 رحمانیت کے تحت عنایت فرمائی۔ خدا کی صفت رحمانیت ہر شے میں شامل ہے۔ سورہ اعراف آیت ۵۶ اور
 سورہ غافر ۷ میں فرمایا ہے کہ رحمت خدا تمام شے میں شامل ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ”اور میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے“ (اعراف/

۱۵۶) ﴿وَرَبُّنَا وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَرَحْمَتُهُ عَظِيمًا﴾ ”پروردگار تیری رحمت اور علم سب چیزوں پر حاوی

ہے“ (غافر/ ۷)

خدا کی دوسری صفت رحیم، صفت مشبہہ ہے یعنی یہ صفت عمومیت نہیں رکھتی بلکہ صرف مومنین کے لئے مختص
 ہے۔ لہذا کثیر آیات میں اللہ نے اپنے آپ کو غفور الرحیم، عزیز الرحیم، رؤف الرحیم، تواب الرحیم کے لقب
 سے ذکر فرمایا ہے۔ جہاں جہاں اسکی اس صفت کا ذکر ہوا ہے ہر جگہ اس سے مراد مومن ہے۔

رحمت خدا بہت وسیع ہے۔ غالباً اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے رُحْمَن ورحیم ہونے کا کثرت سے ذکر فرمایا
 ہے۔ یہ قرآن مجید میں ۱۶۹ دفعہ خدا کے رحیم الرحیم ہونے کا ذکر ہوا ہے۔ ایک سو چودہ (۱۱۴) دفعہ بسم اللہ الر
 حْمَن الرحیم کی شکل میں اور پچپن (۵۵) مرتبہ مختلف آیات میں آیا ہے۔

اس بحث سے ہمیں معلوم ہوا کہ قرآن مجید اللہ کہ صفت رُحْمَن الرحیم کے تحت نازل ہوا ہے مومنین کے ساتھ
 ساتھ دیگر خلایق خدا یعنی غیر مومن بھی ایمان بہ خدا الائے بغیر اس ماندہ الہی سے، اس خوان خدائی سے استفادہ
 کر سکتے ہیں مگر صرف اور صرف اس عالم ہستی میں آخرت میں انکا کوئی حصہ نہیں ہے جبکہ مومنین اس دنیا کے
 علاوہ آخرت میں بھی جزا پانے کے مستحق قرار پائیں گے۔

۵۔ حکیم حمید کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿تَنْزِيلُ مَنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ ”یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے“ (فصلت/۳۲)

۶۔ حکیم خبیر کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿كِتَابُ احْكُمْتَ اَيْتُهُ ثُمَّ فَصَلْتَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ ”یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم کی گئی ہیں پھر ایک با حکمت با خبر ذات کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہے“ (ہود/۱)

۷۔ رب محمد کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿فَتِلْكَ اَيَّتِ الْكُتُبِ وَالَّذِي اَنْزَلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”یہ کتاب کی آیات ہیں اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے“ (رعد/۱)

۸۔ عزیز علیم کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ ”اس کتاب کی تنزیل بڑے غالب آنے والے دانا اللہ کی طرف سے ہے“ (غافر/۲)

خداوند عالم نے عزیز کو ذوالنقام سے متصف کیا ہے یعنی عزیز خدا قدرت انتقامی بھی رکھتا ہے سورہ عمران آیت ۴، مائدہ ۹۵، ابراہیم ۴۷ میں یہ ذکر محفوظ ہے۔ مثال کے طور پر:

﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ ”اور خدا سخت انتقام لینے والا ہے“ (آل عمران/۴) ﴿وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمِ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ مُنتَقِمٌ﴾ ”اور اگر کسی نے غلطی کا اعادہ کیا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بڑا غالب آنے والا انتقام لینے والا ہے“ (مائدہ/۹۵) ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ ”کیونکہ خدا توانا (بھی) ہے اور صاحب انتقام بھی“ (ابراہیم/۴۷)

خداوند عالم نے بعض دوسری آیات میں ”عزیز“ کو صفت بتایا ہے اور ”قوی“ کو موصوف قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ ”اللہ یقیناً بڑا طاقتور اور بڑا غالب آنے والا ہے“ (حج/۳۰)
 ﴿مَاقُلُوا لِلَّهِ حَقَّ قَوْلِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ ”لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر نہیں کی جیسی
 قدر کرنی چاہئے تھی اللہ یقیناً بڑا طاقتور رکھنے والا غالب آنے والا ہے“ (حج/۷۳)
 خداوند عالم نے ”عزیز“ کی صفت رحیم بیان کی ہے، قدرتِ خدا، قدرتِ استبدادی نہیں ہے بلکہ
 قدرتِ رحیمی ہے۔

﴿ذَلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ ”وہی ہے جو غیب و شہود کا جاننے والا ہے
 جو بڑا غالب آنے والا ہے“ (سجدہ/۶) ﴿يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”اللہ جسے چاہتا
 ہے نصرت عطا فرماتا ہے اور وہ بڑا غالب آنے والا رحم کرنے والا ہے“ (روم/۵)
 خداوند عالم نے عزیز کو حمید سے متصف کیا ہے۔

﴿يَا ذُنُوبَهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ ”اُن کے رب کے کاذب سے اندھیروں سے نکال
 کر روشنی کی طرف لائیں، غالب آنے والے قابلِ ستائش اللہ کے راستے کی طرف“ (ابراہیم/۱)
 ﴿وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ ”اور وہ بڑے غالب آنے والے اور قابلِ ستائش
 (اللہ) کی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے“ (سبا/۶)
 خداوند عالم نے عزیز کی صفت ”علیم“ بیان کی ہے:

﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ ”اور وہی بڑا غالب آنے والا بڑا علم والا ہے“ (نمل/۷۸) ﴿ذَلِكَ
 تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ ”یہ اس صلاحِ عزت و حکمت کی مقرر کردہ تقدیر ہے“ (انعام/۹۷)
 خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب خداوند متعال نے اپنی قدرت، علم و حکمت اور رحمت کی بنیاد پر نازل فرمائی ہے۔

۱۰۔ یہ قرآن حکیم حمید کی طرف سے نازل ہوا ہے:

﴿تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ ”یہ حکمت والے اور لائقِ ستائش کی نازل کردہ ہے“ (فصلت/۴۲)

۱۱۔ یہ ہمارے پاس خزانے میں پوشیدہ تھے:

﴿وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكُتُبِ لَلْبَيِّنَاتِ حَكِيمٌ﴾ ”ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز کتاب ہے“ (زخرف/۴)

یہ قرآن کا نسب اجمالی ہے اور وہ آیات جن میں لوگوں کو قرآن کا مقابلہ کرنے کیلئے چیلنج دیا گیا ہے یہ اس کا نسب تفصیلی ہے۔

اسمائے قرآن کریم

قرآن کریم خداوند متعال کی طرف سے آخری کتاب ہے جسے اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمدؐ پر نازل فرمایا اس کتاب کو خود اس کتاب میں مختلف اور متعدد اسماء سے یاد کیا گیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہے۔

۱۔ کلمہ ”قرآن“

سورہ مبارکہ بقرہ/۱۸۵: ”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا“
 سورہ نساء/۸۲: ”کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟“
 سورہ مائدہ/۱۰۱: ”اگر ان کے بارے میں قرآن کے نزول کے وقت پوچھو گے“
 سورہ انعام/۱۹: ”اور یہ قرآن میرے طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے“
 سورہ اعراف/۲۰۳: ”اور جب قرآن پڑھا جائے تو پوری توجہ کے ساتھ اسے سنا کرو“
 سورہ توبہ/۱۱۱: ”یہ تو رات و انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمہ پکا وعدہ ہے“
 سورہ یونس/۱۵: ”ہمارے سامنے اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ“
 سورہ یوسف/۳: ”ہم اس قرآن کو آپ کی طرف وحی کر کے آپ سے بہترین قصہ بیان کرنا چاہتے ہیں“
 سورہ حجر/۱: ”یہ (آسمانی) کتاب اور قرآن مبین کی آیات ہیں“
 سورہ حجر/۸۷: ”اور تحقیق ہم نے آپکو (بار بار) دہرائی جانے والی سات (آیات) اور عظیم قرآن عطا کیا ہے“

سورہ حجر/۹۱: ”جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا“

سورہ نحل/۹۷: ”لہذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلہ کیلئے اللہ سے پناہ طلب کریں“

- سورہ بنی اسرائیل/۹: ”یہ قرآن یقیناً اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔“
- سورہ بنی اسرائیل/۳۱: ”اور ہم نے اس قرآن میں سب کچھ طرح طرح سے بیان کر دیا ہے“
- سورہ بنی اسرائیل/۳۵: ”اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک نامرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں“
- سورہ بنی اسرائیل/۳۶: ”اور جب آپ قرآن میں اپنے یکتا رب کا ذکر کرتے ہیں“
- سورہ بنی اسرائیل/۶۰: ”اور (اے محمد! وہ وقت یاد کریں) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون ٹھرایا ہے“
- سورہ بنی اسرائیل/۸۸: ”کہہ دیجئے: اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو اس کی مثل نہیں لاسکیں گے“
- سورہ بنی اسرائیل/۸۹: ”تحقیق ہم نے اس قرآن میں ہر مضمون کو لوگوں کے لئے مختلف انداز میں بیان کیا ہے“
- سورہ بنی اسرائیل/۱۰۶: ”اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا ہے“
- سورہ بنی اسرائیل/۱۰۷: ”آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ اس سے پہلے جنہیں علم دیا گیا ہے جب یہ پڑھ کر انہیں سنایا جاتا ہے تو یقیناً وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں“
- سورہ کہف/۵۳: ”اور تحقیق ہم نے اس قرآن میں انسانوں کیلئے ہر مضمون کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے“
- سورہ طہ/۲: ”ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں“
- سورہ طہ/۱۱۴: ”اور آپ پر ہونے والی اس وحی کی تکمیل سے پہلے قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں اور کہہ دیا کریں: پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما“
- سورہ فرقان/۳۲: ”اور کفار کہتے ہیں: اس (شخص) پر قرآن یکبارگی نازل کیوں نہ ہوا؟“
- سورہ نمل/۷۶: ”بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بیان کر دیتا ہے“

سورہ نمل/۹۲: ”اور یہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں اس کے بعد جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے لئے ہدایت اختیار کرے گا“

سورہ فصلت/۲۶: ”اور لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں: اس قرآن کو نہ سنا کرو“

سورہ روم/۵۸: ”اور تحقیق ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے“

سورہ سبا/۳۱: ”اور کفار کہتے ہیں: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے“

سورہ زمر/۲۷: ”اور تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں دی ہیں“

سورہ زمر/۲۸: ”یہ قرآن فصیح (عربی) اور ہر قسم کی کجی و نادستی سے پاک ہے“

سورہ فصلت/۳: ”ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں عربی (زبان کا) قرآن علم رکھنے والوں کے لئے“

سورہ فصلت/۴۳: ”اور اگر ہم اس قرآن کو عجیبی زبان میں قرار دیتے“

سورہ زخرف/۳: ”ہم نے اس (قرآن) کو عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو“

سورہ احقاف/۲۹: ”جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا تاکہ قرآن سنیں“

سورہ محمد/۲۳: ”کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے“

سورہ ق/۴۵: ”قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت کریں جو ہمارے عذاب سے ڈرتا ہے“

سورہ قمر/۱۷: ”ہم نے نصیحت کیلئے قرآن کو آسان قرار دیا“

سورہ قمر/۲۲: ”ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان بنایا“

سورہ طہ/۲: ”قرآن کی تعلیم دی“

سورہ واقعہ/۷۷: ”کہ یہ قرآن کریم یقیناً بڑی تکریم والا ہے“

سورہ حشر/۲۱: ”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے اللہ کے خوف سے جھک کر پاش پاش

ہوتا ضرور دیکھتے“

- سورہ مزمل/۴: ”اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے“
- سورہ مزمل/۲۰: ”جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو“
- سورہ دھر/۲۳: ”یقیناً ہم نے ہی آپ پر قرآن بتدریج نازل کیا ہے“
- سورہ انشقاق/۲۱: ”جب انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے“
- سورہ بروج/۲۱: ”بلکہ باعظمت قرآن ہے“
- سورہ یوسف/۲: ”ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا تا کہ تم سمجھ سکو“
- سورہ رعد/۳۱: ”اگر قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ چل پڑتے یا زمین پھٹ جاتی یا مردے کلام کرتے (تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)“
- سورہ طہ/۱۱۳: ”اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا“
- سورہ شوریٰ/۷: ”ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی بھیجی“
- سورہ زخرف/۳: ”بیشک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تا کہ تم سمجھ سکو“
- سورہ قیامت/۱۷: ”یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسے جمع کریں اور پڑھوائیں“
- سورہ قیامت/۱۸: ”پھر جب ہم پڑھوادیں تو آپ اس کی تلاوت کو دہرائیں“
- اس کلمہ قرآن کے انتخاب کے بارے میں علماء و مفسرین مختلف و متعدد نظریات رکھتے ہیں
- ۱۔ شافعی کہتے ہیں کہ قرآن ایک غیر مشتق ہے، جامد ہے یہ مستقل طور پر براہ راست اس کتاب کیلئے وضع ہوا ہے۔ یعنی یہ اس کتاب کا علم ہے خداوند عالم نے اپنی اس کتاب کا نام اس کلمہ سے رکھا ہے۔
 - ۲۔ بعض نے قرآن کو مادہ ”قرین“ سے مشتق گردانا ہے جو کلمہ قرن سے ماخوذ ہے، قرآن اقتران سے ہے جس کے معنی علامت یا قرینہ ہے۔

اگر کسی کلمہ کے ایک سے زیادہ معنی ہوں یا متعدد معنی اس سے مراد لئے جاسکتے ہوں تو متکلم اپنا اصل مقصد واضح کرنے کے لئے ایک اور جملہ اس سے ملا کر کہتا ہے یہ جملہ پہلے کلمہ کا ”قرینہ“ کہلاتا ہے۔ کو یا جو ہمیشہ کسی کے

ساتھ رہتا ہوا سے ”قرین“ کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ ق کی آیت نمبر ۲۳ اور ۲۷، زخرف آیت ۳۶ اور سورہ فصلت آیت ۲۵ میں آیا ہے:

﴿وَقَالَ قَرِينُهُ﴾ ”اور اس کا ہم نشین کہے گا“ (ق/۲۳ اور ۲۷) ﴿فَوَلَّوْهُ قَرِينًا﴾ ”تو وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے“ (زخرف/۳۶) ﴿وَقِيضْنَا لَهُمْ قَرْنًا﴾ ”اور ہم نے ان کے ساتھ ایسے ہم نشین لگا دیئے“ (فصلت/۲۵)

قرآن ایک زمانے میں جمع شدہ قوم کو بھی کہتے تھے جسکی جمع ”قرون“ ہوتی ہے جیسے سورہ یونس آیت ۱۳، سورہ اسراء آیت ۷، سورہ مومنون آیت ۳۲ میں آیا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ﴾ ”اور تحقیق تم سے پہلی قوموں کو بھی ہم نے ہلاک کیا“ ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ﴾ ”اور نوح کے بعد کتنی نسلوں کو ہم نے ہلاکت میں ڈال دیا“ ﴿ثُمَّ أَتَيْنَاهُمْنَ بِعِلْمٍ﴾ ”پھر ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں“

بعض آیات قرآنی دوسری آیات کی وضاحت کرتی ہیں ایک آیت دوسری آیت کی علامت بن جاتی ہے جس سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولا امیر المومنین نے فرمایا ہے: قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے“

۳۔ قرآن مادہ ”قرء“ سے ہے ”قیران“ بروزن ”فعلان“۔ ”قرء“ کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ عرب کہتے ہیں ”قرء الماء حی الحوض“۔ حوض میں پانی جمع ہوا۔ اسی لئے قوم یا کسی اجتماع کو ”قرون“ کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ یونس آیت ۱۳، سورہ اسراء آیت ۷ اور سورہ مومنون آیت ۳۲ میں ذکر ہوا ہے۔

اگر بہت سی چیزیں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو اس کو قروء کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے عورت کی ماہواری اور طہارت (پاکیزگی) کے درمیانی عرصہ کو قروء کہتے ہیں۔ کیونکہ اس عرصے میں خون جمع ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۲۲۸ میں ہے: ﴿وَالْمَطْلُفُ يَرْبِصْنَ أَنْفُسَهُنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ ”اور طلاق

یا فتنہ عورتیں تین مرتبہ (ماہواری سے) پاک ہونے تک انتظار کریں۔“ قرآن کو بمعنی ”قروء“ یعنی جمع قرار دینے والے دو تو جیہات پیش کرتے ہیں۔

۳-۱ قرآن ایک کتاب ہے۔ آیات سے آیات مرکب ہیں۔ آیات مجموعہ کلام سے مرکب ہیں۔ کلام کلمہ سے مرکب ہے، کلمہ حروف سے مرکب ہے لہذا قرآن حروف کلمات کلام اور آیات کا مجموعہ ہے۔

۳-۲ قرآن مجموعہ کتب آسمانی ہے یعنی جتنی کتب، جتنے صحیفے خداوند عالم کی طرف سے نازل ہوئے اس کتاب میں سب جمع ہیں۔ چنانچہ قرآن کی بعض آیات میں اہل کتاب سے کہا ہے ﴿مصدقاً لما بین یدیکم﴾ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ قرآن جامع کتب آسمانی ہے۔ اور دوسرے لحاظ سے جو کچھ انسان کے دین و دنیا، دنیا و آخرت، روح و جسم سے مربوط ہے یا ضرورت والی چیزیں ہیں سب اس میں جمع ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید میں ان آیات کو پیش کرتے ہیں:

﴿لقد کان فی قصصہم عبرۃ لا ولی الا للباب﴾ ”تحقیق ان (رسولوں) کے قصوں میں عقل رکھنے والوں کیلئے عبرت ہے“ (یوسف/۱۱۱) ﴿ونزلنا علیک الکتب تبیاناً لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین﴾ ”اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی اور مسلمانوں کیلئے ہدایت و رحمت اور بشارت بنا کر نازل کی ہے“ (نحل/۸۹) ﴿قرآننا عربیاً غیر ذی عوج لعلہم یتقون﴾ ”ایسا قرآن جو عربی ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے تاکہ یہ تقویٰ اختیار کریں“ (زمر/۲۸) ﴿الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا وھم انھم یحسبون انھم یحسنون صنعا﴾ ”جن کی سعی دنیاوی زندگی میں لا حاصل رہی جب کہ وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ درست کام کر رہے ہیں“ (اسراء/۱۰۳) ﴿ولقد ضربنا للناس فی ہذا القرآن من کل مثل﴾ ”اور تحقیق ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے“ (روم/۵۸) ﴿فہذا القرآن کریم﴾ ”کہ یہ قرآن یقیناً بڑی تکریم والا ہے“ (واقعہ/۷۷)

ان آیات میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے ”اکیس ہر چیز کی تفسیر موجود ہے“ ان معنی میں قرآن بمعنی جمع ہے۔

اس کے علاوہ سورہ مبارکہ قیامت کی آیت نمبر ۷۱ سے بھی استدلال کرتے ہیں ﴿ان علينا جمعه وقرآنه﴾
۳۔ بعض علماء نے قرآن مادہ ”قراء“ سے لیا ہے۔ قراء کے معنی پڑھنے کے ہوتے ہیں چنانچہ اس معنی کی
تائید میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی پیش کرتے ہیں:

﴿اولم يكفهم انا آتينا عليك الكتاب بظنى عليهم﴾ ”کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ
پر یہ کتاب نازل کی ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟“ (عنکبوت/ ۵۱) ﴿وان اتلوا القرآن﴾
اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں“ (نمل/ ۹۲) ﴿فاقرأ واماميسر من القرآن﴾ ”جتنا قرآن پڑھ
سکتے ہو پڑھا لیا کرو“ (مزل/ ۲۰)

درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن بمعنی پڑھنے کے ہے۔
استاد عبد الرزاق نوفل کہتا ہے کہ یہ قرآن کے اعجاز میں سے ہے کہ قرآن میں یہ کلمہ سات بار تکرار ہوا ہے اور
سات بار خدا نے قرآن میں بنی آدم کی بھی تکرار کی ہے۔ یعنی قرآن کا خطاب بنی آدم سے ہے۔

۲۔ دوسرا نام الکتاب ہے

کتاب مادہ کتب سے لیا ہے، کتب دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے جوڑنے یا ان کو سینے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ
عربی محاورہ میں مشکیزہ بنانے کو کہتے ہیں کیونکہ دو چمڑے کے ٹکڑوں کو جوڑ کر سلائی کر کے مشکیزہ بناتے ہیں ”
کتبت القرب“ راغب اصفہانی نے بھی کتاب کے یہی معنی لئے ہیں۔ ”ضم ادبم الی ادبم“ یعنی ایک
چمڑے کو دوسرے چمڑے سے جوڑنا۔ یہیں سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں جوڑ ہے یا جو جوڑی جاتی
ہیں۔ جہاں جوڑ ہو وہاں یہ مادہ استعمال ہوتا ہے جس طرح حروف تہجی کی تدوین سے یعنی حروف کو جوڑنے
سے کتاب وجود میں آتی ہے اسی طرح عالم تکوین میں حروف وجودی کو جوڑنے سے کتاب وجودی وجود میں
آتی ہے اسکو تکوینیات کہتے ہیں۔ حروف تکوین کو قرآنی اصطلاح میں کلمات کہا جاتا ہے۔ جس طرح تدوین
لفظی ہوتی ہے اسی طرح کلمات وجود میں آتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو سورہ نساء آیت ۱۷۱ میں کلمہ کہا ہے:

﴿اتمالمسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمته﴾ ”بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو اللہ کے

رسول اور اس کا کلمہ ہے“ (نساء/۱۷۱)

کلمہ ہر وہ چیز ہے جو کسی چیز پر اثر رکھتی ہو خواہ قول ہو یا فعل ہو یا وجود ہو۔

عناصر ایک دوسرے سے ربط کی وجہ سے مرگب ہوئے ہیں۔ جس طرح دنیا کی رائج لغت میں حروف تدوین میں اختلاف ہے اسی طرح فلاسفہ اور طبیعت دان، سائنسدان ہر دور میں حروف تکوینیات یعنی عناصر کے بارے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں۔ ایک، چار، سات سے لیکر ان کی تعداد اب ایک سو آٹھ تک پہنچ گئی ہے۔ تکوینیات میں سب سے کم کلمہ دو حروف سے مرگب ہوتا ہے: مثبت اور منفی چنانچہ سورہ الذاریات کی آیت ۴۹ میں آیا ہے۔

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلْقًا زَوْجَيْنِ﴾ ”ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں“

چند دیگر آیات میں کائنات کی ہر چیز کے جڑواں ہونے کا ذکر ہے۔ یعنی اپنے ابتدائے وجود سے لیکر آخر تک ایک دوسرے سے جڑی ہیں۔

حروف وجودی کو آپس میں جوڑنے سے جو چیز بنتی ہے اسے کتاب خلقت یا کتاب تکوینی کہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ انعام آیت ۳۸ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ دَايِلُ فِي الْأَرْضِ وَلَا تَكْفُرُ بِطَيْرِ بَحْنًا حَيْهَ الْأَمَمِ امْتَالِكُمْ مَا قَرَطْنَا فِي الْكُتُبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ

رَبِّهِمْ يَحْشُرُونَ﴾ ”اور زمین میں چلنے والے تمام جانور اور ہوا میں اپنے دوپروں سے اڑنے

والے سارے پرندے بس تمہاری طرح کی امتیں ہیں ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں

چھوڑی پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے“ (انعام/۳۸)

کتاب مطلق مثبت کرنے کو کہتے ہیں یعنی فرض و لازم کرنے کو کتاب کہتے ہیں۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ﴾ ”تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی

ہے“ (انعام/۵۴) ﴿قُلْ لَنْ يَصِيَّبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا﴾ کوئی حادثہ ہمارا رخ نہیں کرتا مگر جو اللہ

نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے“ (توبہ/۵۱) ﴿ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ”

سرزمین مقدس میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ نے تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے“ (مائدہ/۲۱) ﴿فَلَمَّا كَتَبْتَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالَ﴾ ”تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا ہے۔“ (نساء/۷۷) ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ ”روزہ تمہارے لئے لکھ دیا گیا ہے۔“ (بقرہ/۱۸۳) ﴿كُتِبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ﴾ ”(سب کچھ) اللہ ہی کا ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے ذمے لیا ہے۔“ (انعام/۱۲) ﴿مَنْ أَجَلْ ذَلِكَ كُتِبَ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم مقرر کر دیا“ (مائدہ/۳۲) متذکرہ بالا آیات میں مثبت کرنے کو کتاب کہا ہے۔

عرف عام میں لکھے ہوئے مجموعہ یا لکھنے کو کتاب کہتے ہیں۔ حروف کو ایک دوسرے سے جوڑنے سے کلمہ بنتا ہے، کلمات کو جوڑنے سے کلام بنتا ہے۔ اور کلام کو جوڑنے سے کتاب بنتی ہے۔ ہر لغت میں حروف کی تعداد دوسری سے مختلف ہے۔ (سب سے زیادہ حروف لغت حبش میں ہیں) حروف و کلمات سے بننے والے مجموعہ کو کتاب کہتے ہیں۔ چاہے وہ کتاب کاغذ و سیاہی کی شکل میں آئی ہو یا نہ آئی ہو بہر حال اسے کتاب کہتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۷۹ میں ارشاد ہوا:

﴿تَوِيلٌ لِلَّذِينَ يَكْبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِهِمْ﴾ ”پس ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جو (توریت کے نام سے) ایک کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں“ (بقرہ/۷۹) ﴿وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ اکتبھا قہنی تملیٰ علیہ بکرۃ واصلیٰ ﴿اور کہتے ہیں: (یہ قرآن) پرانے لوگوں کی داستانیں ہیں جو اس شخص نے لکھ رکھی ہیں اور صبح شام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں“۔ (فرقان/۵) تورات و انجیل کو بھی کتاب کہتے ہیں چونکہ اس میں احکام خدا ثابت ہیں۔ خداوند عالم نے قرآن کریم کو الکتاب کہا ہے:

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ”یہ کتاب جس میں شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں“ (بقرہ/۲) ﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ﴾ ”یہ کتاب کی آیات ہیں“ (رعد/۱) ﴿تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ﴾ ”یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں“ (نمل/۲) ﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾ ”یہ کتاب مبین کی آیات

ہیں“ (شعراء/۲) ﴿وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لِارِيبٍ قِيَةٍ﴾ ”اور تمام (آسمانی) کتابوں کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں“ (یونس/۳۷) ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾ حالانکہ اس نے آپ کی طرف مفصل کتاب نازل کی ہے“

(انعام/۱۱۵)

انسانوں کے نام نہ اعمال کو بھی قرآن کریم نے کتاب کہا ہے:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الظُّلُمَاتِ وَمُومِنٌ﴾ ”پس جو نیک اعمال بجالائے اور وہ مومن بھی ہو“ (انبیاء/۹۴) ﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجُورِ لَفِي سَجِينٍ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِينٌ﴾ ”ہرگز نہیں! یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے آپ کو کیا خبر سجین کیا ہے یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے“ (مطففین/۷/۸/۹) ﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْإِثْمِ لَفِي عِلِّينَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّينَ﴾ ”مرفوم“ ﴿يَا جَهَنَّمَ﴾ ”یہ جھوٹ (ہرگز نہیں! نیک لوگوں کا نامہ عمل یقیناً عِلِّین میں ہے۔ اور آپ کو کیا خبر عِلِّین کیا ہے؟۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے“ (مطففین/۱۸ تا ۲۰) ﴿وَوَضَعَ الْكِتَابَ﴾ ”اور جب نامہ اعمال سامنے رکھا جائے گا“ (کہف/۴۹) ﴿وَوَضَعَ الْكِتَابَ وَجَّاهُ بِالْبَيِّنِ وَالشَّهَادَةِ وَقَضَىٰ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ﴾ ”اعمال نامے سامنے رکھ دیے جائیں گے پیغمبروں اور کواہوں کو حاضر کیا جائے گا“ (زمر/۶۹) ﴿وَكُلُّ امْرِئٍ لَّزِمَتْهُ طَعْرُهُ فِي عُنُقِهِ وَتُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا فَلَئِنْ لَّمْ يَنسُورْهُ﴾ ”اور ہم نے ہر انسان کا نامہ اعمال اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لئے ایک کتاب پیش کریں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا“ (اسراء/۱۳) ﴿فَقْرَأْ كِتَابَكَ﴾ ”پڑھا پنا نامہ اعمال!“ (اسراء/۱۴)

علم خدا کو کتاب کہا ہے:

﴿لَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي لَأَسْمَاءَ وَالْأَرْضِ﴾ ”کیا آپ کو علم نہیں کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اللہ ان سب کو جانتا ہے“ (حج/۷۰) ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي

البر والبحر وما تسقط من ورقه الا يعلمها ﴿۱﴾ ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز سے واقف ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس سے آگاہ ہوتا ہے“ (انعام/۵۹)

۳۔ تیسرا نام ذکر:

قرآن کریم کے اسماء مبارک میں ایک اسم ”ذکر“ ہے۔ لغت میں ذکر اس کیفیت نفسانی کو کہتے ہیں جس کے توسط سے ایک شخص اپنے حاصل کردہ معارف یا ذخیرہ شدہ معلومات کو جب بھی چاہے حاضر کر سکتا ہو ذکر کی چند قسمیں ہیں:

☆ ذکر قلب

☆ ذکر لسانی

☆ ذکر خارجی

۱۔ انسان کے پاس بہت سی ذخیرہ شدہ معلومات موجود ہوتی ہیں۔ انسان اپنے ارادے اور سوچ کے ذریعہ اس میں سے جس چیز کو چاہتا ہے دوبارہ یاد کر سکتا ہے۔

۲۔ انسان کسی بات کی بار بار تکرار کرتا ہے تاکہ وہ اسے یاد رہے۔ اس تکرار کرنے کو بھی ذکر کہتے ہیں۔

۳۔ کبھی انسان معلومات و ذخائر سے غافل ہو جاتا ہے لیکن اگر بیرونی ذرائع یعنی اس کی ذات کے باہر سے کوئی اسے یاد دلائے تو اسے یاد آ جاتا ہے۔ اس کو بھی ذکر کہتے ہیں۔

۴۔ انسان کی خلقت اور فطرت خداوند عالم نے اس طرح فرمائی ہے کہ وہ اپنی خلقت اور تخلیق کے اسرار و رموز، ترکیب و کیفیات سے غافل ہے۔ اگر کوئی باہر سے اس کی خلقت کی ترکیب، کیفیات اور اسرار و رموز کے مطابق اس سے گفتگو کرے تو وہ اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ تسلیم کرنا حتمی اور ناگزیر ہے۔ قرآن کریم پہلے مرحلے میں انسان کی خلقت کو فطرت کے مطابق بننے کا اعلان کرتا ہے۔ یعنی انسان کی خلقت ایمان بہ خدا پر مبنی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے قرآن انسان کے اعضاء ترکیبی کے

اسرار و رموز و دقائق کو بھی بیان فرماتا ہے اس لحاظ سے قرآن نے اپنے آپ کو ذکر کہا ہے یعنی یاد دلانے والا قرآن کریم خود کو ذکر اور اپنے حامل یعنی پیغمبر کو بھی مذکر یعنی یاد دلانے والا کہتا ہے یعنی جس چیز کو انسان غفلت کی وجہ سے بھول چکا ہے قرآن اس کی یاد دہانی کراتا ہے۔ اس یاد دہانی کے چند مصداق ہیں۔

۳-۱ اہل کتاب کو ذکر کہا ہے:

اہل کتاب جو ندائے آسمانی کو پیغمبر آخر الزمان سے پہلے آنے والے انبیاء و اوصیاء یا ان پر نازل ہونے والی کتابوں کے ذریعہ سن چکے ہیں جو یا تو ان سے غافل ہیں یا اس طرف انکی ذرا سی بھی توجہ نہیں ہے یا پھر عمداً اسے چھپا کر رکھتے ہیں قرآن انہیں اسلام اور نبی اسلام کی یاد دلاتا ہے لہذا اس حوالے سے قرآن ان کیلئے مذکر ہے، ذکر ہے۔ یعنی ایک معاہدہ خارجی پہلے سے ہو چکا ہے قرآن اسکی یاد دلاتا ہے سورہ نحل آیت ۴۳ میں اہل کتاب کو ذکر کہا ہے:

﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو“ (نحل/۴۳)

سورہ انبیاء آیت ۷ میں اہل کتاب کو ذکر کہا ہے:

﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو“ (انبیاء/۷)

کتب آسمانی خاص کر تورات کو ذکر کہا ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ ”اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے“ (انبیاء/۱۰۵)

۳-۲ پیغمبر کو ذکر کہا ہے:

سورہ طلاق آیت ۱۰ میں پیغمبر کو ذکر کہا ہے

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا﴾ ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو کہ اس نے تمہاری طرف اپنے ذکر کو نازل کیا ہے“

۳-۳ قرآن کو ذکر کہا ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِنُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ”(اے رسول) آپ پر بھی ہم نے ذکر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتا دیں“ (نحل/۲۴) ﴿وَهَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعَىٰ وَذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي﴾ ”یہ میرے ساتھ والوں کا ذکر اور مجھ سے پہلے والوں کا ذکر ہے“ (انبیاء/۲۳) ﴿وَهَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّوَدِّعِ اللَّهِ﴾ ”اور یہ قرآن بھی ایک مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے“ (انبیاء/۵۰) ﴿ص وَالْقُرْآنِ ذِکْرٌ﴾ ”ص“ قسم ہے اس قرآن کی“ (ص/۱) ﴿وَكَلَّا تَهْتَفُذْ كُفْرًا﴾ ”(ایسا درست) ہرگز نہیں! یہ (آیات) یقیناً نصیحت ہیں“ (عبس/۱۱) ﴿وَاتَّقُوا لَذِكْرِكُمْ وَلِقَوْمِكُمْ﴾ ”اور یہ (قرآن) آپ کے اور آپ کی قوم کیلئے ایک نصیحت ہے“ (زخرف/۲۴) ﴿وَأَنزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرَ مَن يَتَّبِعُ هُدًى مِّنْ ذِكْرِي﴾ ”کیا ہمارے درمیان اسی پر یہ ذکر نازل کیا گیا؟ درحقیقت یہ لوگ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں“ (ص/۸)

۴۔ الفرقان:

یہ قرآن کا چوتھا نام ہے۔ فرقان مادہ فرق سے لیا گیا ہے۔ فرق لغت میں جدا کرنے، جزء جزء کرنے، جوڑ سے الگ کرنے، کسی چیز کو آشکار کرنے، شکاف کرنے کو کہتے ہیں۔ یہیں سے دو چیزوں کے درمیان تمیز کرنے کو بھی فرق کہتے ہیں۔ مفردات راغب میں بیان ہے فرق قریب بہ معنی فلق ہے۔ فلق متصل چیز میں شکاف ہونے کو کہتے ہیں لہذا دانے میں شکاف ہونے کو فلق کہتے ہیں۔ جبکہ جوڑ سے جدا ہونے کو فرق کہتے ہیں۔ لہذا مذاہب میں جدا ہونے کو فرق کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے سے متصل نہیں ہوتے۔ یعنی مختلف

افراد دین کی وجہ سے جڑے ہوئے تھے اب جدا ہو گئے۔ فرقان فرق کا صیغہ مبالغہ ہے یعنی زیادہ فرق کرنے والا، واضح کرنے والا۔ یہ قرآن میں بھی اسی مفہوم میں استعمال ہو ہے۔

۴۔۱ دریا میں شگاف کو فرق کہتے ہیں:

﴿وَإِذْ قَرْنَا بِكُم وَالْبَحْرَ فَإِذَا نَحْنُ بِكُم﴾ ”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو شق کیا“ (بقرہ/۵۰) ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ قَرِيٍّ كَالطُّورِ الْعَظِيمِ﴾ ”دریا پھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ عظیم پہاڑ کی مانند ہو گیا“

(شعرا/۶۳)

قوموں کے درمیان جدائی ڈالنے کو فرق کہتے ہیں:

﴿فَاَفْرِقْ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ ”میرے اور اس گنہگار جماعت کے درمیان جدائی ڈال دے“ (مائدہ/۲۵) ﴿فَفَرِقَافَا كَلْبِمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ ”ایک جماعت کو جھٹلا دیتے ہو اور ایک کو قتل کر دیتے ہو“ (بقرہ/۸۷)

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَ ابْنَاءَهُمْ وَإِنْ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو بھی اپنی اولاد ہی کی طرح پہچانتے ہیں۔ بس ان کا ایک گروہ ہے جو حق کو دیدہ و دانستہ چھپا رہا ہے“ (بقرہ/۱۳۶)

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَ هَارُونَ الْفُرْقَانَ﴾ ”ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان عطا کیا“ (انبیاء/۴۸)

۳۔ سورہ فرقان آیت اور سورہ بقرہ آیت ۱۸۵ میں قرآن کو فرقان کہا ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ ”بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل فرمایا“ (فرقان/۱) ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَ الْفُرْقَانِ﴾ ”ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جس میں لوگوں کیلئے راہنمائی اور ہدایت کی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے“ (بقرہ/۱۸۵)

۴۔ یہ قرآن فرقان ہے یعنی حق و باطل، صحیح غلط کو جدا جدا بیان کرتا ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ ”بَارِکَت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ وہ سارے عالمین کیلئے عذاب الہی سے ڈرانے والا بن جائے۔“ (فرقان/۱) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ و ہارون کو حق و باطل میں فرق کرنے والی وہ کتاب عطا کی ہے جو ہدایت کی روشنی اور صاحبان تقویٰ کیلئے نیا دالہی کا ذریعہ ہے۔“ (الانبیاء/۴۸)

قرآن فرقان ہے

- ۱۔ حق و باطل کے درمیان فرق کرتا ہے۔
- ۲۔ ہدایت و ضلالت میں فرق کرتا ہے۔
- ۳۔ حلال و حرام میں فرق کرتا ہے۔
- ۴۔ قرآنی آیات جدا جدا نازل ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے اسے فرقان کہا جاتا ہے:
- ﴿وَقَرَأْنَا قُرْطُبًا﴾ ”قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا“ (اسراء/۱۰۶)
- ۵۔ قرآن کے کلمات مبہم نہیں۔ واضح و روشن ہیں اس وجہ سے اسے فرقان کہا ہے۔
- ۶۔ حاکم عادل اور حاکم ظالم، دعویٰ باطل اور دعویٰ حق میں فرق کرنے والا بھی قرآن ہے جیسا کہ آیہ اولی الامر میں ہے۔

۵۔ نور:

قرآن کا پانچواں نام نور ہے۔ نور اس روشنی کو کہا جاتا ہے جو انسان کو کسی چیز کے دیکھنے میں مدد دیتی ہے جس کے ذریعے دوسری چیزوں کو دیکھا جائے۔ فلاسفہ و علماء نے نور کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”نور وہ ہے جو بذات خود روشن ہو اور دوسرے کو بھی روشن کرے“

اس حوالے سے نور کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک نور وہ ہے جو نور محسوس ہے۔ یعنی حس میں آتا ہے مثلاً سورج، چاند، ستارے کو نور کہا ہے۔ جیسا کہ سورہ یونس آیت ۵:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا﴾ ”وہ وہی ہے جس نے سورج کو روشن کیا اور چاند کو چمک دی“

۲۔ دوسرا نور عقلی ہے، نور مجرد ہے۔ عبدالرزاق نوفل اعجاز قرآن میں لکھتا ہے۔ نور کا مادہ قرآن میں انچاس (۴۹) مرتبہ مختلف صیغوں کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔ چوبیس (۲۴) مرتبہ لفظ نور استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح مادہ عقل انچاس (۴۹) دفعہ استعمال ہوا ہے اور عقلون کا صیغہ چوبیس (۲۴) دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اس طرح عقل بھی نور ہے روایات میں ہے ”العلم نور“ ایک اور لحاظ سے بھی نور کی دو قسمیں ہیں نور ذاتی یا نور حسی اور دوسرا وہ نور جو ذاتی نہ ہو بلکہ دوسروں سے لیا ہو۔ مثلاً سورج کا نور ذاتی یا حسی ہے کیونکہ کسی سے نور نہیں لیتا لیکن چاند کا نور نور ذاتی نہیں کیونکہ چاند سورج سے نور لیتا ہے اسی طرح انسانوں کا نور ان کا اپنا ذاتی نہیں ہے بلکہ ایمان کا نور ہے۔ دین اسلام کا نور ہے جیسا کہ سورہ حدید آیات نمبر ۱۲، ۱۳ میں ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ تَوْرَهُمْ﴾ ”قیامت کے دن آپ مومنین اور مومنات کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا“ (حدید/۱۲)

﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُوا تَتَغَيَّبُوا مِن تَوْرِكُمْ﴾ ”اس دن منافق مرد اور عورتیں مومنین سے کہیں گی: ہماری طرف نظر ڈالیں تا کہ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں“ (حدید/۱۳)

نور ذاتی جیسے خداوند عالم کا نور ذاتی ہے:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نَوْرٍ كَمَشْكُوَّةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَلَمْنَ شُعْرَةً مِّبْرَكِيَّةً يَنْوِيْلًا شَرْقِيَّةً وَلَا غَرْبِيَّةً يَكَانُ ذِيهَا يُضِيٌّ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ

تَلُوْهُنَّ عَلٰی نُوْرٍ يَّهْدٰى اللّٰهُ لِنُوْرِہِ مِنْ يَّشَآءُ ﴿۳۵﴾ ”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ نور خدا کی مثال ایسی ہے کو یا ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے، چراغ شیشے کے فانوس میں ہے، فانوس کو یا موتی کا چمکتا ہوا تار ہے جو زمین کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اسے نہ چھوئے۔ یہ نور بالائے نور ہے اللہ جسے چاہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے“ (نور/۳۵)

جو نور اس کائنات میں خداوند عالم نے انسانوں کی سعادت اور نجات کیلئے معین کیا ہے۔ وہ دین شریعت اور کتب آسمانی ہے۔ جیسے قرآن میں ذکر ہے کہ تو رات اور انجیل نور ہیں:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا النُّوْرَ لَهٗ فِیْہَا هُدٰی وَّنُوْرٌ﴾ ”ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا“ (مائدہ/۴۴) ﴿وَاقِیْنٰہُ لَا تَحِیْلَ فِیْہِ هُدٰی وَّنُوْرٌ﴾ ”اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا“ (مائدہ/۴۶)

قرآن کریم نور ہے۔ اس کی پیروی کیلئے خداوند عالم نے اسے نازل کیا:

﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّوْہُ وَتَصَرُّوْہُ وَاتَّبَعُوْا النُّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مَعَہٗ﴾ ”پس جو ان پر ایمان لاتے ہیں ان کی حمایت اور مدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا“ (اعراف/۱۵۷) ﴿کَتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ لِلنَّاسِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾ ”یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے اذن سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں“ (ابراہیم/۱) ﴿قَامَتُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلَہٗ وَالنُّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ﴾ ”لہذا اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ“ (تغابن/۸)

قرآن کریم عربی زبان میں ہے:

یہ عربی ہے جس کے معنی واضح روشن ہیں:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”ہم نے اس پر عربی میں قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو“

یوسف (۲) ﴿وَكُنَّا نُنزِلُكَ آيَاتِنَا حِكْمًا عَرَبِيًّا﴾ ”اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی میں ایک

دستور بنا کر نازل کیا ہے“ (رعد/ ۳۷) ﴿إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”ہم نے اس

قرآن کو عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو“ (زخرف/ ۳) ﴿وَعَرَّأْنَا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ﴾ ”ایسا

قرآن جو عربی ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے“ (زمر/ ۲۸) ﴿وَكُنَّا نُنزِلُكَ آيَاتِنَا عَرَبِيًّا﴾ ”اور

اسی طرح ہم نے یہ قرآن عربی میں نازل کیا“ (طہ/ ۱۱۳) ﴿وَكُنَّا نُنزِلُكَ آيَاتِنَا عَرَبِيًّا﴾

”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن بھیجا ہے“ (شوری/ ۷)

اس سلسلے میں خود قرآن سے چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

نقل از کتاب درسہائے از علوم قرآن تالیف حبیب اللہ طاہری جلد اول ص ۳۱۹ پر رقمطراز ہیں۔ قرآن کی

زبان عربی ہے۔ پہلے آپ کی خدمت میں ان کلمات کا ذکر کرتے ہیں جن آیات میں قرآن کو عربی زبان میں

نازل ہونے کا ذکر ہے:

﴿كُتِبَ فَلَوْلَئِذَا قَرَأْتَ عَرَبِيًّا لَقَوْمٌ يَعْلَمُونَ﴾ ”ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی

ہیں ایک عربی (زبان کا) قرآن علم رکھنے والوں کیلئے“ (فصلت/ ۳) ﴿وَلِسَانٍ عَرَبِيٍّ

مبین﴾ ”صرف عربی زبان میں“ (شعراء/ ۱۹۵) ﴿وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ ”اور یہ (قرآن) تو

واضح عربی زبان ہے“ (نحل/ ۱۰۳)

عربی مادہ عرب سے ہے کلام فصیح و روشن کو عرب کہتے ہیں خداوند متعال نے اپنی کتاب کو عربی زبان میں نازل

کرنے کے ذکر کو ایک خاص ہدف و حکمت کے تحت بیان کیا ہے ورنہ آیات حکمت سے خالی اور ایک عادی

کلام بن جاتیں قرآن نے عربی میں نازل ہونے کی دو خاص تو جیہات بیان کی ہیں۔

۱۔ عربی زبان دیگر زبانوں کے نسبت وسیع زبان ہے اور جتنی زبان وسیع ہوگی اتنی ہی اس میں افہام و تفہیم کیلئے آسانی ہوگی۔

۲۔ اسلام جزیرۃ العرب میں طلوع ہوا اور اسلام قبول کرنے میں پس و پیش کرنے والوں یا سمجھ میں نہ آنے کا بہانہ بنانے والوں کو قرآن مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کو تمہاری زبان میں ہی نازل کیا ہے۔

۱۔ یہ کتاب عربی زبان میں نازل کرنے کا ذکر ہے اور عربی کے معنی عربی لغت نہیں بلکہ واضح زبان کے معنی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (یوسف/۲) ”ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے کہ شاید تم لوگوں کو عقل آ جائے۔“ ﴿وَكُنَّا نُنَادِيكَ بِرَبِّكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكَ تَفْقَهُ﴾ ”اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی بھیجی۔“ ﴿شُورَىٰ/۷﴾ ﴿إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”بیشک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔“ ﴿زُحْرَف/۳﴾ ﴿وَكُنَّا نُنَادِيكَ بِرَبِّكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكَ تَفْقَهُ﴾ ”اور اس طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان بنا کر نازل کیا ہے اور اگر آپ علم کے آ جانے کے بعد ان کے خواہشات کا اتباع کریں گے تو اللہ کے مقابلے میں کوئی کسی کا سر پرست اور بچانے والا نہ ہوگا۔“ ﴿الرعد/۳۷﴾ ﴿وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ الْقُرْآنَ بِأَرْسِلَاسٍ لِّسَانٍ الَّذِي يَلْحِقُونَ بِالْأَعْيُنِ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ ”اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ انھیں کوئی انسان اس قرآن کی تعلیم دے رہا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں وہ عجیبی ہے اور یہ زبان عربی واضح و فصیح ہے۔“ ﴿نحل/۱۰۳﴾ ﴿لِسَانًا عَرَبِيًّا لِّعَلَّاسٍ لِّسَانٍ عَرَبِيٌّ مَّبِينٌ﴾ ”یہ کتاب عربی زبان میں سب کی تصدیق کرنے والی ہے تاکہ ظلم کرنے والوں کو عذاب الہی سے ڈرائے اور یہ نیک کرداروں کیلئے مجسمہ بشارت ہے۔“ ﴿احقاف/۱۲﴾ ﴿وَكُنَّا نُنَادِيكَ

اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا ﴿۱﴾ ”اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔“ (طہ/۱۱۳) ﴿۲﴾ عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ ﴿۳﴾ ”یہ عربی زبان کا قرآن ہے جس میں کسی طرح کی کجی نہیں ہے۔“ (زمر/۲۸)

۲۔ اس میں مثالیں ہیں:

مثال اس وقت دی جاتی ہے جب کسی چیز کی وضاحت کرنا یا اسکا سمجھنا مقصود ہو۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائے:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبِهَا لِلنَّاسِ﴾ ”اور ہم لوگوں کے سمجھانے کیلئے یہ مثالیں بیان کرتے ہیں“ (عنکبوت/۴۳) ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبِهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ”اور یہ مثالیں لوگوں کیلئے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ فکر کریں“ (حشر/۲۱) ﴿كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ﴾ ”اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کیلئے ان کے اوصاف بیان فرماتا ہے“ (محمد/۳) اس کتاب میں کثیر مثالیں ہیں۔

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبِهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ ”اور یہ مثالیں ہم تمام عالم انسانیت کیلئے بیان کر رہے ہیں لیکن انھیں صاحبان علم کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔“ (عنکبوت/۴۲)

۳۔ صفتِ بلاغ:

بلوغ اپنے مقصد و منزل کی انتہا تک پہنچنے کو کہتے ہیں چاہے یہ منزل زمانی و مکانی ہو یا خاص عمل ہو۔ ابلاغ کو اسی سے لیا گیا ہے۔ ان آیات کریمہ میں یہ کلمہ استعمال ہوا ہے:

﴿فَبَلِّغْ عَنْ أَجْلِهِمْ فَلَا تَعْضَلُوهُمْ أَتَيْكَمُ الذُّرُوعُ﴾ ”اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اپنے (مجوزہ) شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو“ (بقرہ/۲۳۲) ﴿إِنَّ اللَّهَ بِبَلَاغِكُمْ﴾ ”اور یقیناً اپنے مقصد کو پہنچنے والا ہے“ (طلاق/۳) ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَا عَلَيْكُمُ الْبَلَاغُ﴾ ”اور اگر منہ موڑ لیں تو آپکی ذمہ داری تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے“ (ال عمران/۲۰) ﴿إِنْ قَسَىٰ هَذَا الْبَلَاغُ الْقَوْمَ عَبْدِي﴾ ”اس بات میں بندگی کرنے والوں کے لئے یقیناً ایک آگاہی ہے“

(انبیاء/۱۰۶)

پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ میں نے اپنا پیغام پہنچایا:

﴿يَقُومُ لِقَابِ لِقَاتِكُمْ رَسُولَ رَبِّي﴾ ”اے میری قوم! میں نے تو اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا“ (اعراف/۷۹) ﴿يَقُومُ لِقَابِ لِقَاتِكُمْ تَسْلُتُ رَبِّي﴾ ”اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے“

(اعراف/۹۳)

پیغام الہی میں قرآن اور قول رسول دونوں شامل ہیں:

﴿قُلْ فَلِلَّهِ الْحُكْمُ الْبَاطِلُ﴾ ”کہہ دیجئے: اللہ کے پاس نتیجہ خیز دلائل ہیں“ (انعام/۱۵۰) ﴿حُكْمُ بِالْعَقْلِ قَمَاتُغْنِ النَّفْسُ﴾ ”(جن میں) حکیمانہ اور موثر (باتیں) ہیں لیکن تمہیں فائدہ مند نہیں ہو رہیں“ (قمر/۵) ﴿هَلْ يَبْلُغُ لِلنَّاسِ وَلِيْنُ رُوْبِهِ﴾ ”یہ (قرآن سب) لوگوں کیلئے ایک پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو تنبیہ کی جائے“ (ابراہیم/۵۲)

۴۔ فصل و تفصیل

﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَاهُمْ بَكْبَ قَصْلَنَهُ عَلَىٰ عِلْمِ هٰذِي وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ”اور ہم ان کے پاس ایک کتاب لاکچے ہیں جسے ہم نے از روئے علم واضح بنایا ہے جو ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے“ (اعراف/۵۲) ﴿وَتَفْصِيْلُ الْكُتُبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَبِّ الْغَلَمِيْنَ﴾ ”اور تمام (آسمانی) کتابوں کی تفصیل ہے اس کوئی شبہ نہیں“ (یونس/۳۷) ﴿كُتُبٌ اَحْكَمَتْ اٰيَتُهُ ثُمَّ قُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ ”یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم کی گئی ہیں پھر ایک با حکمت با خبر ذات کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہے“ (ہود/۱)

قرآن کریم کی صفات میں سے ایک صفت جو قرآن کریم کی متعدد آیات میں بیان ہوئی ہے وہ اس کتاب کی آیات کا تفصیل سے بیان ہونا ہے۔ تفصیل مادہ فصل سے ہے اور فصل کا معنی لغت لسان السان کے مطابق دو

چیزوں کے درمیانی فاصلہ ہے۔ فصل دو چیزوں کے درمیانی جوڑ کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کو یوم الفصل کہا گیا ہے کیونکہ اس دن نیک کردار اور بد کرداروں کے درمیان جدائی ہوگی۔ قرآن کو قول فصل کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان فاصلہ رکھتا ہے۔ حاکم کو فیصل کہتے ہیں کیونکہ وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اسی طرح اونٹ کے بچے کو بھی فیصل کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ماں سے جدا ہوتا ہے۔

یہ قرآن قول فصل ہے یعنی حقائق کھول کر بیان کرتا ہے:

﴿وَإِنَّ لِقَوْلٍ فَصْلًا﴾ ”بیشک یہ قول فیصل ہے“۔ (طارق/۱۳) ”اور جب یہ قافلہ مصر (کی زمین) سے دور ہوا“ (یوسف/۹۴) ”یقیناً فیصلے کا دن اس سب کیلئے طے شدہ ہے“ (دخان/۴۰) ”یہ فیصلے کا وہ دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے“ (صفات/۲۱) ”یہ فیصلے کا دن ہے“ (مرسلت/۳۸) ”اور اللہ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا“ (حج/۱۷) ”ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ سنا دے گا“ (سجدہ/۲۵) ”وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے“ (انعام/۵۷) ”اور ہم نے ہر چیز کو پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے“ (بنی اسرائیل/۱۲) ”پھر ایک با حکمت، با خبر ذات کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں“ (ہود/۱) ”اور اس کی دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے“ (لقمان/۱۴) ”البتہ عقد کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو“ (بقرہ/۲۳۵)

۵۔ قسیم:

یہ کلمہ ق پر زیر اور ی پر زیر کے ساتھ قرآن کی صفات میں سے ہے۔ یہ مادہ قیام سے ماخوذ ہے۔ لغت عرب میں اس چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے جس سے وہ قائم ہے۔ یعنی چند چیزیں یا سب اس سے اپنے وجود کی بقا کیلئے واسطہ ہیں۔ کلمہ قسیم اسمائے حسنیٰ خدا میں سے ہے۔ قرآن کریم میں یہ کلمہ تین بار آیا ہے:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ ”اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور سب کا نگہبان ہے“ (بقرہ/۲۵۵) ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ ”اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جو زندہ اور کائنات کا زیر دست نگہدار ہے“ (العمران/۲) ﴿وَعَسَىٰ

الوجوه للحي القيوم ﴿سب کے سر اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہیں﴾ (طہ/۱۱۱)
 علمائے لغت فرماتے ہیں کہ لفظ قیوم مادہ قیام کا صیغہ مبالغہ ہے۔ یعنی وہ ہستی جو تمام خلایق کی تدبیر کرتی ہے۔
 تفسیر الجوامع الجامع میں اس کلمہ کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں کہ تدبیر و حفظ خلایق دائم و قائم ہے۔ اس معنی کے
 بارے میں سورہ مبارکہ رعد ۳۳ میں ذکر ہے:

﴿اتقن هو قائم علی کل نفس بما کسبت﴾ ”وہ اللہ جو ہر نفس کے عمل پر کڑی نظر رکھتا ہے“
 جس طرح کائنات خداوند متعال سے قائم ہے اس لئے اسے قیوم کہتے ہیں اسی طرح قیوم بھی اس معنی میں
 استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر چیز جس سے قائم ہو۔ یہ کلمہ قرآن کریم میں دو چیزوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔
 ۱۔ دین کیلئے، دین بندگی سے قائم ہے:

﴿ذلک دین القیم اکثر الناس لا یعلمون﴾ ”یہی مستحکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“
 یوسف/۲۰ ﴿فیہا کتب قیمۃ﴾ ”ان صحیفوں میں مستحکم تحریریں درج ہیں“ (بینہ/۳)

۲۔ یہ صفت قرآن کریم کیلئے استعمال ہوئی ہے:

﴿وذلک دین القیمۃ﴾ ”اور یہی مستحکم دین ہے“ (بینہ/۵)

قرآن تمام گذشتہ کتب جو اپنے دور میں قیم تھیں ان پر قیم ہے۔ کیونکہ کسی کتاب میں تحریف و زوایوں سے
 ہوتی ہے۔ ایک اس میں باطل اور غلط کا اضافہ ہے اور دوسرا حق و صحیح میں خلط ہے۔ جس طرح انسانی صحت کیلئے
 زہریلی اور گلی سڑی چیزیں مضر اور نقصان دہ ہیں اور خطرہ کا باعث بن سکتی ہیں۔ اس طرح ضرورت سے زیادہ
 کھانا بھی صحت کیلئے نقصان دہ ہے۔ دین میں دین کے خلاف چیزیں شیطانی خواہشات، انسانی عقل افکار و
 نظریات کی وجہ سے شامل ہوتی ہیں۔ اور یہ جسم انسانی میں جراثیم کے داخل ہونے کی مانند ہے۔ دین میں خود
 دین سے متعلق شریعت کی مقرر کردہ حدود سے زائد چیزیں داخل کرنا چاہے حسن نیت پر ہی کیوں نہ ہوں دین
 کی خرابی کا سبب ہے۔

دین کی بقا عبادت و بندگی سے ہے۔ تمام چیزیں اس سے وابستہ ہیں۔ کتب میں خود ساختہ اور مفاد پرستی پر مبنی

ہر قسم کی کمی پیشی اس کتاب کے اعتبار کو گرا دیتی ہے۔ چنانچہ بحث کلمہ مہمیں میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ اہل کتاب نے آسمانی کتب میں اپنے مفاد کی خاطر کیا چیزیں شامل کیں۔ لہذا اگر ان باطل نظریات کو رد نہ کیا جاتا تو آئندہ شریعت کیلئے بہت مشکلات اور مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔ لہذا قرآن کریم گذشتہ کتب آسمانی کے حق اور اس میں داخل کیے گئے باطل پر قیم ہے۔

۶۔ مہمیں

مادہ ہمیں سے لیا ہے کسی شخص یا چیز کی حفاظت و نگہداری کرنے کو مہمیں کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ صفت سورہ حشر ۲۳ اور مادہ ۲۸ میں قرآن کیلئے استعمال ہوئی ہے۔ کیونکہ قرآن تمام کتب آسمانی کا محافظ و نگہدار ہے۔ قرآن کی اس محافظت کے مختلف زاویے ہیں:

﴿المہمیں العزیز﴾ ”تسلط قائم رکھنے والا بڑا غالب آنے والا“ ﴿مصلحاً لعمایین یدبہ من الکتاب ومہمناً علیہ﴾ ”اور اپنے سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان پر نگران و حاکم ہے“

(۱) ان باتوں میں محافظت جنہیں اہل کتاب بھول چکے ہیں:

﴿یحرقون الکلم عن مواضعہ وتسوا حظاً مما ذکر وایہ﴾ ”اور انہیں جو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے“ (مائدہ/۱۳)

(۲) جن باتوں کو وہ چھپاتے ہیں:

﴿ان الفین یکتبون ما آتہما من الیئٹ والہدی من بعد ما یئٹہ للناس فی الکتاب﴾ ”جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم کتاب انہیں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں“ (بقرہ/۱۵۹)

(۳) جن باتوں کی وہ غلط تفسیر کرتے ہیں:

﴿وَان مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ الْمَسْتَهْمَ بِالْكِتَابِ لِحُبِّهِمْ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُمْ مِنَ الْكِتَابِ﴾ ”اور (اہل کتاب میں) یقیناً کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو اس طرح پھرتے ہیں کہ تمہیں یہ خیال گزرے کہ یہ کتاب کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب سے متعلق نہیں ہے“ (عمران/۷۸)

(۴) آیتوں کو فروخت کرتے ہیں:

﴿اشْتَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”انہوں نے اللہ کی آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کر لی ہے“ (توبہ/۹)

(۵) قرآن اپنی خود حفاظت کرتا ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَرْتِّلُ الذِّكْرَ وَاِنَّهٗ لَخَفِظُوْنَ﴾ ”اس ذکر کو یقیناً ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“ (حجر/۹)

۷۔ یہ گھلا ہوا قول فصیل ہے

﴿اِنَّهٗ قَوْلُ فَصْلٍ﴾ ”یہ (قرآن) یقیناً فیصلہ کن کلام ہے“ (طارق/۱۳)

۸۔ یہ بصائر ہے

﴿لَا تَلْزَمُ الْاَبْصَارُ وَهِيَ الْاَبْصَارُ﴾ ”نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں جبکہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے“ (انعام/۱۰۴) ﴿فَاَبْصَارُكُمْ وَهِيَ وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ﴾ ”یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے باعث بصیرت اور مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے“ (اعراف/۲۰۳) ﴿وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُولٰٓئِیْ بِصَاۡتِرٍ لِّلنَّاسِ وَهٰی وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ﴾ ”پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد

لوگوں کیلئے بصیرتوں اور ہدایت و رحمت (کاسر چشمہ) بنا کر موسیٰ کو کتاب دی“ (قصص/۴۳)
﴿هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ ”یہ (قرآن) لوگوں کیلئے بصیرت
افروز اور یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے“ (جاثیہ/۲۰)

۹۔ یہ گواہ ہے

﴿وَتَقُولُوا لَوْلَا أَنزَلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ لَكُنَّا أَهْلًا مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيْنَهُم وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ﴾ ”یا تم یوں کہتے کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہو جاتی تو ہم ان سے بہتر ہدایت لیتے پس
اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل ہدایت اور رحمت آگئی ہے“ (انعام/
۱۵۸)

۱۰۔ بیان، تبیان، عین، بینات، مبین:

یہ تمام مادہ بان سے ہیں جسکا معنی اشکار ہونا ظاہر ہونا، کوئی بات مبہم نہ بتانے کے معنوں میں آیا ہے یعنی کلمات
قرآن واضح و آشکار ہیں ان میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ یہ تمام صیغے مادہ ب، ی، ن سے لئے گئے
ہیں جسکا معنی مفردات راغب کے تحت دو چیزوں کے درمیان موجود خلل یا واسطے کیلئے استعمال ہوا ہے
جہاں دو چیزوں کے درمیان فاصلہ ظاہر ہو جائے اسے بان کہتے ہیں جیسے عورت کی اس طلاق کو کہ جس میں
شوہر کیلئے رجوع کرنے کی گنجائش نہ ہو جیسے ہمبستری سے پہلے ہونے والی طلاق کو طلاق بائن کہتے ہیں۔
گہرے کنویں کو بیون کہتے ہیں (یہ کنویں کے دھانے سے تہہ تک کے فاصلے کو کہتے ہیں) جیسا کہ بقرہ
۲۵۶ میں آیا ہے۔

﴿قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ ”تحقیق ہدایت اور ضلالت میں فرق نمایاں ہو چکا ہے“ ﴿كَذَلِكَ
يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ ”اللہ یوں تمہارے لئے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے
شاید تم غور و فکر کرو“۔

یہ کلمات پیغمبرؐ اور قرآن کے صفت میں ان آیات میں آئے ہیں۔ کبھی اس کتاب کی تعریف میں بینات،

مُبین، بیان اور بینہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ لفظ بینہ دو چیزوں کے درمیانی فاصلے کیلئے استعمال ہوا ہے:

﴿وَلَقَدْ لَعَنَّآ لَیْکُمْ اٰیٰتٍ مِّیْنٰتٍ﴾ ”اور تحقیق ہم نے تمہاری طرف واضح کرنے والی آیات نازل کی ہیں“ (نور/۳۲) ﴿وَلَقَدْ اٰیٰتِیْنَ لِلنَّاسِ وَهٰذِیْ وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ ”یہ (عام) لوگوں کے لئے ایک واضح بیان ہے اور اہل تقویٰ کیلئے ہدایت و نصیحت ہے“ (آل عمران/۱۳۸) ﴿ثُمَّ اِنْ عَلِمْنَا مِنْهٖ اِسْرَآءَ﴾ ”پھر اس کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے“ (قیامت/۱۹) ﴿وَاٰتِیْنٰهُمَا الْکُتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ﴾ ”اور ہم نے ان دونوں کو روشن کتاب دی“ (الصافات/۱۱۷) ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْکُتٰبَ تَبٰیٰرًا کُلِّ شَیْءٍ﴾ ”اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر نازل کی ہے“ (نحل/۸۹) ﴿عَلَّمَهُ الْبَیٰاَنَ﴾ ”اسی نے اسے بولنا سکھایا“ (رحمن/۴) ﴿وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمَا فُرْعَآءَ﴾ ”اور دونوں کے درمیان کھیتی بنائی تھی“ (کہف/۳۲) ﴿لَقَدْ قَطَعْتَ بَیْنَهُمَا﴾ ”آج تمہارے باہمی تعلقات منقطع ہو گئے“ (انعام/۹۵) ﴿فَاَحْکَمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ﴾ ”لہذا آپ ہمارے درمیان منصفانہ فیصلہ کیجئے“ (ص/۲۲) ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنَهُمَا﴾ ”جب وہ ان دونوں کے سنگم پر پہنچ گئے“ (کہف/۶۱) ﴿وَ اِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ یَّسْکَمُ وَ بَیْنَهُمْ مِّثَاقٌ﴾ ”اگر وہ مقتول ایسی قوم سے تعلق رکھتا تھا جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو“ (نساء/۹۲) ﴿فَاَجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ مَوْعِظًا لَا تَخْلُفْهُ نَجْنٌ وَّ لَا اٰتٍ مَّکَانَ سُوٰی﴾ ”لہذا ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں اور نہ تم اور صاف میدان مقرر کر لو“ (طہ/۵۸) ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْلَحُوا ذٰلَکَ بَیْنَکُمْ﴾ ”پس تم لوگ اللہ کا خوف کرو اور باہمی تعلقات مصلحانہ رکھو“ (انفال/۱)

ان آیات میں دو چیزوں کے فاصلے کیلئے بین استعمال ہوا ہے اور جبکہ واضح اور آشکارا ہونے کیلئے بھی استعمال ہوا ہے جیسے بان، وابتان و تبین:

﴿وَعَاذُوا ثَمُودَ اَوْ قَلْبَيْنِ لَكُمْ مِنْ مَسْكَنِهِمْ﴾ ”اور عاد و ثمود کو بھی (ہلاک کیا) اور تحقیق ان کے مکانوں سے تمہارے لئے یہ بات واضح ہو گئی ہے“ ﴿تَكْبُوتَ / ۳۸﴾ ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ﴾ ”اور تم پر یہ بات واضح ہو چکی تھی“ ﴿اِبْرَاهِيْمَ / ۲۵﴾ ﴿وَلَتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلَ الْمَحْرَمِيْنَ﴾ ”تا کہ بحر مومنوں کا راستہ نمایاں ہو جائے“ ﴿اَنْعَامَ / ۵۵﴾ ﴿وَقَلْبَيْنِ الرُّسُلِ مِنَ الْغَيِّ﴾ ”تحقیق ہدایت و ضلالت میں فرق نمایاں ہو چکا ہے“ ﴿بَقَرَهٗ / ۲۵۶﴾ ﴿قَلْبَيْنَا لَكُمْ الْاٰيٰتِ﴾ ”تحقیق ہم نے آیات کو واضح کر کے تمہارے لئے بیان کیا ہے“ ﴿اَلْعَمْرٰنَ / ۱۱۸﴾ ﴿قَلْبَيْنَا لَكُمْ الْاٰيٰتِ﴾ ”ہم نے تمہارے لئے نشانیوں کو یقیناً واضح طور پر بیان کیا ہے“ ﴿حَدِيْدَ / ۱۷﴾ ﴿وَلَا يَنْبَغِيْ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَخْتَلِفُوْنَ﴾ ”اور جن بعض باتوں میں تم اختلاف رکھتے ہو انہیں تمہارے لئے بیان کرنے آیا ہوں“ ﴿زُحُرَتَ / ۶۳﴾ ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ قَعَلْنَا بِهِمْ﴾ ”اور تم پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا“ ﴿نَحْلَ / ۲۵﴾ ﴿لِيَبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ﴾ ”تا کہ اللہ ان کیلئے وہ بات واضح طور پر بیان کرے جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں“ ﴿نَحْلَ / ۳۹﴾ ﴿فِيْهِ اٰيٰتٌ يِّنْتَ مَقَامَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ”اس میں واضح نشانیاں ہیں“ ﴿اَلْعَمْرٰنَ / ۹۷﴾ ”اس طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کے لئے واضح کرتا ہے“ ﴿بَقَرَهٗ / ۱۸۷﴾ ”جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہو“ (ہود / ۱۷) ”کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کیلئے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو“ ﴿مُحَمَّدَ / ۱۲﴾ ”جس کا فیصلہ وہ کر چکا تھا تا کہ ہلاک ہونے والا واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو“ ﴿اِنْفَالَ / ۴۲﴾ ”ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر آئے تھے“ ﴿اَعْرَافَ / ۱۰۱﴾ ”ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے“ ﴿اِبْرٰهِيْمَ / ۹﴾ ”اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے“ ﴿رُومَ / ۹﴾ ”ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے“ ﴿فَاطَرَ / ۲۵﴾ ”پھر جب ان کے پیغمبر واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے“ ﴿مُؤْمِنَ / ۸۳﴾ ”یہ (عام) لوگوں کیلئے ایک واضح بیان

ہے“ (آل عمران / ۱۳۸) ”پھر اس کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے“ (قیامت / ۱۹) ”وہ تو بس صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہے“ (اعراف / ۱۸۴) ”میں تمہیں صریحاً تنبیہ کرنے والا ہوں“ (ہود / ۲۵) ”میں تو تمہارے لئے صرف صریح تنبیہ کرنے والا ہوں“ (حج / ۴۹) ”اور میں تو صرف واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں“ (مکعبوت / ۵۰) ”میں نمایاں طور پر فقط تنبیہ کرنے والا ہوں“ (ص / ۷۰) ”اور شیطان کہیں تمہارا راستہ نہ روکے وہ یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے“ (زخرف / ۶۲) ”اور میں تو صرف واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں“ (احقاف / ۹) ”میں اللہ کی طرف سے تمہیں صریح تنبیہ کرنے والا ہوں“ (ذاریات / ۵۱) ”میں تو صرف واضح تنبیہ کرنے والا ہوں“ (ملک / ۲۶) ”میں تمہارے لئے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں“ (نوح / ۲) ”یقیناً یہ ایک نمایاں امتحان تھا“ (صافات / ۱۰۶) ”اور صاف صاف بات بھی نہیں کر سکتا“ (زخرف / ۵۲) ”اور جھگڑے میں (اپنا) مدعا واضح بیان نہیں کر سکتی“

(زخرف / ۱۸)

قرآن میں تدبیر

تدبیر لغت عرب میں گہری سوچ، باریک بینی اور عاقبت اندیشی کے معنوں میں بیان ہوا ہے۔ تدبیر مادہ دُبر سے لیا ہے دُبر کے معنی کسی چیز کی پشت اور عاقبت کے بارے میں سوچنا ہے۔ مفردات راغب میں ہے کہ تدبیر کسی کام کے بارے میں سوچنے یا اسکی عاقبت کے بارے میں سوچنے کو کہتے ہیں۔ نزول قرآن کا مقصد اسکی آیات میں تدبیر کرنا ہے۔

”یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبیر کریں“ (ص / ۲۹)

بعض آیات میں قرآن میں تدبیر نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے:

”کیا انہوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا“ (مومنون/ ۶۸) ”کیا لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟“ (نساء/ ۸۲)

۱۔ قرآن کتاب ہدایت:

ہدٰی ضد ضلال ہے ﴿ہٰدِی اللّٰہُ ہُوَ الّٰہِی﴾ یعنی جس راستے پر خدا نے دعوت دی ہے وہی طریقہ حق ہے۔ ہدایت جیسا کہ مفردات راغب میں ہے کہ نرمی مہربانی اور لطف کے ساتھ رہنمائی کرنے کو کہتے ہیں۔ خداوند متعال کی طرف سے انسان کیلئے چار قسم کی ہدایات ہیں۔

۱۔ ہدایت عمومی:

وہ ہدایت جو ہر انسان میں عقل و فطرت کی صورت میں موجود ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اس طرف اشارہ موجود ہے:

”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلقت بخشی پھر ہدایت دی“ (طہ/ ۵۰) ”ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی“ (دھر/ ۳) ”اور ہم نے دونوں راستے (خیر و شر) اسے دکھائے“ (بلد/ ۱۰)

۲۔ ہدایت بتوسط انبیاء تمام انسانوں کیلئے آیات قرآنی میں۔

”اور ہم نے انھیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے نیک عمل کی انجام دہی اور قیام نماز اور ادا نیکی زکوٰۃ کیلئے ان کی طرف وحی کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔“ (انبیاء/ ۷۳) ”اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں: اس شخص پر اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی نازل کیوں نہیں ہوتی؟ آپ تو محض تنبیہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک راہنما ہوا کرتا ہے۔“ (رعد/ ۷) ”اور جب انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھے ہوئے تھے تو ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم کی ہدایت کرتے ہیں۔“ (سجدہ/ ۲۳) ”کہہ دیجئے: کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت

کرے؟ کہہ دیجئے: صرف اللہ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے تو پھر (بتاؤ کہ) جو حق کی راہ دکھاتا ہو وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اس کی راہنمائی نہ کی جائے؟ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ اور تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟“ (یونس/۳۵) ”کہہ دیجئے: اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم نے منہ موٹ لیا تو سمجھ لو کہ جو بار رسول پر رکھا گیا ہے اس کے وہ ذمے دار ہیں اور جو بار تم پر رکھا گیا ہے اس کے تم ذمے دار ہو اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کی ذمہ داری تو صرف یہ ہے کہ واضح انداز میں تبلیغ کریں۔“ (نور/۵۴)

۳۔ ہدایت توفیقی:

وہ ہدایت جسے اپنی رضا و رغبت سے حاصل کیا جائے تو خدا اس کیلئے مزید راستے کھول دیتا ہے۔

”اور جنہوں نے ہدایت حاصل کی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا“ (محمد/۱۷) ”جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اسکے دل کو ہدایت دیتا ہے“ (تغابن/۱۱) ”جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے بیشک ان کا رب انکے ایمان کے سبب انہیں نعمتوں والی جنتوں کی راہ دکھائے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی“ (یونس/۹) ”جو اللہ سے متمسک ہو جائے وہ ضرور راہِ راست پالے گا“ (آل عمران/۱۰۱) ”اور ہم نے راہِ راست کی طرف انکی راہنمائی کی“ (انعام/۸۸) ”اور جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستے کی ہدایت کریں گے“ (مکبوت/۶۹) ”اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے“ (مریم/۷۶) ”پس اللہ نے اپنے اذن سے ایمان لانے والوں کو اس امر حق کا راستہ دکھاتا ہے“ (بقرہ/۲۱۳)

۴۔ ہدایت جنت:

خداوند عالم مومنین و عباد الصالحین کیلئے جنت کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

﴿سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾ ”وہ عنقریب انہیں ہدایت دے گا اور انکی اصلاح فرمائے گا“ (محمد/

۵) ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ﴾ ”ثنائے کامل ہے اس

اللہ کی جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اور اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاتے“

(اعراف/۴۳)

مندرجہ بالا ہدایات میں سے جس انسان کو پہلی ہدایت میسر نہیں اسکی دوسری ہدایت تک رسائی ممکن نہیں اور اسی طرح جسے دوسرے ہدایت حاصل نہیں اسکے لئے تیسری اور چوتھی ہدایت بھی ناممکن ہے لیکن جسے چوتھی ہدایت حاصل ہو جائے اسے باقی تینوں ہدایات بھی حاصل ہوں گی۔ کوئی انسان کسی کو ہدایت اولی نہیں کر سکتا سوائے دعا اور راستہ دکھانے کے چنانچہ اس کی طرف اشارہ ہے:

”ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ تو یقیناً سیدھے راستے کی

طرف راہنمائی کر رہے ہیں“ (شوریٰ/۵۲) ”اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق

رہنمائی کرتے ہیں“ (انبیاء/۷۳) ”جسے آپ (اے محمد!) چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں کر سکتے

لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے“ (قصص/۵۶)

جہاں خداوند عالم نے ظالمین و کافرین کو ہدایت نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اس سے مراد ہدایت کی تیسری اور چوتھی قسم ہے یعنی ہدایت توفیقی اور ہدایت جنت چنانچہ بیان ہوا ہے:

”اللہ کیونکر اس قوم کی ہدایت کرے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی ہے حالانکہ وہ کو ابی دے

چکے تھے کہ یہ رسول برحق ہیں اور ساتھ ہی انکے پاس روشن دلائل بھی آ گئے تھے خدا ایسے ظلم کے

مرکب ہونے والوں کو ہدایت نہیں کرتا“ (آل عمران/۸۶) ”اور اللہ کافروں کی ہدایت نہیں

کرتا“ (نحل/۱۰۷)

جہاں خداوند عالم نے کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کو ہدایت نہ کر سکنے کا کہا ہے وہاں مراد ہدایت اولی ہے یعنی عقل نہیں دے سکتا۔ ان آیات میں اس طرف اشارہ موجود ہیں:

”آپ کے ذمہ نہیں ہے کہ انہیں (جبراً) ہدایت دیں، بلکہ خدا ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے“ (بقرہ/۲۷۲) ”اور ان لوگوں کی بے رخی اگر آپ پر گراں گذرتی ہے تو آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کریں پھر ان کے پاس کوئی نشانی لے کر آئیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس آپ ہرگز نادانوں میں سے نہ ہوں“ (انعام/۳۵) ”اگر آپ انکی ہدایت کے خواہاں ہوں بھی تو اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا“ (نحل/۳۷) ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں“ (رعد/۳۳) ”وہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے“ (زمر/۲۳) ”جب کہ اللہ جسے گمراہ کر دے اسے راہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے“ (زمر/۳۶) ”اور جسکی اللہ راہنمائی کرے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا“ (زمر/۳۷) ”اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں“ (غافر/۳۳) ”اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام اہل زمین ایمان لے آتے پھر کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں“ (یونس/۹۹) ”اور ہدایت یافتہ وہ ہے جس کی اللہ ہدایت کرے اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو آپ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں پائیں گے“ (اسراء/۹۷) ”جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کیلئے آپ کوئی سرپرست و رہنما نہ پائیں گے“ (کہف/۱۷) ”اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا“ (توبہ/۳۷) ”اللہ ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا“ (بقرہ/۲۵۸) ”اللہ کیوں کر اس قوم کی ہدایت کرے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی ہے“ (آل عمران/۸۶) ”اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا“ (توبہ/۱۹) ”اور اللہ کافروں کی راہنمائی نہیں کرتا“ (بقرہ/۲۶۳) ”اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا“ (توبہ/۱۰۹) ”اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا“ (صف/۷) ”اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا“ (جمعہ/۵) ”اللہ جھوٹے منکر کو یقیناً ہدایت نہیں کرتا“ (زمر/۳) ”اور اللہ فاسقین کو ہدایت نہیں دیتا“ (توبہ/۸۰)

قرآن مقابلے کیلئے جن و بشر کو چیلنج کرتا ہے

اس سلسلے میں چند نکات توجہ طلب ہیں۔

۱۔ قرآن نے خود کو پیغمبر کی نبوت کی نشانی بتایا ہے:

قرآن کریم جیسا کہ سورہ بقرہ، بنی اسرائیل، یونس اور عنکبوت میں آیا ہے کہ قرآن پیغمبرؐ کے معجزے کے عنوان سے نازل ہوا ہے۔ یعنی جہاں یہ کتاب خداوند متعال کی طرف سے بندوں کیلئے شریعت ہے۔ قانون ہے اسی کے ساتھ پیغمبرؐ کی نبوت کیلئے علامت و نشانی بھی ہے اور علامت و نشانی قرآنی اصطلاح ہے اور معجزہ دراصل علماء کی اصطلاح ہے جس کا معنی و مفہوم اور تصور یہ ہے کہ یہ داعی نبوت اپنے دعویٰ میں صادق اور سچا ہے۔ نبی کی نبوت پر ایمان لانے اور نبی کی نبوت کو سمجھنے کیلئے خدا نے اس کتاب کو بھیجا ہے۔ چنانچہ پیغمبرؐ کی نبوت پر ایمان لانے کا معیار اس کتاب کے فہم کو قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ رد کی آیت ۴۳ میں خداوند عالم فرماتا ہے

”جو کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اللہ اور وہ جس کے پاس علم

کتاب ہے کو ابھی کیلئے کافی ہیں“

یعنی خدا نے پیغمبرؐ کی نبوت کے فہم کو شرط کیا ہے قرآن کے فہم سے۔ چنانچہ اگر قرآن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تو پیغمبرؐ کی نبوت بھی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن پیغمبرؐ کی نبوت کی نشانی نہیں رہے گا کیونکہ وہ قابل سمجھ نہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ پیغمبرؐ معجزہ نہیں رکھتا۔ اگر پیغمبرؐ معجزہ نہیں رکھتا تو آج ہم نہ پیغمبرؐ کی نبوت کو ثابت کر سکیں گے نہ ختم نبوت کو جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا خاتم النبیین ہونا ہمارے مسلمہ عقائد میں سے ہے

۲۔ قرآن کریم نے پیغمبرؐ پر ایمان نہ لانے والوں کو چیلنج کیا ہے کہ اگر تم اس کتاب کے حامل محمدؐ کی نبوت کی صداقت کے بارے میں شک رکھتے ہو تو متحد ہو کر اس جیسی ایک کتاب لے آؤ اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم ایک سورہ ہی بنا لاؤ۔ لیکن ہم چیلنج کرتے ہیں تم نہیں لا سکو گے۔ اگر قرآن لوگوں کے سمجھنے کی

کتاب نہ ہو یا ان کی سمجھ سے باہر ہو اسکے باوجود یہ کہا جائے کہ اس کی مثل بنا کر لاؤ تو یہ ایسی بات ہوگی کہ کوئی لندن یا امریکہ کی یونیورسٹیوں سے انگریزی زبان میں ڈگری لے کر آئے اور ہمارے ملک کے کسی گاؤں کے پرائمری اسکول کے بچوں کو چیلنج کرے کہ کون انگریزی بولنے میں ہمارے ساتھ مقابلہ کرے گا۔ یا کسی عوامی اجتماع میں جا کر کہے کہ کون ہے جو میرے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی علمی فکری شخصیت یا کوئی مجتہد ہمارے ملک میں آ کر چیلنج کرے کہ تم میں سے کون ہے جو فقہی مسئلے میں میرے ساتھ مقابلہ کرے۔ چیلنج کا مظاہرہ صرف وہاں صحیح ہے جہاں فریق مقابل اس کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہو۔ اگر ہم کہیں گے قرآن کسی کے سمجھ میں نہیں آتا تو قرآن کا چیلنج بھی غیر معقول ہوگا۔

۳۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی وفات کے موقع پر یا اس سے پہلے ایک حدیث کے بارے میں انتہائی شدت سے تاکید کی ہے۔ اس حدیث کو حدیث ثقلین کہتے ہیں۔ جسے فریقین نے اپنی کتب روائی میں نقل کیا ہے۔ ثقلین، ثقل کا تثنیہ ہے۔ ثقل بھاری اور وزنی کو کہتے ہیں۔ حدیث کے ایک ثقل کے بارے میں فریقین کا اتفاق ہے کہ وہ ثقل کتاب اللہ ہے۔ پیغمبر نے اس سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ نے ہدایت پر قائم رہنے اور ہدایت سے منحرف ہونے کو قرآن سے تمسک اور عدم تمسک سے مربوط کیا ہے۔ تمسک بہ قرآن عمل بہ قرآن ہے اور فہم بہ قرآن ہے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ فہم قرآن اہل بیت کے ذریعے کرنے کا حکم ہے تو ہم اگر اہلیت کے ذریعے فہم قرآن کریں گے تو اہلیت کے توسط سے اخذ شدہ معنی ان لوگوں کیلئے جو اہلیت کی عصمت کے اس طرح قائل نہیں۔ وہ اہلیت و اصحاب میں فہم قرآن کے بارے میں چنداں تمیز نہیں کرتے انہیں ہم قرآن کی آیات کو یا خود اہلیت کی حقانیت کو قرآن کے ذریعے کیسے سمجھائیں گے۔ یا غیر مسلموں کو جن کے پاس نہ اہلیت کا کوئی تصور ہے نہ صحابہ کا کوئی تصور ہے ہم اپنے دین اور پیغمبر کی حقانیت کو کیسے تسلیم کروائیں گے۔ پیغمبرؐ سے مروی یہ متواتر حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن سمجھنے اور درک کرنے کی کتاب ہے۔

۴۔ ایک سلسلہ روایات، کتب روایات و احادیث میں ائمہ اطہارؑ کی طرف سے بطور تواتر وارد ہوا ہے۔ ان

روایات میں ائمہ نے فرمایا ہے جو روایت کتاب خدا کے خلاف ہو، وہ باطل ہے اور جھوٹ ہے، ہم نے نہیں کہا اسے قبول کریں بلکہ اسے دیوار پر مار دیں۔ گویا ائمہ اطہار سے منسوب احادیث میں بھی کافی تعداد میں جعلی احادیث شامل ہیں۔ اسی طرح جعلی احادیث کا بطور فراواں موجود ہونا برادران اہل سنت نے بھی تسلیم کیا ہے۔ حدیث کی صحت و سقم کی واحد کسوٹی صرف قرآن ہے۔ اگر قرآن قابل فہم نہ ہو اور قرآن کی فہم صرف روایات ہی کے ذریعے سے ممکن ہو تو یہ دور ہوگا۔ (یعنی قرآن سمجھنا حدیث پر متوقف ہوگا اور حدیث کو سمجھنا قرآن پر متوقف ہوگا) اس دور کو علماء اور عقلاء دونوں نے باطل اور غیر عقلی قرار دیا ہے۔

قرآن کریم، تلاوت کی ضرورت، اہمیت اور اس کے احکام

۱۔ قرآن کریم میں مادۂ تلاوت باسٹھ (۶۲) دفعہ مختلف صیغوں میں استعمال ہوا ہے۔ سولہ (۱۶) بار تتلی تکرار ہوا ہے۔

﴿اِذَا تَلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتِ الرَّحْمٰنِ﴾ ”جس وقت رحمن کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی تھیں“ (مریم/۵۸)

تلاوت سات دفعہ آیا ہے

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مَّطٰہِرًا﴾ ”اللہ کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرے“ (بینہ/۲)

سات دفعہ بتلی آیا ہے

﴿وَ اِذْ کَرُوْا مَا یَتْلٰی فِیْ یَیۡوٰتِکُمْ﴾ ”اور اللہ کی ان آیات اور حکمت کو یاد رکھو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتی ہے“ (احزاب/۳۴)

چھ مرتبہ اتل آیا ہے

﴿اَتْلُ مَا اُوْحٰی اِلَیْکَ﴾ ”(اے نبی) آپ کی طرف کتاب کی جو وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت

کریں“ (عنکبوت/۳۵)

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ﴾ ”کہو کہ آؤ جس چیز کو تمہارے پروردگار نے تمہارے
اوپر حرام قرار دیا ہے تمہیں پڑھ کر سناؤں“

(انعام/۱۵۲)

پانچ دفعہ تلو آ یا ہے۔

﴿وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ﴾ ”اور (اے نبی) آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے
تھے“ (عنکبوت/۳۸)

پانچ بار بتلون آیا ہے

﴿الْم يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ﴾ ”کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں
آئے تھے جو تمہارے رب کی آیات تمہیں سناتے“ (زمر/۷۱)

تین دفعہ تلو آ یا ہے

﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ ہیں اللہ کی نشانیاں جو صحیح انداز میں ہم آپ کو سنا رہے
ہیں“ (آل عمران/۱۰۸)

دو دفعہ اتلو آ یا ہے

﴿وَأَنْ تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ﴾ ”اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں“ (نمل/۹۲)

ایک بار تلوتہ آ یا ہے

﴿قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْهِمْ﴾ ”کہہ دو اگر خدا نہ چاہتا تو میں تم پر آیات تلاوت نہ کرتا“ (یونس/۱۶)
﴿الْفَلِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ ”اور جنہیں ہم نے کتاب عنایت کی ہے (اور)
وہ اسکا حق تلاوت ادا کرتے ہیں“ (بقرہ/۱۲۱) ﴿وَاتِمُّوا تِلْكَ الْكِتَابَ﴾ ”حالانکہ تم کتاب
اللہ کی تلاوت کرتے ہو“ (بقرہ/۳۳) ﴿تَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْ قَبْلِ مَوْسَىٰ وَفَرَعُونَ بِالْحَقِّ لَقَوْمٌ يُفْ

مَسُوْد ﴿﴾ ”آپ کو موسیٰ اور فرعون کا واقعہ اہل ایمان کے لئے حقیقت کے مطابق سناتے ہیں“
 (قصص/۳) ﴿وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ ”اُس کے پیچھے اس کے رب کی طرف سے ایک شاہد بھی آیا
 ہے“ (ہود/۱۷) ﴿قُلْ قَاتِلُوا بِالتُّرَاثِ قَاتِلُوْهُ اِنْ كُنْتُمْ ضَالِّينَ﴾ ”کہہ دیجئے: اگر تم سچے
 ہو تو تو ریت لے آؤ اور اسے پڑھو“ (آل عمران/۹۳) ﴿وَاقْرَءُوا عَلَيْهِمْ اِنْ شِئْتُمْ﴾ ”اور جب ان
 کے سامنے اسکی آیات پڑھی جائیں“ (انفال/۲)

۲۔ خداوند عالم نے اس قرآن کو تلاوت کیلئے نازل فرمایا:

﴿اُولَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ ”کیا ان کیلئے یہی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر
 یہ کتاب نازل کی ہے جو انہیں سنائی جاتی ہے“

(عنکبوت/۵۱)

۳۔ اصول کافی ج دوم ص ۶۱۰ کتاب باب فصل قرآن میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

حدیث نمبر ۱:

گھروں کو تلاوت قرآن سے منور کرو اسے قبرستان نہ بناؤ۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے بنایا کہ کلیسا اور معبد
 میں عبادت کی اور گھروں کو ذکر خدا سے معطل رکھا۔ اگر قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کی جائے تو اس کا
 فیض بھی کثیر ہوگا اور خیر بھی کثیر ہوگا۔ گھروں میں تلاوت قرآن اہل آسمان کیلئے نور کا باعث ہوگا جس طرح اہل
 زمین کیلئے ستارے نور کا باعث ہیں۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”اگر مسلمان اپنے گھروں میں تلاوت قرآن کریں تو اہل آسمان اسے
 دیکھتے ہیں۔“

حدیث نمبر ۳:

حضرت امام جعفر صادقؑ نے حضرت امیر المومنینؑ سے نقل کیا کہ جس گھر میں تلاوت قرآن اور ذکر خدا ہوتا

ہے اس میں برکت ہوتی ہے۔ ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور شیطان ان سے دور ہوتا ہے اور اہل آسمان کیلئے روشنی کا باعث بنتے ہیں جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی، یا خدا نہیں ہوتی برکت ختم ہو جاتی ہے، ملائکہ اس گھر کو چھوڑ جاتے ہیں اور اس گھر میں شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

۴۔ قرآن کریم کی سب سے پہلے تلاوت کرنے والا خود خداوند متعال ہے:

﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تُلْوَاهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ ہیں اللہ کی نشانیاں جو صحیح انداز میں ہم آپ کو سنارہے ہیں“ (آل عمران/ ۱۰۸) ﴿ذَلِكَ تَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ﴾ ”یہ اللہ کی نشانیاں اور حکمت سے بھری نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے ہیں“ (آل عمران/ ۵۸) ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تُلْوَاهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ ہیں اللہ کی آیات جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں“ (بقرہ/ ۲۵۲) ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تُلْوَاهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ کو سچائی کے ساتھ سنارہے ہیں“ (جاثیہ/ ۶)

۵۔ جہاں خدا نے قرآن کی تلاوت کی ہے اس محضر میں امت و پیغمبر دونوں مستمع قرآن ہیں۔

۶۔ خداوند عالم نے متعدد آیات میں پیغمبر اکرمؐ کا سب سے پہلا وظیفہ تلاوت قرآن بتایا ہے

جیسے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ ”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے“ (جمعه/ ۲) ﴿وَقَرَأْنَا لَهُمْ تِلْكَ آيَاتِنَا﴾ ”اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تا کہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو پڑھ کر سنائیں“ (اسراء/ ۱۰۶) ﴿وَبَعَثْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ”اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے“ (بقرہ/ ۱۲۹) ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا﴾ ”اور آپ کا رب ان بستیوں کو تباہ کرنے

والا نہ تھا جب تک ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائے“
 (قصص/۵۹) ﴿فَتَرَى الْمَكْنِبَ مِنْ اللَّهِ الْعَرِيزَ الْحَكِيمَ﴾ ”اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے
 والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے“ (زمر/۱) ﴿وَإِذْ جَاءَتْهُمْ آيَةُ قَالُوا لَنْ نَقُومَ حَتَّىٰ
 تَقُومَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رَسُلُ اللَّهِ ﷻ﴾ ”اور جب کوئی آیت ان کے پاس آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اس
 وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہمیں بھی وہ چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے“
 (انعام/۱۲۵)

ان تمام آیات میں پیغمبر اکرمؐ کا وظیفہ تلاوت قرآن کو قرار دیا ہے۔

۷۔ سورہ مزمل آیت نمبر ۴ اور ۲۰ میں اس قرآن کی تلاوت کا حکم دیا ہے:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ ”اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے“ ﴿فَاقْرَأْ مَا تَمْسُرُ مِنَ
 الْقُرْآنِ﴾ ”جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو“

۸۔ کافرین ہم مسلمانوں کو قرآن کی تلاوت سے منع کرتے ہیں:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ﴾ ”اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں: اس قرآن
 کو مت سنا کرو“ (فصلت/۲۶) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ﴾ ”بلکہ یہ کفار تکذیب کرتے ہیں“
 (انشقاق/۲۲)

۹۔ جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتے قیامت کے دن پیغمبر اکرمؐ خدا میں ان کے خلاف شکایت کریں
 گے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنْ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ ”اور رسول کہیں گے: اے
 پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو واقعی ترک کر دیا تھا“

(فرقان/۳۰)

۱۰۔ خداوند عالم نے سورہ آل عمران آیت ۱۰۳ میں جیل اللہ سے تمسک کا حکم فرمایا ہے۔

اس جبل اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ جبل اللہ کی یہ تعبیر شیعہ اور اہل تسنن دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔
﴿واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا﴾ ”اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو
اور تفرقہ نہ ڈالو“ (آل عمران/۱۰۳)

تفسیر المیزان صفحہ ۳۷۸ میں حضرت امام سجاد سے نقل کیا ہے کہ جبل اللہ سے مراد ”قرآن کریم ہے“
اگرچہ بعض مفسرین نے جبل اللہ سے مراد اسلام لیا ہے، بعض نے سنت پیغمبرؐ اور بعض نے عمرت پیغمبرؐ لیکن
حقیقت میں یہ سب جبل اللہ ہیں مگر حدیث ثقلین کے تحت جبل اکبر قرآن ہے۔ چنانچہ جبل اللہ سے مراد قرآن
ہے لہذا قرآن میں آیا ہے: ﴿ان هذا القرآن یہدی للتی ہی اقوم﴾ ”یہ قرآن بالکل سیدھے راستے کی
ہدایت کرتا ہے“ تمسک قرآن کے مختلف مراتب اور مراحل ہیں۔ سب سے پہلا مرحلہ اس کتاب کی تلاوت
ہے، اور سب سے آخری مرحلہ حکومت قرآن ہے۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ صدیوں سے حکومت قرآن معطل
ہے۔ لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بعض افراد نے عہد امان دانستہ یا کسی سازش کے اثر میں آ کر کسی حدیث یا
دعا کو جائے قرآن پر رکھا ہوا ہے۔

۱۱۔ تلاوت قرآن کا آغاز ﴿اعوذ باللہ﴾ سے ہونا چاہیے۔ بعض لوگ صلوات سے شروع کرتے ہیں۔ یہ
طریقہ صحیح نہیں ہے۔ خود قرآن فرمانا ہے کہ جب اسکی تلاوت کریں تو ﴿اعوذ باللہ﴾ سے شروع کریں:
﴿فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من شیطن الرجیم﴾ ”پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو راندہ
درگاہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں“ (نحل/۹۸)

کسی عمل کو شروع کرنے سے پہلے درگاہ خداوندی میں شیطان سے پناہ مانگنی چاہئے کیونکہ شیطان انسان کو نیک
عمل انجام دینے کیلئے آزاد نہیں چھوڑتا چنانچہ پیغمبرؐ اس بات پر مامور ہیں کہ ہمیشہ پہلے شیطان کے شر سے، خدا
سے پناہ مانگیں جیسا کہ سورہ فلق اور ناس میں فرمایا ہے۔

۱۲۔ قرآن کا سنتا واجب ہے اور اس کے ساتھ خاضع ہونا بھی ضروری ہے

﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون﴾ ”اور جب قرآن پڑھا جائے تو پوری

توجہ کے ساتھ اسے سنا کرو اور خاموش رہا کرو شاید تم پر رحم کیا جائے“ (اعراف/۲۰۴)

۱۳۔ قرآن کی تلاوت دو قسم کی ہے ایک تلاوت حق ہے یعنی حق کے ساتھ تلاوت کرنا:

﴿يَتْلُوَنَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ ”اور وہ اس کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں“ (بقرہ/۱۲۱)

اور ایک تلاوت مذموم یعنی مذمت شدہ تلاوت ہے اور مذموم تلاوت کرنے والوں پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔

۱۴۔ قرآن کی تلاوت کے ثمرات و آثار یا حق تلاوت کی شناخت کی کسوٹی ایمان میں اضافہ ہے:

﴿وَإِذَا تَلَّیٰ عَلَیْهِمُ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ اَعْرَاسَ حُكُوٰمًا وَبُكْیًا﴾ ”جب ان پر رحمان کی آیات کی تلاوت کی

جاتی تو روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے“ (مریم/۵۸) ﴿وَإِذَا تَلَّیٰ عَلَیْهِمُ الْبُیِّنَاتُ﴾ ”اور جب

ان کے سامنے اسکی آیات پڑھی جائیں“

(انفال/۲)

فہم و درک قرآن کے بارے میں فقہاء و مجتہدین کے نظریات و آراء

فقہاء و مجتہدین نے کتب اصول و فقہ میں ایک باب بنام حجت ظواہر قرآن رکھا ہے۔ آیت اللہ العظمیٰ خوئیؒ نے اپنی کتاب البیان فی تفسیر القرآن کے صفحہ ۲۸۱ میں اس عنوان کے تحت استدلال کیا ہے کہ فہم قرآن سب کیلئے ممکن ہے۔ اس ضمن میں آیات ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اسلئے تکرار نہیں کرتے۔ آیت اللہ خوئیؒ ظواہر قرآن کو حجت جانتے ہیں اس سلسلہ میں انھوں نے چند دلائل سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ قرآن پیغمبر اکرمؐ پر بطور حجت نازل ہوا ہے۔ اور قرآن میں بشر کو یہ چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ قرآن کے ایک سورہ کا بدل لائے۔ عرب ظواہر قرآن کو سمجھتے تھے قرآن اگر ایک معممہ ہوتا تو چیلنج کرنا ایک ناقابل فہم بات ہوتی اور قرآن کا معجزہ ہونا ثابت نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے تھے کہ جب یہ ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا تو ہم کیسے اس کا مقابلہ کریں۔ اور اسی طرح یہ نزول قرآن کے اہداف و مقاصد کے بھی خلاف

ہوتا۔ کیونکہ اس سے بشر کو دعوت نمدی جاسکتی۔

۲۔ وہ روایات کثیرہ ہیں جس میں ثقلین سے تمسک کرنے کا حکم ہے۔ جسے پیغمبر نے مسلمانوں کے درمیان چھوڑا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کا مقصد قرآن کا نفاذ ہے اس میں موجود آیات پر عمل ہے اسکے علاوہ تمسک کا کوئی معنی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ وہ متواتر روایات ہیں جس میں پیغمبر اور آئمہ سے منسوب اخبار کو قرآن کے سامنے پیش کرنے کا حکم ہے اور اگر اس کے مخالف ہوں تو دیوار پر مارنے کا حکم ہے۔ ان روایات سے ثابت ہے کہ ظواہر قرآن حجت ہے اور عام لغت عرب سے آشنا فرد بھی اسے سمجھ سکتا ہے۔

۴۔ خود آئمہ نے بہت سے احکام بیان کرتے وقت آیات قرآن سے استدلال کیا ہے۔ بطور مثال امام صادق سے زاراً نے پوچھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ سر کے کچھ حصہ کا مسح کریں تو امام نے فرمایا ﴿ہوئوسکم﴾ کے ”با“ سے لیا ہے۔ دوسری حدیث امام نے دوائقی سے فرمایا چغل خور کی خبر کو قبول نہ کریں کیونکہ وہ فاسق ہے کیونکہ خداوند عالم نے سورہ ہجرات ۶ میں فرمایا ہے فاسق کی خبر پر عمل نہ کرو۔ تیسری حدیث جو امام نے ان لوگوں کی رد میں فرمائی جو بیت الخلاء میں زیادہ بیٹھتے اور گانا سنتے اور یہ استدلال کرتے تھے کہ ہم یہاں اپنے پاؤں سے نہیں آئے لہذا گانا سننا ہم پر حرام نہیں تو امام نے فرمایا خداوند متعال سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶ میں فرماتا ہے کہ کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہوگا:

﴿ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا﴾ ”کان وآنکھ اور دل یقیناً ان سب سے

باز پرس ہوگی“

چوتھی حدیث میں آپ نے اپنے بیٹے اسماعیل سے فرمایا اگر تمھارے پاس مومنین کو ابی دیں تو انکی تصدیق کرو اور اس پر استدلال سورہ ۹ آیت ۶۱ سے کیا۔ پانچویں حدیث جس عورت نے تین دفعہ طلاق لی ہو جب تک کوئی اور مرد اس سے شادی نہ کرے پہلے شوہر پر حرام ہے۔ اگر دوسرا آدمی اس سے متعہ کرے یہ کافی نہیں اور اس پر استدلال سورہ ۴ آیت ۱۸ سے کیا۔ چھٹی حدیث بندہ اپنے تئیں کسی عورت کو اپنے عقد میں نہیں لاسکتا۔

اس پر استدلال سورہ ۱۶ آیت ۷۵ سے کیا۔

۵۔ وہ دلائل جو علمائے اخبارین نے فہم و درک قرآن کی نفی میں پیش کئے ہیں اور فہم قرآن کو صرف مختص بہ آئمہ کیا ہے اور قرآن کی تفسیر کو تفسیر بالرائے کہا ہے اسی طرح کہا قرآن کے معنی پیچیدہ ہیں، احتمال ہے آئمہ نے ظواہر قرآن مراد نہ لیا ہو، متشبیہات کی پیروی منع ہے، قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ غرض ان سب دلائل کو آیت اللہ العظمیٰ خوئیؒ نے اپنی کتاب میں مسترد و مخدوش قرار دیا ہے۔

قرآن فہمی مغربی مفکرین اور دانشمندوں کی نظر میں

۱۔ البرٹ آئنسٹائن (ALBERT EINSTEIN) متولد ۱۸۷۹ء متوفی ۱۹۵۵ء:

کہتا ہے کہ قرآن کا مفہوم الجبرایا ریاضی نہیں ہے۔ بلکہ یہ انسانوں کو راہ راست پر لگانے کیلئے قانون کا مجموعہ ہے۔ ایسی تعلیمات اور ہدایت بڑے سے بڑے فلاسفر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

۲۔ بلر (BELLER) المعروف المانی:

کہتا ہے کہ قرآن کی زبان فصیح ترین عربی زبان ہے۔ اس کا انداز بلاغت اس طرح ہے کہ تمام افکار کو اپنی طرف جذب کرتا ہے۔ قرآن میں ایسی واضح اور روشن نصیحتیں ہیں اسے جب بھی پذیرائی ملی تو اسکی مخالفت نہیں ہوگی۔ جو بھی اسکی پیروی کرے گا اسکی زندگی آرام و سکون سے گزرے گی۔

۳۔ ویتری (DIETERICH) متولد ۱۸۴۱ء متوفی ۱۹۰۳ء:

کہتا ہے کہ مسلمانوں کے یہی علوم و معارف ہیں جن میں وہ دسویں صدی میں یورپ سے آگے تھے اور ان علوم کا سرچشمہ قرآن تھا۔ یورپ نے یہ علوم ان سے لئے ہیں اس حوالے سے یورپ والے مسلمانوں کے مقروض ہیں۔

۴۔ لومانس (LOMANS)

کہتا ہے کہ جو پہلی چنگاری کا شعلہ (نور) قرآن سے نکلتا ہے وہ ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ ہے۔

اس کلمہ رحمن میں اشارہ ہے کہ خدا سبحان ایک ہے اسکی نعمتیں اپنے بندگان پر دنیا و آخرت دونوں میں فراوان ہیں۔ یہاں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن ایک نور ہے۔ اس میں شفقت اور رحمت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

۵۔ کارلتون ایس گون (CARLTON-S-GOON)

قرآن کی خصوصیات میں سے ایک اسکی بلاغت ہے۔ جب قرآن صحیح طریقہ سے تلاوت کیا جائے تو عربی سے آشنائی رکھنے والا اسے سمجھتا ہے اور اگر سمجھ نہ آئے تب بھی اس میں ایک اثر ہے۔ یہ ایک خاص بلاغت ہے جسکی وجہ ہمیں معلوم نہیں۔

۶۔ ویل ڈورنٹ (WILL DURANT) متولد ۱۸۸۵ء

قرآن میں قانون اور اخلاق ایک چیز ہے۔ عمل قرآن میں دینی اور دنیوی عمل ایک چیز ہے۔ دونوں خدا سے بذریعہ وحی حاصل ہوئی ہیں۔ قرآن میں مختلف اصول و ضوابط ہیں جیسے ادب، صحت، ازدواج و طلاق، اولاد کے ساتھ سلوک حتی غلام، حیوان، تجارت، سیاست، عقد و عہد، صنعت و دولت، صلح و جنگ سبھی اس قرآن میں موجود ہیں۔ چودہ سو سال سے مسلمان بچوں کے حافظہ میں محفوظ ہے۔ اس نے ان کے اخلاق کی پرورش اور ربوں انسانوں کے دلوں کی صفائی کی ہے۔ قرآن لوگوں کی روح پر ایسے عقائد جاگزیں کرتا ہے جو ہر قسم کے وہم و گمان، رسومات و عادات، تقلید، بت پرستی و کہنہ پرستی سب سے دور ہے۔

۷۔ پروفیسر مری گلیور ڈورمان (PROF. MARRY GAYLORD DORMAN):

قرآن لفظ بہ لفظ جبرائیل نے محمدؐ پر وحی کی ہے۔ ہر لفظ کامل و نام ہے قرآن ایک معجزہ جاودانی ہے۔ یہ محمدؐ کی سچائی کا کواہ ہے۔ اسکے معجزات اس کے انداز ادائیگی اور ادب میں اتنے کامل و عظیم ہیں کہ ایک انسان ایسی کتاب لانے سے عاجز ہے۔

۸۔ توماس کارلائل (THOMAS CARLAYLE) متوفی ۱۸۸۱ء:

جب قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ کتاب وحی آسمانی ہونے کے علاوہ اس میں حکمتوں کی ترتیب بلغ ترین صورت میں ہے۔ جو بھی اسے دقت سے پڑھتا ہے حقائق اسکے سامنے آشکار ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ کتاب ایک مبداء سے وابستہ ہے۔

۹۔ پروفیسر منٹگمری واٹ (MONTEGMARY WATT)

قرآن جو اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ چاہے وہ اپنی زبان عربی میں ہو یا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہو یہ محمد پر ہونے والی وحی کا حصہ ہے۔ یہاں خدا متکلم ہے اور محمد اور تمام خلایق مخاطب ہے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق قرآن کلام خدا ہے۔ مخاطب قرآن اس وقت ساتویں صدی عیسوی کے عرب تھے۔ لہذا یہ صحیح نہیں کہ اسکی خوبی صرف یہ ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے۔ بلکہ یہ کتاب ایک دل سے نکلی ہے اور اس نے تمام دلوں میں نفوذ کیا ہے۔

کیا آپ قرآن کا ساتھ دینگے یا دشمنوں کا؟

آپ نے اسلام اور قرآن کے خلاف دشمنوں کے مذموم عزائم کے مختلف و متعدد، اور چاروں اطراف سے گھیراؤ کرنے کی مہم کو بھی پڑھا اور اسکے ساتھ قرآن کریم کی آیات، نہج البلاغہ کے خطبات، آئمہ معصومین کے فرمودات اور علماء کے فتویٰ حتیٰ مغربی مفکرین کے تاثرات کو بھی پڑھا۔ ہمارے دشمن میں قرآن اور اسلام کے خلاف ہمارا گھیراؤ تنگ کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔ لیکن انکی تمام کامیابیاں انشاء اللہ سراب کی مانند ہوں گی اگر آپ نے قرآن کے ساتھ نئے سرے سے وابستگی اور عہد و پیمان باندھا۔ دشمنوں نے جن میدانوں میں کامیابیاں حاصل کیں ہیں ان کے کچھ نمونہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان اپنے دشمنوں کے برے عزائم سے آگاہ ہو جائیں اور اپنے اندر مزاحمت کی قوت پیدا کر سکیں۔ آپ کا

عقیدہ ہے یہ قرآن جیسا کہ یہ خود فرماتا ہے حیات بخش ہے، خداوندِ عالم نے اسے مردہ انسانوں میں، اجتماع میں، اقتصاد میں، سیاست میں، طبیعت میں حیات دین کیلئے نازل کیا ہے۔ یہ عمل کی راہیں دکھاتا ہے۔ دشمن نے ہمیں اس پر عمل کرنے سے روک کر قرآن کریم کو مردوں کیلئے تلاوت کرنے، بعض آیات و سورہ کی خاصیتیں دکھا کر اس کو مس کرنے سے لکھ کر پانی میں بھگو کر پینے تک محدود کر دیا۔ علم جو کہ پیغمبر اور آئمہ کے دور میں ایک تھا اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک کا نام علوم دنیوی رکھا اور دوسرے کا علوم دینی۔ علوم دنیوی کی تعلیم گاہوں اور اس کے نصاب سے قرآن کو منہا کر رکھا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا سے مربوط ہے اور انکے خیال میں قرآن کریم میں انسان کیلئے دنیا کے بارے میں کوئی چیز نہیں۔ جبکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ ان تعلیم گاہوں میں فزکس کی خصوصیات یا مادہ کے بارے میں مغربی سائنس دانوں کی باتیں اور نظریات نقل کیے جاتے ہیں حالانکہ مادہ کی خصوصیات کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد آیات وارد ہوئی ہیں۔ لیکن انکا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ان علمائے اسلام کا نام بھی نہیں لیا جاتا جو علم فزکس کے ماہر تھے۔ انھیں تعلیم گاہوں میں طبیعت کی خاصیت ترکیبی یعنی کیمسٹری پڑھائی جاتی ہے، فلکیات، ستارہ شناسی، زمین شناسی، اجتماع شناسی اور سیاسیات ان تمام علوم میں مغربی دانشوروں کے حوالے دئے جاتے ہیں انکی باتوں کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ جس قرآن نے ان علوم و فنون کی حقیقی تصویر پیش کی ہے اسے پیش نہیں کیا جاتا۔ اس طرح مسلمانوں کی مروجہ تعلیم گاہوں کو قرآن کے معارف سے محروم رکھا گیا ہے اور قرآن کو ایک علمی اور تحقیقی سند کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا۔ اور دوسری طرف انہی تعلیم گاہوں میں پڑھنے کیلئے تشویق اور ترغیب دی جاتی ہے اور دوسرے مدارس سے نفرت اور مایوسی پھیلائی جاتی ہے۔ غرض ان تعلیم گاہوں میں قرآن کو علمی حوالے سے کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ یونیورسٹیوں میں بعض شخصیات کیلئے کم از کم کرسی (CHAIR) معین کی جاتی ہے لیکن قرآن کے ساتھ اس حد تک بھی لگاؤ نہیں رکھا جاتا۔ قرآن فہمی کی راہ میں چند اور رکاوٹیں ہیں جنہیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ پوری امت کو قرآن سے دور رکھنا:

امت مسلمہ کا فہم قرآن سے دور ہونے کے مختلف و متعدد اسباب و عوامل ہیں ان اسباب و عوامل کو اگر خلاصہ اور نقطہ واحد میں جمع کرنا چاہیں تب بھی اس میں تعدد کا اعتراف کرنا پڑے گا یعنی تعدد ناگزیر ہے۔
۱۔ عوام یعنی عامۃ الناس کہ جو عام فہم قرآن سے دور ہیں۔

۲۔ علماء اور دانشوران حضرات جو عہد ایسا سہوا اپنے رویے کی وجہ سے فہم قرآن سے دور رہے ہیں۔

۲۔ دشمنان اسلام کو موقع دینا:

دشمنان اسلام جو کہ سر توڑ مہم چلاتے رہے ہیں اور اس کے لئے ہر وسیلہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا جس کے ذریعے مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھا جائے۔ قرآن سے دوری کا ایک نقطہ ابتداء ہے اور ایک انتہا۔ نقطہ ابتداء عدم وابستگی قرآن ہے اور انتہا قرآنی احکام کی تطبیق سے روکنا ہے جو چیز دشمنان اسلام کے دل کیلئے کینسر کا سبب ہے وہ تطبیق قرآن ہے انہیں قرآن کو صرف فاتح کیلئے پڑھنے، تعویذ بنانے، کتبے بنانے، یا قسم کھانے کیلئے استعمال کرنے پر کوئی رنج نہیں۔ لیکن یہ مسلمانوں کو اس حد سے روکنے کی بھی کوشش کرتے ہیں تاکہ مسلمان قرآن سے بالکل اجنبی ہو جائیں تاکہ کسی وقت بھی ان کے دل و دماغ میں تطبیق قرآن کا تصور نہ ابھرے۔ ہمارے ملک میں ابھی تک یہ رسم موجود ہے کہ اعلیٰ عہدوں کی حلف برداری کے وقت قرآن سے حلف لیا جاتا ہے لیکن اس عمل کے بارے میں بھی دشمن کی خفیہ کوشش ہوگی کہ اس قانون کو بھی منسوخ کیا جائے تاکہ مسلمان سربراہان کے دماغ سے یہ بات محو ہو جائے کہ یہ کونسی کتاب ہے کہ جس پر ہم حلف اٹھا رہے ہیں کہ ہمارا ہر کام اس کتاب کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ ایران میں شاہ ایران کے آخری دور میں یہ قانون منسوخ کر دیا گیا تھا۔ قارئین جب دشمن کی انتھک کوشش ہے کہ ہم قرآن سے کسی بھی زاویے سے متمسک نہ ہوں تو ہمارے اندر بھی اتنی غیرت و حمیت آنی چاہیے کہ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق قرآن سے ربط

پیدا کریں۔ قرآن کو معاشرے میں زندہ رکھنے اور اپنی زندگی کو قرآنی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں اور ہمارے منابر پر جو دوستی کا لبادہ اوڑھ کر دشمنوں کے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ قرآن صرف تطبیق

کیلئے آیا ہے نہ کہ تلاوت کیلئے ان کی ان باتوں پر توجہ نہ دیں کیونکہ تطبیق کا آغاز تلاوت سے ہے ہونا چاہیے کہ ہم تلاوت قرآن پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ اس سے آگے بڑھیں۔

۳۔ علماء و دانشوران کو قرآن سے دور رکھنا

۱۔ یہ علماء ان مدارس و درسگاہوں کے تعلیم یافتہ ہیں جن میں درس قرآن نامی کوئی نصاب ہی نہیں یعنی نصاب کا فقدان ہے۔

۲۔ ان مدارس میں ایسا نصاب ترتیب دیا گیا ہے جو انسان کی عمر کو کھا جاتا ہے یعنی یہ نصاب ختم کرنے کے بعد انسان نہ تعلیم حاصل کرنے کے قابل رہتا ہے اور نہ ہی زندہ رہنے کے اس نصاب کے مرتب کرنے والے افراد فرماتے ہیں کہ ان علوم پر مسلم عبور حاصل کرنے کے بعد یہ قرآن کو دوسروں سے بہتر سمجھ سکیں گے یہ ایک غلط مفروضہ ہے چنانچہ کیمسٹری میں اعلیٰ درجہ پر تعلیم حاصل کرنے والا انسان جب تک دوا سازی کی تعلیم حاصل نہ کرے دوا نہیں بنا سکتا۔ انگریزی گرامر میں عبور حاصل کرنے والے انگریز کی پیدا کردہ ٹیکنالوجی ایجاد نہیں کر سکتا جب تک خود ٹیکنالوجی کو نہ پڑھیں۔ اسی طرح انگریزی میں لکھی اقتصادیات کی کتاب پڑھنے سے اقتصادیات نہیں آتی جب تک خود اقتصادیات نہ پڑھیں۔

۳۔ علماء اپنی تقاریر کو دلچسپ بنانے اور سامعین کی دلچسپی کیلئے قصے کہانیاں، مذاق، اقبال کی شاعری یا زیادہ سے زیادہ احادیث پر اکتفا کرتے ہیں لیکن ابتداء سے انتہا تک اپنے مدعا کی دلیل کیلئے آیات قرآنی سے استدلال نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ ایسے مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں جہاں کے علماء کو قرآن سے لگاؤ ہی نہیں۔

۴۔ علماء کی فہم قرآن سے دوری کی ایک وجہ صرف احادیث پر انحصار ہے اور یہ پیغمبر اکرمؐ سے مروی حدیث ثقلین سے انحراف ہے اور امت اسلامی کے دونوں دھڑے جیسے اہلسنت میں سے اہل حدیث جنہوں نے شریعت کا مصدر و ماخذ صرف حدیث کو قرار دیا ہے اور قرآن سے عملی طور پر دوری اختیار کی ہے اور اسی طرح اہل تشیع میں اخباری گروہ نے یہ کام انجام دیا ہے اور قرآن سے دوری اختیار کی۔

۵۔ فہم قرآن سے دوری کی ایک وجہ تعصب مذہبی ہے۔ بعض اہلی بیت سے تمسک ہونے کا دعویٰ کرنے والے بزم اپنے یہ کہہ کر قرآن سے دوری اختیار کرتے ہیں کہ قرآن تو صامت ہے اور اسکا بغیر ناطق سمجھنا ممکن نہیں لہذا یہ افراد ہر آیت کی تفسیر کیلئے ایک روایت کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں چونکہ ہر آیت کے بارے میں روایت نہیں ملتی لہذا یہ گروہ بھی عملاً قرآن سے دوری اختیار کرتا ہے انکی یہ منطق اسلئے تعجب خیز ہے کہ یہ قرآن کو تو کتاب صامت سمجھتے ہیں لیکن اصول کافی یا کتب اربعہ میں جو روایات ہیں جو ناطق سمجھتے ہیں جبکہ صامت ہونے کے حوالے سے آیات و روایات میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا یہ گروہ جب تک امام زمان (عج) ظہور نہیں فرمائیں گے قرآن سے دور رہیں گے اور ان خوابوں اور کہانیوں پر گذارا کریں گے کہ مجھے امام خواب میں آئے اور یہ کہا وغیرہ۔

۶۔ فہم قرآن سے دوری کی ایک وجہ بعض مفسرین قرآن کی سیکولرزم کی ترویج ہے دشمنان اسلام کو جب مسلمانوں کو قرآن سے دور کرنے میں دشواری پیش آئی تو انہوں نے ایک اور منافقانہ حربہ استعمال کیا اور سیکولرزم کی ترویج کے لئے مسلمانوں کے اندر ایسے علماء تلاش کئے جنہوں نے قرآن کی تفسیر سیکولرزم کی بنیاد پر کی ان میں سرفہرست سرسید احمد خان اور غلام احمد پرویز ہیں۔ ان کے اس عمل سے بھی مسلمان قرآن سے دور ہوئے ہیں۔

۷۔ فہم قرآن سے دوری کی ایک وجہ روح و مذاج قرآن سے اجنبی گروہ کا تفسیر قرآن میں مداخلت کرنا ہے۔ یہ افراد کسی دوسرے دینی یا علمی موضوع میں مہارت رکھتے تھے لیکن قرآن سے بالکل اجنبی تھے اور کسی بیرونی اشارے پر انہوں نے تفسیر قرآن کے بہانے خواب و کہانیوں اور اسرائیلی روایات کو تفسیر قرآن میں داخل کیا اور قرآن کو نہ صرف عملی میدان میں تطبیق ہونے سے روکا بلکہ مسلمانوں کی فکر و ذہن سے بھی قرآن کو اجنبی بنایا۔

خداوند متعال نے اس قرآن کریم کو صرف تلاوت کیلئے نازل نہیں کیا بلکہ اسے انسان کیلئے کلید سعادت دنیا و

آخرت بنا کر بھیجا ہے۔ اگرچہ فہم اور تطبیق القرآن کا آغاز تلاوت سے ہوتا ہے اور انتہا اس کے احکام کی تطبیق ہے۔ چونکہ تطبیق قرآن دنیا کے مستکبرین، ظالمین، استعمار اور استحصال کرنے والوں کیلئے چیلنج ہے لہذا انہوں نے پہلی انگلی تطبیق اور فہم قرآن پر رکھی۔ اور اپنے تمام تر وسائل و ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ مسلمان اس قرآن کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ نہ کر سکیں ان کی یہ کوشش اور اگر کفر کی زبان میں ہوتی اور اسٹیج سے یہ بات کرتے تو نہ صرف یہ بات ہمارے لئے باعث خطرہ نہ ہوتی بلکہ تقویت ایمان کا باعث بنتی۔ قرآن کے بارے میں مسلمانوں کا شوق اور بڑھ جانا اور ہم دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے اور اسکو چیلنج کرتے۔ لیکن بقول امام خمینی:

”دشمن ہمارے مسائل کے بارے میں باخبر ہے۔ ہماری ذہنیت کے بارے میں تحقیق اور مہارت رکھتا ہے اس کام کے لئے دشمن نے اپنے یہاں مستشرقین اکادمی قائم کی ہیں تاکہ وہ ہماری ذہنیت اور افکار کا جائزہ لے کر اسکے مطابق خود ہمارے اندر داخل ہوں اور ہماری زبان اور ہمارے حلیہ میں ہمارے خلاف محاذ قائم کر سکیں۔“

وہ جانتے تھے کہ سرحدوں سے حملہ اتنا کارگر نہیں ہوگا۔ اگر مؤثر حملہ کرنا ہے تو گھروں سے شروع کیا جائے۔ داخلی جنگ زیادہ پریشان کن ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کمزور پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر المومنین نے آج سے چودہ سو سال پہلے دشمن کی اس سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”دشمن ہم سے بات کرتے وقت ہمارے عقائد کی کچھ باتیں لے لیتا ہے اور اس میں اپنی باتیں ملا کر ہم سے خطاب کرتا ہے تاکہ ہمیں گمراہ کر سکے“

(نہج البلاغہ، خ/۵۰)

دشمن نے مسلمانوں کو قرآن سے باز رکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روکنے کیلئے دوزاویوں سے مختلف نوعیت کی کوششیں کی ہیں۔ پہلے اس نے ہمارے اجتماع میں لوگوں سے خطاب کرنے کے مواقع اور جگہوں پر قبضہ کیا پھر ہم سے خطاب کیا۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس نے بعض روایات کو ہماری کتب سے لیکر ان کو

سیاق و سباق سے ہٹا کر اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے لوگوں میں پیش کیا یا ضعیف اور غلط باتوں کو بنیاد بنا کر قرآن کے خلاف پروپیگنڈہ کیا۔

امت و علماء و دانشمندان کو دور رکھنے کے نقصانات

علماء اعلام کا قرآن سے دوری اختیار کرنے سے جو نقصان اور خسارہ خود انہیں اور دین کو لاحق ہوا ہے وہ ناقابل بیان اور تحریر ہے اس سلسلے میں زبان کا کھولنا اور بند رکھنا باب تزامم میں شامل ہے جیسے یوم شک کے دن روزہ رکھنا افطار کرنے کی طرح ہے۔ علماء اعلام کی موجودہ دین کی ترویج و اشاعت میں کردار اور سیرت و صورت قرآن و سنت اور ان کی ذمہ داریوں کے سراسر خلاف ہے اور منکرات میں سے ہے اس وجہ سے ان منکرات کے مقابلے میں کچھ بولنا علماء کی توہین اور اہانت ہے خصوصاً ہم جیسے بے علم و عمل کابات کرنا ایک جسارت ہوگی جو حرام ہے۔ لیکن ایسی صورت حال میں خاموش رہنا مایوس ہونے کے ساتھ ساتھ دین میں فرسودگی اور مذہب میں انتشار کا سبب بنے گی۔ اس صورت حال کی بنیادیں وجہ جو لباس و حلیہ اور مقام و منصب انہیں حاصل ہے۔ اس کی بنیادیں ضرورتوں سے وہ محروم و عاری ہیں جسکی وجہ سے ان دونوں سے بہت زیادہ نقصانات اور تعلقات کا سامنا ہوا ہے۔

دینی مدارس سے قرآن کو نکالنا

دین کے نام پر قائم ان مدارس میں انسان کو دنیا سے لاتعلقی اور اندھا بنا کر رکھا جاتا ہے۔ دین و مذہب سکھانے، آخرت، رضائے خدا، شناخت خدا اور رسول و آئمہ کو اپنا منشور اور نصب العین قرار دیکر اور بیش بہا دولت صرف کر کے بلند و بالا عمارتیں بنائی گئی ہیں اور ان میں پڑھانے کیلئے صرف و نحو، منطق اور علم بیان اور انہی کو نصاب بنایا جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ دور جاہلیت کے اشعار۔ انہی کتابوں میں اسی نصاب کے تحت کامیاب ہونے والوں کیلئے اعلیٰ جائزے معین کئے جاتے ہیں اور انکی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہاں نہ قرآن ہے، نہ سنت رسول ہے نہ عقائد ہیں نہ اخلاق ہے تو کہتے ہیں کہ ابھی ہم مقدمات سکھا رہے ہیں بنیاد کو ٹھیک کر رہے ہیں۔ ان مدرسوں کی عمر پچاس سال سے بھی تجاوز کر گئی ہے جن

سے فارغ ہونے والے یا تو مر گئے ہیں یا بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن اتنا طویل دور گزارنے کے باوجود ابھی تک نہ مدرسہ مقدمات سے نکل سکا ہے نہ مدرسے والے۔ ہنوز اس دن کا انتظار ہے کہ جب مقدمات ختم کر کے ذوالمقدمہ شروع کرنے کی کلاس کا اعلان ہوگا اس دن جشن منائیں گے۔ لیکن نا حال ایسی کوئی امید نظر نہیں آتی بلکہ ایسی تبلیغات، اشارے اور کوششیں نظر آ رہی ہیں کہ بعض افراد اسی دینی صف و لباس میں ہوتے ہوئے ان مدارس سے لوگوں کے ذہنوں کو یہ کہہ کر موڑ رہے ہیں کہ یہ مدارس نا کام رہے ہیں لہذا ہمیں دنیا کے ساتھ چلنے کیلئے نئی صدی کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے مروجہ تعلیم کو زیادہ فروغ دینا چاہیے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے یوں جو دولت کل مدارس دینی پر خرچ ہو رہی تھی ان مدارس کو آج بے ثمر قرار دے کر مروجہ تعلیم گاہوں پر خرچ کر رہے ہیں۔

ہمیں قرآن سے روکنے کی مہم میں استعمار کا پہلا قدم تطبیق قرآن سے روکنا ہے اس کا وسط فہم قرآن سے روکنا اور آخری قدم اس کتاب کی تلاوت سے محروم کرنا ہے۔ اس سلسلے میں ہم اپنی حسرت و افسوس کا اظہار کرنے سے پہلے امام معظم امام راحل و رہبر حاضر کے مشکور و ممنون ہیں اور انکی بلندی درجات اور توفیقات میں اضافہ کے لئے دعا کو ہیں کہ انہوں نے نام گرامی قرآن کو ہر میدان میں یعنی تلاوت کے میدان میں، حسن قرات کے میدان میں، حفظ کے میدان میں، تحریر و بیان کے میدان میں، تحقیق کے میدان میں نہ صرف شیعوں کو سر خر کیا جو ایک عرصے سے قرآن سے لاتعلق ہونے کے تہمت زدہ تھے بلکہ امت اسلامیہ کو اس کتاب عظیم ختم نامہ پذیر سرمایہ کا تعارف کرایا جو قرآن سے گہرا تعلق ہونے کا ثبوت ہے۔ عالم اسلام کی سطح پر نام قرآن کو بلند کیا ہے۔ اس وقت بالخصوص ماہ مبارک رمضان میں ایران بہار قرآن، گلستان قرآن بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم کسی حد تک ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن اور برادران اہلسنت کے مدارس و مساجد کے بھی مشکور ہیں کہ یہ قرآن کریم کے نام کو اگرچہ تلاوت کی حد تک کیوں نہ ہو کچھ نہ کچھ بلند کئے ہوئے ہیں۔ افسوس اور

حسرت اس بات پر ہے کہ تلاوت قرآن کے بارے میں ہمارے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں ہماری نوجوان نسل میں تلاوت قرآن، تعلیم قرآن نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے اجتماع و محافل کا آغاز قرآن سے کرنے

کی بجائے کچھ لوگ حدیث سے ابتدا کرنے کی مہم شروع کئے ہوئے ہیں۔ یقین جانے تمام مسلمانوں کے پاس خواہ شیعہ ہوں یا سنی دونوں کے پاس نہ ایسی کوئی کتاب ہے نہ کوئی حدیث ہے نہ کوئی دعا ہے جو قرآن کی جگہ لے سکے۔ نعم البدل تو کجا کوئی شے قرآن کے برابر نہیں آ سکتی۔ کوئی کتاب یا کلام مخلوق اس کتاب خدا کی جگہ نہیں لے سکتی۔ جس طرح خدا الہ کل ہے قرآن الہ الکلام ہے۔ خدا را غور کیجئے کسی چیز کی اہمیت و مقام اس سے بڑھ کر اور کیا سکتی ہے جسے خود خدا نے مبارک کہا ہے۔

۱۔ دینی درسگاہوں سے جو علوم و فنون انہوں نے حاصل کئے ہیں۔ وہ علم دین نہیں بلکہ مقدمات علوم دینی ہیں لہذا وہ علم جس میں قرآن نہ ہو وہ علم دین نہیں ہو سکتا۔ اور ذوالمقدمہ پڑھنے کی توفیق ہونے سے پہلے ہی وارث انبیاء کا لقب حاصل کر لیتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی میٹرک پاس کرنے والے کو ڈاکٹر کہا جائے۔ بد قسمتی سے ملک میں دینی حقائق بیان کرنے کی ضرورت اور اس کی قدر و قیمت کے فقدان کے ساتھ توہین و اہانت کے خدشات نے انہیں علوم دینی سے متعلق کتب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی خصوصاً ام الکتاب قرآن کریم سے بالکل اجنبی ہونے کے برابر ہیں بلکہ بڑے بڑے فقہاء و مجتہدین چنداں قرآن کریم سے آشنائی نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے انہیں مناہر پر بولنے کے لئے مواد کے بحران کا سامنا ہے۔ اسی لئے زیادہ تر نقل لسانی یا معاشرے میں رائج افواہوں اور کالم نویسوں کے تجزیوں پر اکتفاء کرتے ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ نوابغ شعراء انیس و دہیر غالب و اقبال حافظ و سعدی کے اشعار سے اپنی تقریر کے غبارے میں ہوا بھرتے ہیں۔

۲۔ وحی عملی کے ساتھ اسکے طریقہ بیان کی تعلیم کی ضرورت تھی لہذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے نوازا گیا تو انہوں نے لکنت بیان کی وجہ سے ایک بیان قوت رکھنے والے ساتھی کی ہم کاری کی لیکن خداوند عالم نے ہمارے نبی کریمؐ کو یہ موبہبت تعلیم قرآن کے ساتھ ہی عنایت کی: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾ خلق انسان علمہ الیٰان ﴿سورہ رحمن﴾ دیکھیں اس آیت کریمہ میں خلقت انسان کی غرض و غایت کو آشنائی بہ قرآن قرار دیا ہے۔ فلسفہ میں یہ بات ثابت ہے کہ کسی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اسکی غرض و

غایت مقدم ہے اور یہی تصور اس کے وجود کی علت ہے۔ یعنی اسکی علت غائی ہے جو دیگر علتوں پر مقدم ہے۔ خلقت انسان کی غایت قرآن ہے لہذا جو اپنی غایت سے محروم و عاری ہو جائے وہ عبث و بے ہودہ ہے مثلاً مسجد بنانے کے بعد نمازی نہ ملیں، مدرسہ بنانے کے بعد طالب علم نہ ملیں تو اس عمارت کی تعمیر عبث ہوگی۔ اسی طرح بغیر تعلیم قرآن انسان عبث ہوگا۔ تعلیم قرآن کے بعد دوسری اہم ضرورت بیان قرآن ہے۔ ہم چونکہ اصل قرآن سے محروم ہیں تو کیونکر بیان قرآن کی ذمہ داری اٹھائیں گے۔ ہمارے علماء کے بیان قرآن کے فقدان کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔

۱۔ **ذہن کا قرآن سے خالی ہونا:** ایسی صورت میں خطیب لمبے خطبے، ہاتھ پاؤں مارنے، نعروں کی تکرار، مزاحیہ باتوں کا بیان اور زیادہ سے زیادہ صلوات بھیجنے کی درخواست اور جھوٹے مصائب پڑھ کر رلانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ **خطابت ایک بہت اہم موضوع ہے:** اگرچہ ہر کوئی اپنے آپ کو ایک بڑا خطیب سمجھتا ہے لیکن اگر انصاف کی بات کریں تو اچھے خطباء کی تعداد ہاتھ کی انگلیوں سے بھی کم ہے۔ کیونکہ ہماری درسگاہوں میں اس موضوع پر نہ تو کوئی نصاب ہے اور نہ ہی تربیت کیلئے کوئی استاد۔ اگر ہماری تاریخ میں کوئی شخصیات ہمیں نظر آتی ہیں جنہیں نوابغ زمانہ کہا جاتا ہے جیسے شہید صدر، شہید مطہری، امام خمینی اور آقائے خامنہ ای جیسی شخصیات جنکا ان حوزوں کی برکت سے نہیں ہیں بلکہ اس میں انکی اپنی کوشش اور خدا کی عنایت شامل ہے۔ غرض خطابت پر عبور حاصل کرنا کسی سے مخصوص نہیں ہے اور نہ ہی یہ ناممکن ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ریڈیو اور ٹی وی میں پہلی مرتبہ آنے والوں کی زبان میں لکنت، ہونٹ سوکھے ہوئے اور گفتگو میں تردد ہوتا ہے۔ حکومتی اہلکاروں کی اس کمزوری کو دور کرنے کیلئے انکی گفتگو کو کانٹ چھانٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے تاکہ شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ گزرنے کے بعد یہی افراد باقاعدہ مقرر بن جاتے ہیں۔ کیونکہ انھیں حکومتی ماہرین باقاعدگی سے خطابت کے اسلوب سکھاتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے علماء کو ایسے لوگ میسر نہیں جو انھیں مواد کے ساتھ انداز بیان کی بھی تربیت دیں۔ علماء

کی یہ حالت ہے جب انھیں آدھ گھنٹہ کا اگر ٹائم دیا ہے تو یہ بیس منٹ خطبہ پر لگا دیتے ہیں اور پھر کچھ دیر مصیبت بیان کر کے لوگوں کو رلا کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے اتنے مواقع ہونے کے باوجود ہمارے ملک کے عوام جاہل و نادان ہیں اور علماء کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ مدارس سے بار بار فیل ہونے والے علماء کے لباس میں جب لوگوں کے سامنے جاتے ہیں تو کوئی انکی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ لہذا ارباب مدارس اپنی نئی کوششوں کی منصوبہ بندی کا بار بار اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ اب تو وہ چندہ (وجوہات شرعی) حاصل کرنے کی خاطر انگریزی و عربی زبان اور کمپیوٹر کلاس کے اجراء کو اپنے مدرسہ کی اولین ترجیحات میں گناتے ہیں اور اسکی یہ منطق پیش کرتے ہیں کہ ایسے مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والوں کیلئے روزگار کا مسئلہ باقی نہیں رہے گا کو یا یہ مدارس دین سکھانے کیلئے نہیں بلکہ حصول روزگار کا مرکز ہیں۔

قرآن سے پوچھو

اس قرآن میں بہترین واقعات اور حقائق بیان ہیں

قصص قرآن

قصص قرآن کریم

قرآن کتاب ہدایت ہے۔ اس میں کوئی ایسا موضوع نہیں جو لوگوں کیلئے فائدہ مند نہ ہو۔ اور انہیں اہداف سے نزدیک نہ کرنا ہو اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا علم ہے جو بے سود ہو اور نہ ہی یہ کسی ایسے علم سے خالی ہے جسکی جہالت نقصان دہ ہو۔ یہ کتاب نور ہدایت اور احسن حدیث ہے۔ قصہ جیسا کہ ارباب علم و ادب کہتے ہیں کہ اپنے اہداف اور مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے۔ دوسروں تک اپنا پیغام پہنچانے کیلئے جو طریقے اہل ادب نے وضع کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ **تقریر و خطابت:** یعنی بیان احکام و امر و نواہی اور ہدایت تک رسائی کیلئے ہیں۔ اس کا آغاز یہاں اللہ الناس اور یا ایہا الذین امنو سے شروع ہوتا ہے۔

۲۔ **تصویر کشی:** اپنے مطلب کو وہمیات، مجاز کوئی اور مبالغہ پر استوار کرتے ہیں اس طریقے کا رکوا پنانے والوں کیلئے کسی مصدر و مآخذ کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ **مثال و تمثیل:** مطلب کو سامع کے ذہن کے قریب کرنے اور اسے واضح و روشن کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں قرآن کریم کی آیات کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مطالب کو مثالوں سے پیش کرتی ہیں۔

۴۔ **قصص:**

قصہ مادہ قصص سے ہے فارسی اور اردو زبان میں اسے سرگزشت کہتے ہیں۔ علم صرف کے حوالے سے مصدر اور اسم مصدر ہے جس کا معنی سرگزشت ایک دوسرے کا پیچھا کرنا یا گذشتگان کی خبر کو نقل کرنا اور اسکی پیروی کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔

قصہ کسی خبر کو نقل کرنا:

﴿وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَسَوْتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور اپنا سارا قصہ انہیں سنایا تو وہ

کہنے لگے: خوف نہ کرو۔ تم اب ظالموں سے بچ چکے ہو۔“ (قصص/۲۵)

قصہ کسی چیز کا پیچھا کرنے کو کہتے ہیں:

﴿وَقَالَتِ لَاحِبٍ فَسَيَبْصُرَتُ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اور مادر موسیٰ نے ان کی بہن سے

کہا: اس کے پیچھے پیچھے چلی جاؤ وہ موسیٰ کو دور سے دیکھتی رہیں کہ دشمنوں کو (اسکا) پتہ نہ چلے“

(قصص/۱۱)

کسی چیز کے پیچھے جانے کو یا اس کے آثار کے پیچھے جانے کو قصہ کہتے ہیں:

﴿فَارْتَلَاءُ عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ ”چنانچہ وہ اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس ہوئے“

(کہف/۶۲)

بیان قصص جاذبیت کا حامل ہے جو سامعین اور مخاطبین کو اپنی طرف جذب کرتا ہے۔ قصص قرآنی کی خصوصیت اور انداز بیان دیگر ادیان و ملل کی کتابوں میں موجود قصوں جو کہ قصہ پردازوں کے وہم و خیال سے پر ہیں۔ اور ان کے ذہنوں کی عکاسی کرتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ان سے مختلف ہیں۔ قرآن تنہا غلط کوئی، مبالغہ آرائی اور خیال سے اجتناب نہیں کرتا بلکہ اصل واقعہ جو وقوع پذیر ہوا ہے اس میں غیر ضروری باتوں سے بھی گریز کرتا ہے۔

مشرکین اور مسیحیت پر مشتمل اسلام مخالف متحدہ محاذ نے قصص قرآن کے بارے میں غلط پروپیگنڈے اور شکوک و شبہات پھیلانے کی کوشش کی ہے انہوں نے قصص قرآنی کے بارے میں بہت باتیں پھیلائی ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن محمد کی تالیف ہے۔ محمد نے سرزمین مکہ میں قریش کے گھروں میں موجود غلاموں اور کنیزوں سے یہ باتیں سنی ہیں۔ اس کے ہاتھ میں تو رات و انجیل کے نسخے تھے۔ محمد مجس ماحول میں رہتے تھے اس میں قصہ کوئی کی ضرورت پڑی تو اس نے تو رات و انجیل کے قصوں میں تغیر و تبدل کر کے پیش کیا اور ان میں سے بعض کو جعل کیا۔ قصص قرآن دراصل تاریخ ہے کسی قوم و ملت اور مذہب کی سند اور اس کا امتیاز اسکی تاریخ میں ہوتا ہے۔ تاریخ عالم میں چند نکات اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کسی ملک میں رہتا ہے تو اس

ملک اور اس کی سر زمین کی کیا تاریخ ہے۔

ملک کی تاریخ: کیونکہ قرآن کا کوئی ملک نہیں ہے قرآن اور صاحب قرآن کی جغرافیائی حدود پوری کائنات اور آسمان و زمین ہیں لہذا اس میں آسمان و زمین کی تاریخ ہونی چاہئے کہ زمین و آسمان کب پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں وہ آیات ہیں کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ خداوند عالم نے آسمان و زمین کو کس طرح تخلیق کیا۔

انسان کی تاریخ: اس زمین پر گزرنے والے انسانوں کی کیا تاریخ ہے۔ اس سلسلے میں قرآن دو قسم کی تاریخ نقل کرتا ہے۔

۱۔ ایک خدا اور اس کی کتاب کو جھٹلانے والوں کے حشر کا ذکر ہے۔

۲۔ صالح اور برگرزیدہ بندوں کا ذکر ہے۔

گذشتہ اقوام کا جب تاریخ میں ذکر ہوتا ہے تو بیان ہوتا ہے کہ وہ کون تھے ان کا وطن کونسا تھا لیکن قرآن اس طرح سوال نہیں کرتا بلکہ یوں سوال کرتا ہے کہ وہ کیا تھے۔ ہم یہاں پر قرآنی قصوں کے اہداف و مقاصد کو بیان کریں گے۔

قصہ قرآنی کے خصوصیات

۱۔ قصہ قرآنی کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان میں صرف حقائق پر اکتفاء کیا ہے ایسا نہیں جیسے قصہ خواں اپنے قصے کو جعل کرنے کیلئے کرتے ہیں کہ وہ حشوے (فالتو) اور بے فائدہ چیزوں سے اسے پر کرتے ہیں۔ سورہ یوسف آیت ۲۳:

﴿وَرَأَوْدَتُهُ إِلَيَّ هُوَ قَبِي يَنْتَهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَقَتِ الْآبَوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور یوسف جس عورت کے گھر میں تھے اس نے انہیں اپنے ارادے سے منحرف کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور سارے دروازے بند کر کے کہنے لگی: آ جاؤ۔ یوسف نے کہا: پناہ بخدا! یقیناً میرے رب نے مجھے اچھا مقام دیا ہے۔ بے شک ظالموں کو کبھی فلاح نہیں ملا کرتی“

جس گھر میں یوسف تھے اس کا نام نہیں لیا ہے نہ گھر و شوہر کا ذکر کیا، اسی طرح نوح و لوط کی بیویاں ابراہیم کی بیوی اور فرعون کی بیوی کا ذکر کرتے وقت ان کے نام لینے سے گریز کیا ہے۔

۲۔ قرآن ہمیشہ قصص قرآنی کے ذریعے نظام کائنات کی ہر چیز کا قانون سبب و مسبب پر چلنے کی نشاندہی کرتا ہے:

﴿قَارِئْنَا عَلَىٰ أَثَرِهِمَا قَصَصًا﴾ ”چنانچہ وہ اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس

ہوئے۔“ (کہف/۶۴)

اہداف و فلسفہ قصص قرآنی

علماء و مفسرین نے قرآن میں موجود قصص قرآنی کے بہت سے فلسفے بیان کئے ہیں ہم یہاں پر ان اہداف کو خود آیات قرآن سے نقل کرتے ہیں :

۱۔ زمان نزول قرآن میں علماء یہود و نصاریٰ کی امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ قصص انبیاء و اقوام گذشتہ سے واقف تھے اس وقت ان قصوں کو سوائے اہل کتاب کے اور کوئی نہیں جانتا تھا قرآن کا ان قصوں کا بیان کرنا درحقیقت علمائے اہل کتاب کو ایک چیلنج اور اپنی حقانیت کی ایک واضح و روشن دلیل ہے انہیں مسلمانوں کے خلاف مجادلہ اور شاخصانہ دشمنی سے روکنے کا ایک طریقہ ہے چنانچہ سورہ ہود کی آیت نمبر ۴۹ میں قصوں کے ذکر کرنے کا فلسفہ بیان ہے کہ اہل قرآن کو علماء کہنا زیادہ سزاوار ہے علماء یہود کی بہ نسبت۔ اس طرح امت اسلامی میں ان پڑھ اور جاہل ہونے کے تصور کو رد کیا، یہ قصص قرآنی کا یہ سب سے بڑا فائدہ ہے:

﴿يُؤْتِيكَ مِنْ أَثَرِ الْغَيْبِ تَوَجُّهًا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا قَصَصًا لِلْعَالَمِينَ﴾

”یہ ہیں غیب کی کچھ خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ آپ

ان باتوں کو جانتے تھے نہ آپ کی قوم پس صبر کریں انجام یقیناً پرہیزگاروں کے لئے ہے۔“

(ہود/۴۹)

۲۔ ادب شریعت میں سے ایک ادب تاریخ شریعت سے آشنا ہونا ہے، تاریخ شریعت میں ذکر انبیاء اور ان کی امت اور ان پر نازل ہونے والے احکام و شریعت کا ذکر ہے چنانچہ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۶ میں انبیاء کی جدوجہد کا ذکر ہے:

﴿وَكَايَئِنْ مِنْ نَبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِيثٌ كَثِيرٌ قَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ ”اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں جن کی ہمراہی میں بہت سے اللہ والوں نے جنگ لڑی لیکن اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کی وجہ سے نہ وہ بد دل ہوئے نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ وہ خوار ہوئے اور اللہ تو صابروں کو دوست رکھتا ہے۔“

قصص قرآنی میں قصہ جزئیات فرعیات کا معترض نہیں ہوتا بلکہ قوت ایمان اور اس کی کمزوری کا ذکر کرتا ہے حتیٰ ان قصوں میں نام و نسب، وطن اور علاقے کا ذکر نہیں کرتا ہے اور نہ ہی زمانے کا ذکر ہے بلکہ بنیادان کے ایمان اور گمراہی کو بناتا ہے کہ کون ایمان لائے اور کون کافر رہے کیونکہ اسی میں مخاطبین کو عبرت اور نصیحت ہے بطور مثال سورہ کہف آیت نمبر ۹ تا ۱۱:

﴿هَمَّ حَسِبْتَ أَنْ أَصْحَبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا لَوْ بِنَا آيَاتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيَّ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا لَشَدًا فَضَرَبْنَا عَلَى الْأَفْئِدَةِ فِي الْكَهْفِ مِائِينَ عَشْرًا﴾ ”کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری قابل تعجب نشانیوں میں سے تھے؟۔ جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عنایت فرما اور ہمیں ہمارے اقدام میں کامیابی عطا فرما۔ پھر کئی سالوں تک غار میں ہم نے انکے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈال دیا“ ﴿وَوَكَّلْنَاكَ بِعَشْرِهِمْ لِنَبْلَأَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِئْسَ مَا الْإِنْسَانُ يَوْمَ قَالَ لَوَارِثُكُمْ أَكْثَمُ بِمَا لَبِئْسَ مَا يَفْعَلُونَ آخِذُكُمْ بِبُورَقِكُمْ هَلِجْ إِلَى الْمَلِئِكَةِ نَظَرًا يَنْظُرُونَ طَعَامًا أَقْلِيَابِكُمْ يَرْزُقُ مِنْهُ وَلَيَسْخَرَنَّ مِنْكُمْ أَهْلُكَ﴾ ”اسی اندازے میں ہم نے انہیں بیدار کیا تا کہ یہ آپس میں پوچھ گچھ کر لیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے پوچھا: تم

لوگ یہاں کتنی دیر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ایک دن یا اس سے بھی کم۔ انہوں نے کہا: تمہارا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی مدت رہے ہو پس تم اپنے میں سے ایک کو اپنے اس سکے کے ساتھ شہر بھیجو اور وہ دیکھے کہ کون سا کھانا سب سے سترہا ہے پھر وہاں سے کچھ کھانا لے آئے اور اسے چاہئے کہ وہ ہوشیاری سے جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔“ (کہف/۱۹) ﴿وَكُنَّا لَهُمْ نَاصِرِينَ﴾ اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) ان سے باخبر کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (کے آنے) میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ نے کہا: ان (کے غار) پر عمارت بنا دو۔ ان کا رب ہی ان کا حال بہتر جانتا ہے۔ جنہوں نے ان کے بارے میں غلبہ حاصل کیا وہ کہنے لگے: ہم ان کے غار پر ضرور ایک مسجد بناتے ہیں۔“ (کہف/۲۱)

۳۔ ان قصوں میں قانون سبب و مسبب کا ذکر ہے یعنی جتنے بھی واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں ان میں قوتِ خیر و شر کی جنگ اور آباد کاری و تخریب کرنے والوں کے وسائل و ذرائع کا بیان ہے:

﴿فَبَدَّلَ اللَّهُ قَوْمَهُمْ خَوَافَةً بِمَآظِلْمُوا۟ۤ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاۤ اٰيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ﴾ ”پس ان کے یہ گھرانے کے ظلم کے نتیجے میں ویران پڑے ہیں۔ ان علم رکھنے والوں کیلئے ایک نشانی ہے۔“ (نمل/۵۲)

۴۔ اس میں مشرکین کو وعظ و نصیحت ہے یعنی موعظہ و تذکرہ ہے کہ جن اقوام و ملل نے اپنے انبیاء کے لئے ہوئے احکام و عوامل کو مسترد کیا ان کا کیا انجام ہوا اور وہی انجام تمہارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کو یا قصصِ قرآنی، اہل شرک و کفر کیلئے ایک چیلنج اور دھمکی ہے کہ آخر میں فتح صالح بندوں کی ہوگی جیسا کہ قصہ قوم لوط و قوم عاد اور قصہ اہل رس و ثمود میں بیان ہوا ہے، قصصِ قرآنی، کافرین و مشرکین کی عبرت کیلئے ہے اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل آیات ہیں:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ أَخْلَلْنَاۤ اِلٰی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هُوَ فَمَقَّطَهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحِجَلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ

أَوْتَرَكُهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَفُصِّلِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰۵﴾ ”اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے طفیل اس کا رتبہ بلند کرتے لیکن یہ شخص تو زمین بوس ہو گیا تھا اور اپنی نفسانی خواہش کا تابعدار بن گیا تھا لہذا اس کی مثال اس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تو بھی زبان لٹکائے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان لٹکائے رکھے۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں پس آپ انہیں یہ حکایت سنا دیجئے کہ شاید وہ فکر کریں“ (اعراف/ ۱۷۶)

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّآلِ الْبَابِ﴾ ”تحقیق ان (رسولوں) کے قصوں میں عقل رکھنے والوں کیلئے عبرت ہے“ (یوسف/ ۱۱۱) ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ ”اور ہم نے زبور میں ذکر کرنے کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔“ (انبیاء/ ۱۰۵)

۵۔ مطالب و مقاصد کو اس شکل میں پیش کرنا عرب میں رائج نہیں تھا۔ یہ قرآنی ابتکار ہے کہ جو مخاطبین کے نفوس میں موثر طریقے سے نفوذ کر سکے یہ بھی اعجاز قرآن ہے عرب اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک نئی ایجاد ہے اور وہ اس کا نعم البدل نہیں لاسکتے ہیں دیکھیں اس قرآن میں لوگوں کے جنت و جہنم میں رہن سہن کو کس طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ عرب اس وقت ان پڑھ اور جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے ان کی عقل صرف محسوسات تک محدود تھی انہیں وعظ و نصیحت کرنا، گزشتہ اقوام و ملل کی یاد کو تازہ کر کے ان کے حالات سے آگاہ کرنا، جن سے وہ واقف نہیں تھے لیکن نام جانتے تھے اس طرح سے قرآن کریم نے انہیں یہ بتایا کہ مسلمانوں کی آگاہی کہاں تک پہنچی ہے:

﴿وَسَكُنْتُمْ فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَنَبَّيْنَا لَكُمْ كَيْفَ قَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآلَافَ﴾ ”حالانکہ تم ان کے گھروں میں آباد تھے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے اور تم پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور تمہارے لئے مثالیں بھی بیان کی تھی“ (ابراہیم/ ۴۵)

۷۔ منکرین کو یہ باور کروانا کہ عالم بہت وسیع ہے تم سے پہلے بڑی بڑی طاقتور قومیں گزر چکی ہیں جو اپنی طاقت کے نشے میں کہتی تھیں کہ ہم سے طاقتور کون ہیں:

﴿عَمَّا عَادُوا أَن سَبَّكِرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا لِمَ أَشَلُّ مِنَّا قَوْمًا وَلِمَ يَرَوْا اللَّهُ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَلُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَحْحَلُونَ﴾ ”مگر عاد نے زمین پر ناحق ظلم کیا اور کہا: ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے؟ (اس طرح) وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے“ (فصلت/ ۱۵)

۸۔ مسلمانوں میں ایک گروہ پیدا کیا جائے اور ان کے دلوں میں یہ فکر راسخ کی جائے کہ وہ دنیا پر حکومت کا سوچیں انکے دلوں سے تنگ نظری کو نکالا جائے اور یہ مظلوموں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ کریں بلکہ انکی نجات و رہائی کیلئے کمر بستہ ہوں۔

۹۔ خداوند عالم یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس کی طاقت ہر طاقت و قوت پر غالب ہے وہ جسے چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نجات دیتا ہے:

”اور جب قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور انہیں لوگوں کے لئے نشان (عبرت) بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (فرقان / ۳۷)“ اور یہی نعمت ہم نے نوح کو دی۔ یاد کرو جبکہ ان سب سے پہلے اُس نے ہمیں پکا راتھا۔ ہم نے اس کی دُعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے نجات دی اور اس قوم کے مقابلے میں اس کی مدد کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ وہ بڑے بُرے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا“ (انبیاء/ ۷۷) ”تب ہم نے ان سے انتقام لے پھر انہیں دریا میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے“ (اعراف/ ۱۳۶) ”خوف (خدا) رکھنے والوں میں سے دو اشخاص جنہیں اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا کہنے لگے: دروازے کی طرف سے ان پر حملہ کر دو پس جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو فتح یقیناً تمہاری

ہوگی اور اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو“ (مائدہ/۲۳)

۱۰۔ قصص قرآنی کے فوائد میں سے ایک فائدہ گزشتہ اقوام کے تمدن و ترقی اور نظامِ قانون سے آگاہ کرنا ہے:

﴿مَّا كَانَ لِیَاخُوعَ نَجَاحٌ فِی دِیْنِ الْعَلَمِ الْآنَ یُشَآءُ اللّٰهُ﴾ ”اس طرح ہم نے یوسف کیلئے تدبیر کی ورنہ وہ شاہی قانون کے تحت اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ کی مشیت ہو“ (یوسف/۷۶) ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا۔ ستونوں والے ارم کے ساتھ۔ جس کی نظیر کسی ملک میں نہیں بنائی گئی۔ اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں“ (فجر/۹ تا ۱۱) ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی چال کو بے مقصد نہیں بنا دیا۔ اور ان پر دستے دستے پرندے بھیج دیے۔ جو ان پر سخت مٹی کے پتھر برسا رہے تھے۔ سو اس نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔“ (سورہ فیل)

۱۱۔ قصص قرآنی کا ایک ہدف پیغمبر اکرم کی وحی اور نبوت کو ثابت کرنا ہے کیونکہ خاتمِ انبیاءؑ نہ کاتب تھے نہ قاری یعنی نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا انہوں نے نہ کبھی علماء یہود اور نہ ہی علماء نصاریٰ سے کچھ پڑھا اس کے باوجود قرآن کریم میں ایسے قصے انتہائی دقیق اور کامل بیان کیے ہیں کہ جیسے ان واقعات کے وقوع کے زمانے میں آپ عینی شاہد تھے یا یہ واقعات آپ کے حضور میں ہی انجام پائے ہوں جیسے قصہ ابراہیم و اسماعیل، موسیٰ اور قصہ عیسیٰ وغیرہ ان قصوں کا قرآن میں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ وحی کے مالک ہیں، قرآن کریم نے ان قصوں کو ذکر کرتے وقت اس نکتے کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ قصے ہم آپ کیلئے بذریعہ وحی پہنچا رہے ہیں جبکہ آپ ہماری وحی سے پہلے ان قصوں سے نا آشنا تھے:

﴿حَسْبُ نَقْصٍ عَلَیْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَیْنَا إِلَیْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِینَ

الْغَافِلِينَ ﴿۱﴾ ”ہم اس قرآن کو آپ کی طرف وحی کر کے آپ سے بہترین قصص بیان کرنا چاہتے ہیں اور آپ اس سے پہلے (ان واقعات سے) بے خبر تھے۔“ (یوسف/۳) ﴿وَمَا كُنْتَ بِضَانِ الْغَرِيبِ﴾ اِنْقَضَيْنَا اِلَىٰ مُوسَىٰ الْاَمْرَ مَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۲﴾ ”اور آپ اس وقت (طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور آپ مشاہدہ کرنے والوں میں سے نہ تھے۔“ (قصص/۴۴) ﴿وَمَا كُنْتَ تَاوِيًاۤ اٰهْلَ مَلِكٍۭ تَتْلُوۤا عَلَیْهِمْ اٰیٰتًا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ ”اور نہ آپ اہل مدین میں سے تھے کہ انہیں ہماری آیات سنارہے ہوتے لیکن ہم ہی (ان تمام خبروں کے) بھیجنے والے تھے“ ﴿وَمَا كُنْتَ بِضَانِ الطُّورِ اِذۡ نَادٰیۤا وَلٰكِن رَّحْمَةًۭ مِنْۭ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰیۡنَهُمْ مِنْۭ نَّذِرٍۭ مِنْۭ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ ”اور آپ طور کے کنارے موجود نہ تھے جب ہم نے ندا دی تھی (آپ کا رسول بنانا) آپ کے پروردگار کی رحمت ہے تا کہ آپ اس قوم کو تنبیہ کریں جن کے ہاں آپ سے پہلے کوئی تنبیہ کرنیوالا نہیں آیا۔ شاید وہ نصیحت حاصل کریں“ (قصص/۴۵/۴۶) ”یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ آپ تو ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنا قرعہ پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے اور نہ ہی آپ ان کے پاس (اس وقت) موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔“ (الاعمران/۴۴) ﴿تِلْكَ مِنْۭ اَنْۢبَاِ الْغَيْۢبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْۭ قَبْلِ هٰذَا صٰبِرًاۙ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیۡنَ﴾ ”یہ ہیں غیب کی کچھ خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ ان باتوں کو جانتے تھے نہ آپ کی قوم پس صبر کریں انجام یقیناً پرہیزگاروں کے لئے ہے“

(ہود/۴۹)

یہ آیات اور مندرجہ ذیل آنے والی آیات روز روشن کی طرح واضح دعیاں ہیں کہ تمام انبیاء مخصوص ہمارے نبی اکرمؐ کے تمام علوم و معارف کا واحد ذریعہ وحی ہے اسکے بغیر وہ عام انسان جیسے تھے:

”اور کہتے ہیں: اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ پس کہہ

دیتے: غیب تو صرف اللہ کے ساتھ مختص ہے پس تم انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں“ (یونس/۲۰) ”کہہ دیجئے: میں خود بھی اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں البتہ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ پہنچتی۔ میں تو بس ایمان والوں کو تنبیہ کرنے اور بشارت دینے والا ہوں“ (اعراف/۱۸۸) ”کہہ دیجئے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی ہوتی ہے“ (انعام/۵۰) ”اور میں تم سے نہ تو یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں“ (ہود/۳۱)

۱۲۔ اہدافِ قصص قرآنی میں سے ایک ہدف یہ ثابت کرنا ہے کہ تمام دین آدم سے لے کر محمد تک ایک ہی دین ہے اور تمام مومنین ایک امت ہیں اور سب کا رب خدا ہے اس کی دلیل میں آیت: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضَيَّانَا وَقِزَّ اللَّمْتَيْنِ﴾ ”اور تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور ایک روشنی اور ان متقین کیلئے نصیحت عطا کی“ (انبیاء/۴۸) ﴿وَلَقَدْ هَمَمْنَا أَنُلْجِمَ نَارَكُمْ فَاغْلُظْ﴾ ”یہ تمہاری امت یقیناً امت واحدہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہذا تم صرف میری عبادت کرو“ (انبیاء/۹۲) ”ہم نے تم میں سے ہر ایک امت کیلئے ایک دستور اور طرز عمل مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اللہ نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس میں تمہیں آزمانا چاہتا ہے“ (مائدہ/۴۸) ”اس نے تمہارے لیے دین کا وہی دستور معین کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا“ (شوریٰ/۱۳)

اسی طرح آل عمران کی آیت ۱۹، ۱۸۵ اور شوریٰ ۲۶۔ صافات ۱۲۶، دخان ۸ بھی اس ہدف کے بیان میں ہیں۔

۱۳۔ اہدافِ قصص قرآنی میں سے ایک ہدف یہ ہے کہ تمام انبیاء کے وسائلِ دعوت ایک ہی تھے لیکن ان

قوموں کا انبیاء سے مقابلہ یا ردِ عمل مختلف ہے دینِ خدائے واحد کی طرف سے ہے اور ایک ہی بنیاد پر قائم ہے لہذا قصص قرآنی یا قصص انبیاء بطور اجمالاً مکرر تکرار ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ ہود کی آیت ۶۸ تا ۷۵ میں ملاحظہ فرمائیں:

”اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ (انہوں نے اپنی قوم سے کہا) میں تمہیں صریحاً تنبیہ کرنے والا ہوں۔ کہ تم غیر اللہ کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں ایک دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہماری نظر میں تو تم صرف ہم جیسے بشر ہو اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے صرف ادنیٰ درجے کے لوگ سطحی سوچ سے تمہاری پیروی کر رہے ہیں اور کوئی ایسی بات بھی نظر نہیں آتی جس سے تمہیں ہم پر فضیلت حاصل ہو بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ (نوح نے) کہا: اے قوم! یہ تو دیکھو کہ میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے مگر تمہیں نظر نہ آئے تو کیا ہم تمہیں اس پر مجبور کر سکتے ہیں جب کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟ اور اے قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا جزو صرف اللہ پر ہے اور میں ان لوگوں کو اپنے سے دور بھی نہیں کر سکتا جو ایمان لا چکے ہیں۔ یقیناً یہ تو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل قوم ہو اور اے قوم! اگر میں انہیں دور کروں تو مجھے اللہ (کے قہر) سے کون بچائے گا؟ کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟ اور میں تم سے نہ تو یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں ان کے بارے میں بھی یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں بھلائی سے نہیں نوازے گا۔ ان کے دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی۔ اور بہت بحث کی اب اگر تم سچے ہو تو لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ کہا: اے تو بے شک اللہ ہی تم

پر لائے گا اگر وہ چاہے اور تم (اسے) عاجز تو نہیں کر سکتے اور جب اللہ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو میں اگر نصیحت کرنا بھی چاہوں تو میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں: اس شخص (محمدؐ) نے یہ باتیں بنائی ہیں؟ کہہ دیجئے: اگر یہ باتیں میں نے بنائی ہیں تو میں اپنے جرم کا خود ذمے دار ہوں اور جس جرم کے تم مرتکب ہو میں اس سے بری ہوں۔ اور نوح کی طرف یہ وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی اور ایمان نہیں لائے گا لہذا جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اور ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بنائیں ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات ہی نہ کریں کیونکہ وہ ضرور ڈوبنے والے

ہیں۔ اور نوح کشتی بنانے لگے اور ان کی قوم کے سرداروں میں سے جو وہاں سے گزرتا تھا وہ ان کا مذاق اڑاتا تھا۔ نوح نے کہا: اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو کل ہم اسی طرح تمہارا مذاق اڑائیں گے جیسے تم مذاق اڑاتے ہو۔ عنقریب تمہیں علم ہو جائے گا کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب نازل ہوگا۔ یہاں تک کہ ہمارا حکم آ گیا اور تنور (سے پانی) ابلنے لگا تو ہم نے کہا: (اے نوح!) ہر جوڑے میں سے دو دو کشتی پر سوار کرو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی بات پہلے ہو چکی ہے اور انکو بھی (سوار کرو) جو ایمان لا چکے ہیں اگرچہ ان کے ساتھ ایمان لانے والے بہت کم تھے۔ اور نوح نے کہا: کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ تحقیق میرا رب بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور کشتی انہیں لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو کچھ فاصلے پر تھا پکارا: اے بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ اس نے کہا: میں پہاڑ کی پناہ لوں گا۔ وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ پھر دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ

ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔ اور کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نکل لے اور اے آسمان! ہتم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی (کوہ) جودی پر ٹھہر گئی اور ظالموں پر نفرین ہو گئی۔ اور نوح نے اپنے رب کو پکار کر عرض کی: اے میرے پروردگار! بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا: اے نوح! بے شک یہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے یہ غیر صالح عمل ہے لہذا جس چیز کا آپ کو علم نہیں اس کی مجھ سے درخواست نہ کریں میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا ناناںوں میں سے ہو جائیں۔ نوح نے کہا: میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ کہا گیا: اے نوح! اتر ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر اور ان جماعتوں پر ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جنہیں ہم کچھ مدت زندگی کا موقع بخشیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

۱۴۔ اہداف قصص قرآنی میں سے ایک هدف یہ ثابت کرنا ہے کہ دین انبیاء دین محمد ایک دین پر قائم ہے یعنی

تمام ادیان ایک ہی دین ہے چنانچہ ان آیات میں فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کا ایک ہی دین ہے:

﴿لَمْ يَكُنْ لَكُمْ بَدْعًا بَدْعًا صَحِيفَ مُوسَى﴾ ”کیا اسے ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے؟“ (نجم/۳۶) ﴿وَإِنْ هَلَّا نَحْنُ إِلَّا حَافِيَ الْأُولَىٰ- صَحِيفَ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى﴾ ”پہلے صحیفوں میں بھی یقیناً یہی بات (مرقوم) ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں“ (اعلیٰ/۱۸/۱۹) ﴿رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ ”اللہ کی طرف سے ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے“ (بینہ/۲) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَفَقَيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِّقُوا بَيْنَكُمْ

وَقَرِيفًا تَقْتُلُونَ ﴿۴۷﴾ ”اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے درپے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو نمایاں نشانیاں عطا کیں اور روح القدس کے ذریعے ان کی تائید کی تو کیا جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات کے خلاف (احکام لے کر) آئے تو تم اکڑ گئے پھر تم نے بعض کو جھٹلادیا اور بعض کو تم لوگ قتل کرتے رہے؟“ (بقرہ/۴۸) ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَلِّيًا عَلَيْنَا يَلْقَاهُ مِنَ النَّوْرِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَلِّيًا عَلَيْنَا يَلْقَاهُ مِنَ النَّوْرِ وَهَذَىٰ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور ان کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرتے تھے اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور جو اپنے سے پہلے والی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی اور اہل تقویٰ کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی“ (مائدہ/۳۶)

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا قُلُوبَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً ذُرِّيَّةً﴾ ”پھر ہم نے ان کے بعد پے درپے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انہیں ہم نے انجیل دی اور جنہوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم ڈال دی“ (حدید/۲۷)

۱۵۔ اہداف قصص قرآنی میں سے ایک ہدف یہ ثابت کرنا ہے کہ خداوند عالم مبارزہ میں اپنے نبیوں کی

مدد کرتے ہیں اور جھٹلانے والوں کو ہلاک کرتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہیں:

﴿وَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجُرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْجَمَّ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ قَامَتْ كِبْرًا وَكَانُوا قَوْمًا مُّحَرِّمِينَ﴾ ”پھر ہم نے بطور کھلی نشانیاں کمان پر طوفان، مڈی، دل جوؤں، مینڈکوں اور خون کا عذاب نازل کیا مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ جرائم پیشہ لوگ تھے“ (اعراف/۱۳۳) ﴿إِنَّمَا نَزَّلْنَا عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَجَرَّامِينَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۖ وَلَقَدْ كُنَّا مِنْهَا آيَةً يَّزِيدَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلُونَ﴾ ”بے شک اس بہت سی میں رہنے والوں پر ان کی بد عملی

کی وجہ سے آسمان سے آفت نازل کرنے والے ہیں۔ اور تحقیق ہم نے عقل سے کام لینے والوں کے لئے اس ہستی میں ایک واضح نشانی چھوڑی ہے۔“ (عنکبوت ۳۴/۳۵) ﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَخْلَقْنَاهُمْ الرَّحِفَّةَ فَاصْبَحُوا نَحْوَ الْفَعْرِ﴾ ”پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو انہیں زلزلے نے اپنی گرفت میں لے لیا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔“ (عنکبوت ۳۷/۳۸) ﴿فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَجَعَلْنَاهُمْ مِّنْ أَرْسِلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخْلَقْنَا الصَّيْحَ حَقًّا وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ”پس ان سب کو ان کے گناہ کی وجہ سے ہم نے گرفت میں لیا اور کچھ کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا مگر یہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔“ (عنکبوت ۴۰/۴۱) ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ قَالِيَتْ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخْلَقْنَاهُم طُوفَانًا وَهُمْ ظَالِمُونَ﴾ ”اور تحقیق ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے پھر طوفان نے انہیں اس حال میں اپنی گرفت میں لیا کہ وہ ظلم کا ارتکاب کر رہے تھے۔“ (عنکبوت ۱۲/۱۳) ﴿قَبِلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلَ الْغَايَةِ الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ قَاتِلُوا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا لِحُزْمَةِ السَّعَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ”مگر ظالموں نے اس قول کو جس کا انہیں کہا گیا تھا دوسرے قول سے بدل دیا تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے۔“ (بقرہ ۵۹/۶۰) ﴿ادْعُوا إِلَى الْهَادِيَةِ إِلَى الْهَادِيَةِ أَتَىٰ مَعَكُمْ فَتَبَتُوا إِلَيْهِ آمَنُوا سَالَفِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعِبَ فَاصْبِرُوا عَلَى الْأَعْيَانِ وَاصْبِرُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ ”وہ وقت بھی یاد کرو) جب آپ کا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا لہذا تم ان کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کے پوروں پر وار کرو۔“ (انفال ۱۲/۱۳) ﴿قَبِلَ الَّذِينَ

ظَلَمُوا بِمَنَّهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِم رِجَالًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۹۸﴾ ”مگر ان میں سے ظالم لوگوں نے وہ لفظ بدل ڈالا برخلاف اس کے جو انہیں کہا گیا تھا پھر انکے اس ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا۔“ (اعراف/۱۶۲) ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَلْوِهِمْ يَجِيئِينَ﴾ ”چنانچہ انہیں زلزلے نے گرفت میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔“ (اعراف/۷۸) ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شَعْيًا كَذَبًا لَّمْ يَخُشَوْا فِيهَا الَّذِينَ كَذَّبُوا شَعْيًا كَذَبًا لَّمْ يَخُشَوْا فِيهَا﴾ ”جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی (ایسے تباہ ہوئے) کو یا وہ آبادی نہیں ہوئے تھے۔ شعیب کی تکذیب کرنے والے خود خسارے میں رہے۔“ (اعراف/۹۲) ﴿وَاصْحَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَعِيبَ رَجُلًا لِّمَقَاتِنَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّاي أَتُهْلِكُنَا فَفَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِن هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ﴾ ”اور موسیٰ نے ہماری مقررہ میعاد کے لئے اپنی قوم سے ستر افراد منتخب کئے پھر انہیں زلزلے نے گرفت میں لیا (تو) موسیٰ نے عرض کیا: پروردگارا! اگر تو چاہتا تو ان کو مجھ سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا کیا تو ہمارے کم عقل لوگوں کے اعمال کی سزا میں ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری ایک آزمائش تھی جسے تو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے“ (اعراف/۱۵۵) ﴿لَمَّا يَخْلُتِ الْغُفُورُ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُخَارُجُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَّتَعُونِينَ أَيْنَمَا تُنْفِقُوا أَلْغَلَّوْا قُلُوبَهُمْ قَلِيلًا﴾ ”اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف اٹھائیں گے پھر وہ اس شہر میں آپ کے جوار میں تھوڑے دن ہی رہ پائیں گے۔ یہ لعنت کے سزاوار ہوں گے۔ وہ جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔“ (احزاب/۶۰/۶۱) ﴿قَامَ مِثْمَ الْخَيْفِ بِكُمْ حَتَّابُ الْبَرَاءِ وَرَسُولٌ عَلَيْكُمْ حَاصِبَاتُكُمْ لَا تَجْعَلُوا الْكُفْمَ وَكِيلًا﴾ ”تو کیا تم اس بات سے خائف نہیں ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف زمین میں دھنسا دے یا تم

پر پتھر برسانے والی آندھی چلا دے۔ پھر تم اپنے لئے کوئی ضامن نہیں پاؤ گے“ (اسراء/۶۸) ﴿وَمَا
 أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ﴾ تو ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا چلا دی
 سوائے آل لوط کے جنہیں ہم نے سحر کے وقت بچا لیا۔“ (قمر/۳۳) ﴿وَمَا أَمِئْتُمْ مِنْ قَبْلِ السَّمْعَاءِ أَنْ
 يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ﴾ ”کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تم
 پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی تھی۔“ (ملک/۱۷)
 ۱۶۔ قصص قرآنی کے اغراض میں سے ایک یہ بتانا مقصود ہے کہ خداوند عالم کی نعمتیں اپنے انبیاء کے لئے
 مختص ہیں جیسے قصہ سلیمان و داؤد، ایوب، ابراہیم، مریم و عیسیٰ، زکریا، یونس اور قصہ موسیٰ وغیرہ۔
 ۱۷۔ اہداف قصص میں بنی آدم کو شیطان کی گمراہی اور اس کے دیرینہ دشمنی وعداوت سے بھی آگاہ رکھنا ہے۔

۱۸۔ خداوند عالم یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ قانون و طبیعت کا پابند نہیں ہے یعنی خداوند عالم قانون و طبیعت
 کو توڑتا ہے جیسے خلقت آدم و عیسیٰ علیہما السلام اور ابراہیمؑ کے ذریعے پرندوں کی خلقت وغیرہ۔ زمین و
 آسمان، شجر و حجر، جن و انس سب خدا کی مخلوق ہیں۔ اس دنیا میں کوئی بھی موجود نظام علل و اسباب سے
 باہر نہیں ہے سب کے سب اسی نظام و قانون کے تحت خلق ہوئے ہیں البتہ ایک دوسرے سے مختلف
 ضرور ہیں۔ اس عادی عمل سے ہٹ کر بھی کچھ مخلوقات پیدا ہوئی ہیں۔

۱۹۔ انبیاء میں آدمؑ سے لے کر خاتم النبیینؐ تک کے سلسلے میں بعض انبیاء اپنے تشخص اور خصوصیات کے لحاظ
 سے خلایق کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں مینار کا کردار رکھتے ہیں کیونکہ یہ تین انبیاء (حضرت آدمؑ حضرت
 عیسیٰ اور حضرت محمدؐ) اصول مسلمہ، مکیونیات و عقلیات کے قانون سے خارج ہیں۔

۱۔ خلقت و جودی کا نمایاں نمونہ حضرت آدم صفی اللہ ہیں۔

آدم صفی اللہ کا خصوصی ذکر کرنا اس لئے مناسب سمجھا کہ انھیں خداوند متعال نے قانون تولید و
 ولادت کے مالوف و معروف طریقے سے ہٹ کر والدین کے بغیر مستقیم مٹی سے پیدا کیا ہے یہ ان کی پہلی

خصوصیت ہے اور انہیں سے ان کی شریک حیات یعنی زوجہ حضرت حوا کو تخلیق کیا اور انہیں کے ذریعے تمام نسل انسانی کو پھیلا یا ہے۔ جس کی بنیاد پر آدم ابو البشر بنے۔ اس کے ساتھ انہیں خدا کا منتخب و مصطفیٰ نمائندہ ہونے کا افتخار بھی حاصل ہوا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَابْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ عَلَى الْغُلَامِ﴾ ”بیشک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو کو تمام عالمین پر برگزیدہ فرمایا ہے“
(آل عمران/ ۳۳)

آدم کو خدا نے بغیر واسطے کے خود اپنے دست قدرت سے خلق کیا ہے چنانچہ سورہ ص آیت ۷۵ میں فرمایا:

۱۔ ﴿لَمَّا خَلَقْتُ بَدَنِي﴾ آدم کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

۲۔ اس کا ڈھانچہ بھی خود خدا نے بنایا ہے:

۳۔ اس میں خود خدا نے روح پھونکی:

﴿ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوْحِي﴾ ”اس کے بعد اسے برابر کر کے اس میں اپنی روح پھونک دی ہے“ (سجدہ/ ۹) ”جب مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں“ (حجر/ ۲۹)

۴۔ خلق کرنے کے بعد ملائکہ کا مسجود بنایا:

”تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا“ (حجر/ ۲۹) ”تمام ملائکہ نے سجدہ کیا“ (ص/ ۷۳) ”اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا“ (اسراء/ ۶۱)

۵۔ شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس لئے وہ کافر ہو گیا:

”علاوہ ابلیس کے کہ وہ اکڑ گیا اور کافروں میں ہو گیا“ (ص/ ۷۴)

۶۔ انکو جنت میں بسایا:

”اور ہم نے کہا کہ اے آدم! اب تم اپنی زوجہ کے ساتھ جنت میں ساکن ہو جاؤ“ (بقرہ/ ۳۵)

”اور اے آدم تم اور تمہاری زوجہ دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ“ (اعراف/ ۱۹)

۷۔ حوا کو انہی سے خلق کیا۔ جیسا قرآن کریم سورہ نساء آیت ۱۱ میں ذکر ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد و عورت (روئے زمین) پر پھیلا دیئے۔“

۸۔ آدم و حوا کو ہر قسم کی آزادی دی گئی سوائے ایک مخصوص درخت کے قریب جانے سے منع کیا۔ یعنی آزادی زیادہ اور پابندی کم۔

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ جنت میں قیام کرو اور اس میں امن و سکون کے ساتھ جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں زیادتی کا ارتکاب کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے“ (بقرہ/۳۵)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دین کا حکامات پر عمل کرنے کو بعض انسان آزادی سے متصادم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ پابندی اس آزادی کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

۹۔ شیطان کو انہیں اور اپنی زوجہ کیلئے ایک واضح اور آشکار دشمن کے طور پر شناسا کر دیا تاکہ اس کے بھکاوے میں نہ آجائیں:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوُّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ۔ إِنَّ لَكَ أَلًا تَصُوعُ فِيهَا وَلَا تَعْرِىٰ۔ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ﴾ ”پھر ہم نے کہا: اے آدم! یہ شیطان آپ اور آپ کی زوجہ کا دشمن ہے کہیں یہ آپ دونوں کو جنت سے نکال نہ دے پھر آپ مشقت میں پڑ جائیں گے یقیناً اس جنت میں آپ نہ تو بھوکے رہیں گے اور نہ ننگے اور یقیناً اس میں آپ نہ تو پیاسے رہیں گے اور نہ دھوپ کھائیں گے“ (طہ/۱۱۷-۱۱۹)

۱۰۔ اگر شیطان کی پیروی کریں گے تو اس کے بُرے نتائج برآمد ہونگے۔

۱۱۔ شیطان نے آدم و حوا کو بیک وقت دھوکہ دیا۔ عہد و پیمان خدا کو ان سے بھلا دیا:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِمِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَينَ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَا سَمِعَا أَنِّي لَكُمَا لَعْنُ النَّاصِحِينَ﴾ ”پھر شیطان نے انہیں بہکایا تا کہ اس طرح ان دونوں کے شرم کے مقامات جو ان سے چھپائے رکھے گئے تھے ان کے لئے نمایاں ہو جائیں اور کہا: تمہارے رب نے اس درخت سے تمہیں صرف اس لیے منع کیا ہے کہ مبادا تم فرشتے بن جاؤ یا زندہ جاوید بن جاؤ۔ اور اس نے قسم کھا کر دونوں سے کہا: میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں“ (اعراف/۲۰) ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَازِلٍ﴾ ”پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: اے

آدم! کیا میں تمہیں ہمیشگی کے درخت اور لازوال سلطنت کے بارے میں بتاؤں؟“ (طہ/۱۲۰) ان آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو دھوکہ دینے اور ورغلا نے والے ہمیشہ اسکی خواہشات کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ نہ کہ انکی مخالف سمت سے۔ لہذا جو خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے وہی دشمن سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسکے علاوہ دین اسلام میں خواتین کے بارے میں جو یہود و مسیحویوں نے پراپیگنڈہ کیا ہے کہ شیطان نے حوا کے ذریعہ آدم کو ورغلا یا ہے حقیقت سے عاری ہے۔ بلکہ شیطان نے براہ راست آدم سے خطاب کیا ہے۔

۱۲۔ آدم کو جنت میں سکونت دی:

جس جنت میں آدم کو بسایا تھا وہ اس حیات دنیا کی آزمائش کیلئے تربیت گاہ تھی نہ کہ بعض کے خیالات کے مطابق جنت الخلد تھی۔ کیونکہ بعض لوگ لفظ جنت سنتے ہی اس سے مراد جنت خلد لیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جنت چھپے ہوئے مکان کو کہتے ہیں۔ جنت مادہ جن سے ہے، جنون بھی اسی سے ہے کیونکہ وہ عقل کو چھپاتا ہے۔ جنت کے بہت سے معنی ہیں۔ جنت کا ایک معنی وہ مکان ہے جسے کسی انسان نے اپنے دشمن سے بچنے کے لئے بنایا ہو۔ جنت اس مکان کو بھی کہتے ہیں جس کو درختوں نے گھیر رکھا ہو۔ جس

جنت میں حضرت آدم و حوا کو بسایا گیا اسکی تفسیر قرآن مجید میں موجود ہے۔ خداوند متعال نے فرمایا اے آدم:

- ۱۔ آپ یہاں بھوکے نہیں رہیں گے۔
- ۲۔ آپ یہاں برہنہ نہیں ہوں گے۔
- ۳۔ آپ کو یہاں پیاس نہیں لگے گی۔
- ۴۔ یہاں آپ کو دھوپ بھی نہیں لگے گی۔

غرض یہاں وسیع پیمانے پر طعام و مشروبات مہیا تھے۔ تاکہ زندگی کی تربیت میں پریشانی کے بغیر آسودہ خاطر عمل کر سکیں۔ قصہ آدم میں قافلہ انسانی کیلئے اس دنیا میں آمد سے لیکر قیامت تک پیش آنے والی چیزوں کا ذکر ہے۔ اس میں آیا ہے کہ جو رسول آئے گا اسکی ذمہ داری ہوگی کہ وہ زندگی کا دستور عمل لائے جو ہمیں پابند کرے اور خواہشات نفس کے مفسدہ سے آگاہ کرے تاکہ ہم شیطان کے دھوکہ میں نہ آجائیں۔ خدا ہمارا خالق ہے وہ جانتا ہے کہ اس انسان پر غفلت طاری ہوگی اسکے ارادے میں سستی آئے گی۔ اس کا ذکر قرآن کریم کی آیات میں آیا ہے۔

۲۔ قانونِ ولادت سے خارج اور سن طفولیت میں آیت حق بننے میں

حضرت عیسیٰ:

سلسلہ انبیاء میں چوتھے اولیٰ المعزم نبی ہیں ان کی بھی کچھ خصوصیات ہیں جو دیگر انبیاء سے انہیں ممتاز کرتی ہیں۔

۱۔ کسی نبی کو اللہ نے اس کی ماں سے منسوب کر کے خطاب نہیں کیا سوائے حضرت عیسیٰ کے:

”اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو بے

شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں“

(نساء/۱۷۱)

۱۔ اسکے علاوہ ان آیات میں ذکر ہے مریم ۱۳/۱۹، آل عمران ۱۳/۲۱، ۳۵۔

۲۔ نسل انسانی میں تنہا ماں سے پیدا ہونے کا امتیاز صرف حضرت عیسیٰ کو حاصل ہے۔ اس حوالے سے

حضرت عیسیٰؑ حضرت آدم سے نصف مماثلت رکھتے ہیں۔

۳۔ خداوند عالم نے کسی نبی کی ماں کو ایک آیت (نثانی) کے طور پر ذکر نہیں کیا سوائے مادر عیسیٰؑ کے۔ جہاں خداوند عالم نے حضرت عیسیٰؑ کے سلسلہ نسب کا ذکر ان کی ماں سے کیا ہے وہاں خداوند عالم نے ماں بیٹا دونوں کو آیت حق (حق کی نثانی) قرار دیا ہے:

”اور اس خاتون کو بھی (نوازا) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی اس لئے ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی اور انہیں اور ان کے بیٹے (عیسیٰؑ) کو تمام اہل عالم کے لئے ایک نثانی بنادیا“ (انبیاء/۹۱)

۴۔ خداوند عالم نے صرف حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے عیسیٰؑ کی پیدائش و موت کو مبارک گردانا ہے۔

”اور سلام ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں وفات پاؤں گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا“ (مریم/۳۳)

۵۔ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰؑ کو طفولیت میں ہی معجزہ عطا کیا:

”بچے نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے“ (مریم/۳۰)

۶۔ انبیاء میں جس شخصیت کو غلو کیلئے اٹھایا گیا وہ حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت ہے۔ خداوند عالم نے آدم سے لے کر خاتم النبیین تک کسی نبی یا رسول کو ان کے والدین سے منسوب کر کے نام نہیں لیا ہے۔ سوائے عیسیٰؑ کا ذکر بھی ان کی ماں سے منسوب کیا ہے۔ بقرہ ۸۷/۲۵۳، آل عمران ۴۵، نساء ۱۵۷/۱۷۱، مائدہ ۳۶/۷۸/۱۱۰/۱۱۲/۱۱۳/۱۱۶، مریم ۳۳، احزاب ۷، حدید ۲۷، صف ۶/۱۳۔ اسکا فلسفہ یہ ہے کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کہتے تھے۔ لہذا خداوند عالم نے بار بار حضرت عیسیٰؑ کو انکی ماں سے منسوب کیا ہے تاکہ ان پر واضح ہو کہ عیسیٰؑ لم یلد نہیں بلکہ مولود مریم ہیں۔

۳۔ ضرورتِ تسلسلِ بعثتِ انبیاء کی برہان کو خاتمہ بخشنا

حضرت محمد مصطفیٰؐ

ضرورت بعثت انبیاء نقل اور عقل سلیم کی رو سے ثابت ہے۔ احکام عقلیہ زمان و مکان کی قید و بند سے خارج ہیں۔ اس مسلمہ حقیقت کی روشنی میں جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو سورہ مبارکہ احزاب آیت ۴۰ میں ملتا ہے کہ خداوند متعال نے آئندہ انبیاء کے سلسلے کو آپؐ کی نبوت کے بعد ختم کیا ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ﴾ محمد (صلی علیہ وآلہ

وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“

یہ حکم قرآن ضرورت بعثت انبیاء کے حکم عقلی کے خلاف نظر آتا ہے لیکن قرآن نے جہاں یہ حکم دیا ہے وہیں قرآن میں جن و انس کو چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ اس کے کسی حکم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دشمنان اسلام نے چودہ سو سال میں حیات پیغمبرؐ سے لیکر دور حاضر تک احزاب و اتحاد تشکیل دیئے تاکہ قرآن کا مقابلہ کریں۔ لیکن اس پورے دور میں تمام تر عناد و دشمنی، طاقت و قدرت سے مسلح ہونے کے باوجود اس قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احکام قرآنی عقلاء عالم سے مافوق ہیں۔ یہیں سے نبوت خاتم الانبیاء سلسلہ انبیاء میں ایک مینار کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپؐ کی نبوت آدم و عیسیٰؑ کی طرح دیگر انبیاء سے مختلف ہے۔ ہم یہاں پر حضرت محمدؐ کا دیگر انبیاء سے الگ خصوصیات و امتیازات کا حامل ہونے کا ذکر کریں گے۔

۱۔ آپ کا خاتم النبیین ہونا

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ اس تسلسل کا ختم ہونا عقلاء عالم کیلئے سوالیہ نشان ہے کہ آخر کیوں یہ سلسلہ ختم ہوا۔ بشر کیوں آسمانی رہبری و احکام سے محروم ہو گیا۔ بعض نے اس کے جواب میں بشر کی علمی و فکری بلوغت کو تو جیہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ لیکن ہم یہاں پر یہ اعتراض اٹھانے میں حق بجانب ہیں کہ اس علم و فکر میں بالغ ہونے والی قوم کی برہیت و ظلم کی داستانیں اس دور جاہلیت سے کہیں آگے نکل چکی ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ عقل بشر کا بلوغت تک پہنچنا خاتمیت کی دلیل ہے اسکی کوئی منطق نہیں۔

۲۔ آپ کا امی ہونا

سورہ اعراف ۱۵۷، ۱۵۸ میں دو جگہ پر آپؐ کے امی ہونے کا ذکر ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ ”(یہ رحمت ان مومنین کے شامل حال ہوگی) جو لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی کہلاتے ہیں“ ﴿وَمَا مَنَّا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ﴾ ”تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اس امی نبی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔“

لیکن سورہ بقرہ ۷۸ اور جمعہ ۲ میں آپؐ مبعوث ہوئے ہیں اسے امی کہا گیا ہے:

﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ﴾ ”ان میں کچھ ایسے ناخواندہ لوگ ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے“ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ ”اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے۔“

یعنی نہ پڑھنے والے نہ لکھنے والے۔ ہمارے بعض علماء اور دانشوروں نے امی کے لفظ سے ہٹ کر تو جیہات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کو یا ان کی نظر میں پیغمبر کیلئے اپنی نبوت سے زیادہ اپنی علمیت کو ثابت کرنا مقدم تھا جبکہ امیت سے نبوت کا اثبات مقدم اور عقل و منطق سے قرین ہے

۳۔ عالمین کے لئے رحمت ہونا

خداوند عالم نے کئی آیات میں آپؐ کی خصوصیات میں رحمت کا ذکر کیا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”اور (اے محمد!) ہم نے آپؐ کو بس عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے“ (انبیاء/۱۰۷) ﴿مَحْمُودٌ سُبْحَانَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ﴾ ”محمود (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں“ (فتح/۲۹) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور مومنین کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہیں“ (توبہ/۱۲۸)

۴۔ قرآن

تمام انبیاء کو خداوند متعال نے انکی نبوت کی نشانی (جسے علماء اعلام نے معجزہ کہا ہے) عطا کی ہے اور ہر نبی دوسرے نبی سے جدا گانہ معجزہ کا حامل تھا اور اس معجزہ کا دورانیہ اسی نبی کی زندگی تک محدود تھا۔ کسی نبی کی امت اس معجزہ کو کسی دوسرے نبی کی امت کو بطور چیلنج پیش نہیں کر سکتی تھی۔ جبکہ قرآن گذشتہ و آئندہ آنے والی تمام امتوں کو چیلنج کرتا ہے۔ انبیاء کے معجزات اور خاتم النبیین کے معجزہ میں بنیادی طور پر چند فرق ہیں۔

۱۔ انبیاء کے معجزے نبی کے معجزہ تھے نبوت کے نہیں لہذا نبی کے بعد معجزہ بھی ختم ہوا۔ موسیٰ کا عصا اب اڑدھا نہیں بن سکتا۔ عیسیٰ کے بعد کوئی نصاریٰ مادرزاد نابینا کو بینائی نہیں دے سکتا اور نہ ہی کسی مردہ کو زندہ کر سکتا ہے۔ لہذا انبیاء کے معجزے نبی کے معجزے ہیں نبوت کے نہیں۔ خاتم النبیین کے معجزہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ خود نبی کا معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ نبوت کا بھی معجزہ ہے۔ لہذا امت محمدؐ اس قرآن کو اٹھا کر چیلنج کر سکتی ہے۔ جیسے کہ سورہ نعلنبوت ۵۱ میں آیا ہے:

﴿وَلَمْ يَكْفِهِمْ اٰتَاٰنَا عَلٰىكَ الْكِتٰبِ بَطَلٰی عَلَيْهِمْ اِنْ قٰی ذٰلِكَ لِرَحْمٰتِیْ لَعْنٰی لِقَوْمٍ

یٰۤاٰمِنُوْنَ﴾ ”کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں سنائی

جاتی ہے؟ ایمان لانے والوں کے لئے یقیناً اس میں رحمت اور نصیحت ہے“

۲۔ انبیاء کے معجزے اسباب و علل میں تصرف تھے۔ جبکہ حضرت محمدؐ کا معجزہ فکر و عقل میں تصرف کا معجزہ تھا۔

مخاطبین قرآن

گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا ہے قرآن کریم کا مخاطب کون ہے لیکن یہاں ان جماعتوں اور گروہوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے خدا نے خطاب کیا ہے اور انکی خصوصیات و امتیازات سے متعلق بھی کچھ نکات قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ تاکہ واضح ہو کہ ہم مخاطبین قرآن کریم کی کس صف میں شامل ہیں۔

۱۔ ملائکہ

انسان کی تخلیق سے پہلے خداوند عالم نے ملائکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ﴾

اس وجہ سے ملائکہ بھی مخاطبین قرآن میں سے ہیں ملائکہ ملک کی جمع ہے ملک فارسی اور اردو زبان میں فرشتہ کو کہتے ہیں۔ علماء لغت کہتے ہیں کہ ملک مادہ (الوک) ال وک سے مشتق ہے الوک کا معنی رسالت ہے اور رسالت پیغام کو کہتے ہیں

کتاب صحاح میں کسائی نے نقل کیا ہے کہ ملک منلک (مءلک) الوک سے لیا ہے پھر ل، ء کی جگہ آیا اور کثرت استعمال سے ء ہضم ہو گیا اور جب جمع بنایا تو ء واپس آیا تو ملائکہ ہو گیا اس کے تحت ’م’ زائد ہے۔ مادہ ملک مفرد تثنیہ اور جمع تینوں صورت میں (۸۰) بار قرآن میں آیا ہے اور ان تمام جگہوں میں ملک سے مراد فرشتہ ہے۔ ملک الوک سے ہونے کی صورت میں ہر ایک ملائکہ دوسرے ملائکہ سے مختلف رسالت رکھتے ہیں اس سلسلہ میں سورہ فاطر / سورہ حج / ۵ سورہ انبیاء / ۲۰ ملاحظہ فرمائیں:

﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأِئِكَةُ رَسُولٌ مِّنَ الْمَلَأِئِكَةِ﴾ ”نیز فرشتوں کو پیام رساں بنایا ہے“ ﴿الْمَلَأِئِكَةُ يَصْطَفِي مِّنَ الْمَلَأِئِكَةِ

رَسُولٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ ”اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے۔“

رسالت تسبیح گزار

﴿يَسْبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾ ”وہ شب و روز تسبیح کرتے ہیں تسابیل نہیں بدستے۔“ (سورہ

انبیاء / ۲۰)

قرآنی رو سے خداوند عالم نے ملائکہ کو کس چیز سے خلق کیا ہے وضاحت نہیں کی بلکہ ملائکہ کی صفت میں بیان فرمایا ہے کہ ملائکہ ایک موجودات پاک و فرمانبردار و مطیع ہیں۔ نظام کائنات میں خداوند عالم نے انہیں مختلف ذمہ داریاں اور مسئولیت دے رکھی ہیں جبکہ جن و انس اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں رکھتے ہیں۔

قرآنی رو سے ملائکہ کی ذمہ داریاں:

۱۔ لوگوں کی روح قبض کرنا:

﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ ”فرشتے جن کی روہیں اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہوں“ (نحل/۲۸) ﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ﴾ ”جن کی روہیں فرشتے پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں“ (نحل/۳۲) ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ كُلُّكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّقَٰهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ﴾ ”یہاں تک کہ جب تم میں سے ایک کو موت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے“ (انعام/۶۱) ﴿قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ﴾ ”کہہ دیجئے: موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روہیں قبض کرتا ہے“

(سجده/۱۱)

۲۔ وحی لانا:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ﴾ ”جسے روح الامین نے اتارا آپ کے قلب پر تاکہ آپ تنبیہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں“ (شعراء/۱۹۳/۱۹۴) ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾ ”اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے“ (حج/۷۵) ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بَيْحْنَىٰ﴾ ”چنانچہ جب وہ حجرہ عبادت میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آواز دی: ”اللہ تجھے بخشنے کی بشارت دیتا ہے“ (الاعمران/۳۹) ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے اور تمہیں پاکیزہ بنایا ہے اور تمہیں تمام دنیا کی عورتوں سے برگزیدہ کیا ہے“ (الاعمران/۴۲) ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَىٰ ابْنُ

مَرِيَمَ وَجِيهًا فِي النَّبَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۲۵﴾ ”جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے۔ جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا وہ دنیا و آخرت میں آبرمند ہوگا اور مقرب لوگوں میں سے ہوگا۔“ (آل عمران/۲۵) ﴿يَسِّرِلْكَ اللَّهُ بِرُوحٍ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ اقْبَلُوا إِلَهُ لَيْلَىٰ إِلَّا تَأْتَفُقُونَ﴾ ”اپنے حکم سے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے (اس حکم کے ساتھ) کہ انہیں تنبیہ کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہذا تم میری مخالفت سے بچو“ (نحل/۲)

۳۔ لوگوں کے نامہ اعمال لکھنا:

﴿وَإِنَّا لَنَلْقَىٰ الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ ”(انہیں وہ وقت یا دلا دیں) جس وقت (اعمال کو) وصول کرنے والے دو (فرشتے) اس کی دائیں اور بائیں طرف بیٹھے وصول کرتے رہتے ہیں۔ (انسان) کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگران تیار ہوتا ہے“ (ق/۱۷-۱۸) ﴿وَإِنَّا رُسُلُنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ﴾ ”بیشک ہمارے فرشتے تمہاری حیلہ بازیاں لکھ رہے ہیں“ (یونس/۲۱) ﴿وَإِنَّا عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ - كَرَامًا كَاتِبِينَ - يَعْلَمُونَ مَا تَعْلَمُونَ﴾ ”جب کہ یقیناً تم پر نگران مقرر ہیں۔ ایسے معزز لکھنے والے جو تمہارے اعمال کو جانتے ہیں“ (انفطار/۱۰-۱۲)

۴۔ انسانوں کی محافظت کرنا:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ ”اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبانی کرنے والے بھیجتا ہے“ (انعام/۶۱) ﴿لَهُ مَعْقِبَتٌ مِّنْ يَّمِينِ يَلْدِيهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُنَهُ﴾ ”ہر شخص کے آگے اور پیچھے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے (پہرے دار) مقرر ہیں جو بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں“ (رعد/۱۱)

۵۔ حاملانِ عرش

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ ”جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں سب اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں“ (مومن/۷) ﴿وَالْمَلَائِكَةُ عَلَىٰ أَرَئِيفَةٍ أَوْ يَحِيطُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ خَفِيفَةً﴾ ”اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن آٹھ فرشتے آپ کے رب کا عرش ان سب کے اوپر اٹھائے ہوں گے۔“

(حاق/۱۷)

۲۔ مسجود ملائکہ یعنی انسان

جب خداوند عالم نے ملائکہ کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو آدم۔ مسجود ملائکہ بنے اور آدم اور انکی نسل کو خداوند عالم نے خلعت خلافت اور تاج کرامت سے نوازا تو انسان اس کی بنیاد پر مخاطبین میں قرار پایا۔ انسان الف کے نیچے زیر کے ساتھ مادہ انس سے لیا ہے۔ انسان ”جن“ کے مقابل ہے سورہ مریم کی آیت ۲۶ میں یہ لفظ آیا ہے جسکی جمع الناس اور اناسی ہے۔ قرآن میں انس ۸ بار، اناس ۵ بار، اناسی ایک بار آیا ہے۔ کلمہ انسان قرآن میں ۶۵ بار آیا ہے انس جن سے پہلے سات بار اور جن انسان سے پہلے گیارہ بار آیا ہے۔ کلمہ انسان اس مخلوق کے ظاہری و باطنی خلافت و عواطف اور معنویات کے مجموعہ کا نام ہے۔ جبکہ بشر سے مراد جسد ظاہری ہے۔ بشر نظر آنے والے چمڑے کو کہتے ہیں۔ بشارت جسکے معنی خوشخبری دینے کے ہیں اسی مادہ بشر سے لیا ہے کیونکہ خوشخبری ملنے پر آٹا ر مسرت ظاہر ہوتے ہیں۔ کلمہ بشر ۳۵ بار اور بشرین ایک دفعہ قرآن میں آیا ہے۔ اسی طرح مباشرت ہم بستری کو کہتے ہیں کیونکہ اس سے دو چمڑے ملتے ہیں۔ اس مخلوق کو اگر مجموعی طور پر دیکھیں تو یہ مسجود ملائکہ ہے۔ اسکی جسدی صفات قرآن کریم میں یوں استعمال ہوئی ہیں:

- ۱۔ مٹی سے بنایا ہے
- ۲۔ صلصال سے بنایا ہے
- ۳۔ گندے پانی سے بنایا ہے
- ۴۔ نطفہ سے بنایا ہے۔

انکی صفات میں قرآن میں آیا ہے:

- ۱۔ ضعیف۔ ۲۔ ظالم و ستمگر۔ ابراہیم/۳۳
- ۳۔ جلد باز ہے۔ اسراء/۱۱ ۴۔ جھگڑالو ہے۔ ق/۵۴
- ۵۔ تنگ نظر ہے۔ ۶۔ جاہل و نادان ہے۔ احزاب
- ۷۔ خود پسند ہے۔ ۸۔ ستا غی ہے۔
- ۹۔ ناشکرا ہے۔ ۱۰۔ صاحب کرامت ہے۔
- ۱۱۔ مخلص ہے۔ ۱۲۔ خلیفہ ہے۔

جسم انسانی کے اعضاء کے اسماء قرآن کریم میں

اس کتاب میں صرف انسان کو کلی طور پر مخاطب نہیں بنایا گیا بلکہ اس کے جسمانی اور روحانی اعضاء و جوارح کو بھی مخاطب قرار دیا گیا ہے اور ان سے کسی دن جواب طلبی کرنے کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔ انسان کے جسمانی اور روحانی اعضاء و جوارح کی ایک فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

- ۱۔ رئوس: سر: مائدہ/۶ ۲۔ سمع: کان: ہود/۲۰، فصلت/۳۶
- ۳۔ عین: آنکھ: بلدہ/۸ ۴۔ افواء: ہونٹ: احزاب/۴
- ۵۔ لسان: زبان: بلدہ/۸، ۶۔ سن: دانت: مائدہ/۴۵
- ۷۔ ذقن: ٹھوڑی: اسراء/۱۰۷، ۱۰۹، یسین/۸۔
- ۸۔ وتین: شہرگ: حاقہ/۴۶ ۹۔ ورید: دل سے ملنے والی رگ: ق/۱۶
- ۱۰۔ عنق: گردن: اسراء/۱۳، ۲۹، ۱۱۔ صلور: سینہ: حج/۲۶، انعام/۲۵
- ۱۲۔ حلقوم: حلق: واقعہ/۸۳ ۱۳۔ تراقی: قیامت: ۲۶، ۲۷
- ۱۴۔ جناح: بازو: اسراء/۲۳ ۱۵۔ کعبین: مائدہ/۶
- ۱۶۔ ید: ہاتھ: مائدہ/۶ ۱۷۔ ظہر: پشت: اعراف/۱۷۲

- ۱۸۔ دبر: پیچھے: یوسف/۲۶ ۱۹۔ صلب: ریڑھ کی ہڈی: نساء/۲۳
- ۲۰۔ یمین: دایاں: واقعہ/۲۷ ۲۱۔ رجل: پاؤں: مائدہ/۶، اعراف/۱۲۳، طہ/۷۱
- ۲۲۔ جنب: کرویٹ: نساء/۱۰۳، آل عمران/۱۹۱، ۲۳۔ فرج: فروج مومنون/۵، نور/۳۱
- ۲۳۔ جیوب: سینہ: نور/۳۱ ۲۵۔ بطون: پیٹ: عمران/۲۵
- ۲۶۔ لحن: آواز محمدؐ: ۳۰، ۳۲۔ ۲۷۔ اصابع: انگلیاں: بقرہ/۱۹
- ۲۸۔ فرج: شرم گاہ نور۳۰، مومنون ۵ ۲۹۔ بصر: آنکھ
- ۳۰۔ فواد: دل ۳۱۔ اصابع: انگلی: بقرہ/۱۹، نوح/۲
- ۳۲۔ بنانہ: انگوٹھا ۳۳۔ وجوہ: چہرہ: مائدہ/۶
- ۳۳۔ اضافہ: ناخن: انعام/۱۴۶ ۳۵۔ قلب: دل: آل عمران/۵۹، غافر/۳۵
- ۳۶۔ دم: خون: بقرہ/۸۴ ۳۷۔ قبل: آگے: یوسف/۲۶
- ۳۸۔ رحم: پیٹ: عمران/۶، انعام/۳ ۳۹۔ قرائب: سینہ: طارق: ۷
- ۴۰۔ لب: مغز عقل ۴۱۔ عظام: ہڈی: قیامت ۳
- ۴۲۔ نفس: جان: مائدہ/۲۵ ۴۳۔ جلد: کھال: فصلت ۲۱
- ۴۴۔ جلود: چمڑہ: نساء/۵۶، فصلت ۲۲، ۴۵۔ لحم: گوشت: حجرات ۱۲
- ۴۶۔ لحیہ: داڑھی: طہ/۹۴ ۴۷۔ روح: اسراء/۸۵

جن:

انسان سے پہلے اس روئے زمین پر ایک مخلوق مکلف موجود تھی قرآن کریم میں پندرہ سے زائد جگہوں پر انسان اور جن کو اکٹھے مخاطب کیا ہے جیسے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْحِجْنَ وَالْأَنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ يَا مَعْشَرَ الْحِجْنَ وَالْأَنسِ﴾ وغیرہ۔

جن مادہ جنس سے ہے جسکے معنی چھپانے کے ہیں جیسا کہ کتب لغت میں آیا ہے کہ ہر وہ چیز جو نظروں سے چھپ

جائے اسے جن کہتے ہیں۔ یہ مادہ 'ج' پرفتحہ، ضمہ اور کسرتیوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اگر ضمہ لگائیں تو سپر کے معنوں میں آیا ہے جس سے سر کو بیرونی حملوں سے بچاتے ہیں جیسا کہ سورہ مجادلہ آیت ۷۱ میں آیا ہے۔ اس طرح جنون بھی ہے جس کے معنی عقل کو چھپانہ ہے سورہ ذاریات آیت نمبر ۳۹۔ اگر فتح لگائیں تو روشنائی کو چھپانے کے معنوں میں آیا جیسے رات دن کی روشنی کو چھپاتی ہے جیسا کہ سورہ انعام آیت نمبر ۷۶ اور اگر کسرہ لگائیں تو یہ کلمہ بائیس بار قرآن میں آیا ہے اور قرآن کریم میں ایک سورہ سورہ جن کے نام سے مشہور ہے اس سورہ میں واضح طور پر بیان کیا ہے کہ ان (جنوں) میں انسانوں جیسے مومن، کافر و فاسق موجود ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ان پر بھی احکام خدا لاگو ہیں اسی وجہ سے سورہ رومن میں خداوند عالم نے دو ثقل کہا ہے ٹھٹ یعنی زمین پر بوجھ ہے۔ سورہ رومن میں بار بار انسان اور جن دونوں کو مشترکہ خطاب کیا گیا ہے لیکن سورہ حجرات آیت نمبر ۳۷ اور سورہ رومن ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے جن کی خلقت خلقت انسان سے مختلف ہے کیونکہ ان دو آیات میں جن کی خلقت آگ سے ہے سورہ حجر ۲۷، رومن ۱۵۔ اعراف ۱۲، ص ۷۶۔

مشترکات جن و انس:

۱۔ دونوں کی غرض خلقت عبادت:

”اور میں نے جن و انس کو خلق کیا مگر یہ کہا وہ میری عبادت کریں“

(ذاریات/۵۶)

۲۔ دونوں کے سرکش و نافرمان جہنم میں جائیں گے:

”اور تحقیق ہم نے جن و انس کی ایک کثیر تعداد کو جہنم کے لئے ہی پیدا کیا ہے“ (اعراف/

۱۷۹) ”میں جہنم کو ضرور بالضرور جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا“ (ہود/۱۱۹) ”میں دوزخ کو

جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دوں گا“ (سجدہ/۱۳)

۳۔ دونوں کیلئے موت ہے:

”اور ان پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کی امتوں پر لازم ہو چکا

تھا“ (حم/۲۵) ”یہ وہ لوگ ہیں جن پر فرمان خدا حقیقت بن چکا ہے جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں بیشک یہ خسارہ اٹھانے والے ہیں“ (احقاف/۱۸) ”اللہ فرمائے گا کہ تم جن وانس کی ان قوم کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے جا چکی ہے“ (اعراف/۳۸)

۴۔ جن انسان کو دیکھتا ہے مگر انسان جن کو نہیں دیکھتا:

”بیشک شیطان اور اسکے رفیق کا تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے“ (اعراف/۲۷)

۵۔ دونوں کام کرتے ہیں:

”اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اپنے رب کی اجازت سے سلیمان کے آگے کام کرتے تھے سلیمان جو چاہتے یہ جنات ان کیلئے بنا دیتے“ (سبا/۱۲/۱۳)

۶۔ جس طرح ہم پیغمبر کی امت ہیں یہ جنات بھی امت ہیں:

”اور یاد کیجئے جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپکی طرف متوجہ کیا تا کہ قرآن سنیں۔ پس جب وہ رسول کے پاس حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ جب تلاوت ختم ہوگئی تو وہ تنبیہ کرنے اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے“ (احقاف/۲۹) ”کہہ دیجئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم کسی کو ہرگز اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے اس نے کبھی کسی کو زوجہ بنایا اور نہ کسی کو اولاد اور یہ کہ ہم کم عقل لوگ خدا کے بارے میں خلاف حق بات کرتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جن کبھی بھی اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے ہیں“ (جن/۱ تا ۵)

۴۔ شیطان:

جن وانس کو ان کی غرض و غایت خلقت سے روکنے اور اپنے خالق کی عبادت و اطاعت سے روگردانی کرنے اور ان پر ظلم و بربریت، میلہ و بہانہ سازی کرنے والی مخلوق جو درگاہ خداوندی سے مردود ہوئی ہے اس کا نام شیطان ہے یہ ان دونوں مخلوقات کو گمراہ اور روغلا نے والا گروہ ہے عقل اور آیات قرآنی کی رو سے اس کی شناخت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کلمہ مفرد کی صورت میں قرآن کریم میں ستر بار اور جمع (شیاطین) کے صیغے میں اٹھارہ بار ذکر ہوا ہے جیسا کہ صاحب معجم مہرس نے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں چند زاویے سے موضوع بحث و گفتگو ہے۔

۱۔ معنی

۲۔ جنسیت

۳۔ قدرت و توانائی

۴۔ حکم خدا سے روگردانی

۱۔ معنائے شیطان:

شیطان مادہ شیطنت (شطن) سے لیا گیا ہے ”ن“ اس کے کلمے کا جز ہے۔ شیخ طبری (صاحب مجمع البیان) اور راغب اصفہانی اور ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ شیطان کے معنی دو رہونے کے ہیں یعنی خیر اور خوبی سے دور ہونے کا نام شیطان ہے۔ بعض نے ”ن“ کو زائد قرار دیا ہے اور اصل مادہ کو (ش۔ط) یا (ی۔ش۔ط) قرار دیا ہے اس صورت میں اس کے معنی ہلاک ہونے یا سخت غضبناک ہونے کے ہیں۔ لیکن علماء نے پہلے قول (”ن“ کا جز ہونے) کو ترجیح دی ہے۔

شیطان درحقیقت اس مخلوق و موجود کا نام ہے جس کی فطرت میں طغیان و سرکشی ہو چاہے وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ صاحب قاموس لغت کہتے ہیں کہ شیطان صفت ہے شیطان اور رجیم ہم معنی ہیں۔

۲۔ جنسیت شیطان:

وجود شیطان کی اصل کیا ہے یعنی یہ انسان ہے یا جنات میں سے ہے یا یہ ملائکہ میں سے ہے؟ قرآن کریم کی بعض آیات میں جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا۔ کیونکہ آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کو ہوا تھا نہ کسی اور مخلوق کو۔ خداوند عالم نے اسے آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مورد عتاب، مذمت اور بعد میں مستحق عقاب قرار دیا ہے۔ اسی مطلب کیلئے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۳۴ میں استدلال کرتے ہیں۔ جبکہ سورۃ کہف آیت نمبر ۵۰ میں واضح طور پر بیان فرماتے ہیں کہ شیطان مخلوق جن سے تعلق رکھتا ہے لیکن صنفیت کے حوالے سے مختلف ہے جیسا کہ سیاہ فام و سفید فام اس پر تفصیلی بحث و گفتگو مادہ جن میں کریں گے۔

۳۔ قدرت و طاقت شیطان:

شیطان کو بنی آدم کو گمراہ کرنے کے کردار میں شہرت حاصل ہوئی ہے جیسا کہ بعض آیات سے ظاہر ہے۔ لیکن یہ ایک سطحی، ہر سری اور تبلیغاتی پروپیگنڈہ کی حد تک ہے اسکی اتنی قدرت و توانائی نہیں کہ وہ طاقت سے انسان کو گمراہی کی طرف لگا دے جیسا کہ سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۲۲ میں شیطان نے خود اقرار کیا ہے کہ مجھے تسلط نہیں ہے اسکے عمل کو عمل کی مانند دکھایا ہے یہ اپنی قدرت و طاقت سے گمراہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۴۔ حکم خدا سے روگردانی:

شیطان نے خدا کے حکم سے کیوں روگردانی کی جب اسے سجدہ کرنے کا حکم ملا۔ سورہ بقرہ آیت ۳۴ میں خطاب ملائکہ سے ہے اور سورہ کہف میں کہا کہ شیطان جن سے تعلق رکھتا ہے تو کیسے شیطان نے حکم خدا سے عدول کیا جبکہ خداوند عالم نے ان سے خاص خطاب کیا ہے کہ تم کو کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا۔

شیطان اور اسکی خلقت کے بارے میں گفتگو کرنے کے بعد ایک سوال جو خود لوگوں کے ذہنوں میں اسی نے ہی پیدا کیا ہے کہ آخر خدا نے شیطان کو کیوں پیدا کیا ہے۔ اس کا جواب دینے سے پہلے ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے کہ اس سائل کا حشر وہی ہوگا جو شیطان کا ہوا تھا کیونکہ اسی بنیاد پر وہ شیطان بنا تھا۔

ہم یہاں دو مرحلوں میں اس کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ شیطان کی خلقت سے متعلق

شیطان اسی چیز سے بنا ہے جس سے ساری کائنات بنی ہے۔ جن وانس بھی ایک مادہ سے بنے ہیں جسے مادہ مواد عالم کہتے ہیں قرآنی اصطلاح میں اسے پانی کہا گیا ہے جبکہ سائنسی اصطلاح میں اسے ایٹم کہتے ہیں۔ لہذا کوئی مخلوق خود سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں فلاں سے افضل ہوں۔ مخلوقات خود فضیلت کسب کرتی ہیں۔ قرآن میں خود انسان کے بارے میں آیا ہے کہ یہ بہت سی مخلوقات سے افضل ہے لیکن بعض اوقات یہ اپنے سے پست چیزوں سے بھی پست ہو جاتا ہے کو اسکی شکل و صورت میں فرق نہیں آتا۔ لہذا فضیلت خود کسب کرنے میں ہے۔ لہذا شیطان بھی اسی بنیاد پر مردود ہوا ہے۔

۲۔ اسکی صفت سے متعلق

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیطان کا تعارف کسی الگ مخلوق کے طور پر نہیں کروایا گیا ہے۔ بلکہ جنوں اور انسانوں میں سے درگاہ خداوندی سے دور ہونے کا نام شیطان ہے لہذا شیطان کوئی ایسی مخلوق نہیں جسے آپ دیکھ نہ سکتے ہوں۔ بلکہ یہ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے اور آپ کو اس سے پیار و محبت بھی ہے۔ وہ شیطان نظر نہیں آتے جو جنوں میں سے ہیں۔

قرآن سے پوچھو

آپ بندوں سے کہہ دیں کہ میں انکے قریب ہوں جب بھی پکاریں سنتا ہوں

دعا آیات قرآن کی روشنی میں

دعا آیات قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم کی متعدد آیات میں خدا کی طرف سے اپنے انبیاء اور نمائندوں کو حکم ہے کہ وہ خلاق کو اس کی طرف دعوت دیں:

”اور (اے رسول) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دعوت دیں“ (نحل/۱۲۵) ”اور اس شخص کی بات سے زیادہ کس کی بات اچھی ہو سکتی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا“ (فصلت/۳۲) ”اور اے میری قوم! آخر مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آتش کی طرف بلا تے ہو؟“ (غافر/۴۱) ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں حیات آفرین باتوں کی طرف بلائیں“ (انفال/۲۴) مجھے خدا کی طرف دعوت دینے کا حکم ہے۔

اسراء/۱۱۰، اعراف/۲۹، بقرہ/۱۸۶ میں بندے کو خدا کو پکارنے کا حکم ہے۔ خدا کو پکارنے کو دعا کہتے ہیں ”اپنے رب کو عاجزی اور خاموشی سے پکارو“ (اعراف/۵۵) ”پس دین کو صرف اسی کے لئے خالص کر کے اللہ کو پکارو“ (غافر/۱۳)۔

قرآن کریم میں دعا نہ کرنے والوں کو متکبر کہا ہے اور استکبار کی سزا میں انہیں جہنم کی وعید سنائی ہے ”اور تمہارا پروردگار فرماتا ہے: مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا“ (غافر/۶۰) بندے کا خدا کو پکارنا یا دعا کرنے کے بارے میں تین حوالے سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ تعریف دعا لغت اور اصطلاح میں۔

۲۔ مدعو یعنی جس کو پکارا جائے؟۔

۳۔ مضامین دعا یعنی کوئی دعائیں کن الفاظ اور کس سے مروی ہیں اور کس انداز میں دعا کریں

۱۔ دعا

کلمہ دعا قرآن کریم میں متعدد اور مختلف مشتقات کی صورت میں دو سو بارہ (۲۱۲) بار استعمال ہوا ہے علماء اور ماہرین قرآن نے مختلف زاویوں سے اسکی تفسیر کی ہے ہم ذیل میں اپنے قارئین کرام کی خدمت میں اسکے بعض نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ پکارتا:

﴿عَلِمَ يَرْدُهُمْ دُعَاءِىَ اِلَافِرَارًا﴾ ”پھر بھی میری دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا سوائے اسکے کہ انہوں نے فرار اختیار کیا۔“ (نوح/۶)

۲۔ سوال کرتا:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِ فِئْتَانِى قَرِيبٍ اجِيبْ دُعَاؤَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ ”اور اے پیغمبر اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان و اعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہ راست پر آجائیں“ (بقرہ/۱۸۶)

دعا کرنے والے کی خصوصیات:

دعا کی بنیادی اور پہلی اساس فقر ہے کہ انسان اپنے اندر احساس فقر و نیاز کرے تا کہ توجہ بخدا ہو جائے۔ جو انسان اپنے اندر احساس فقر نہیں رکھتا وہ حسب آیت قرآن خود کو بے نیاز گردانتا ہے وہ دعا کرنے سے استکبار کرتا ہے یا اسکی دعا قلقہ لسانی کی حد تک ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ انسان اپنے اندر احساس فقر

محسوس کرے۔ انسان اور تمام موجودات ہر زاویہ سے فقیر ہیں۔ اب ہم فقر کی اقسام بیان کرتے ہیں۔

- ۱۔ فقر وجودی۔ یعنی وہ اپنے وجود میں محتاج خالق ہے۔
- ۲۔ فقر مالکیت۔ وہ کسی چیز کا بھی مالک حقیقی نہیں حتیٰ اپنی حیات کا بھی مالک نہیں ہے۔
- ۳۔ فقر مال و دولت۔

﴿وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمَغْفِقُوْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ ”حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔“ (منافقون/۷) ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عَلَيْنَا خَزَائِنُهُ﴾ ”اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔“ (حجر/۲۱)

مال و دولت مختص بہ خدا ہیں باقی سب اس کے نیازمند ہیں حتیٰ پیغمبر بھی کوئی خزانہ نہیں رکھتا:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِيَ خَزَائِنُ الْمَالِ﴾ ”کہہ دیجئے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں“ (انعام/۵۰) ﴿وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِيَ خَزَائِنُ الْمَالِ﴾ ”اور میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں“ (ہود/۵۰) ﴿قُلْ لَّوِاْ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذَا لَاَمْسَكُمْ عَسْفِيۃُ السَّفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَوْرًا﴾ ”کہہ دیجئے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں پر اختیار رکھتے تو تم خرچ کے خوف سے انہیں روک لیتے اور انسان بہت تنگ دل واقع ہوا ہے“ (اسراء/۱۰۰)

۴۔ فقر علمی۔ انسان اپنے فائدہ و نقصان کو نہیں جانتا:

﴿وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ ”اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔“ (انعام/۵۰) ﴿وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ ”نہ میں غیب جانتا ہوں۔“ (ہود/۳۱) ﴿يُعْطِمْ عَنَّا فِتْنَةً لَاۤ اَعْيٰنَ وَمَا تَخْفٰى الصُّلُوْرُ﴾ ”اللہ نگاہوں کی خیانت اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے سے واقف ہے۔“ (مومن/۱۹) ﴿وَعَلِمَ اللّٰهُ اَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَفَتُوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ ”اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے“ (بقرہ/۱۸۷)

۵۔ فقر کمال۔ انسان ہر لحاظ سے ناقص ہے کسی قسم کے کمال ذاتی کا مالک نہیں ہے۔

۶۔ فقر اختیاری۔ یعنی ترک دنیا یا دنیا سے بے توجہی اور روگردانی اس کی طرف پیغمبر اکرمؐ نے اشارہ فرمایا تھا کہ ”فقر میرا فخر ہے۔“

داعی کی چند قسمیں:

۱۔ داعی فقیر ہے یعنی فقر مالی رکھتا ہے۔

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ﴾ ”شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے“ (بقرہ/۲۶۸) ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَاطْعَمُوا السَّائِغِينَ الْفَقِيرَ﴾ ”اور پھر تم اس میں سے کھاؤ اور بھوکے محتاج افراد کو کھلاؤ“ (حج/۲۸) ﴿فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لَمَعَ اقْرَأْتُ مِنَ الْكِتَابِ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ ”موسیٰ نے دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا اور پھر ایک سایہ میں آکر پناہ لے لی عرض کی پروردگار! تقیناً میں اس خیر کا محتاج ہوں جو تو میرے طرف بھیج دے“ (قصص/۲۳) ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”اور جو فقیر ہے وہ بھی صرف بقدر مناسب کھائے“ (نساء/۶) ﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَالِلَّهِ أُولُو الْبَيْتِ﴾ ”وہ غنی ہو یا فقیر اللہ دونوں کے لئے تم سے اولیٰ ہے“ (نساء/۱۳۵) ﴿وَإِنْ تَحْفَظُوا فَوَاقِ الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ ”اور اگر چُھپا کر فقراء کے حوالے کر دو تو یہ بھی بہتر ہے“ (بقرہ/۲۷۱) ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْغَافِلُونَ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفَهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَاقَاتِ﴾ ”یہ صدقہ ان فقراء کیلئے ہے جو راہِ خدا میں گرفتار ہو گئے ہیں اور کسی طرف جانے کے قابل بھی نہیں ہیں ناواقف افراد نہیں ان کی حیا و عفت کی بنا پر مالدار سمجھتے ہیں۔“ (بقرہ/۲۷۳) ﴿إِنَّمَا الصَّلَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْغَمَلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلُفَةِ قُلُوبُهُمْ وَقِي الرِّقَابِ﴾ ”صدقات و خیرات بس فقراء و مساکین اور ان کے کام کرنے والے اور جن کی تالیفِ قلب کی جاتی ہے ان کے لئے ہیں“ (توبہ/۶۰) ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اگر وہ فقیر بھی ہوں گے تو خدا اپنے فضل و کرم سے انہیں

مالدار بنادے گا کہ خدا بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے“ (نور/۳۲) ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَالْاَتَمُّ الْفُقَرَاءُ﴾ ”اور خدا سب سے بے نیاز ہے تم ہی سب اس کے فقیر اور محتاج ہو۔“ (محمد/۳۸) ﴿تَنْظُنُّ اَنْ يُفْعَلَ فَاَفْرَةٍ﴾ ”جنہیں یہ خیال ہوگا کہ کب کمر توڑ مصیبت وار ہو جائے گی“ (قیامت/۲۵)

۲۔ داعی عاجز ہے یعنی قر ذاتی رکھتا ہے۔

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَا يَقُولُ عَلٰی شَیْءٍ وَّ مِنْ رِّزْقِهِ مَنَازِقًا حَسَنًا﴾ ”اللہ نے خود اس غلام مملوک کی مثال بیان کی ہے جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ہے اور اس آزاد انسان کی مثال بیان کی ہے جسے ہم نے بہترین رزق عطا کیا ہے“ (نحل/۷۵) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا الْفُقَرَاءُ اِلٰی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ”اے انسانو تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد و ثنا ہے“ (فاطر/۱۵) ﴿قُلْ رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ وَاِیُّهَا مَوْسٰی نَبِیُّ اللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ خَافِیْۃٌ وَّ اِنِّیْ لَکُمْ خَافِیْۃٌ﴾ ”موسیٰ نے کہا پروردگار میں صرف اپنی ذات اور اپنے بھائی کا اختیار رکھتا ہوں“ (مائدہ/۲۵) ﴿قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ میں خود بھی اپنے نفس کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا ہوں مگر جو خدا چاہے“ (اعراف/۱۸۸) ﴿قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ ”کہہ دیجئے کہ میں اپنے نفس کے نقصان و نفع کا بھی مالک نہیں ہوں جب تک خدا نہ چاہے“ (یونس/۳۹) ﴿وَمَا اَمْلٰکُ لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾ ”لیکن میں پروردگار کی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوں“ (ممتحنہ/۴) ﴿قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَنًا﴾ ”کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ فائدہ کا“ ﴿قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَنًا﴾ ”کہہ دیجئے: میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی نفع کا“ (جن/۲۱)

﴿وَمَنْ یُّرِیْ اللّٰهُ فَتَحَتْهُ قُلُوْبُہُمْ تَعْلَمُ لَہُ مِنَ اللّٰهِ شَیْءًا﴾ ”جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو اسے پہچاننے کے لئے اللہ نے آپ کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے“ (مائدہ/۴۱) ﴿یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْءًا﴾

والامر یومئذ للہ ﴿۱۹﴾ ”اس دن کسی کو کسی کے لئے کچھ (کرنے کا) اختیار نہیں ہوگا اور اس دن صرف اللہ کا حکم چلے گا۔“ (انفطار/۱۹)

۳۔ داعی ضعیف ہے:

﴿اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضَعِیْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعِیْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَتَشِیْعَةً﴾ ”اللہ وہ ہے جس نے کمزور حالت سے تمہاری تخلیق (شروع) کی پھر کمزوری کے بعد قوت بخشی پھر قوت کے بعد کمزور اور بوڑھا کر دیا“ (روم/۵۴) ﴿الْغِنَیَّ حَقَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ وَعَلَّمَ اَنْ فِیْکُمْ ضَعْفًا﴾ ”اب اللہ نے تم لوگوں سے بوجھ ہلکا کر دیا ہے اور اللہ کو علم ہوا ہے کہ اب تم میں کمزوری آگئی ہے“ (انفال/۶۶) ﴿اِذَا لَا اَذَقْنَاکَ ضَعْفَ الْحَیْوَةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَحْتَلِّکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا﴾ ”اس صورت میں ہم آپ کو زندگی میں بھی دہرا عذاب اور آخرت میں بھی دہرا عذاب چکھا دیتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے“ (اسراء/۷۵) ﴿لَا یَمْلِکُوْنَ اَنْفُسَہُمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًا﴾ ”جو اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں“ (رعد/۱۶) ﴿قُلْ اِنَّمَا اَسْأَلُوْا مِمَّا مَنِ اِلَیْہِ الْاِلٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ”آپ کہہ دیجئے: میں تو صرف تنبیہ کرنے والا ہوں اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو واحد قہار ہے“ (ص/۶۵) ﴿یَوْمَ هُمْ بِلُزُوزٍ لَا یُحْفَیْ عَلَی اللّٰہِ مِنْہُمْ شَیْءٌ لِّمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارُ﴾ ”اس دن وہ سب (قبروں سے) نکل پڑیں گے اللہ سے انکی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی (اس روز پوچھا جائے گا) آج کس کی بادشاہت ہے؟ (جواب ملے گا) خدائے واحد قہار کی۔“ (مومن/۱۶)

۴۔ داعی جاہل ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوًا وَّ اِذَا خَاطَبَہُمُ الْخٰہِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ”اور رخصت کے بندے وہ ہیں جو زمین میں (فروتنی سے) دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں سلام“ (فرقان/۶۳) ﴿قُلْ اَغٰیثَ اللّٰہِ تَأْمُرُوْنِیْ اَعْبُدُہَا الْخٰہِلُوْنَ﴾ ”کہہ

دیتے: اے نادانوں! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی بندگی کروں؟“ (زمر/۶۳) ﴿وَإِنَّمَا يَتَّبِعُ الْأَعْيُنُ مَا يَمُرُّ بَيْنَ الْأَعْيُنِ﴾ (موسیٰ نے) کہا: ناہ بخدا! میں (تمہارے مذاق اڑا کر) جاہلوں میں شامل ہو جاؤں؟“ (بقرہ/۶۷) ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْأَعْيُنَ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ إِنْ يُؤْمَرُوا بِمَا نُهُوا عَنْهُ يُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (اے محمدؐ) درگزر سے کام لیں، نیک کاموں کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں“ (اعراف/۱۹۹) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْخَافِينَ﴾ ”میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ مبادانا دانوں میں سے نہ ہو جائیں“ (ہود/۳۶) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْخَافِينَ﴾ ”انسان یقیناً بڑا ظالم اور نادان ہے“ (احزاب/۷۲) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْخَافِينَ﴾ ”کہ تم میں سے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو وہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے“ (انعام/۵۳) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْخَافِينَ﴾ ”کہیں (ایسا نہ ہو کہ) نادانی میں تم کسی کو نقصان پہنچا دو پھر تمہیں اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے“ (حجرات/۶)

۲۔ مدعو

یعنی جس کو پکارا جاتا ہے یا جس کا نام لیا جاتا ہے یا جس کی پرستش اور اس سے راز و نیاز کی جاتی ہے۔ خدا کے تین قسم کے اسمائے حسنیٰ ہیں اسمائے ذات، اسمائے صفات، اسمائے افعال:

۱۔ اللہ:

اسماء خدا کو بعض آیات میں اسماء حسنیٰ کہا ہے اور بعض دعاؤں میں اسماء کبیرہ اور اسم اعظم کہا گیا ہے۔ یہ تمام اسماء کبیرہ اور اسم اعظم اسماء حسنیٰ ہونے کے باوجود اپنے مفہوم و معنی کی وسعت اور احاطہ کے حوالے سے ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں:

اقسام اسماء کی تعداد کے بارے میں علماء اختلاف نظر رکھتے ہیں لیکن جتنے بھی اسماء ہیں انکی مجموعی صورت کو سامنے رکھنے کے بعد انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ اسماءِ محیط: یعنی جس کے معنی و مفہوم کے اندر بہت سے اسماء شامل ہوں انہیں علماء اور عرفاء نے امہات اسماء و صفات یعنی دیگر اسماء و صفات کی ماں کہا ہے۔

۲۔ اسماءِ محاط: جو کسی اور اسم سے ماخوذ ہیں یعنی ان اسماء کی برگشت اسی اسم کی طرف ہے

اسماءِ محیط: اسماءِ محیط یا اسماءِ حسنی کے بارے میں خداوند عالم نے سورۃ مبارکہ اسراء کی آیت نمبر ۱۱۰ میں فرمایا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ اَدْعَاؤَ الرَّحْمٰنِ اَيُّ مَآثِرِ عَوَاقِلِ الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰی﴾ ”کہہ دیجئے: اللہ کہہ

کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ ”اللہ“ اور کلمہ ”رحمن“ دیگر اسماء اور صفات پر حاوی اور محیط ہیں لیکن خود ان دونوں اسماء کریمہ ”اللہ“ اور ”رحمن“ سے کونسا اسم زیادہ اعظم اور کامل و جامع ہے اس سلسلہ میں علماء فرماتے ہیں: اللہ اور رحمان میں کامل، اتم و جامع و حاوی اور محیط کی صفت کلمہ اللہ کو ہی حاصل ہے اس کیلئے علماء اعلام نے بے شمار دلائل پیش کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسی آیت میں اللہ کو رحمان پر مقدم رکھا ہے۔

۲۔ دیگر تمام اسماء سے پہلے یا جو حرف ندا ہے اسکو لائیں تو اسم میں موجود الف اور لام حروف ہو جائیں گے اور یا داخل ہونے کے بعد ”یا الرحمن“ اور ”یا الرحیم“ نہیں کہہ سکتے بلکہ بغیر ”الف“ اور ”لام“ یا ”رحمن“ اور ”رحیم“ کہیں گے جبکہ کلمہ ”اللہ“ میں ”یا“ لانے کے بعد بھی ”الف“ اور ”لام“ اپنی جگہ باقی رہتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معرفت اللہ کبھی اپنی مقام و منزلت سے ساقط نہ ہونے والی ہے۔

۳۔ قرآن کریم اسی اسم گرامی سے شروع ہوا ہے۔

۴۔ تمام اسماء میں سب سے زیادہ قرآن کریم میں تکرار ہونے والا اسم کلمہ ”اللہ“ ہے بعض نے قرآن کریم میں اس اسم مبارک کی تعداد کو دو ہزار چھ سو دو (۲۶۰۲)، بعض نے دو ہزار چھ سو ننانوے (۲۶۹۹) بیان

کیا ہے۔

۵۔ یہی کلمہ ”اللہ“ ہے کہ اس اسم مبارک کو زبان پر جاری کرنے سے انسان مسلمان ہو جاتا ہے۔ ایک کافر کے مسلمان ہونے کیلئے اس اسم مبارک کے علاوہ کسی دوسرے اسم کا زبان پر جاری کرنا کافی نہیں ہے۔

۶۔ اذان ”اللہ اکبر“ سے شروع ہوتی ہے اور ”لا الہ الا اللہ“ پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔

۷۔ دیگر تمام اسماء میں سے ہر ایک خدا کی کسی ایک صفت کو بیان کرتا ہے۔ ان اسماء کے معنی کو تصور میں لانے کے بعد بہت سی صفات اس اسم کے معنی کے دائرے سے نکل جاتی ہیں۔ اسم کلمہ ”رحمن“ جو کہ کثرت رحمت حق پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن ذات الہی کی تمام صفات جیسے: جبار، قہار، منتقم وغیرہ اس صفت کے احاطہ میں نہیں آتی اسی وجہ سے علماء اور عرفاء جھنوں نے اسماء حسنیٰ میں یا اسماء و صفات خدا میں بست کلام و قلم کی ہیں انھوں نے کہا ہے: اللہ وہ اسم ہے جو تمام صفات و اسماء کا جامع اور محیط اسم ہے یہیں سے علماء نے کلمہ اللہ کو کلمہ قابل اشتقاق قرار دینے کی مخالفت کی ہے انھوں نے کہا ہے: جس طرح ذات باری تعالیٰ ﴿ہم یلد و لم یولد﴾ ہے یعنی نہ وہ کسی چیز سے ہے اور نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے اسی طرح اس کا اسم گرامی بھی ایسا ہے کہ نہ اسے مشتق بنا کر کوئی کلمہ اشتقاق کر سکتا ہے نہ خود یہ کلمہ کسی کلمہ سے اشتقاق ہوا ہے جیسا کہ بعض اسماء حسنیٰ کے شارحین نے یہ کوشش کی ہے کہ کلمہ اللہ کو ایک کلمہ سے مشتق قرار دے دیں انکی یہ کوشش انکے اپنے زعم اور تصور اور سطحی نظر کی بنیاد سے پیدا ہوئی ہے انہوں نے دیکھا کہ عربی زبان میں دو کلمہ قریب المعنی ملتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان فرق موجود ہے وہ دو کلمہ ایک کلمہ ”اللہ“ اور دوسرا کلمہ ”الہ“ ہے۔ ”الہ“ اور ”اللہ“ میں واضح فرق ہے ”الہ“ اسم عام ہے جس کا معنی فارسی زبان میں ”خدا“ ہے اس کلمہ کی جمع ہو سکتی ہے ”الہ“ کا جمع ”الہ“ اور خدا کا جمع خدایان ہوتا ہے جبکہ اللہ اسم خاص ہے اس ذات باری تعالیٰ کیلئے یہ اسم زمان جاہلیت کے دور سے اب تک خدا کے علاوہ کسی اور کیلئے استعمال نہیں ہوا یعنی اس کا ہم نام کوئی دوسرا اسم نہیں جیسا کہ سورہ مریم کی

آیت نمبر ۶۵ میں آیا ہے:

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ ”کیا اس کا کوئی ہمنام تمہارے علم میں ہے؟“

اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے خلق کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے: خدا نے خلق کیا ہے جیسا کہ سورہ عنکبوت آیت نمبر ۶۱ میں آیا ہے:

﴿وَلَعَنَ سَالَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ﴾ ”اور اگر آپ

ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو ضرور کہیں گے: اللہ نے!“

لہذا یہ ایک اسم ہے ان تمام اسماء لفظی کا جن میں سے ہر ایک ایک معنی اور ایک صفت کا حامل ہے اسم اللہ تمام اسماء وجودی کا جو اپنے وجود کے حوالہ سے ایک دوسرے سے درجات اور مراتب کے فاصلہ پر ہیں۔ ان تمام لفظی اور وجودی کا جامع اور حاوی اسم ہے کلمہ اللہ سے بلند و بالا کوئی اسم اسم اعظم کہنے کے لائق و سزاوار نہیں ہے۔ وہ افراد جو اوراد لفظی کی سودے بازی کرتے نظر آتے ہیں اور اسم اعظم کی تلاش میں کبھی اعداد و شمار، کبھی غیر مفہوم کلمات کی تلاش میں رہتے ہیں وہ صحیح معنوں میں احمق، بے وقوف، اور دیوانہ کہنے کے مستحق اور لائق و سزاوار ہیں۔

رحمن:

اسماء حسنی حق میں ”اللہ“ کے بعد دوسرا اسم ”الرحمن“ ہے چنانچہ سورہ مبارکہ اسراء کی آیت

نمبر ۱۱۰ میں آیا ہے

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ وَادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾

اسم ”الرحمن“ ”اللہ“ کے بعد یہ صیغہ ایک سوا نہتر (۱۶۹) بار تکرار ہوا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ الرحمن سے صفت رحمت نکلتی ہے لیکن یہ بطور صفت نہیں بلکہ بطور اسم قرآن میں آیا ہے اس کے ثبوت میں یہ استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ صفت کیلئے پہلے اپنے موصوف کا ہونا ضروری ہے جبکہ یہ اسم بغیر موصوف کے ابتدا ہی سے کلام کے آغاز میں ہے:

﴿الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ ”وہ رحمان جس نے عرش پر اقتدار قائم کیا“ (طہ/۵) ﴿الرَّحْمٰنُ﴾ ”رحمان نے“ (رحمن/۱)

اور سورہ فرقان آیت نمبر ۶۰ میں بغیر موصوف ذکر ہوا ہے۔

۲۔ یہ اسم قرآن کریم کی بعض آیات میں کلمہ اللہ کی جگہ پر آیا ہے:

﴿وَهُمْ يَخْشَوْنَ بِالرَّحْمٰنِ﴾ ”جبکہ یہ لوگ خدائے رحمان کو نہیں ہمیں مانتے“ (رعد/۳۰) ﴿قَالَتْ اَتُنِيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيْا﴾ ”مریم نے کہا: اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں“ (مریم/۱۸) ﴿اَتُنِيْ تَقُوْتُ لِلرَّحْمٰنِ صُوْمًا﴾ ”میں نے رحمان کیلئے روزہ کی نذرمانی ہے“ (مریم/۲۶) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ يَسْـَٔلْكُمْ عَنَّا فَاٰمِنٌ عَلٰيْنَا﴾ ”اے ابا! مجھے خوف ہے کہ خدائے رحمان کا عذاب آپ کو گرفت میں نہ لے لے“ (مریم/۳۵) ﴿اِذَا تَخَلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرَوْا وَسَكَتُوْا﴾ ”جب ان پر رحمان کی آیات کی تلاوت کی جاتی تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے“ (مریم/۵۸) ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ ”اور وہ کہتے ہیں: رحمان نے کسی کو فرزند بنالیا ہے“ (مریم/۸۸)

بعض شارح اسماء حسنی نے الرحمن اور الرحیم دونوں کو مادہ رحمت سے لیا ہے اور رحمت رقت، عطف کے معنوں میں آیا ہے یہ مادہ قرآن کریم میں پانچ سو (۵۰۰) سے زائد بار تکرار ہوا ہے اور رحمن و رحیم دونوں صیغہ مبالغہ ہیں رحمت یعنی ایک ایسی رحمت کہ جس کے بعد رحمت کی کوئی اور منزل نہ ہو۔ لیکن رحمن صفت ذات ہے یعنی ذات خدا میں رحمت ہے لہذا دعاؤں میں آیا ہے کہ اس کی رحمت اس کی الوہیت کی مانند وسیع ہے اور اسکے غضب پر غالب ہے۔ یہ اسم خاص ذات اللہ ہے جبکہ رحیم اسم فعل خدا ہے لہذا یہ اسم خدا اور غیر خدا کیلئے

عمومیت رکھتا ہے لیکن صفت رحیمیت فعل خدا ہونے کے ناطے سے مخصوص ہے مومنین کیلئے:

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ ”اے مومنوں کے بارے میں بڑا مہربان

ہے“ (احزاب/۳۳) ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ

الْعُسْرَةِ مَنْ يَعْلَمَا كَلَّا يَزِيغُ قُلُوبُ قَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ”تحقیق اللہ

نے نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ

دیا تھا بعد اس کے کہ ان میں سے بعض کے دلوں میں کجی آنے ہی والی تھی پھر اللہ نے انہیں معاف

کر دیا بے شک وہ ان پر بڑا شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے“ (توبہ/۱۱)

رحمان اسم ذات خدا ہونے کے علاوہ رحمانیت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ یہ واضح و روشن کرتا ہے کہ خدا ان تمام

موارد میں اپنی رحمت حاوی رکھے گا۔

۱۔ تمام مخلوق کی تخلیق میں رحمت پوشیدہ ہے۔

۲۔ جہاں بھی خداوند متعال نے اپنے قہر و غضب اور عذاب کو نازل کیا یا کریں گے اس میں بھی عنصر رحمت

موجود ہے:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ

هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ”اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت

سے مایوس نہ ہونا یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا مہربان

ہے“ (زمر/۵۳) ﴿مَن أَضْطَرَّقِي مَخْمَصِي غَيْرَ مُنْحَافٍ لَا تُم قَانَ اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”لہذا جو شخص

بھوک میں مجبور ہو جائے اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان

ہے“ (مائدہ/۳)

۳۔ جتنے بھی فرائض، واجبات اور محرمات ہیں ان سب میں بھی عنصر رحمت پوشیدہ ہے:

﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا أَلَا وَسْعَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِي

نَعْمَنَا وَأَوْحَظْنَا رَيْبًا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا أَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ
وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَلَوْ حُصِّنَاتٌ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۸۶﴾ ”اللہ کسی شخص پر اس کی
طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا ہر شخص جو نیک عمل کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو بدی
کرتا ہے اس کا انجام بھی اسی کو بھگتنا ہے پروردگار! ہم سے بھول چوک ہوگئی ہو تو اس کا مواخذہ نہ
فرما پروردگار! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا پروردگار! جس بوجھ کے
اٹھانے میں ہم طاقت نہیں رکھتے وہ ہمارے سر پر نہ رکھ پروردگار! ہمارے گناہوں سے
درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مالک ہے کافروں کے مقابلے میں ہماری
نصرت فرما“ (بقرہ/۲۸۶)

۴۔ گناہ اور ارتکاب جرم کرنے والوں سے چشم پوشی، عفو درگزر میں بھی رحمت ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے
اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی تو بس اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے“ (آل
عمران/۸۹) ﴿وَالَّذِينَ يَأْتِيَانِهِمَا مِنْكُمْ فَأَذَوْهُمَا فَأَقْبَلَ تَابًا وَأَصْلَحَا غَرَضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ
تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ ”اور اگر تم میں سے دو اشخاص بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو اذیت
دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انکا پیچھا چھوڑ دو بیشک اللہ بڑا توبہ قبول
کرنے والا رحم کرنے والا ہے“ (نساء/۷۷) ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ
يَحْلَلْ لَهُ غُفُورًا رَحِيمًا﴾ ”جو برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت
طلب کرے تو وہ اللہ کو درگزر کرنے والا رحم کرنے والا پائے گا“ (نساء/۱۱۰)

۵۔ رحمت خداوند عالم نے اپنے ذات سے مختص کی ہے:

﴿قَالَ عَلَيَّ أَصِيبَ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ”ارشاد فرمایا: عذاب تو میں جسے
چاہتا ہوں دیتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے“ (اعراف/۱۵۶) ﴿وَكَسِبَ رَبُّكُمْ عَلَى

نَفْسَهُ الرَّحْمَةُ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ” تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ تم میں سے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو وہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے“ (انعام/۵۴)

۶۔ نظامِ کونین و تخلیق اس کی رحمت کا کرشمہ ہے:

کلمہ رَحْمَن صیغہ مبالغہ ہے لہذا کثرتِ رحمت پر دلالت کرتا ہے یعنی خدا کثیر الرحمة ہے اور کثیر الرحمة ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دائرہ رحمت میں تمام موجودات شامل ہیں اس میں انسانِ مومن و کافر بھی شامل ہیں اسی وجہ سے سورہ مبارکہ طہ آیت نمبر ۵ میں کہتے ہیں کہ:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ ”وہ رحمان عرش پر اختیار و اقتدار رکھنے والا ہے۔“ (طہ/۵)

یعنی مصدرِ رحمتِ خدا تمام موجودات پر حاوی ہیں، وہ موجودات بھی اس رحمت سے مدد لیتے ہیں جو دلالت و گمراہی میں زندگی گزار رہے ہیں:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ أَمَّا الْعَذَابُ وَأَمَّا السَّاعَةُ فَمَا يَعْلَمُونَ مِنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ حَقًّا﴾ ”آپ کہہ دیجئے جو شخص گمراہی میں ہے اسے خدائے رحمن لمبی مہلت دیتا ہے لیکن جب وہ اس کا مشاہدہ کریں گے جس کا وعدہ ہوا تھا خواہ وہ عذاب ہو یا قیامت تو اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ کس کا مقام زیادہ برا ہے اور کس کا لاؤ لشکر زیادہ کمزور ہے“ (مریم/۷۵)

۳۔ رحیم

صفتِ رحیمیت قرآن میں ۱۱۲ بار آیا ہے جیسا کہ علمائے لغت فرماتے ہیں کہ رحیم صفتِ مشبہہ ہے اور صفتِ مشبہہ کسی چیز کے ثابت و دائم اور باقی ہونے کو بتانے کیلئے استعمال ہوتی ہے اسی وجہ سے محققین اسمائے صفاتِ حسی حق کہتے ہیں کہ یہ (صفتِ رحیم) صرف مومنین کیلئے مختص ہے کیونکہ مومنین ہی آخرت میں

رحمتِ خدا کے دوام و بقاء کے مستحق ہیں لہذا قرآن کریم میں اس صفت کو مومنین سے مختص کیا ہے:

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ ”اور وہ صاحبانِ ایمان پر بہت زیادہ مہربان ہے“ (

احزاب/۳۳) ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُفْجَرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ

بَعْلَمَا كَادِيزِيغ قُلُوبُ قَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ”بے شک خدا نے

پیغمبر اور ان مہاجرین و انصار پر رحم کیا ہے جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبرؐ کا ساتھ دیا ہے جب

کہ ایک جماعت کے دلوں میں کجی پیدا ہو رہی تھی پھر خدا نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا کہ وہ ان

پر بڑا ترس کھانے والا اور مہربانی کرنے والا ہے“ (توبہ/۱۱۷)

ایک اور آیت میں خداوندِ عالم فرماتا ہے:

﴿قُلْ يٰٓعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَقُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذَّنْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ ”پیغمبر آپ پیغام پہنچا دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفس

پر زیادتی کی ہے رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہونا اللہ تمام گناہوں کا معاف کرنے والا ہے اور وہ

یقیناً بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے“ (زمر/۵۳)

خداوند متعال نے ان دو صفات (رحمن و رحیم) کو کبھی علیحدہ اور کبھی دونوں کو ملا کے ذکر فرمایا ہے تاکہ بندگانِ

خدا یہ درک کر سکیں کہ وہ خدائے رحمن و رحیم اپنے بندوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرتا ہے اور وہ انسان

جنہوں نے دیگر انسانوں کو غلامی میں لیا ہے وہ کیسا سلوک کرتے ہیں، عکرمہ نے پیغمبر اکرمؐ سے ایک روایت

نقل کی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ خداوند عالم کی رحمت کے سو درجے ہیں ان میں سے ایک رحمت اہل زمین

کیلئے نازل کی ہے باقی ننانوے درجہ رحمت کو اپنے پاس رکھا ہے اور ان ننانوے میں سے ایک کے ساتھ اہل

مشرق پر رحم کریں گے، یہاں سے تمام خلایق اس رحمت کے متمنی ہونگے۔

﴿اَلَا مَن رَّجِمَ رَبُّكَ وَلِیْلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّكَ لَا مَلٰٓئِکَۃَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ

اٰجَمِیْنَ﴾ ”سو اے ان کے جن پر آپ کے پروردگار نے رحم فرمایا ہے اور اسی کے لئے تو اللہ نے

انہیں پیدا کیا ہے اور تیرے رب کا وہ فیصلہ پورا ہو گیا (جس میں فرمایا تھا) کہ میں جہنم کو ضرور بالضرور جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا“ (ہود/۱۱۹) ﴿قَالَ عَلَيَّ أَصِيبَ بِهِ مَنْ أَشَاءَ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاكِنَهُ الَّذِينَ يَقْنُتُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِإِيمَانٍ يَوْمُنُونَ﴾ ”ارشاد فرمایا: عذاب تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں اور میری رحمت میں ہر چیز شامل ہے۔ پس اسے میں ان لوگوں کیلئے مقرر کر دوں گا جو تقویٰ رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں“ (اعراف/۱۵۶) ﴿قُلْ لَّعَنَ مَنَاقِبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ حُكْمٌ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ لِيَجْمَعَٰكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لِارِثٍ فِيْهِ الَّذِينَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ”ان سے پوچھ لیجئے: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ کہہ دیجئے: (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ضرور بالضرور جمع کرے گا جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے“ (انعام/۱۲) ﴿قُلْ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ حُكْمٌ رَبِّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ﴾ ”ان سے کہئے: سلام علیکم تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے“ (انعام/۵۴)

۴۔ رب

رب جیسا کہ قاموس لغت میں تربیت کے معنوں میں آیا ہے رب تنہا استعمال ہونے کی صورت میں شخص ذات باری تعالیٰ ہے، طبری صاحب مجمع البیان نے رب کے معنی رئیس، مطاع، مالک، مربی، مصلح، بھی نقل کئے ہیں، یہ کلمہ قرآن کریم میں ۹۶۰ بار استعمال ہوا ہے یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے رب العالمین ۳۲ بار قرآن میں آیا ہے:

”جو سارے جہاں کا پروردگار ہے“ (فاتحہ/۲) ”میں نے اپنے آپ کو رب العالمین کے حوالے کر دیا“ (بقرہ/۱۳۱) ”میں تو عالمین کے پروردگار سے ڈرتا ہوں“ (مائدہ/۲۸) ”بڑا بڑا کرت ہے

اللہ جو عالمین کا رب ہے“

(اعراف/۵۳)

4-5

صدمہ کے معنی، بے نیازی، قصد، ثابت و دائم، آقاویت، غنی، مطاع، اور جس کا اندر خالی نہ ہو، لیکن سب سے بہتر معنی وہی ہے جو سورہ اخلاص میں بیان ہوا ہے:

﴿اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ ”اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے“ (اخلاص)

۶۔ غنی

۸۔ ابارقرآن میں آیا ہے، غنی حمید کے ساتھ، ابار کریم و علیم کے ساتھ ایک ایک بار آیا ہے ﴿غنی اللہ غنی عن الظمین﴾ ”اللہ تو تمام اہل عالم سے بے نیاز ہے“ (آل عمران/ ۹۷) ﴿واللہ غنی حمید﴾ ”اور اللہ بڑا بے نیاز، قابل ستائش ہے“ (تغابن/ ۶) ﴿واللہ الغنی واتقوا الفقر﴾ ”اور اللہ تو بے نیاز ہے اور محتاج تم ہی ہو“ (محمد/ ۳۸)

۶۔ مالک

﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ ”روزِ جزا کا مالک ہے“ (فاتحہ/۱) ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تَوَكَّلْ عَلَى الْمَلِكِ مِنْ تَعَاً وَتَعَزَّعَ الْمَلِكِ مِنْ تَعَاً﴾ ”کہہ دیجئے: اے اللہ! اے مملکت (ہستی) کے مالک تو مجھے چاہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہے حکومت چھین لیتا ہے“ (آل عمران/۲۶)

۷۔ رؤف

﴿إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ سُورَةُ الرَّحِيمِ﴾ ”اللہ تو لوگوں کے حق میں یقیناً بڑا مہربان رحیم ہے“ (بقرہ/۱۳۳) ﴿وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ ”اور اللہ ایسے بندوں پر بہت مہربان

ہے“ (بقرہ/۲۰۷) ﴿وَقَدْ رَءَوْهُ لَرَّوًا﴾ ”بیشک وہ ان پر بڑا شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے“ (توبہ/۱۱۷) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ”اور مومنین کے لئے نہایت شفیق مہربان ہے۔“ (توبہ/۱۲۸) ﴿وَاللَّهُ رَءُوفٌ الرَّحِيمُ﴾ ”تمہارا رب یقیناً بڑا شفیق مہربان ہے۔“ (نحل/۷) ﴿وَاللَّهُ رَءُوفٌ الرَّحِيمُ﴾ ”پس تمہارا رب یقیناً بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے“ (نحل/۲۷) ﴿وَاللَّهُ بِالنَّاسِ لَرَّوٌّ رَحِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ لوگوں پر بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے“ (حج/۶۵) ﴿وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ ”اور یہ کہ اللہ بڑا شفیق مہربان ہے“ (نور/۲۰) ﴿وَاللَّهُ بِكُمْ لَرَّوٌّ رَحِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے“ (حدید/۹) ﴿وَبَيْنَا أَنتَ وَرَبُّكَ رَحِيمٌ﴾ ”ہمارا رب! تو یقیناً بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے“ (حشر/۱۰)

۸۔ قادر

اسمائِ حسنیٰ حق سبحانہ تعالیٰ میں ایک صفتِ قدرت ہے جسے علمائے اعتقاد کلامِ صفاتِ ذات کہتے ہیں۔ خداوند متعال نے قرآن کریم کی کثیر آیات میں اسی لفظ اور دیگر کلمات میں صفتِ قدرت اپنے لئے مختص کیا ہے۔ وہ آیات درج ذیل ہیں جہاں خداوند متعال نے لفظِ قدرت سے اپنی قادریت کو ثابت کیا ہے :

﴿عَلَّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْقُدْرَةَ﴾ ”کہہ دیجئے: اللہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے۔“ (انعام/۶۵) ﴿مَنْ لَّعَلَّہُمْ لَفِظُوْنَ﴾ ”ہم اسے آپ کو دکھانے کی یقیناً طاقت رکھتے ہیں“ (مومنون/۹۵) ﴿عَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ تُسَوِّیَ بَیْنَهُمَا﴾ ”ہاں! (ضرور کریں گے) ہم تو اس کی انگلیوں کے پور بنانے پر بھی قادر ہیں“

(قیامت/۴)

صاحبِ کتاب ’تاج العروس‘ نے قرآن کریم میں اس کلمے کیلئے دوسرے صیغے بھی اس ماڈل سے ذکر کیے

ہیں 'قدیر' مقتدر و غیرہ علامہ شرباصی نے کتاب 'اسمائِ حسنیٰ' جلد ۱ صفحہ نمبر ۳۵۴ میں فرمایا ہے کہ صفتِ قادر کا قرآنِ کریم میں ۷ مرتبہ ذکر آیا ہے 'قادرون' ۴ دفعہ ذکر ہوا ہے سورۃ مومنون سورۃ معارج اور سورۃ مُرسلات میں اس صفت کو اس ذاتِ باری کے لئے ثابت کرنے کیلئے قرآنِ کریم اور دعاؤں میں دوسرے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

۹۔ علیم

علیم اسمائِ حسنائے خدا میں سے ہے یہ صیغہ قرآنِ کریم میں ایک سو باسٹھ (۱۶۲) بار تکرار ہوا ہے ایک سو چھپن (۱۵۶) بار خدا کے کیلئے اور (آٹھ) بار دیگر ان کیلئے۔ یہ صیغہ مبالغہ ہے جس کا معنی بہت جاننے والوں میں استعمال ہوتا ہے یہ صفاتِ ذاتِ خداوند متعال میں سے ہے جبکہ دوسروں کیلئے علم عارضی ہے یعنی ان میں اور صفتِ علم میں پہلے یا بعد میں جدائی ہو سکتی ہے۔ فخر رازی نے علمِ خدا اور علمِ عباد میں چند فرق بیان کئے ہیں:

- ۱۔ علمِ خدا تغیر معلومات سے تغیر نہیں ہوتا ہے۔
- ۲۔ علمِ خدا بذریعہ حواسِ ظاہری و باطنی سے مستفاد نہیں ہے۔
- ۳۔ علمِ خدا ضروری ثبوتِ ناقابلِ زوال ہے۔
- ۴۔ خدا کا علم اشیاء سے صرفِ نظر کا سبب نہیں بنتا ہے۔
- ۵۔ علمِ خدا غیر متناہی ہے۔

۱۰۔ حی:

صفتِ حی بھی اسمائِ حسنائے حق سبحانہ تعالیٰ میں سے ہے یعنی اس کے وجود کو پہلے نہ بعد عدم اور نیستی لاحق نہیں ہوتی یعنی بقاء و دوام اسکی ذات و صفات میں سے ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ صفت ذاتِ باری تعالیٰ کیلئے پانچ (۵) بار استعمال ہوئی ہے:

﴿اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ ”اللہ تعالیٰ وہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے“ (بقرہ/۲۵۵) ﴿اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ ”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے“ (آل عمران/۲) ﴿وَعِثَّتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾ ”تمام چہرے اس زندہ اور قائم و دائم مدبر اللہ کے سامنے کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لا دلیا“ (طہ/۱۱۱) ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ﴾ ”اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اسکی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں“ (فرقان/۵۸) ﴿وَالْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قَادِعُوهُ مَخْطُوعِينَ لَهُ الدِّينُ﴾ ”وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو“ (غافر/۶۵)

۱۱۔ سميع الدعاء

﴿وَيَسْتَجِيبُ لِمَا تُدْعُوهُ مِنْ شَأْنِكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم سے (یہ عمل) قبول فرما کہ تو خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (بقرہ/۱۲۷) ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (بقرہ/۱۳۷) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ ہر بات کا خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (بقرہ/۱۸۱) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ سب کچھ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (بقرہ/۲۲۳) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”کہ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (بقرہ/۲۲۳) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ سب کچھ خوب سننے اور جاننے والا ہے“ (بقرہ/۲۵۶) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (آل عمران/۳۳) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (آل عمران/۱۲۱) ﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”اور اللہ ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (مائدہ/۷۶) ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ

الْعَلِيمُ ﴿۱﴾ ”اور وہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے“ (انعام/۱۳) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”یقیناً وہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے“ (اعراف/۲۰۰) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے“ (انفال/۱۷) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (انفال/۵۳) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”یقیناً وہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے“ (انفال/۶۱) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (توبہ/۹۸) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (توبہ/۱۰۳) ﴿هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”وہ خوب سننے والا دانا ہے“ (یونس/۶۵) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”بیشک وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (یوسف/۳۲) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”میرا رب تو یقیناً دعاؤں کا سننے والا ہے“ (ابراہیم/۳۹)

۱۲۔ سمیع البصیر

﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”یقیناً وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے“ (اسراء/۱) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”اور یہ کہ اللہ بڑا سننے والا دیکھنے والا ہے“ (حج/۶۱) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”اللہ یقیناً خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے“ (حج/۷۵) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے“ (لقمان/۲۸) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ ہی خوب سننے والا دیکھنے والا ہے“ (غافر/۲۰) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”اللہ یقیناً بڑا سننے والا دیکھنے والا ہے“ (مجادلہ/۱) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”وہ یقیناً خوب سننے والا دیکھنے والا ہے“ (غافر/۵۶) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ تو ہر بات کو سنتا دیکھتا ہے“ (نساء/۵۸) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”اور اللہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے“ (نساء/۱۳۳) ﴿وَقَدْ عَلِمْتُمُ اللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ ”پس ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنایا“ (انسان/۲)

۱۳۔ سمیع العلیم

﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”وہ یقیناً خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (فصلت/۳۶) ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (حجرات/۱) ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (انبیاء/۴) ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے“ (نور/۲۱) ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”وہ یقیناً بڑا سننے والا جاننے والا ہے“ (شعراء/۲۲۰) ﴿يَا أَيُّهَا اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے“ (نساء/۱۳۸)

۱۴۔ سمیع الکریم

﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ﴾ ”اللہ یقیناً بڑا سننے والا قریب ہے“ (سبا/۵۰) ﴿رُبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾ ”وہ عرشِ کریم ہیں“ (مومنون/۱۱۶) ﴿إِنِّي رَأَيْتُ الْعَرْشَ الْكَرِيمَ﴾ ”تو میرا پروردگار یقیناً بے نیاز اور صاحبِ کرم ہے“ (نمل/۴۰) ﴿ذِي الْقُدْرَةِ الْعَزِيزِ الْكَرِيمِ﴾ ”چکھ (عذاب) بے شک تو بڑی عزت والا اکرام والا ہے“ (دخان/۴۹) ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ ”اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کریم پروردگار کے بارے میں دھوکے میں رکھا؟“

(انفطار/۶)

۱۵۔ شہید

﴿وَلَا تَعْمَلُوا مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا﴾ ”اور تم لوگ جو عمل بھی کرتے ہو دورانِ مصروفیات ہم تم پر ناظر ہیں۔“ (یونس/۶۱)

۱۶۔ قریب

﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوسْوَسُ بِهِ نَفْسُهُ وَتَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ ”اور ان کے وسوسوں کو جانتے ہیں جو اس کے نفس کے اندر اٹھتے ہیں کہ ہم رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں“ (ق/۱۶)
 ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ”اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے“ (حدید/۴)

۱۷۔ ثواب

ثواب بھی اسمائے حسنائے حق سبحانہ تعالیٰ میں سے ہے، علامہ شرباصی اپنی کتاب ’اسمائے حسنیٰ‘ کی جلد ۱ صفحہ ۳۸۵ پر اس صفت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ثواب ماڈہ تو بہ سے لیا ہے اور تو بہ کے معنی رجوع کے ہیں اور یہیں سے گیند کو تو ب کہتے ہیں چونکہ ٹکرانے کے بعد واپس آتی ہے اسی سے ثابوت لیا ہے جس میں مُردے کو رکھ کر قبرستان لے جایا جاتا ہے یہاں بھی رجوع میں ٹکرا رہے اس وجہ سے صیغہ مُبالغہ استعمال ہوا ہے، علامہ شرباصی لکھتے ہیں کہ ہمارے پاس اس معنی کیلئے اور بھی تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

۱۔ تَابَ

۲۔ اَتَابَ

۳۔ آبَ

لیکن صاحب رسالہ قشریہ نے تینوں الفاظ کے معانی مختلف بتائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آبِ آخری رجوع کو کہتے ہیں انا بہ درمیانی رجوع کو کہتے ہیں اور ایک فرق درمیان میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر خوف سے رجوع کیا جائے تو تو بہ ہے اور اگر طمعِ ثواب میں رجوع کیا تو انا بہ ہے اور اگر نہ خوف نہ طمع ہو تو وہ آب ہے۔ تو بہ ایک صفت ہے جو بندے کے حق میں استعمال ہوتی ہے کہ بندہ ثواب ہے، خدا ثواب ہے، لیکن جہاں خدا کے لئے ثواب استعمال ہوا ہے اُس کے چند مصادر ہیں:

۱۔ خدا اپنے لطف سے بندے کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُسے اپنی طرف برگشت کرنے کی توفیق سے

نوازنا ہے۔

۲۔ بندہ جب تو بہ کرتا ہے تو وہ اس تو بہ کو قبول فرماتا ہے۔

۳۔ خدا بندے کیلئے تو بہ کا موقع پیدا کرتا ہے۔

مضامین دعا

مضامین دعا یعنی کوئی دعائیں کن الفاظ اور کس سے مروی اور کس انداز میں ہیں۔ علماء نے اس ضمن میں چند مضامین دعا پیش کئے ہیں۔

دعا ہدایت

انسانی زندگی مصیبتوں اور مشکلات کے سمندر میں غوطہ زن ہے جہالت، تاریکی، گمراہی، غرور نے اسے گھیر رکھا ہے۔ اس صورت حال سے نجات کی خاطر انسان ایک ساحلِ نجات کا خواہاں ہے۔ انسان اس جدوجہد میں ہے کہ ساحل کو تلاش کرے۔ ہدایت کیا ہے؟ ہدایت کس چیز کیلئے ہے؟ اس کو سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ انسان کو سمجھا جائے اگر یہ ساکن و جامد ہے تو اس صورت میں اسے ہدایت کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ وہ حرکت میں ہی نہیں ہے تا کہ اسے ہدایت کی ضرورت پڑے۔ ہدایت ایک جگہ سے دوسری جگہ پر جانے کیلئے یا منزل تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے۔ بندرگاہ پر ایک نشانی ہوتی ہے جو اس طرف آنے والوں کی ہدایت کرتی ہے۔ ہدایت وہاں ضروری ہے جہاں متعدد راستوں میں سے منزل تک پہنچنے والے راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ انسان کے سامنے مختلف راستے ہیں انہی میں سے ایک راستہ انسان کو ساحلِ نجات تک پہنچاتا ہے یہ ہی ہدایت کا راستہ کہلاتا ہے۔ بہت سی آیات قرآن کریم میں انسان کے بارے میں ہے کہ ”ہم نے تمہیں خیر و شر کے راستوں کو واضح کر کے دکھلایا اب تمہاری مرضی ہے کہ تم کس راستے کو اپناتے ہو“ اب آپ کی خدمت میں ہدایت کے بارے میں چند حقائق گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ پوری کائنات میں انسان تنہا موجود ہے جو ایک نئی ہدایت کا محتاج مند ہے۔ جسے اپنے اختیار سے اپنی راہ کا انتخاب کرنا ہے۔ باقی تمام موجودات اپنی منزل کو پہنچ چکے ہیں یعنی وہ ہدایت جبری کے

اندر ہدایت یافتہ ہیں۔ اس ہدایت میں انسان بھی ایک حوالے سے انکے ساتھ ہے جیسے انسان کی جسمانی نشوونما، رکوں کی دوڑ، دل کی دھڑکن، خون کی جریان اور موت و حیات یہ سب ایک ہدایت تکوینی کے طور پر انسان کو حاصل ہیں۔ حضرت موسیٰؑ یا حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: ”میرا رب وہ ہے جس نے خلق کرنے کے بعد ہدایت سے نوازا ہے“ تو انسان ایک نئی ہدایت کا محتاج مند ہے۔

۲۔ خداوند عالم بعض آیات میں فرماتے ہیں کہ خدا چند گروہوں کو ہدایت نہیں کرتا

(الف) فسق و فجور کرنے والے کو ہدایت نہیں کرتا۔ جیسے:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ ”اور اللہ فاسقین کی ہدایت نہیں فرماتا“ (مائدہ/۱۰۸)

(ب) کافروں کو ہدایت نہیں کرتا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ ”اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا“ (بقرہ/۲۶۳)

(ج) ظالمین کو ہدایت نہیں فرماتا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور خداوند عالم ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا“ (مائدہ/۵۱)

(د) اسراف کرنے اور جھوٹ بولنے والے کو ہدایت نہیں کرتا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ ”اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں کرتا جو اسراف کرنے والا

اور بہت ہی جھوٹا ہوتا ہے“ (مومن/۲۸)

۳۔ مخفی سے فرماتا ہے:

﴿اتَّعَالَاتْ هٰذِهِ مِنْ اٰحِبِّ﴾ ”جسے آپ چاہتے ہیں ہدایت نہیں کر سکتے“

۴۔ بعض آیات میں خداوند عالم فرماتے ہیں کہ ”خدا نے انبیاء کو انسان کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے“

۵۔ خداوند عالم نے ہمیں حکم دیا ہے اس سے ہدایت طلب کریں۔

۶۔ صرف خدا ہی ہدایت دینے والا ہے چنانچہ بہت سی دعاؤں میں ہے کہ

”حقیقی ہدایت دینے والا خدا ہی ہے“

۷۔ انسان کی مثال زمین اور کاشتکار جیسی ہے۔ زمین اگر بیج قبول کرنے یا کاشتکاری کے قابل نہ ہو تو کتنے ہی بیج بوائیں ضائع جائیں گے۔ جب زمین میں صلاحیت نہیں تو کاشتکار کی مہارت یا بیج بونے کی پختگی فصل کی پیداوار کیلئے معاون ثابت نہیں ہوگی۔ زمین سازگار ہو لیکن کاشتکار نہ ہو تب بھی اس زمین سے کچھ نہیں اُگے گا۔ یہاں بیج کی مثال ہدایت جیسی ہے اور کاشتکار ہادی ہے، اسی طرح انسان قبول کرنے والا ہے جو زمین کی مانند ہے۔ انسان کے اندر قابلیت چند لحاظ سے ہے:

- (۱) عقل: اگر انسان کے پاس عقل نہیں تو بیج ہدایت کی منطق کو نہیں سمجھے گا۔
- (۲) وہ عمدہ ہدایت کو مسترد کرنے والا ہے جیسے کافرین و ملحدین وغیرہ۔ اسی لئے خداوند عالم نے پیغمبرؐ سے فرمایا:

”آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ہدایت یافتہ نہیں ہے“

اگر انسان کے پاس عقل ہو اور وہ ہدایت لینے سے انکار بھی نہ کرے تو یہاں عقل کافی نہیں۔ اسی وجہ سے یہاں ضرورت بعثتِ انبیاء پیش آتی ہے۔

معیارِ ہدایت:

معیارِ ہدایت درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ایمان: جو ایمان رکھتا ہے خدا اس کی ہدایت کرتا ہے۔ حیاتِ دنیا کے علاوہ ایک اور عالم بھی ہے۔ ایمان بہ ماورائے مادہ سبب بنتا ہے ہدایت کا جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَأَن لِّلَّهِ لَهَادُ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”اور اللہ صاحبانِ ایمان کو راہِ راست کی طرف ہدایت فرماتا ہے“ (حج/۵۳)

- ۲۔ تقویٰ: جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اسے ہدایت دے گا:

﴿مَهْدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ”پرہیزگاروں کیلئے ہدایت کی ہے“ (بقرہ/۲)

- ۳۔ تلاشِ حقیقت:

۲۔ اگر کسی شخص کے اندر خدا سے ہدایت لینے کی آمادگی ہو تو خدا اس کے سینے کو چاک کر کے ہدایت دیتا ہے:

﴿فَمَنْ يَرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ ”جس شخص کیلئے خدا چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے“ (انعام/۱۲۵) ﴿فَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ﴾ ”کیا وہ شخص جس کا سینہ خدا نے اسلام کیلئے کشادہ کر دیا ہے اور وہ نور الہی کے مرکب پر سوار ہے“ (زمر/۲۲)

۳۔ انبیاء، ائمہ و اولیاء ہیں جو انسان کو ہدایت کرتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ﴾ ”وہ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا“ (توبہ/۳۳) ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ”جسے تو چاہتا ہے وہ ہدایت نہیں پاتا بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے“ (قصص/۵۶) ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبَادِي أَنكُم مُّتَّبِعُونَ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات مصر سے لے جاؤ کیونکہ وہ تمہارا پیچھا کر نیوالے ہیں“ (شعراء/۵۲)

دعا کی چند قسمیں ہیں:

- ۱۔ دعا تعریف و تجید و ثناء حق سبحانہ کیلئے۔
 - ۲۔ دعا اپنی تقصیر کو تاہی اور جرم و جناہیت سے بخشش کیلئے۔
 - ۳۔ دعا اپنی دنیوی خواہشات اور امنگوں کے حصول اور پریشانیوں کے دفع کیلئے۔
 - ۴۔ ظالمین و جابرین کی کامیابی و کامرانی کیلئے۔
- پہلی دوسری قسم کی دعائیں مستجاب ہونے اور ناقابل مسترد ہونے کے بارے میں عقل اور آیات قرآنی اور روایات معصومین سے ثابت ہونے میں جائے شک و تردید نہیں، یہ وہ دعائیں ہیں جو اگر اخلاص اور دل کی گہرائیوں سے نکلیں تو انکا مسترد ہونا از روئے عقل محال ہے۔ تیسرے مضامین کی دعائیں اگر اخلاص کے

ساتھ ہوں تو اس کے اجر و ثواب ہونے میں کوئی شک نہیں اسی لئے بیان ہوا کہ مستر نہیں ہوتیں لیکن انکا مطلوب و مقصود حاصل ہونے کی کوئی ضمانت نہیں کیونکہ اس قسم کی دعائیں نظام کائنات سے متصادم و متعارض ہیں چونکہ دعا غیر تکنوینیات میں قابل قبول نہیں لہذا اس قسم کی دعاؤں کے پرچار کرنے والے درحقیقت اس جھوٹے حکیم کی مانند ہیں جو لوگوں کو صحیح علاج معالجہ کروانے سے باز رکھتا ہے۔

چوتھی قسم کی دعا جو بعض دعا فروش آخوند، مولوی یا علماء اپنے مختصر دنیاوی فائدے کی خاطر دین و مذہب کے مخالف اور اس سے نبرد آزما ظالمین پارٹیوں کے حق میں کرتے ہیں۔ ان کی دعاؤں کے بارے میں قرآن فرماتا ہے ”اور ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے تو شفا اور رحمت ہے لیکن ظالموں کے لیے تو صرف خسارے میں اضافہ کرتی ہیں۔“ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۲۔ اسی طرح سورہ نساء ۱۱۹ میں اسکا ذکر ہے۔

ان دعاؤں کے علاوہ دعاؤں کی ایک قسم اور ہے جو کابل و ست انسان اپنے فرائض کی انجام دہی کی جگہ پر ورد کرتے ہیں جھوٹے مصائب سن کر آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برساتے ہیں اسکے علاوہ بے سند دعائیں ہوں جیسے صنم قریش، یادعائے فرج ہو کہ جن کے مضامین بھی مخدوش ہیں یہ فرائض و ذمہ داری کی جگہ پر قابل قبول نہیں ہوں گی۔

اب آتے ہیں پہلی، دوسری اور تیسری قسم کی دعاؤں کے مضامین کے بارے میں کہ دعا درگاہ ایزدی میں قبول ہو مطلوب و مقصود داعی حاصل ہو یا داعی اس سے راضی ہو اس کے لئے کن فقرات و کلمات میں دعا کریں اور اپنے مدعو کو کس نام سے پکاریں، اس سلسلہ میں آیات قرآنی اور بعض روایات اور کلمات علماء اور عرفاء میں اختلاف ہے۔

۱۔ قرآن کریم کی چند آیات میں مدعو کو اس کے اسمائے حسنی سے پکارنے کو کہا ہے

یہ اسماء قرآن کریم کی رو سے خدا کیلئے مختص ہیں انھیں قرآن کریم میں اسمائے حسنی کہا گیا ہے۔ پہلے ہم اسماء کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔

اسم

علمائے علوم عربیہ کے ماہرین فرماتے ہیں کہ اسم کا مقسم کلمہ ہے کلمہ کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل، حرف۔ لہذا ہمیں اسم سے پہلے کلمہ کے بارے میں بحث کرنے کی ضرورت ہے کہ کلمہ لغتِ عرب اور قرآن کریم اور اصطلاح علماء میں کسے کہتے ہیں۔

کلمہ

کلمہ مادہ کَلَم سے لیا گیا ہے کَلَم کے معنی جرح اور زخم لگانے کے ہیں، سابق زمانے میں اور آج بھی بعض اقوام و ملل میں یہ سنت پائی جاتی ہے کہ بعض انسان اپنی شناخت کیلئے اپنے جسم پر زخم لگاتے ہیں یا بعض حیوانات کی پہچان کیلئے اُنکے سینگ یا کان کاٹے جاتے ہیں یا ہر وہ چیز جو کسی دوسرے میں اثر گزاری کرتی ہے چاہے آنکھ میں اثر کرے جیسے محسوساتِ بصری یا کان میں اثر گزاری کرے جیسے آوازیں چاہے مہمل ہو یا بامعنی، وہ الفاظ جو معنی رکھتے ہیں اسے کلمہ یا کلام کہتے ہیں کیونکہ کلمہ کلام سامع کے اندر اثر کرتا ہے علوم عربیہ کے قواعد کے ماہرین کلمہ کو مفرد گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کلمہ سے کلام بنتا ہے جبکہ قرآن کریم میں کلمہ کا مفہوم بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ کلمہ بمعنی کلام لفظی

”یہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا“ (توبہ/۷۴) ”اس بات کا علم نہ انہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو یہ بڑی (جسارت کی) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ محض جھوٹ بولتے ہیں“ (کہف/۵)

۲۔ کلمہ بمعنی وعدہ وعید

”اور سب انسان ایک ہی امت سے تھے پھر اختلاف رونما ہوا اور اگر آپ کا پروردگار پہلے سے طے نہ کر چکا ہوتا تو ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دیا جاتا جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں“ (یونس/۱۹) ”بھلا جس شخص پر عذاب کا حکم لازم ہو گیا ہو۔ کیا آپ اسے بچا سکتے ہیں جو

آگ میں گر چکا ہو؟“ (زمر/۱۹) ”کیا انکے پاس ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے دین کا ایسا دستور فراہم کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟ اور اگر فیصلہ کن وعدہ نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور ظالموں کے لئے یقیناً دردناک عذاب ہے“ (شوریٰ/۲۱) ”اور اللہ نے اس (توحید پرستی) ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ قرار دیا تا کہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں“ (زخرف/۲۸)

۳۔ کلمہ موجودات خارجی اور عینی کو کہتے ہیں:

”اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم تک پہنچا دیا اور اس کی طرف سے وہ ایک روح ہیں“ (نساء/۱۷۱) ”چنانچہ جب وہ حجرہ عبادت میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آواز دی: اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو کلمہ اللہ کی طرف سے ہے“ (آل عمران/۳۹)

کلمہ کی جمع کلمات ہے یہ بھی اسی تیسرے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان بیانات سے یہ بات واضح و روشن ہو گئی ہے کہ کلمہ اصل لغت اور قرآن کریم کی آیات حتیٰ خوف و اعد علوم عربیہ صرف و نحو کے نزدیک اسم سے کہیں گنا وسیع و عریض ہے جبکہ اسم ہر لحاظ سے کلمہ کی بہ نسبت محدود ہے۔

اسم کی اقسام:

اسم کیلئے دو اقسام ہیں:

۱۔ اسم لفظی

۲۔ اسم جودی

اسم لفظی کی دو قسمیں ہیں:

- ۱۔ لفظ جو صرف ذات پر دلالت کرتا ہے جیسے زید، عمر، پتھر وغیرہ ان ناموں سے صرف ایک ذات ذہن میں آتی ہے اسے مقولہ لفظی کہتے ہیں۔
- ۲۔ ہر وہ لفظ جو کسی ذات کی صفت پر دلالت کرتا ہے جیسے رحمن جو ذات خدا کی صفت رحیمیت پر دلالت کرتا ہے۔

اسم کے لغوی اور اصطلاحی معنی

اسم کے معنی سے ہر ایک آشنا اور واقف ہے اسکے سطحی مفہوم سے کوئی بھی ناواقف و نا آگاہ نہیں ہے لیکن کس لفظ کو اسم کہتے ہیں اور یہ کس کلمہ سے ماخوذ ہے اور اسکا اصلی مصدر و ماخذ کیا ہے اس سلسلے میں علمائے لغت عرب میں اختلاف ہے۔

علمائے بصرہ لغت عرب کی تحلیل و ترتیبیت میں دیگر علمائے لغت عرب پر سبقت رکھتے ہیں بعض نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ایک سو سال تک اپنے مد مقابل پر سبقت رکھی ہے۔ مشہور علمائے بصرہ ابوالاسود دؤلی سنہ ۶۹ ہجری میں فوت ہوئے، اُنکے بعد خلیل ابن احمد فراءدی ہیں جو کہ سنہ ۱۷۵ ہجری میں فوت ہوئے، اُنکے بعد سیبویہ ہیں جنہوں نے سنہ ۱۸۰ ہجری میں وفات پائی، اُنکے بعد یونس بن حبیب جنہوں نے سنہ ۱۸۲ ہجری میں وفات پائی، اُنکے بعد اسمعیٰ جو سنہ ۲۱۶ ہجری میں فوت ہوئے اُنکا کہنا ہے کہ اسم جو مشتق ہے مادہ سَمُو سے سَمُو لغت عرب میں رفعت کو کہتے ہیں سَمُو اصل سَمُو ہے جس کی جمع اسماء ہے۔ ان کے مقابلے میں علمائے اہل کوفہ ہیں جو کہ ایک سو سال بعد وجود میں آئے ہیں، لہذا لغت عرب میں ان کے نظریات دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ علمائے کوفہ میں علم لغت کے سب سے پہلے بانی علی ابن حمزہ کسائی متوفی سنہ ۱۸۲ ہجری ہیں جنکا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے ان کے بعد قرعہ ہے جو سنہ ۲۰۷ ہجری میں فوت ہوئے اُنکے بعد ابن سکیت تھے جو سنہ ۲۴۲ ہجری میں وفات پائے۔ اور اُنکے بعد ثعلب ہیں جنہوں نے سنہ ۲۹۱ ہجری میں وفات پائی۔ ان علماء کا کہنا ہے کہ اسم مادہ سَمُو سے مشتق ہے اس کے معنی علامات ہیں۔ یعنی یہ کلمہ اپنے مسلمی

کیلئے نشانی ہے یہ گروہ اپنے مدعا کیلئے مندرجہ ذیل آیات قرآنی بطور ثبوت پیش کرتے ہیں:

﴿سَنَسُفُّهُ عَلَى الْخُرطومِ﴾ ”ہم عنقریب اس کی ناک پر نشان لگا دیں گے۔“ (قلم/۱۶) ﴿ذٰلِكَ لَا يُفِيْذٰلِكَ لَا يَتْلُوْهُ سَمِيْعٌ﴾ ”ان باتوں میں صاحبانِ ہوش کے لئے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں“ (حجر/۷۵)

لیکن ماہرین اور محققین فلسفہ علم لغت کا کہنا ہے کہ دونوں اقوال میں سے قواعد عربی کے تحت ترجیح بصرہ والے علماء کے قول کو حاصل ہے، لیکن معنوی لحاظ سے دونوں کا نقطہ نظر قریب المعنی اور قابل جمع ہے، کیونکہ اسم ذکر ہونے کے بعد اپنے مسلمی دوسروں سے رفعت و بلندی حاصل کرتے ہیں اور اس کی تکرار سے یہ اسم کیلئے نشان بنتا ہے، لیکن علمائے نحو نے اسم کی جو تعریف کی ہے وہ زیادہ جامع تعریف ہے، علمائے نحو اور اہل منطق مختصر سے اختلاف کے ساتھ کہتے ہیں کہ کلمہ ہر اسم لفظ کو کہتے ہیں جو استعمال میں آتا ہو اور اس کا معنی ہو، اُسے کلمہ کہتے ہیں اور کلمے کی تین اقسام ہیں:

۱۔ اسم

۲۔ فعل

۳۔ حرف

اسم۔ اسم وہ ہے جو صرف معنی سمجھاتا ہے۔ اسم اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان کسی اور چیز تک رسائی یا آگاہی حاصل کرے چاہے یہ صرف ایک بات کی طرف اشارہ تک محدود ہو جیسے اکثر نام جیسے زید، بکر، وغیرہ یا اس میں صفت کا بھی اشارہ ہو جیسے عالم، قادر، وغیرہ زیادہ تر اسم انسانی زبان کے پیدا کردہ ہیں اور اس میں انسانی ذہن کی خامیاں اور نقائص بھی شامل رہتے ہیں مثلاً علم حیات، قدرت وغیرہ اگر ہم یہ الفاظ استعمال کریں گے تو ان سے وہی معانی مراد لیں گے جو تفسیر علم، قدرت، حیات وغیرہ کے بارے میں ہم کرتے ہیں، جیسے علم سے مراد کسی تصویر کا عالم، قدرت میں اعضاء جوارح و توانائی اور حیات سے مراد جریان خون وغیرہ یہیں سے علماء فرماتے ہیں کہ ہم خدا کیلئے اپنی طرف سے نام گذاری نہیں کر سکتے۔

حرف۔ حرف وہ کلمہ ہے جو خود کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ کسی اور کلمہ سے ربط کرنے کے بعد معنی دیتا ہے۔ جسکی چند مثالیں ہیں

۱۔ حروف تہجی جیسا۔ ب۔ ی وغیرہ

۲۔ وہ حروف جو کسی سے جوڑنے کے بعد کوئی معنی دیتے ہیں مثلاً باء جارہ، دو حروف والے من جارہ، تین حروف والے جیسے الی یہ تمام حروف ایک دوسرے سے جوڑنے کے بعد معنی دیتے ہیں۔

فعل۔ فعل وہ کلمہ ہے کہ جو کوئی معنی بیان کرنے کے ساتھ زمانہ بھی بتاتا ہے۔ اس بیان کے بعد یہ چیز آپ کیلئے واضح ہوگئی ہے کہ علم لغت میں کسی معنی یا کسی چیز کو سمجھانے کیلئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے اُسے کلمہ کہتے ہیں اور اسم بھی کہتے ہیں اسم کے معنی بیان ہوئے ہیں کہ اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں لیکن کلمے کا معنی بھی واضح کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ پر عام محاورے میں اور اہل شرح کی زبان میں بلکہ آیات قرآن اور روایات میں کثیر مواقع پر استعمال ہوئے ہیں دونوں ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہونے اور مصداق کثیرہ رکھنے کی وجہ سے بعض اوقات ان کے معنی نے مبہم و مجمل شکل اختیار کی ہے اور انکی تفسیر و توضیح بھی علماء کے نزدیک موضوع تحقیق اور بحث و گفتگو قرار پائی ہے۔

معلوم ہوا کہ کلمہ اور اسم دونوں گرچہ قریب المخرج نہیں، لیکن قریب المعنی ضرور ہیں۔ اسم اعظم کو اسم اعظم کہنے کی توجیہ میں آیت اللہ علی اکبرؑ ٹھاوندی شرح دعائے سمات کے صفحہ نمبر ۸۰ پر چار توجیہ بیان کی ہیں:

۱۔ چونکہ یہ اسم حقیقت الٰہیہ پر دلالت کرتا ہے اس لئے اسے اسم اعظم کہتے ہیں۔

۲۔ یہ اسم دیگر اسمائے الہی پر احاطہ کامل و اتم رکھتا ہے اسکا مطلب یہ ہوا کہ یہ اسم بہت سے معانی پر حاوی ہے اس لئے اسے اسم اعظم کہتے ہیں۔

۳۔ اس اسم کی تلاوت کرنے والے کے لئے بہت سے منافع ہیں اس وجہ سے اسے اسم اعظم کہتے ہیں۔

۴۔ چونکہ دیگر اسموں کی بہ نسبت اس اسم کی حقیقت کو درک کرنا ایک عظیم معرفت الٰہی کے حصول پر متوقف ہے (ایک ایسی معرفت کہ جس کا حصول ہونا دشوار ہو) اور ایسے درجے پر صرف مقام عصمت پر

فائز ہستیوں کیلئے ہی پہنچنا ممکن ہے لہذا بعض نے شناخت اور حامل اسم اعظم کو مخصوص اسمہ اور اولیاء و انبیاء گردانا ہے۔

۲۔ اسم وجودی

اسم وجودی کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خود ذات اسکے جوہر پر دلالت کرتی ہے مؤثر اثر پر دلالت کرتا ہے یا کوئی نشانی صاحب نشان پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ مقولہ وجودی کہتے ہیں یہاں سے ان روایات کے معنی واضح ہو جاتے ہیں جو باب اسم مسلمی اصول کافی میں امام صادق سے منقول ہیں امام صادق نے فرمایا اسم غیر مسلمی ہے جس نے صرف اسم کی عبادت کی وہ کافر و ملحد ہے کیونکہ اُس نے ذاتِ خدا کی عبادت نہیں کی۔ جس نے اسم اور مسلمی دونوں کو ملا کر عبادت کی ہے وہ مشرک ہے کیونکہ بقولِ حسب فرمانِ امام اسم غیر مسلمی ہے لہذا اس نے دو چیزوں کی عبادت کی چونکہ خدا کے متعدد اسماء ہیں اور ہر ایک اسم کے حوالے سے عبادت کریں تو معبود کثیر کی عبادت ہوگی اور معبود کثیر کی عبادت کو شرک کہتے ہیں اگر صرف مسلمی کی عبادت کرے تو یہ توحید ہے۔

اسماءِ خدا میں تشبیہ و تنزیہ

بحث عقائد و عرفان اور دعائیں ایک اہم موضوع تشبیہ و تنزیہ خداوند متعال ہے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم تشبیہ و تنزیہ دو کلمات سے آگاہ ہو جائیں:

۱۔ تشبیہ۔ علمائے فلاسفہ و متکلمین کے نزدیک تشبیہ بیانِ اسم و صفات میں خدا کو خلق سے تشبیہ دیں یا خدا کو مخلوق کی صفات کی طرف نسبت دیں یعنی صفاتِ خدا کو صفاتِ مخلوق سے تشبیہ دیدیں اسکو تشبیہ کہتے ہیں۔

۲۔ تنزیہ۔ خدا کی صفات کو ہر اس اسم اور صفات سے پاک و منزہ اور رُری گردانا جو مخلوقات میں پائی جاتی

ہیں۔ صفاتِ خدا کو مخلوق کی طرف نسبت دینے کو تشبیہ اور دینے والوں کو مُشبہ کہتے ہیں۔ صفاتِ مخلوق کو صفاتِ خدا گرداننے والے کو شاعرہ اور بعض حکما کی طرف نسبت دیتے ہیں یہ لوگ اپنے اس مدعا کیلئے بعض روایات کے علاوہ بعض آیاتِ قرآن سے بھی استدلال کرتے ہیں:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ ”اور وہ رحمن عرش پر اختیارِ واقعہ ار رکھنے والا ہے۔“ (طہ/۵)

کہ خدا عرش پر بیٹھا یا قیامت کے دن خدا آئے گا یا خدا کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں یا خدا اپنا پاؤں نکالتا ہے جبکہ تنزیہ یہ ہے خدا وید متعال قدیم ہے اور اس کے ساتھ کسی بھی صفت سے حتیٰ علم، قدرت، حیات، قدیم وغیرہ سے نسبت دینے کو بھی جائز نہیں سمجھتے، یہ لوگ آیاتِ متشابہات پر من و عن ایمان کو واجب سمجھتے ہیں اور اسی کو توحیدِ خالص گردانتے ہیں۔

اسماء اللہ تعالیٰ

اسمائے خدا وید متعال کے بارے میں چند موضوعات بحث طلب ہیں:

۱۔ اسم کے لغوی اور اصطلاحی معنی کا بیان و وضاحت۔

۲۔ اسمائے حسنیٰ کی تعریف و تفسیر۔

۳۔ اسمائے حسنیٰ کے اعداد و شمار۔

۴۔ اسمائے کبیرہ حق سبحانہ تعالیٰ۔

۵۔ اسمائے اعظم حق سبحانہ تعالیٰ۔

اسمائے خدا کے بارے میں صاحبِ کتاب شرح دعائے جوشن کبیر، شیخ محمد علی رامہرمزی نے صفحہ ۲۶۰ میں صاحبِ المیزان سے اسی آیت کے ذیل میں ایک بیان نقل کیا ہے کہ لوگ اسمائے خدا کے بارے میں تین گروہوں میں تقسیم ہیں:

۱۔ پہلا گروہ۔ وہ ہیں کہ جن ناموں کے معنی اس ذاتِ مقدس کے لئے لائقِ مزاوار ہے یعنی وہ اسماء اس ذات کی کمال پر یا اس ذات سے نقص و بُرائیوں کے نفی پر دلالت کرتے ہیں انہی اسماء تک محدود رہتا

ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ۔ اس نام گذاری میں انحراف کے راستے اختیار کرتے ہیں اور خدا کی مخصوص صفات کو غیر خدا کے طرف نسبت دیجاتی ہے جیسے ماڈین اور دھڑین جو خلق کرنا، زندہ کرنا، رزق دینا، مادہ اور زمانے کی طرف نسبت دیتے ہیں، جیسا کہ مشرکین نفع و نقصان کو اپنے جھوٹے خدا (بت) کی طرف نسبت دیتے تھے اسی طرح اہل کتاب یا بعض مسلمان صوفی انبیاء و آئمہ اور بعض اولیاء کو صفات خدا سے پکارتے ہیں یعنی انہیں کائنات میں بطور مستقیم صاحب تصرف گردانتے ہیں جو کہ نظریہ توحید کے منافی ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ۔ وہ افراد ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں لیکن خدا کو ایسے ناموں سے پکارتے ہیں جو اس ذات کیلئے لائق و سزاوار نہیں ہیں کیونکہ یہ نام نقص و کمی یا احتیاج پر دلالت کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلا گروہ ہدایت شدہ ہے لیکن دوسرا اور تیسرا دونوں گروہ راہ ہدایت سے دور ہیں اور الحادی فکر رکھنے والوں میں شامل ہیں۔

اسماء اور انکی اقسام کو ذکر کرنے کے بعد ہم اب آپ کی خدمت میں اسماء حسنی کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔ ان اسمائے حسنی کے بارے میں قرآن کریم میں چار آیات آتی ہیں:

﴿وَاللّٰهُ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی قَادِعُوْہُ بِہَا وَفِرَوا الَّذِیْنَ یُلْحِلُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِہِ سَیَحْرُوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ ”اور اللہ ہی کیلئے بہترین نام ہیں لہذا اُسے انھیں کے ذریعہ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں بے دینی سے کام لیتے ہیں عنقریب انھیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔“ (اعراف/۱۸۱) ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوْ دْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیَّآ مَا تَدْعُوا قُلْ اِلَہُ الْاَسْمَآءِ الْحُسْنٰی﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو جس طرح بھی پکارو اس کے تمام نام بہترین ہیں“ (اسراء/۱۱۰) ﴿لَا اِلَہَ اِلَّا ہُوَ اِلَہُ الْاَسْمَآءِ الْحُسْنٰی﴾ ”وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اس کیلئے بہترین نام ہیں“ (طہ/۸) ﴿ہُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ اِلَہُ الْاَسْمَآءِ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَہُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ ”وہ ایسا خدا ہے

جو پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا اور صورتیں بنانے والا ہے اس کیلئے بہترین نام ہیں زمین
و آسمان کا ہر ذرہ اسی کے کیلئے موحّد ہے اور وہ صاحب عزت و حکمت ہے“

(حشر/۲۳)

علامہ طباطبائی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۰ کی تفسیر میں اسمائے حسنیٰ کی ایک جالب
تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اسمائے حسنیٰ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ اسماء جو خدا کیلئے لائق ہیں اور ذاتِ اقدس خداوند متعال کیلئے نسبت دیئے جاتے ہیں یا صفاتِ خدا
کو بیان کرتے ہیں یا صفاتِ عیب و نقص کی نفی کرتے ہیں۔

۲۔ ان اسماء میں انحراف کیا گیا ہے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی صفاتِ خاص کو غیر خدا کی طرف نسبت دی
ہے۔ جیسا کہ مادی اور ملحدین جو خالقیت کو زمانے اور مادے کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ چنانچہ بت
پرست مشرکین نفع و ضرر رکوبتوں کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض اہل کتاب یہود و نصاریٰ
بعض صفاتِ مختص خدا کو انبیاء خدا کی طرف نسبت دیتے ہیں یا نصیری و اہل تفویض و غلو جو رزقیت،
موت و حیات دینے وغیرہ کی صفت کو آدمہ یا اولیا کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ اور انہیں خدا کے مقابل
بطور استقلال ان صفات کا حامل گردانتے ہیں۔

۳۔ وہ افراد جو خداوند متعال پر ایمان رکھتے ہیں لیکن خدا کے نام میں یا اسکی صفات بیان کرنے میں انحراف
کے طریقے کو اپناتے ہیں۔ (مثلاً خدا کیلئے لوازمات جسمانیّت کے قائل ہیں، جسمانیّت میں آنے کے
بعد وہ خود بخود حادث ہو جاتا ہے اور حادث ہونے کے بعد درجہ الٰوہیت سے ساقط ہو جاتا ہے۔
(خداوند تعالیٰ کی مذکورہ تین صفات میں سے صرف پہلی صفت کو اسمائے حسنیٰ کہیں گے باقی ذاتِ خدا
کیلئے سزاوار نہیں ہیں باقی دو اقسام کی نام گذاری کو قرآن کریم نے طریقہ الحاق قرار دیا ہے۔

بعض روایات، کلمات علماء و عرفاء اور مسلمانوں کے درمیان مشہور ہے کہ اس ذات کو اس کے اسم اعظم
سے پکاریں تو قبول ہونے میں جائے شک نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں دعائے سحر، دعائے کمیل اور بعض

دیگر دعاؤں کے فقرات بھی ملتے ہیں لیکن اسم اعظم کون سے اسم ہیں اور کہاں ملیں گے اس سلسلے میں اقوال و نظریات اختلاف و اضطراب کا شکار ہیں۔

آئیے ہم اسم اعظم کی تلاش اور جستجو کے لئے قرآن کریم، روایات، علماء، عرفاء، عقلاء کے اقوال و نظریات پر مشتمل کتب کے سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہیں تاکہ اس دُرِ گراں قدر رونایاب کو تلاش کر سکیں۔ بعض علماء اور دانشمندان کا یہ اعتقاد ہے کہ اسمائے حسنیٰ حق سبحانہ تعالیٰ اسم اعظم ہیں اور یہ اسم دیگر اسماء سے چندین لحاظ سے امتیازات اور خصوصیات کے حامل ہیں۔ کتاب شرح دعائے سمات، تالیف: شیخ اکبر علی نھاوندی صفحہ ۹۹ پر نھاوندیؒ نے امام محمد باقرؑ سے ایک روایت جو سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۶ کے ضمن میں نقل ہے اس آیت میں ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ ءَاتَتْ قُلُوبَ النَّاسِ أَتُخَفَتُنِي وَأُمِّي الْهَيْمَنُ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ أَنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمَ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ أَتُكَ أَتَتْ عَلَامُ الْغُيُوبِ﴾ ”اور جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا مان لو تو عیسیٰ نے عرض کی کہ تیری ذات بے نیاز ہے اور میں ایسی بات کیسے کہوں گا کہ جس کا مجھے کوئی حق نہیں ہے اور اگر میں نے کہا تھا تو تجھے تو معلوم ہی ہے کہ تو میرے دل کا حال جانتا ہے اور میں تیرے سسرار نہیں جانتا ہوں۔ تو غیب کا جاننے والا بھی ہے۔“ (مائدہ/۱۱۶)

امامؑ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ نے درگاہ خدا سے عرض کی کہ جو کچھ تو نے مجھے سکھایا ہے وہ تو جانتا ہے وہ ایک حرف اسم اعظم کا جو تو نے اپنے لئے مختص کیا ہے وہ میں نہیں جانتا ہوں، مفسرین کا کہنا ہے کہ اسم کا ایک حرف اپنے لئے مختص رکھا گیا ہے اور اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا اس کا استدلال وہ اسی آیت سے کرتے ہیں جس میں امامؑ نے فرمایا کہ اسم اعظم حق ۳۷ حروف پر مشتمل ہیں اور ان میں سے ایک حرف کو خدا نے اپنے لئے مختص کیا ہے اور باقی ۳۶ حروف کی حضرت آدم صلی اللہ کو تعلیم دی ہے اور آدم کے بعد آنے والے رسولوں نے آدم صلی

اللہ سے یہ اسماء وراثت میں لئے ہیں اسی کتاب میں کتاب بصائر الدرجات میں سے ایک اور حدیث امام صادق سے نقل کیا ہے کہ ”اسم اعظم ۷۳ حروف ہیں اس میں سے ۲۵ حضرت آدم کو سکھائے ہیں ۱۵ حضرت نوح کو ۸ حضرت ابراہیم کو ۴ حضرت موسیٰ کو ۲ حضرت عیسیٰ کو سکھائے اور انہی دو حروف سے حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے، مادرزاد نابینا کو بینائی، برص، جزام جیسی بیماری میں مبتلا انسانوں کو شفا دیتے تھے اسی طرح ۱۶ حروف حضرت محمد کو سکھائے ہیں اسم اعظم خدا میں ایسی خصوصیات و امتیازات کے حامل اسم اعظم کے بیان کے بعد اس کا وجود ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اقوال انتہائی اضطراب و اختلاف اور پراگندگی کے مرحلے تک پہنچے ہیں بعض نے اس سلسلے میں بہت سے قصے کہانیوں کو گھڑا ہے ان کو دیکھنے کے بعد بعض نے اسکی تشخیص اور تعین کرنے سے عاجز ہونے پر اس باب میں ایک اور باب کو کھولا ہے وہ یہ کہ اتنی خصوصیات و امتیاز رکھنے والا اسم جس کے پاس ہوگا وہ کائنات کو دیگر کون کر سکتا ہے زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین پتھر کو انسان اور انسان کو پتھر، مونث کو مذکر، مذکر کو مونث، مٹی کو سونا اور سونے کو مٹی میں تبدیل کر سکتا ہے لیکن وہ اسم کونسا ہے؟ کس کتاب میں ہیں اور کون جانتا ہے اس کی تشخیص سے عاجز آنے کے بعد انہوں نے اس بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ”اسم اعظم تو ہے اس میں جائے شک نہیں لیکن خداوند متعال نے اس اسم کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھا ہے کوئی نہیں جانتا ہے اگر اس تک رسائی کے دروازے کو کھلا رکھتا تو لوگ اس سے غلط استفادہ کرتے اور اس طرح بہت سے مفاسد پیدا ہو سکتے تھے کیونکہ ہر شخص اس اسم کے حامل ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا، بدکردار افراد عقل و شرع دونوں حوالے سے ممنوع اور قبیح چیزوں میں اسے استعمال کرتے، چنانچہ بلعم بن باعورا جو کہ اسم اعظم کے عارف تھے جب حضرت موسیٰ عمالقہ سے جنگ کے لئے نکلے تو عمالقہ بلعم باعورا کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ حضرت موسیٰ اور ان کے لشکر کے خلاف بدعا اور نفرین کرنے (بعض نے کہا ہے کہ بلعم بن باعورا کو فرعون نے اس سے خرید لیا تھا اور جناب موسیٰ کے حق میں بدعا کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا) چنانچہ بلعم باعورا نے ایک گدھے پر سوار ہو کر اس طرف جانا چاہا تو گدھے نے ساتھ نہیں دیا اور نہیں چلا اس نے گدھے پر تازیانہ مارا تو گدھا بولنے لگا اور بلعم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ”یہ

جبریل ہیں جو مجھے کہتے ہیں کہ آگے مت جاؤ، بلعم باعورا نے اسکے باوجود اس حیوان کو اتنا مارا کہ اسکی شکم پھاڑ دی تو خداوند عالم نے ان سے اسم اعظم کو چھین لیا:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهَا وَلَكِنَّهَا أَخْلَدَتْ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَذِهِ فَمُتَلَّهِ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَصْرَعْ يَلْهَثُ ذَلِكَ مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَفَكَّرُونَ﴾
 ”اور اگر ہم چاہتے تو اسے انھیں آیتوں کے سبب بلند کر دیتے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی تو اب اسکی مثال کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالتا ہے اور چھوڑ تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو آپ ان قصوں کو بیان کریں کہ شاید یہ غور و فکر کرنے لگیں۔“ (اعراف/ ۱۷۶)

اس واقعہ کے بعد اس سے خداوند عالم نے اسم اعظم کو چھپایا ہے۔ اسی سلسلہ میں دوا ورقصے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۶؎ نھاوندی تفسیر روح البیان سے نقل کرتے ہیں:

۱۔ ایک شخص زاهد جو اسم اعظم جانتے تھے اس کے چاہنے والے ایک مُرید نے ان سے اصرار کیا کہ وہ انہیں اسم اعظم سکھائیں انکے اصرار پر اس عالم زاهد نے اپنے اس شاگرد سے کہا کہ تم کل شہر کے دروازے پر جاؤ اور وہاں تمہیں جو کچھ نظر آئے وہ آ کے مجھے نقل کرو دوسرے دن اس نے دیکھا کہ ایک عمر رسیدہ ضعیف و ناتوان بوڑھا انسان اپنی پشت پر لکڑی کے بوجھ کو لے کر آیا اور شہر کے دروازے سے نکیہ کر کے اس لکڑی کو خریدنے والے خریدار کے انتظار میں بیٹھا تھا اتنے میں ایک فوجی لکڑی خریدنے کیلئے آیا لیکن لکڑی کی قیمت کے بارے میں آپس میں اختلاف ہوا اور آخر میں یہ فوجی اس بوڑھے کو مار پیٹ کر قیمت دیئے بغیر لکڑی چھین کر لے گیا۔ اس شخص نے یہ قصہ اپنے استاد کی خدمت میں پیش کیا جس سے اس نے اسم اعظم سیکھنے کی درخواست کی تھی تو اس عالم نے اپنے اس مُرید سے پوچھا کہ اگر تمہارے پاس اسم اعظم ہوتے تو اس وقت تم کیا کرتے؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں اسم اعظم پڑھ کر اس فوجی کو ہلاک کر دیتا (جس نے بوڑھے پر ظلم کیا) تو اس عالم نے کہا کہ وہ بوڑھا جس نے

مارکھائی ہے وہ میرے استاد ہیں انہوں نے اسم اعظم جانتے ہوئے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو کچھ نہیں کہا میں اسی لئے تم کو نہیں سکھانا چاہتا تا کہ اسکو استعمال کرنے میں تم جلد بازی نہ کرو۔

۲۔ اسی طرح ایک اور واقعہ کتاب نزہۃ المجالس میں بیان ہے کہ ایک شخص اسم اعظم جانتا تھا اور اسکے مُرید نے ان سے اسم اعظم سکھانے کا اصرار کیا لیکن اس نے انکار کیا ایک دن اس شخص (جو اسم اعظم جانتے تھے) نے ایک منکے کے منہ کو اچھی طرح سے بند کر کے اپنے اس مُرید کے حوالے کیا اور کہا کہ میں تم جیسا امین کسی کو نہیں مانتا ہوں لہذا یہ امانت تمہارے سپرد کر رہا ہوں اس کو فلاں شخص تک پہنچانا دیکھو راستے میں کھول کر نہیں دیکھنا چنانچہ اسکا مُرید منکا لے کر چلا گیا لیکن راستے میں اسے دوسرا آیا کہ اس منکے میں کیا ہے جب اس نے کھول کر دیکھا تو اس کے اندر صرف ایک چوہا تھا وہ وہیں سے واپس آیا اور غصے میں اپنے استاد سے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ کیوں مذاق کیا کہ ایک چوہے کیلئے مجھے بھیجا تو استاد نے جواب دیا کہ میں تم سے تمہاری امانت داری کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم میں اسم اعظم سیکھنے کی قابلیت ہے یا نہیں اب ثابت ہوا کہ تم اس کے اہل نہیں ہو کیونکہ جو شخص منکے میں موجود ایک چوہے کی حفاظت نہیں کر سکتا ہو وہ اسم اعظم کا کیسے امین ہو سکتا ہے۔

یہ گروہ عقل و قرآن اور مستند روایات سے دوردین و مذہب کو بگاڑنے کیلئے اس بات کی سند میں قصے اور عقل سے عاری باتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ شب قدر کو خداوند عالم نے چھپا کے رکھا ہے تا کہ اس کے بندے ہر وہ دن جو شب قدر ہونے کا احتمال ہے اسے احیاء کرے اس بہانے سے اس کے بندے اس کی عبادت کریں یہ منطق بھی چندین دلائل سے مسترد اور ناقابل قبول ہے کیونکہ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کو ماہ مبارک رمضان میں نازل کیا ہے اس لحاظ سے شب قدر معلوم ہوئی کہ بارہ مہینوں میں سے رمضان کا مہینہ ہے اور روایات کے حوالے سے بھی ہر طاق رات دوسرے نصف میں یا تیسرے عشرے میں تلاش کرنے کا حکم ہے اس حوالے سے بھی بہت کچھ شب قدر سے قریب ہو گیا آئمہ طاہرینؑ سے وارد روایات میں

۲۱ اور ۲۳ کی رات بیان ہوا ہے اس حوالے سے اور نزدیک ہوئے اور بعض اور روایات معصومین میں ۲۳ کی رات کو مختص کیا ہے بتائیں کہ شب قدر کہاں مجھول رہی؟۔ ایک اور نکتہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں سے اس قسم کی چال و دھوکہ بازی نہیں کرتا جو اس کے بندے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور نمونہ کہتے ہیں کہ مومن کو خداوند عالم نے چھپا کر رکھا ہے تاکہ کوئی نہ جانے، یہ بھی عقل اور آیات قرآن اور روایات سے متصادم ہے کیونکہ قرآن اور روایات میں مومنین کی صفت میں بیان ہوا ہے اور بعض کے بارے میں خود آئمہ طاہرہؑ نے تصدیق و تائید فرمائی ہے جیسے سلمان، ابوذر، عمار، یاسر، مالک اشتر، ابن مسعود، خباب بن ارت، زرارہ، ابو مسلم، امام حسینؑ اور دیگر آئمہ کے برجستہ اصحاب و آئمہ اور بعض فقہاء و مجتہدین کے ایمان اور تعہد پر سب کو اتفاق ہے۔

حالت اور کیفیت داعی

دعا وہ نہیں جو لقلقہ لسانی تک محدود ہو۔ دل کا ساتھ ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کا بھی ساتھ ہونا ضروری ہے، دعا وہ روش نہیں جو کاہل اور سست عناصر نے اپنائی ہے، دعا وہ نہیں جو ذمہ داریوں سے جان چھڑانے والوں کی تاسی کرتی ہو، دعا وہ نہیں جو اصحابِ ریا کا رچی و پکارلحٰن و ترنم میں پڑھتے ہوں، دعا وہ نہیں جن کے درمیان جھوٹے مصائب سے سامعین کو رلایا جائے بلکہ ان سب کے برعکس دعا وہ ہے جس کے طور و طریقے اور حالت کا ذکر قرآن کریم کی آیات، انبیاء و آئمہ معصومینؑ اور عباد صالحین کی سیرت میں موجود ہے۔ رات کی تاریکیوں میں، خلوت و تنہائی کے عالم میں کلمات دعا میں زبان کی حرکت کے ساتھ آسمان بھر سے آنسوؤں کی بارش سے چہرہ زمین کو سیراب کرے، دعا کرنے والوں کی جسمانی اور روحانی صفات و خصوصیات جو قرآن میں آئی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ خشیت۔ خشیت اس حالتِ اضطراب کو کہتے ہیں جو خالق کی عظمت اور ہیبت کو درک کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ حالت عام طور پر علماء اور دانشمندوں میں پیدا ہوتی ہے علماء اور دانشمند سے ہماری

مُر اوصرف علم فقہ پڑھنے والے نہیں بلکہ وہ انسان جسے کائنات کی کسی چیز کے بارے میں غور و فکر کرنے کے نتیجے میں اس چیز میں اس کے خالق کی علم و قدرت اور حکمت کا جلوہ نظر آئے اور وہ خاضع ہو مراد ہے۔ چنانچہ سورہ مبارکہ فاطر اور سورہ رعد میں خشیت کا ذکر ہے:

﴿اتَّقُوا اللَّهَ يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾ ”لیکن اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں صرف صاحبانِ معرفت ہیں بیشک اللہ صاحبِ عزت اور بہت بخشنے والا ہے۔“ (فاطر/۲۸) ﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾ ”اور جو ان تعلقات کو قائم رکھتے ہیں جنہیں خدا نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور بدترین حساب سے خوفزدہ رہتے ہیں“ (رعد/۲۱) ﴿اتَّقُوا تَتْلُوا مَنْ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ قَبْشُرَةً بِمَغْفَرَةٍ وَاجِرٍ كَرِيمٍ﴾ ”آپ صرف ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کا اتباع کریں، بغیر دیکھے از غیب خدا سے ڈرتے رہیں انہی لوگوں کو آپ مغفرت اور با عزت اجر کی بشارت دیدیں“ (یسین/۱۱) ﴿ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ﴾ ”اور یہ سب اس کیلئے ہے جس کے دل میں خوف خدا ہے“ (بینہ/۸)

۲۔ تضرع

﴿قُلْ مَنْ يُخَيِّكُم مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لِّئِنْ أَنجَيْنَا مِنْ هَٰذَا لَنُكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ ”ان سے کہئے کہ خشکی اور تری کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے جسے تم گڑگڑا کر اور خفیہ طریقہ سے آواز دیتے ہو کہ اگر اس مصیبت سے نجات دے گا تو ہم شکر گزار بن جائیں گے“ (انعام/۶۳) ﴿ادْعُوا لَوْ كُنْتُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّا يَجِبُ الْمَعْتَدِينَ﴾ ”تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خاموشی کے ساتھ پکا رو کہ وہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے“ (اعراف/۵۵)

۳۔ خوف

خوف نفس کا کسی سزا و عقاب سے ڈرنا جو کسی جرم اور گناہ کے ارتکاب کے نتیجے میں پیش آنے والی ہو چنانچہ قرآن کریم میں جہاں خوف کا ذکر آیا ہے وہاں عذاب کا بھی ذکر ہے:

﴿يَخَاقُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ الْاَبْصَارُ﴾ ”یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی“ (نور/۳۷) ﴿وَتَرْكُنَا قِيَمًا يَٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَخَاقُونَ الْعَذَابَ اَلَا يَٰٓ—﴾ ”اور وہاں ان لوگوں کیلئے ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرنے والے ہیں“ (ذاریات/۳۷) ﴿وَيَخَاقُونَ سُوْءَ الْحِسَابِ﴾ ”اور بدترین حساب سے خوفزدہ رہتے ہیں“ (رعد/۲۱) ﴿يَخَاقُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ ”اور اللہ نے کہہ دیا ہے کہ خبردار وہ خدا نہ بناؤ کہ اللہ صرف خدائے واحد ہے لہذا مجھ ہی سے ڈرو“ (نحل/۵۰) ﴿وَاَمَّا مِنْ خِيفٍ مَّقَامِ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی﴾ ”اور جس نے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف پیدا کیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہے“ (نازعات/۴۰) ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْلًا صَلاَحَهَا وَاَدْعُوْهُ خَوْفًا وَطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ ”اور خبردار زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پیدا کرنا اور خدا سے ڈرتے اور امیدوار بن کر دعا کرو کہ اسکی رحمت صاحبان حسن عمل سے قریب تر ہے“ (اعراف/۵۶) ﴿تَتَحَافَىٰ جُنُودُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنفِقُوْنَ﴾ ”اور انکے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور طمع سے پکارتے رہتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے ہماری راہ میں انفاق کرتے رہتے ہیں“ (سجدہ/۱۶) ﴿وَاَمَّا مَنْ خِيفَ مَقَامِ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی﴾ ”اور جس نے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف پیدا کیا ہے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہے“

(نازعات/۴۰)

خوف اور خشیت میں فرق یہ ہے کہ خوف، ضرر و نقصان یا جوابدہ ہونے یا کسی سزا کا سامنا ہونے کے بارے میں علم یا احتمال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، چنانچہ مولا امیر المومنینؑ نےج البلاغہ میں فرماتے ہیں کہ انسان نہ ڈرے سوائے اپنے گناہ کے (نہج البلاغہ حکمت/ ۷۹) اور خشیت خوف سے بالاتر ہے پس اس حالت کا نام ہے جو خدا کی بزرگی درک کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ خشوع

﴿اِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ يَدْعُوْنَ تَرْغِبًا وَرَهْبًا وَكَانُوا لَنَا خُشْعِيْنَ﴾ ”یہ تمام وہ لوگ تھے جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور رغبت اور خوف کے ہر عالم میں ہم ہی کو پکارنے والے تھے اور ہماری بارگاہ میں گڑ گڑا کر التجاء کرنے والے بندے تھے“ (انبیاء/ ۹۰)

ان مطالب کے پیش نظر ہمیں دعا کے ذریعے خدا سے متوسل ہوتے وقت ان مطالب کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ کن مضامین پر مشتمل دعائیں پڑھنی ہیں۔ ذیل میں ان شرائط کا ذکر کر رہے ہیں۔

- ۱۔ وہ دعائیں جو قرآن کریم میں انبیاء کی زبان سے نقل ہوئیں ہیں۔ وہ دعائیں پڑھیں۔
- ۲۔ وہ دعائیں جن کے مصدر ماخذ (سند) کی علماء و محققین نے تصدیق و تائید کی ہے۔ جیسے جو دعائیں نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادہ میں آئیں ہیں۔

وہ دعائیں جو ایسے مطالب پر مشتمل ہیں جو خدا اور بندے کے درمیان وسیلہ نہیں بن سکتی وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ وہ دعائیں جو آئمہ طاہرین سے منسوب ہیں۔ لیکن ان کی صحت کے بارے میں علماء کی طرف سے تصدیق نہیں ہے۔

۲۔ وہ دعائیں جن کو علماء اعلام نے اپنی کتب میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

۳۔ وہ دعائیں جو آیات قرآن کریم اور روایات معصومین اور عقل سلیم سے متصادم و متعارض ہیں۔

۴۔ وہ دعائیں جو کسی عالم و عارف سے سنی ہیں کہ وہ انھیں پڑھا کرتے تھے۔

۵۔ وہ دعائیں جو ہر دردمند و نیازمند اپنی زبان میں دردالم و نیاز کے وقت کرتا ہے۔

دعا میں توسل:

انسان کو درگاہِ خداوند متعال میں راز و نیاز کرنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہے یا بغیر وسائل کے بھی ایسا ممکن ہے۔ فرق مذاہب کے بعض علمائے اعتقاد نے خدا کی درگاہ میں راز و نیاز کیلئے وسائل و ذرائع سے تمسک کرنے کو قدیم زمانے کی بت پرستی کا دستور و سنت قرار دیا ہے اور سورہ اسراء کی آیت ۵۷ سے استناد کرتے ہوئے اسے رد کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ إِلَٰهًا رَّبَّهُمُ الْوَسِيلَةَ﴾ ”یہ جن کو خدا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ

تو خود ہی اپنے پروردگار کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں“

اس کے بالمقابل بعض دیگر علماء نے خدا کی درگاہ میں راز و نیاز اور دعا کو بغیر وسائل ناجائز و ممنوع قرار دیا ہے۔ اور تلاشِ وسیلہ کو ایک ضروری اور ناگزیر حقیقت قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تشکیص و تعین وسائل میں بھی ان فرق و مذاہب کے علماء نے اپنے ذوق، سلیقے، علاقائی روایات یا دوسرے مذاہب کے عقائد کی مخالفت سے استناد کرتے ہوئے از خود وسائل جعل کئے ہیں۔ لہذا اس موضوع پر کھلے ذہن کے ساتھ ترتیب و تسلسل کو مد نظر رکھتے ہوئے اسکی بسیط تفسیر کرنے کی ضرورت ہے۔

انسانی زندگی کو لاحق خطرات، مشکلات اور صعوبتوں سے رہائی کی خاطر اولیاء انبیاءِ آئمہ سے توسل کرنے کا موضوع اس وقت ایک ضد و نقیض اور بین القطبین شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب کی مانند یعنی انتہائی افراط و تفریط کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ کسی بھی مقرر خطیب اور مؤلف کیلئے اس موضوع پر کچھ کہنا لکھنا بہت سے چیلنجوں کا سامنا کرنے کے مترادف ہے۔ اس کیلئے اُسے بہت سی خاردار تاروں کو عبور کرنا پڑے گا کسی بھی فریق سے متصادم ہوئے بغیر بولنا، لکھنا وہاں سے گزر جانا ایک مشکل امر ہے۔ اس سلسلے میں کی جانے والی مختلف قسم کی احتیاطی تدابیر ناقص ثابت ہونگی کیونکہ زبان کھولتے یا قلم اٹھاتے ہی دوسرا فریق فوراً حکم صادر کرے گا کہ یہ کسی دوسرے مزاج کا انسان ہے یا اگر وہ ہمارا حامی ہے تو دوسرا کوئی شخص ایسا سوچے گا۔

لیکن موضوع کی پیچیدگی اور مشکلات انسان کو ادائیگی فرض سے باز نہیں رکھ سکتیں اور نہ ایسے حالات میں انسان مصلحت کا نام لے کر ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ چیلنجوں اور خطرات کو بہانہ بنا کر اپنے ہاتھ باندھ کر فریقین کو راضی کرنا بھی ایک ناممکن عمل ہے۔ پہلے مرحلے میں فریقین کی مرضی کو خریدنا غضبِ خدا کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا دوسرے مرحلے میں فریقین بھی راضی نہیں ہوں گے وہ بھی کسی نہ کسی طرح اُسے ایک طرف دھکیل کر اپنا فیصلہ محفوظ رکھنا چاہیں گے۔

فرض مذہبی کی اہمیت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کوئی موضوع انسانی زندگی کے اُمورِ دین و دنیا دونوں کے مختلف شعبوں سے گہرا تعلق رکھتا ہو۔ جتنا تعلق ورشتہ گہرا اور عمیق ہوگا اتنا ہی اس موضوع پر لکھنا اور بولنا ضروری ہوگا۔ لہذا ہم خدا پر توکل کرتے ہوئے اور خود خدا سے توسل لیتے ہوئے اس آگ میں کودنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اُس پر قلم اٹھا رہے ہیں۔ اس فرض کی ادائیگی کے بعد چاہے ہمیں افراطی ساحل تک دھکیل دیا جائے یا تفریطی ساحل تک۔

ہم اپنی بضاعتِ علمی، فکری اور میسر و سائل و مصادر کی حدود میں رہتے ہوئے اس پر قلم اٹھائیں گے۔ ہمارا یہ اقدام اس نیت سے نہیں کہ ہم کوئی نظریہ قائم کریں گے اور اس کے نتیجے پر پہنچیں گے بلکہ ہمارا مقصد کسی بھی موضوع پر حق و انصاف کے ساتھ گفتگو کرنے کی سنت کو قائم کرنا ہے۔ اور عقائد و نظریات کو قرآن اور دلیل و برہان کے سائے میں قائم کرنے کا رواج عام کرنا ہے۔

یہ کلمہ قرآن کریم میں دو دفعہ استعمال ہوا ہے:

۱۔ سورہ مبارکہ مائدہ آیت ۳۵:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا قِي سَبِيلَهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ”اے

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور قربِ خدا کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ شاید اس طرح تم

کا میاب ہو جاؤ“

۲۔ سورہ مبارکہ اسراء آیت ۵۷:

﴿اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب ويرجون رحمته ويخاقون عذابه ان عذاب ربك كان محذورا﴾ ”یہ جن کو خدا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے پروردگار کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون زیادہ قربت رکھنے والا ہے اور سب اسکی رحمت کے امیدوار اور اسی کے عذاب سے خوفزدہ ہیں یقیناً آپ کے پروردگار کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے“

ان دو آیات میں وسیلہ کا ذکر آیا ہے پہلی آیت میں مومنوں کو تقویٰ اختیار کرنے کے بعد سیر الی اللہ کیلئے وسیلہ کی تلاش کرنے کی دعوت دی ہے جبکہ سورہ اسراء والی آیت میں بعض لوگ خدا تک جانے کیلئے جن کو وسیلہ بناتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے اور کہا ہے کہ جن خداؤں کو وہ اپنے خدا تک لے جانے کا وسیلہ قرار دے رہے ہیں وہ خود جاہل ہیں۔

مشرکین مکہ کو جب بتوں کی پوجا کرنے سے منع کیا گیا تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ہمیں خدا تک لے جانے میں وسیلہ ہیں:

﴿اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب ويرجون رحمته ويخاقون عذابه ان عذاب ربك كان محذورا﴾ ”یہ جن کو خدا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے پروردگار کے لئے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون زیادہ قربت رکھنے والا ہے اور سب اسی کی رحمت کے امیدوار اور اسی کے عذاب سے خوفزدہ ہیں یقیناً آپ کے پروردگار کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے“

(اسراء/ ۵۷)

اسی طرح بعض نے افضل مخلوق خدا کے مقرب بندے ملائکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی تصویریں بنا کر ان کی پرستش شروع کی تو سورہ مبارکہ اسراء میں ان سب کی مذمت وارد ہوئی اور ان کی منطق کو یہ فرما کر مسترد کیا گیا کہ جن کو تم وسیلہ قرار دیتے ہو وہ تو خود خدا تک پہنچنے کیلئے محتاج ہیں۔

سورہ مبارکہ اسراء میں وسیلہ بنانے کی ممانعت اور سورہ مائدہ میں وسیلہ تلاش کرنے کے حکم نے وسیلہ کے

موضوع کو افراط و تفریط اور وصل بین قطبین قرار دیا ہے۔

وسیلہ سے متعلق افراط و تفریط اور بین قطبین کے تصور نے انسان کو دلیل و برہان اور عقل و منطق کے دائرے سے نکال کر منافرت، تضاد، تصادم اور جھگڑا فساد کے جہنم میں دھکیل دیا ہے۔ ایک طرف تو کسی کو پکارنا، مدد دینا، توجہ دلانا یا کسی کی تعظیم، شرک قرار پاتی ہے تو دوسری طرف ہر سبز و سیاہ پوش اینٹوں سے بنے ہوئے بلند قبور سے لگاؤ کو جزئ مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ لہذا تصورِ تَوَسُّل نے عقل و فکر سب کو مفلوج کیا اور انسان کو کشتکول و گدائی کے راستے پر گامزن کیا ہے یہاں تک کہ فقر و فاقہ، جائز و ناجائز، حلال و حرام، سب کو کرم اور عطاءئے مولا قرار دینے لگے ہیں۔ غرض ان دونوں تصورات یعنی ضد و نقیض اور افراط و تفریط کے تصور نے مذہب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے لہذا اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ بحث و مناظرہ، تصادم و نفرت کی تنگ گلیوں سے نکل کر اس کے بارے میں سنجیدگی سے غور و خوض اور دلیل و برہان کی کھلی فضا میں سوچیں۔ فریقین میں سے کسی کے نظریہ کو ترجیح دینے یا دونوں فریق کو خوش کرنے کی بجائے عقل و منطق اور استدلال سے رائے قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس سلسلے میں پہلے اس کے بنیادی عناصر و ارکان کی نشاندہی کریں اور ان بنیادی ارکان کو سمجھیں۔ تب ہم ان نظریات میں سے کسی نظریہ کے حق میں یا مخالفت میں کوئی فیصلہ دے سکیں گے۔ آئیے پہلے کلمہ تَوَسُّل کے لغوی اور اصطلاحی معانی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں:

تَوَسُّل یا وسیلہ:

وسیلہ بر وزن فضیلہ ہے یہ کلمہ جیسا کہ کتب معاجم و لغات میں آیا ہے۔ ”س“ کے ساتھ بھی اور ”ص“ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے لیکن ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ یہ کلمہ چاہے مصدر ہو یا اسم ہر اس چیز کیلئے استعمال ہوا ہے جس کے ذریعے انسان خود کو کسی دوسری چیز سے ملانا یا جوڑنا ہے۔ اسی لئے پچھے ہوئے کپڑوں پر لگانے والے پیوند کو وصلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کسی منزل تک پہنچنے کیلئے جو ذرائع استعمال کرتا ہے اُسے وسیلہ کہتے ہیں

جیسا کہ اونٹ، گھوڑا، گاڑی، جہاز وغیرہ۔

گرم یا ٹھنڈا کرنے والی چیز کو بھی وسیلہ کہتے ہیں کتاب مفردات قرآن میں راغب اصفہانی نے وسیلہ ”ص“ کے ساتھ کا معنی جوڑ لیا ہے لیکن ”س“ کے ساتھ ہوتا اس میں ایک فرق موجود ہے یعنی اس میں عنصر رغبت شامل ہے یعنی کسی چیز تک رغبت کے ساتھ پہنچنے کو وسیلہ کہا ہے

متوسل:

یعنی وہ انسان جو اپنے اہداف و مقاصد تک رسائی کیلئے وسائل کی تلاش اور جستجو میں ہو جو اپنی حیاتِ دنیوی اور حیاتِ اخروی دونوں میں اعلیٰ و ارفع منازل تک پہنچنے اور سعادت کی زندگی گزارنے کا خواہاں ہے۔ آیا اس بندہ کیلئے دنیا و آخرت دونوں کی سعادت و نیک بختی کا حصول ممکن و میسر ہے یا وہ اس سلسلے میں محتاج و نیازمند ہے؟۔

بندہ کتنا ہی صحت مند، قدرتمند اعلیٰ و ارفع درجے پر فائز ہی کیوں نہ ہو فقر و نیاز اس کے وجود کا بنیادی جز ہے۔ انسان اس دنیا میں اپنی حیات و بقاء، صحت و عافیت، حرکت و سکون حتیٰ مرنے تک کیلئے محتاج و نیازمند ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے سب امانت ہے اس ضمن میں قرآن کریم نے بہت سی آیات میں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ انسان اپنے آپ کسی چیز کا مالک نہیں ہے اور نہ قدرت رکھتا ہے۔ یعنی وہ ایک لحاظ سے مسخر و مغلوب موجود ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿ضرب الله مثلا عبدا مملوكا لا يقدر على شيء﴾ ”خدا نے خود اس مملوک غلام کی مثال بیان کی

ہے جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ہے“ (نحل/ ۷۵)

قرآن کریم میں ۶۵ بار انسان تکرار ہوا ہے لیکن اس کا ذکر دو حوالے سے ہوا ہے:

۱۔ اس کی ساخت جسمانی، شکل و صورت، ظاہر باطن اور پوشیدہ و آشکارا صفتوں پر مشتمل ہے جس سے انسان کی خداوند عالم نے تعریف کی ہے خلقت کے بارے میں آیات:

﴿لقد خلقنا الانسان من صلالٍ من حمإٍ مستنون﴾ ”یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سرری ہوئی

کھنکھاتی مٹی سے پیدا کیا ہے“ (حجر/۴) ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نَطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ ”اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ صریح جھگڑا لو بن بیٹھا“ (نحل/۴) ﴿وَإِذْ لَوَّيْتَهُمْ تَعَبَجَكَ أَجْسَامُهُمْ﴾ ”جب آپ انھیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں“ (منافقون/۴)

انسان کی صفات کے بارے میں آیات:

﴿وَإِنَّهُ لَفَرِحَ فَخُورٌ﴾ ”یقیناً وہ بڑا ہی اترانے والا شیخی خور ہے“ (ہود/۱۰) ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ ”یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے“ (ابراہیم/۳۳) ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَصُولًا﴾ ”انسان ہے ہی بڑا جلد باز“ (اسراء/۱۱) ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا﴾ ”اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے“ (اسراء/۶۷) ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شِيءٍ جَدَلًا﴾ ”لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑا لو ہے“ (کہف/۵۴) ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَلٍ﴾ ”انسان جلد باز مخلوق ہے“ (انبیاء/۳۷) ﴿لَا كُلُّ عِلٍّ إِلَّا كُفٌّ﴾ ”جو بد عہد اور ناشکرا ہے“ (لقمان/۳۲) ﴿وَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ ”پھر یکا یک وہ صریح جھگڑا لو بن بیٹھا“ (یٰسین/۷۷) ﴿لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دَعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَعْوِزُ قَنُوطًا﴾ ”بھلائی مانگنے سے انسان تھکتا نہیں اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے“ (فصلت/۴۹) ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خَلْقٌ هَلُوعٌ﴾ ”بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے“ (معارج/۱۹) ﴿وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعٌ﴾ ”اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے“ (معارج/۲۱) ﴿قَتَلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ﴾ ”اللہ کی مار انسان پر کیسا ناشکرا ہے“ (عبس/۱۷) ﴿كَذَلِكِ الْإِنْسَانُ لِيَطْغَىٰ إِذَا رَآهَ اسْتَغْنَىٰ﴾ ”سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تو نگر) سمجھتا ہے“ (علق/۶، ۷) ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾ ”یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے“ (عادیات/۶) ﴿وَإِنَّهُ لَحَبِ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ ”یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے“ (عادیات/۸)

ان آیات میں انسان کی مختلف صفات و خصوصیات 'ضد و نقیض' نفی و اثبات کا ذکر کیا ہے اور اس حوالے سے اسے اپنے خالق اور رب کے حضور میں خاضع و خاشع ہونے کیلئے احتجاج و استدلال کیا گیا ہے۔

دوسری صفت "صفتِ بندگی" ہے:

یہ صفت انسان میں دو صورتوں میں ظاہر و آشکار ہے:

(۱) انسان رضا و رغبت یا کراہت و نفرت کے باوجود ارادہ و مشیتِ الہی کے سامنے خاضع اور نیازمند ہے یعنی بندہ چاہے کافر و شرک ہی کیوں نہ ہو ہر حالت میں اس ذات کا محتاج و نیازمند ہے۔

متوسل الیہ متوسل پر غلبہ رکھتا ہے:

متوسل الیہ سے روگردانی کرنے والوں کو سخت اور دردناک عذاب کی وعید دی ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ قَوْعًا عِبَادَهُ﴾ "اور وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے" (انعام/۱۸)

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ قَوْعًا عِبَادَهُ وَيُرْسِلْ عَلَيْكُمْ حَفْضَهُ﴾ "اور وہی خدا ہے جو اپنے بندوں پر غالب ہے

اور تم پر نگہبانی کرنے والے بھیجتا ہے" (انعام/۶۱)

اس سے روگردانی کرنے والے جہنمی ہیں:

﴿وَمَنْ يَشْكُرْ عَنِّ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسُحَّرْ لَهُمُ الْيَهُودُ﴾ "جو بھی اس کی بندگی سے

انکار و استکبار کرے گا تو اللہ سب کو اپنی بارگاہ میں محسوس کرے گا" (نساء/۱۷۲) ﴿إِنَّ الْفِتْنَةَ عَنْكَ يَكُونُ

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنِّ عِبَادَتِهِ وَيَسْبَحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ﴾ "جو لوگ اللہ کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ

انکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتے

ہیں" (اعراف/۲۰۶) ﴿وَمَنْ عَنَّهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنِّ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ﴾ "جو افراد اس کی

بارگاہ میں ہیں وہ نہ اسکی عبادت سے اکڑ کر انکار کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں" (انبیاء/۱۹)

﴿كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضَلَالًا﴾ "ہرگز نہیں عنقریب یہ معبود خود ہی انکی عبادت

سے انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں ﴿ان الذين يشكرون عن عبادتي سيلطون جہنم داخرين﴾ ”یقیناً جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے“ (غافر/۶۰)

انبیاء ہمیشہ خدا کی طرف متوجہ ہوتے تھے:

﴿لن يشكف المسيح ان يكون عبداً﴾ ”نہ مسیح کو اس بات سے انکار ہے کہ وہ بندہ خدا ہیں“ (نساء/۱۷۲)

خدا کے علاوہ کسی اور سے متوسل ہونے کیلئے دلیل و برہان کی ضرورت ہے:

﴿ويجعلون من دون الله مالم يترل به سلطاناً وما ليس لهم به علم﴾ ”اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جن کے بارے میں نہ خدا نے کوئی دلیل نازل کی ہے اور نہ خود انھیں علم ہے“ (حج/۷۱)

خدا کے علاوہ کسی اور کی سرپرستی سے منع کیا ہے:

﴿ويوم يحشرهم وما يجعلون من دون الله﴾ ”اور جس دن بھی خدا ان کو اور ان کے خداؤں کو جنہیں یہ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے سب کو ایک منزل پر جمع کرے گا“ (فرقان/۱۷) ﴿ويجعلون من دون الله مالا ينفعهم ولا يضرهم﴾ ”اور یہ لوگ پروردگار کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان“ (فرقان/۵۵)

خدا کے علاوہ بندہ کچھ نہیں کر سکتا:

﴿ان الذين تلعون من دون الله من يخلقوا ذباباً ولوا جمعوا له﴾ ”یہ لوگ جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر آواز دیتے ہو یہ سب بھی مل جائیں تو ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں“ (حج/۷۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام عرفات کے میدان میں فرماتے ہیں:

﴿إنا الفقير في غنى فكيف لا أكون فقيراً في فقرى إنا الجاهل في علمى فكيف لا أكون جهولاً في جهلى﴾ ”میرے خدا میں اپنی مالداری میں بھی فقیر ہوں تو اپنے فقر میں کیوں کر فقیر نہ ہوں گا خدا یا میں اپنے علم میں بھی جاہل ہوں تو کیونکر جھل میں جاہل نہ ہوں گا“

(۲) بندہ اپنی رضا اور غبت سے ربِّ کریم کی عبادت و بندگی کا خواہاں ہے۔

انسان بحیثیت عبودیت

انسان دیگر مخلوقات سے صفت عبودیت و بندگی میں ممتاز ہے۔ یہ خدا کی بندگی اپنی رضا اور غبت سے کرتا ہے۔ چونکہ انسان اپنے خالق کی معرفت و شناخت سے متعلق جاہل و نادان ہے طریقہ بندگی سے نا آشنا ہے لہذا وہ اپنے رب سے فاصلہ پر ہے۔ اسے اپنے رب کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کے طریقوں، راستوں سے آشنا ہونے کی ضرورت ہے اُسے ایسے اعمال و کردار سے آگاہی کی ضرورت ہے جنکی انجام دہی سے وہ اپنے رب سے نزدیک ہو جائے۔

بندگی خدا، قرب خدا اور رضائے خدا حاصل کرنے کے ذرائع کو قرآن کریم نے وسیلہ کہا ہے قدیم زمانے سے دور جدید تک انسانوں کی کثیر تعداد اس وسیلہ کی پہچان و شناخت نہ کر سکنے کی وجہ سے ضلالت و گمراہی سے گزر رہی ہے۔ فرد و گروہ اپنی ذہنی ساخت کے ایک ماڈل کے سامنے جھک گئے۔ اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو ہی رضا و خوشنودی خالق حقیقی سمجھا ہے۔ وہ اس ماڈل کے سامنے جھکنے اور اس کی پرستش کرنے کی کوئی دلیل و برہان نہیں رکھتے تھے خداوند متعال اُن کے اس فعل کو مردود و مذموم قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم ان خود ساختہ بتوں کی پرستش اس لئے کرتے ہو کہ وہ تمہارے نفع و نقصان کے مالک ہیں وہ تمہاری مشکلات حل کر سکتے ہیں تمہاری حاجتوں کو پورا کر سکتے ہیں جبکہ ان میں سے کوئی بھی معبود کسی قسم کی قدرت اور علم نہیں رکھتا اور نہ اس سے آشنا ہے۔ یہیں سے بعثتِ انبیاء و مرسلین اور دوامِ حجتِ خدا کی ضرورت پیش آئی تاکہ

خدا کے یہ نمائندے انسان کے اندر پوشیدہ عقل و فطرت کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر کے انسان کو ضلالت و شقاوت و بدبختی کے ساحلوں سے نکال کر ساحلِ نجات تک پہنچائیں۔ یہی انبیاءِ آئمہ اور علماء اپنی اپنی حدود میں بندے اور خدا کے درمیان وسیلے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ سورہ مائدہ کی آیت ۳۵ میں تلاشِ وسیلہ کا جو حکم دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ ”مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور قربِ خدا کا وسیلہ تلاش کرو“

اس میں اسی وسیلہ ہدایت و رہبری کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ انسان اس راہ سے گمراہ تھا اور ان وسائل سے نا آشنا اور روگردان تھا۔ نہ کہ یہاں حصولِ دنیا اور جمعِ مال و دولت کے وسائل کی تلاش کی دعوت ہے۔ کیونکہ انسان ان وسائل سے نہ غافل تھا اور نہ ہی انجان بلکہ وہ انہی وسائل میں مستغرق اور غوطہ زن تھا۔ انبیاء اسے اس دلدل سے نکالنے کیلئے آئے نہ کہ اسکی طرف دعوت دینے کیلئے یا اس بارے میں اُنکی مدد کرنے کیلئے۔

۲۔ متوسل الیہ (یعنی خدا سے قُرب کی خاطر) بندے کا خدا سے قرب دو قسم کا ہے:

۱۔ **قربِ کونی:** بندہ چاہے یا نہ چاہے وہ خدا سے قریب ہے اور اسی طرح خدا بھی اپنی الوہیت و ربوبیت کے حوالے سے بندے کے قریب ہے۔ اس سلسلے میں قرآنِ کریم کی کثیر آیات ہیں لیکن بطور نمونہ دو آیاتِ کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَتَحْنِ اقْرَب إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ ”اور ہم اس کے رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب

ہیں“ (ق/۱۶) ﴿وَتَحْنِ اقْرَب إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَالْكَنْ لَا تَبْصُرُونَ﴾ ”ہم اس شخص سے بہ نسبت

تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے“ (واقعہ/۸۵)

متوسل الیہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے مالکِ سماوات والارض ہے۔ تمام کائنات کی خلق و فنا، رگِ موت و حیات، امساک و ارسال سب اس کی قدرت میں ہیں۔ اس کے اذن کے بغیر درخت کا کوئی پتہ نہیں سکتا۔ چنانچہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس ذات کے سوا کائنات کا کوئی مالک نہیں:

﴿قُلْ مَنْ يَمْلِكُ مَلَكُوتَ﴾ ”پھر کہیے ہر شے کی حکومت کس کے اختیار میں ہے“
 (مومنون/۸۸) ﴿قَسِبَ خُنَ الَّذِي يَمْلِكُ مَلَكُوتَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”پس پاک و بے نیاز ہے وہ
 خدا جس کے ہاتھوں میں ہر شے کا اقتدار ہے“ (یسین/۸۳) ﴿وَكُنْ فَالِكُ نَرَىٰ اِبْرَاهِيْمَ مَلِكُوتِ
 الْعَمَمِ سَاوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”اور اسی طرح ابراہیم کو آسمان و زمین کے اختیارات دکھلاتے
 ہیں“ (انعام/۷۵) ﴿تَبَارَكَ الَّذِي يَمْلِكُ الْمَلِكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَلِيْرٌ﴾ ”بابرکت ہے وہ
 ذات جس کے ہاتھوں میں سارا ملک ہے اور وہ ہر شے پر قادر مختار ہے“ (ملک/۱)

ہر چیز خدا کے قبضہ قدرت میں ہے اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا ملاحظہ فرمائیں آیات قرآنی:

﴿مَا يَفْتَحُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ ”اللہ انسانوں کیلئے جو رحمت کا دروازہ کھول
 دے اُس کا کوئی روکنے والا نہیں ہے“ (فاطر/۲) ﴿اَوَلَا اَدْنٰی بِرَّحْمَةِ هَلْ مِنْ مَّمْسَكَاتِ
 رَحْمَةٍ﴾ ”اگر اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے
 ہیں؟“ (زمر/۳۸) ﴿قُلْ اِنْ اَقْرَبْتُمْ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ”کہہ دیجئے: اگر میں نے اسے
 گھڑ لیا ہے تو تم میرے لئے اللہ کی طرف سے (بچاؤ کا) کوئی اختیار نہیں رکھتے“ (احقاف/۸)
 ﴿وَلِلّٰهِ مَلِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ”اللہ ہی کیلئے زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو
 کچھ ہے کی حکومت ہے“ (مائدہ/۱۷) ﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ
 ضَرًا وَلَا نَفْعًا﴾ ”پیغمبر آپ ان سے کہیے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے
 لئے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں“ (مائدہ/۷۶) ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ
 رِزْقًا مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا﴾ ”اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمان و
 زمین میں کسی رزق کے مالک نہیں ہیں“ (نحل/۷۳) ﴿وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًا وَلَا نَفْعًا﴾ ”نہ یہ لوگ
 نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں“ (طہ/۸۹) ﴿فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًا﴾ ”پھر آج
 کوئی کسی کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوگا“ (سبا/۲۲) ﴿وَلَا يَمْلِكُوْنَ الْفٰئِزِينَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

الشفاۓ ﴿﴾ ”اس کے علاوہ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے“ (زخرف/۸۶) ﴿﴾ قل ادعوا الذين زعمتم من دون الله لا يملكون مثقال ذرة في السموات ولا في الارض ﴿﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اللہ کے سوا جس کو (اپنا معبود) خیال کرتے ہو انہیں پکارو انہیں آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر اختیار نہیں ہے“ (سبا/۲۲) ﴿﴾ قل فمن يملك لكم من الله شيئا ﴿﴾ ”کہہ دو: کون ایسا ہے جو اللہ سے تمہیں بچا سکے“ (فتح/۱۱) ﴿﴾ قل افاتخذتم من دونه اولياء لا يملكون لانفسهم نفعا ولا ضرا ﴿﴾ ”پھر کہو تم نے اپنے لئے اس کے علاوہ اولیاء بنائے ہیں جو اپنے سود و زیاں کے مالک نہیں ہیں“ (رعد/۱۶) ﴿﴾ ولا يملكون لانفسهم ضرا ولا نفعا ولا يملكون موتا ولا حيوة ﴿﴾ ”نہ وہ اپنے نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی موت و حیات کے“ (فرقان/۳) ﴿﴾ ان الذين تعبدون من دون الله لا يملكون لكم رزقا ﴿﴾ ”خدا کے علاوہ جن کی بھی پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں“ (عنکبوت/۱۷)

انبیاء کرام جو معجزے و کرامات دکھاتے ہیں ان کا فاعل خود خدا ہے اور اس کا مظہر انبیاء ہیں یا انبیاء خود خدا کے اذن سے معجزہ نمائی کرتے ہیں۔ اذن خدا کے بغیر کوئی بھی چیز تغیر پذیر نہیں آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں:

﴿وما هم بضارين له من احيل الا باذن الله﴾ ”اذن خدا کے بغیر وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے“ (بقرہ/۱۰۲) ﴿﴾ زموهم باذن الله ﴿﴾ ”خدا کے حکم سے دشمن کی فوج کو شکست سے دوچار کیا“ (بقرہ/۱۵۱) ﴿﴾ وَاَبْرَىٰ اَلَا كَمَهِ وَالْاَبْرَصِ وَاحِى الْعَوْثِىٰ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴿﴾ ”نیز خدا کے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور برص میں مبتلا لوگوں کو شفا دیتا ہوں“ (آل عمران/۴۹) ﴿﴾ وَاَمَّا كَانَ لِنَفْسٍ اِنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴿﴾ ”اور کوئی شخص حکم خدا کے بغیر نہیں مرتا“ (آل عمران/۱۳۵) ﴿﴾ وَاَمَّا اَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِىِ الْحَمْفَنِ قَبَاذِنِ اللّٰهِ ﴿﴾ ”جب دو گروہ آپس میں نبرد آزما ہوئے تو تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ حکم خدا کے مطابق تھی“ (آل عمران/۱۶۶) ﴿﴾ وَاَمَّا كَانَ لِنَفْسٍ اِنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ

اللہ ﴿”کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا“﴾ (یونس/۱۰۰) ﴿وما کان لرسول ان یتاٰی بایة الا باذن اللہ﴾ ”کسی رسول کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آئے“ ﴿(رعد/۳۸)﴾ ﴿ما اصاب من مصیبة الا باذن اللہ﴾ ”کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی ہے مگر خدا کی اجازت سے“ ﴿(تغابن/۱۱)﴾

۲۔ **قرب اختیاری:** قرب اختیاری بندہ اپنی عبادت اور بندگی فوجہ سے حاصل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں بندہ جن مسائل و اعمال سے خدا کا قرب حاصل کرتا ہے اس کا ذکر ان آیات کریمہ میں آیا ہے:

﴿والسابقون السبقون اولئک المقربون﴾ ”اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں، وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں“ ﴿(واقعہ/۱۱، ۱۰)﴾ ﴿وان تعفوا اقرب للتقوی ولا تقصوا الفضل ینکم ان اللہ بما تعملون بصیر﴾ ”اور معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب تر ہے اور آپس میں بزرگی کو فراموش نہ کرو خدا تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے“ ﴿(بقرہ/۲۳۷)﴾ ﴿اعملوا هوا قرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون﴾ ”انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے“ ﴿(مائدہ/۸)﴾ ﴿ورضوان من اللہ اکبر، ذلک هو الفوز العظیم﴾ ”اور اللہ کی مرضی تو سب سے بڑی چیز ہے اور یہی ایک عظیم کامیابی ہے“ ﴿(توبہ/۷۲)﴾ ﴿فاما الذین امنوا و عملوا الصالحات فیدخلہم ربہم فی رحمۃ ذلک هو الفوز المعین﴾ ”اب جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے انہیں پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا کہ یہی سب سے نمایاں کامیابی ہے“ ﴿(جاثیہ/۳۰)﴾ ﴿ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت من تحته لا یتارخا لہن فیہا﴾ ”اور جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا خدا اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی“ ﴿(نساء/۱۳)﴾ ﴿یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ ”ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو“ ﴿(نساء/۵۹)﴾ ﴿ومن یطع

الرسول فقد اطاع الله ﴿﴾ ”جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی“ (نساء/ ۸۰) ﴿والمعومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوة و يعوتون الزكوة ويطيعون الله ورسوله اولئك سيرحمهم الله ان الله عزيز حكيم﴾ ”مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں سب ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں کہ یہ سب ایک دوسرے کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب خدا رحمت نازل کرے گا کہ وہ ہر شے پر غالب اور صاحب حکمت ہے“ (توبہ/ ۱۷) ﴿ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه قال الله هم الفائزون﴾ ”اور جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا اور اس کے دل میں خوف خدا ہوگا اور وہ پرہیزگاری اختیار کرے گا تو وہی کامیاب کہا جائے گا“ (نور/ ۵۲) ﴿ومن يقنت متكن لله ورسوله وتعمل صالحا نكوتها اجرها مرتين﴾ ”اور جو بھی تم سے خدا اور رسول کی اطاعت کرے اور نیک اعمال کرے اسے دوہرا اجر عطا کریں گے“ (احزاب/ ۳۱) ﴿اطيعوا الله والرسول لعلكم ترحمون﴾ ”اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو کہ شاید رحم کے قابل ہو جاؤ“ (آل عمران/ ۱۳۲) ﴿ومن يطع الله ورسوله يدخله جنتا تحرى من تحنها الا تهر﴾ ”جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا خدا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی“

(فتح/ ۱۷)

توسل بہ دنیا:

دنیا سے متعلق حوائج تک رسائی مادی وسائل سے ہی ممکن ہے جن سے خدا پر ایمان رکھنے والے مومن بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کافر و ملحد بھی۔ خداوند عالم نے از روئے تکوین اس میں کوئی بندش نہیں رکھی ہے۔ انسان اگر خدا کی طرف سے حرام کردہ چیزوں تک رسائی حاصل کرنا چاہے تو وہ ان تک پہنچ سکتا ہے۔ غرض

حصولِ دنیا کو خدا سے دُعا اور توسل بہ اولیاء سے مشروط نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی اور روایاتِ معصومین ہیں:

۱۔ خدا نے دنیا کو مومن و کافر دونوں کیلئے کھلا رکھا ہے اس میں ایمان شرط نہیں ہے:

﴿مَنْ كَانَ يَرْيدُ العاجلةَ عجلنا له فيها ما يشاء لمن يريد ثم جعلنا له جهنم﴾ ”جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہوا ہے ہم یہاں جس قدر جس کیلئے چاہیں سر دست دیتے ہیں بالآخر اس کیلئے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں“ (اسراء/ ۱۸) ﴿ومن يريد ثواب اللّٰتِ ثوابه من يرد ثواب الآخرة ثوابه منها﴾ ”دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا میں دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ بھی دیں گے“ (الاعمران/ ۱۳۵) ﴿مَنْ كَانَ يَرْيدُ الحَيوةَ الدّٰنِيَا وَزَيَّعَهَا نَفَوْا إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يَحْسُونَ﴾ ”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی“ (ہود/ ۱۵) ﴿ومن كان يريد حرث اللّٰتِ ثوابه منها وماله في الآخرة من نصيب﴾ ”اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اُسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں“ (شوریٰ/ ۲۰) ﴿وَلَوْ لَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِيُؤْتِيَهُمْ سِقْفًا مِّنْ قِصَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ﴾ ”اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے تو طُغْمَن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی بنا دیتے اور زینوں کو (بھی) جن پر وہ چڑھا کرتے“ (زخرف/ ۳۳)

۲۔ انبیاء و ائمہ طاہرینؑ سے واسطہ عزیز و اقارب، دوست و اصحاب فقر و فاقہ محرومیت اور تاریک و تلخ زندگی گزار کر اس دنیا سے گزرے ہیں۔

۳۔ فی زمانہ مومنین متوسلین ائمہؑ و اولیاء اللہ کرب و اضطراب فقر و محرومیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ جسکی واضح دعوایاں مثال افغانستان، عراق اور پاکستان کے شیعوں کا گذشتہ بیس سال سے انتہائی کمپرسی اور

ناگفتہ بہ حالت میں گذر رہا ہے۔

۴۔ کثیر آیات میں خداوند متعال نے پیغمبر اکرمؐ کو لوگوں کی دل بخواہ دنیاوی حاجتوں کی طلب کو قبول نہ کرنے اور ان سے یہ کہنے کا حکم دیا ہے کہ دنیا کی دگر کوئی ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

۵۔ دو قدیم سے دور حاضر تک کے علماء و محققین نے آئمہ طاہرینؑ کو صرف بیان شریعت کیلئے وسیلہ ثابت کیا ہے نہ کہ کسی دنیاوی خواہشات کو بر آوردہ کرنے کیلئے۔

انسان جب تک اس دنیا میں ہے وہ جسمانی اور معنوی لحاظ سے یعنی دونوں زاویہ نگاہ سے بہت سی چیزوں کا محتاج و نیازمند ہے۔ وہ بحیثیت ایک موجود حیوانی کے غذا و طعام کا محتاج و نیازمند ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے: ”ہم نے کوئی انسان نہیں بنایا ہے جو کھانا نہیں کھاتا ہو“ جس طرح کھانے پینے کیلئے غذا کا محتاج مند ہے اسی طرح سردی گرمی سے بچنے کیلئے گرم اور ٹھنڈا کرنے والے وسائل و ذرائع کا بھی محتاج مند ہے جیسے لباس، ہیٹر اور ایئر کنڈیشنڈ وغیرہ اور اسی طرح سکون و استراحت کی خاطر مکان کا محتاج و نیازمند ہے۔

۲۔ ایک انسان ہونے کے ناطے سے علم و ہنر فن شہرت و احترام و مقام کا بھی خواہشمند ہے اور اس کے حصول کیلئے محتاج و نیازمند ہے۔ اسی طرح انسان زیادہ سے زیادہ وسائل و ذرائع پر اپنے گرد و نواح پر غلبہ قدرت وغیرہ کے حصول کی خاطر کرسی اقتدار کا بھی محتاج مند ہے۔ ان سب کا شمار انسانی زندگی کی دنیاوی ضروریات و لوازم میں ہوتا ہے اور اسکی کوئی حدود (Limit) نہیں ہے جہاں پہنچ کر اس کی نیاز و احتیاج ختم ہو جاتی ہو۔ انسان حصول دنیا میں بہت لالچی اور حریص ہے بقول مولا امیر المومنینؑ: ”جو ملتا ہے وہ کھاتا ہے جمع کرتا ہے جو نہیں ملتا ہے وہ طلب کرتا ہے وہ طلب میں حریص ہے خرچ میں بخیل ہے۔ لہذا قرآن کریم میں آیا ہے: اگر پوری دنیا ایک انسان کو دے دیں تو وہ ختم ہونے کے ڈر اور فقیر ہونے کے خوف سے بخیل ہو جائے گا۔ غرض انسان لامحدود دولت، شہرت، مقام و عزت، اقتدار و سلطنت کا خواہاں ہے۔ انسان کی ان ضروریات کو لغت عام میں رزق کہتے ہیں۔ رزق کو فارسی میں

روزی کہتے ہیں۔ راغب اصفہانی نے رزق کو عطاءے دائمی کہا ہے چاہے دنیاوی ہو یا آخری چاہے پیٹ کی خاطر ہو یا مقام و جاہ یا قدرت و سلطنت ہو یا نبوت و امامت۔ خداوند متعال نے جہاں انسان کے وجود کے اندر بہت سی احتیاجات کو اُس کی سرشت اور فطرت کے اندر سمویا ہے وہاں خداوند عالم نے اُس کی مطلوبہ حوائج کو اس دنیا میں بے بہا اور غیر محدود انداز میں اس وسیع و عریض زمین و فضا میں پھیلا یا بھی ہے۔ چنانچہ سورہ مبارکہ ابراہیم کی آیت ۳۲ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وَاتَّخَذَ مِنْكُمْ كُلَّ مَسَاكِمٍ وَان تَعْلُوا تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ لَا يَحْصُوهُ انَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ ”اُسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے“ (ابراہیم/۳۲)

خدا نے اپنی نعمتوں کو اس کائنات میں پھیلا یا ہے لیکن ان نعمتوں تک رسائی یا ان کا حصول کیونکر ممکن ہے یہ ہمارے مقالے کا موضوع ہے۔ وہ کونسے وسائل و ذرائع ہیں جو انسان کی خواہشات اور تمنائیں پورا کرتے ہیں یا انہیں ساحل تک پہنچاتے ہیں اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو نکات کی وضاحت کرنے کے بعد ہم اصل موضوع میں داخل ہوتے ہیں۔

۱۔ خدا کی نعمتیں سب کیلئے ہیں ان نعمتوں کو جو خدا نے اس کائنات میں پھیلائی ہیں وہ کہیں بھی ہوں ممنوع الحصول نہیں ہیں۔ بلکہ کثیر آیات قرآنی کے تحت خدا نے انسان کیلئے ان سب کو مسخر کیا ہے اور انسان کو اس پر مسلط کیا ہے جیسا کہ سورہ اسراء آیت ۷۰ میں بیان ہوا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوُجُوهِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا فَضِيلًا﴾ ”یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی“

۲۔ دوسری حقیقت۔ خدا نے ان نعمتوں تک پہنچنے کا پہلا وسیلہ خود انسان سے متصل کیا ہے جیسے چلنے کیلئے پاؤں، حاصل کرنے کیلئے ہاتھ، دیکھنے کیلئے بصارت، سننے کیلئے سماعت، سمجھنے کیلئے دل اور اٹھانے کیلئے

قوتِ بازو۔ یہ وسائل خداوندِ عالم نے ہر ایک کو عنایت کیے ہیں۔ بہت کم انسان ہونگے جو ان وسائل سے محروم ہوں اگر کوئی محروم ہے تو اس کیلئے خدا نے متبادل ذریعہ بنایا ہے۔ یہ نکات واضح ہونے کے بعد یہ کہنا کہ انسان کو ان مطلوب و مقصود دنیاوی ضرورتوں کے حصول کیلئے صرف دُعا اور توسل بہ اولیاء پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے اور وہ ہی رزق و موت دیتے ہیں۔

یہ اعتقاد آئمہ طاہرین کے بارے میں نہ قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے اور نہ معتبر روایات سے اور نہ فرقہ کے محققین علماء کے کلمات میں اب ملتا ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھنے والے بعض مجہول الحال کتاب سے استناد کرتے ہیں۔ یہ لوگ جس کتاب کا حوالہ دیکر قرآن و سنت سے متصادم باتوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کتاب (اسرار آل محمدؐ) کے جملات و مضامین بہائیوں، قادیانیوں، نصیریوں اور موجودہ دور کے اسماعیلیوں (آغا خانی) کے عقائد و نظریات سے ماخوذ ہیں۔ حالانکہ ان گروہوں نے شریعتِ اسلامی کے خلاف جو اقدامات اٹھائے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور بعض نے تو شریعتِ اسلامی کو بالکل معطل کیا ہے۔ اور بعض نے قرآن کی صریح آیات کریمہ کے خلاف تاویلات پیش کر کے اسلام و شریعت میں فرض کی گئی عبادات سے لوگوں کو آزاد کرایا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ہمارے منابر سے شریعتِ اسلامی، فرائض و واجبات اور نماز جیسی اہم عبادت کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور اسی طرح حلال کے خلاف اور محرمات کے حق میں برملا اعلان کرتے ہیں اور نماز کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علیؑ کہنا ہی نماز ہے۔ اور آج کل تو قد قامت الصلوٰۃ کی جگہ حسین حسین اور رکوع میں سبحان ربی الحسین پڑھنا بھی شروع کیا ہے۔

(۱) قرآن کریم کی کثیر آیات میں ان عقائد پر مہر بطلان لگائی گئی ہے ان میں سے کچھ آیات درج ذیل ہیں:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لِلَّهِ مَغْلُوبَةٌ غَلَبَتْ إِلَهُهُمْ﴾ ”اور یہود کہتے ہیں: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

جبکہ خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں“ (مائدہ/۶۲) ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾

”کہہ دیجئے: اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو“ (مائدہ/۷۷) ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ ”اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو“ (نساء/۱۷۱) ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ

قول الفین قالوا ان الله فقیر وتحن اغنیاء ﴿﴾ ”تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جو کہتے ہیں: اللہ محتاج اور ہم بے نیاز ہیں“ (آل عمران/ ۱۸۱) ﴿يسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ ”جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز ایک (نئی) کرشمہ سازی میں ہے“ (رحمن/ ۲۹) ﴿قُلْ لَّوْءَیْتُمْ اَنْ جَعَلَ اللهُ عَلَیْكُمْ الْیَلَّ سِرْمَلًا لِّیَوْمِ الْقِیَامَةِ مِنْ اِلَٰهٍ غَیْرِ اللهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُونَ﴾ ☆..... تَسْكُونُ فِیْهِ اَفَلَا تَبْصُرُونَ﴾ ”کہہ دیجئے: کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کیلئے رات کو مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟۔ کہہ دیجئے: کیا تم نے کبھی غور کیا اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کیلئے دن کو مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تم سکون حاصل کرو؟ کیا تم (چشم بصیرت سے) دیکھتے نہیں ہو؟“ (قصص/ ۷۱، ۷۲)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کو معطل، فقیر و بے بس اور دستِ خالی کہنے والوں کی بات کو واضح اور واضح گاف الفاظ میں باطل قرار دیا گیا ہے اور اسکے ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کرنے والے جہنمی ہیں۔ امیر المومنین علیؑ سے لیکر بارہویں امام (عج) تک ان تمام ائمہ الہدیٰ علیہم السلام نے بیان شریعت، تفسیر شریعت اور اخبار غیب غرض اسلام و شریعت سے متعلق اپنی ہر بات کے صحیح اور سچ ہونے کی سند میں آیات قرآن کریم اور قول رسول اللہؐ کو پیش کیا ہے اور خود پیغمبر اکرمؐ نے اپنے کلام و بیان کو قرآن اور وحی سے مربوط کیا ہے۔ آیات کریمہ شاہد ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کبھی بھی وحی الہی سے ہٹ کر اپنی طرف سے کوئی بات بیان نہیں فرماتے تھے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات بطور ثبوت ملاحظہ کریں:

﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللهُ الرِّسَالَ فِیَقُولُ مَاذَا جِئْتُمْ قَالَوْا اَعْلَمْ لَنَا اَنْتَ اَمَّا عَلَامُ الْغِیُوبِ﴾ ”(اس دن کا خوف کرو) جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا: (امتوں کی طرف سے) تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ عرض کریں گے: (تیرے علم کی نسبت) ہمیں علم ہی نہیں غیب کی

باتوں کو یقیناً تو ہی خوب جانتا ہے“ (مائده/۱۰۹) ﴿قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَلِرُزْقِنَا وَاتِّخِذِ الْخَاسِرِينَ﴾ ”تب عیسیٰ بن مریم نے دعا کی: اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! آسمان سے ہمارے لئے کھانے کا ایک خوان نازل فرما کہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کیلئے وہ دن عید اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے کہ تو بہترین دینے والا ہے“ (مائده/۱۱۳) ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدٌ﴾ ”وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا“ (جن/۲۶) ﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اللہ اپنے امر میں غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“ (یوسف/۲۱) ﴿وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ أَنِّي مُلْكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَرَدُّونَ أَعْيُنَكُمْ لَنِ يُوَفِّيَهُمُ اللَّهُ خَيْرَآنَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذْ لَمِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور میں تم سے نہ تو یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جنھیں تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں ان کے بارے میں بھی یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں بھلائی سے نہیں نوازے گا۔ ان کے دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا“ (ہود/۳۱) ﴿تَتْلُكُ مِنْ أَتْبَاءِ الْغَيْبِ فَوَحِّیْهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ عَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”یہ ہیں غیب کی کچھ خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ آپ ان باتوں کو جانتے تھے نہ آپ کی قوم پس صبر کریں انجام یقیناً پرہیزگاروں کیلئے ہے“ (ہود/۳۹) ﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَاصْطَبِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ﴾ ”پس کہہ دیجئے: غیب تو صرف اللہ کے ساتھ مختص ہے پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں“ (یونس/۲۰) ﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْبَرْتَ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنَى السُّوءِ﴾ ”اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ پہنچتی“ (اعراف/۱۸۸) ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ

ولا اعلم الغیب ولا قول اتی ملک ان اتبع الاما یوحی الی ﴿﴾ ”کہہ دیجئے: میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جسکی میری طرف وحی ہوتی ہے“ (انعام/۵۰) ﴿و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو﴾ ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا“ (انعام/۵۹) ﴿فذلك من اتباع الغیب توحیہ الیک﴾ ”یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں“ (آل عمران/۴۲) ﴿اتی اعلم غیب السماوات والارض واعلم ما قبلون وما کتم تکمون﴾ ”میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہوں نیز جس چیز کا تم اظہار کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو وہ سب جانتا ہوں“ (بقرہ/۳۳)

(۳) کائنات کی تمام مخلوقات میں تقسیم ارزاق صرف خدا ہی کرتا ہے:

﴿امن ههنا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ بل لحواقی عتو و تقوی﴾ ”اگر اللہ اپنی روزی روک دے تو کون ہے جو تمہیں رزق دے؟ مگر یہ لوگ سرکشی اور نفرت پراڑ گئے ہیں“ (ملک/۲۱)

(۴) رحمت خدا کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہے:

﴿ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لها وما یمسک قلامرسل له من بعلم﴾ ”لوگوں کیلئے جو رحمت (کا دروازہ) اللہ کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں“ (فاطر/۲) ﴿ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولعن زالتا ان امسکھما من اھد من یعلہ اتمہ کان حلیما غفورا﴾ ”اللہ آسمانوں اور زمین کو یقیناً تھامے رکھتا ہے کہ یہ اپنی جگہ چھوڑ جائیں تو اللہ کے بعد انھیں کوئی تھامنے والا نہیں ہے یقیناً اللہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے“ (فاطر/۴۱)

(۵) کوئی نظام کائنات میں تصرف یا تبدیلی بغیر اذن خدا کے از خود نہیں کر سکتا:

﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلَقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور (وہ) بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول کی حیثیت سے (کہے گا): میں تمہاری طرف سے نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں (وہ یہ کہ) میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے“ (آل عمران/۳۹) ﴿وَمَا كَانَ لِنَاسٍ أَنْ يَقْتُلُوكَ بِسُلْطَانِ الْإِبْرَآئِيلَ﴾ ”اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی دلیل (معجزہ) اذن خدا کے بغیر پیش کریں“ (ابراہیم/۱۱) ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور کسی پیغمبر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی آیت پیش کرے“ (غافر/۷۸) ﴿وَأَنزَلْنَا خُلُقَ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا طَيْرًا بِإِذْنِي﴾ ”اور جب آپ میرے حکم سے مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا“ (مائدہ/۱۱۰)

ان آیات کریمہ سے صریح دلائل کو ملاحظہ کرنے کے بعد قارئین کرام کی خدمت میں یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار اور مشکل نہیں ہوگا۔

۱۔ ان لوگوں نے ایسے من گھڑت فضائل آئمہ اطہار کی شان میں گھڑے ہیں۔ جس سے آئمہ اور مذہب کو ایک ناقابل برداشت دھچکا لگا ہے۔ انھوں نے آئمہ طاہرین کو حصول دنیا کا وسیلہ ہونے کو موضوع بحث و گفتگو بنا کر اصل مسئلہ امامت و قیادت جیسے بنیادی مسائل کو معاشرے سے نکال کر طاق نسیان میں رکھا ہے اور آئمہ طاہرین کی امامت و رہبری پر قائم حکومت کی مخالفت کر کے کفر و شرک کی حکومتوں کیلئے ماحول سازگار کیا ہے۔

۲۔ اس وقت دنیا میں سب سے پسماندگی فقر و فاقہ، جہل و جہالت امت مسلمہ کو لاحق ہے۔ اس سلسلہ میں ملت تشیع دیگر امت مسلمہ کے فرقوں سے پیچھے نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن آئمہ کے دروازے پر

شیعہ دستک دے رہے ہیں۔ اور انکے پاس نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ لیکن انکی حالت زار اس وقت اہل دنیا عراق اور افغانستان اور پاکستان میں دیکھ رہے ہیں۔ اس عقیدہ اور لوگوں کی حالت زار کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہوگا کہ یہ عقیدہ کسی درد کی دوا نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اصل مذہب سے نفرت اور بے زاری کی راہ پر گامزن ہونگے۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے محترم جلیل القدر عالم و فاضل علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عوام عقیدہ بنانے میں آزاد ہے انھیں اپنے حال پر چھوڑنا چاہیے اور ہماری ذمہ داری صرف فقہی مسائل بتانا ہے۔

اس وقت اگر کوئی قرآن سنت و سیرت معصومینؑ کے آئینے میں موجودہ تشیع کی مذہبی بود و باش نشست و برخاست اور دیگر سرگرمیوں کو دیکھیں تو روز روشن کی طرح واضح ہوگا کہ یہ سرگرمیاں کسی نہ کسی حوالے سے کبھی نص آیت قرآن اور کبھی سنت مودکہ نبی کریمؐ اور کبھی سیرت معصومینؑ کے سراسر خلاف ہیں۔ بلکہ ان کی سرگرمیاں اور نظریات مسیحی اہل غلو یا جدید مغربی نظریات سے ہم آہنگ نظر آئیں گی۔ یہاں پر وہ حضرات جو مکتب تشیع کے چہرے پر ایسے داغ اور نشانیاں دیکھتے ہیں اور اسے شیعوں کی پہچان سمجھتے ہیں ان پر واضح کروں کہ شیعہ مذہب ان چیزوں کو اپنی شناخت کے طور پر تسلیم نہیں کرتا نہ ہی گھوڑے، علم اور زنجیر کے نشانات کو اپنی پہچان سمجھتا ہے۔ اسی طرح اہل تشیع اہلبیت اطہارؑ کو کسی بھی حوالے سے نبی کریمؐ پر افضل و برتر نہیں سمجھتے اور نہ ہی تفویض کو قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح قادیانی، مرزائی، آغا خانی، بہائی، سیکولر اور لادین جماعتوں کے مقابل برادران اہلسنت والجماعت کو چاہے وہ کتنا ہی ہم سے تعصب کیوں نہ برتتے ہوں چاہے وہ وہابی ہوں یا طالبانی ہم انھی کو اپنا دینی اور مذہبی بھائی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اگر کوئی شخص کسی شخص یا کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اس سے وابستہ چیزوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ چونکہ ہمارا محبوب اسلام ہے لہذا جو بھی اسلام سے وابستہ ہو ہمیں اس سے محبت ہونی چاہئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ غلو مستشرقین کی پیداوار ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ غلو کرنے والوں کو شیعوں میں نفوذ فروغ دینے اور انکو تحفظ دینے کا تمام کردار مستشرقین کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ کیونکہ اہل غلو کا کوئی مرکز اجتماعی اور سیاسی و اقتصادی حوالے سے مشخص نہیں ہے۔ ہمارے بعض

علماء کا اپنے مذہب کے بارے میں رویہ اس مثال کی مانند ہے کہ جیسے کسی انسان کے عقد میں ایک بد صورت لڑکی کو دے دیا جائے جو ہر قسم کی خوبی سے عاری ہو لیکن وہ اس شخص کی ہر جائز و ناجائز حرکتوں کو اس لئے برداشت کرتی ہو کہ کہیں اسے طلاق نہ دے دی جائے۔ غالیوں کے بارے میں بھی بعض علماء کا یہ تصور ہے جو انکی تمام ناجائز باتوں کو برداشت کرتے ہیں جو قرآن و سنت کے خلاف ہیں انکے کردار سے چشم پوشی کرتے ہیں کہ کہیں یہ مذہب کو خیر باد نہ کہہ دیں۔ گویا اب یہ مذہب ان غالیوں کیلئے صبر و تحمل اور ان علماء کے سکوت و خاموشی کا مرہون منت ہے۔

۴۔ ہدف و غایت تو سل:

خداوند متعال نے انسان کو اس دنیا میں دو صفات سے نوازا ہے اور دونوں ہی صفتوں سے پکارا ہے۔ ایک صفت، صفت بندگی ہے جس کے سبب انسان ہمیشہ سیرالی اللہ کی طرف گامزن رہتا ہے۔ اس سفر کو بغیر ارادہ و اختیار کے طے کرتے ہیں۔ یہ سفر سفر قیامت ہے ہر انسان کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ مؤمن، کافر، منافق، اولیاء اللہ، اولیائے شیاطین سب کو ایک دن رب کے حضور جانا ہے۔ اس سے بچنے کا کوئی چارہ نہیں ہے۔ انزال کتب آسمانی، بعثت انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین کا انتخاب اسی مقصد کیلئے تھا چنانچہ مندرجہ ذیل کثیر آیات قرآنی میں اسی عبادت و بندگی کو غرض خلقت انسانی قرار دیا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْحَنَ وَالْأَنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون﴾ ”میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر میری عبادت کریں“ (ذاریات/۵۶) ﴿إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُون﴾ ”میرے سوا کوئی معبود نہیں لہذا میری عبادت کرو“ (انبیاء/۲۵) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَاطِيعُوا أَمْرَهُ﴾ ”اللہ کی عبادت کرو اس کی مخالفت سے پرہیز کرو“ (نوح/۳) ﴿وَاتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَاعْبُدُون﴾ ”اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری ہی عبادت کرو“ (انبیاء/۹۲) ﴿وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَابْتَغُوا فَضْلًا﴾ ”اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو“ (تکوین/۱۷) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا لِلَّهِ رَبِّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ ”خدا میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو“ (آل عمران/۵۱) ﴿ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ ”اللہ تمہارا پروردگار ہے پس

اسی کی عبادت کرو“ (یونس/۳) ﴿وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ ”اللہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے
 اسی کی عبادت کرو“ (مریم/۳۹) ﴿وَإِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ ”بیشک خدا ہی
 میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو“ (زخرف/۶۲) ﴿وَأَمْرٌ أَنْ اسْلُمَ بِرَبِّ
 الْعَالَمِينَ﴾ ”اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف عالمین کے رب کے حضور سر جھکاؤں
 “(غافر/۶۶) ﴿فَعَلَّ أَنْ تَهَيْتَ أَنْ اعْبُدَ الْفَلَنَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”(اے رسول) تم ان سے
 کہہ دو کہ مجھے ان کی پرستش سے منع کیا گیا ہے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو“ (انعام/۵۶)

۵۔ وسیلہ و وسائل: جو وسائل بندے کو خدائے بزرگ و برتر سے وصل کرتے ہیں انکی مختلف انواع
 و اقسام ہیں اور ہر ایک جدا گانہ اثر و مقام رکھتا ہے جسکا ہم ذیل میں ذکر کریں گے:

۱۔ مرکب از ایمان و عمل صالح: یہ کشتی نجات ہے جو بندے کو کفر و شرک کی سرحد سے نکال
 کر توحید اور ربوبیت خالق متعال کے ساحل تک پہنچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ایمان اور عمل
 صالح دونوں کا ساتھ ساتھ پچاس بار سے زائد تکرار ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تھا ایمان و سبلہ الی اللہ
 ہے اور نہ تھا عمل صالح یہ دونوں الگ سے قرب خدا کیلئے وسیلے کا کردار نہیں ادا کر سکتے ہیں چنانچہ تھا ایمان
 بغیر عمل صالح کو قرآن کریم کی سورہ یوسف کی آیت ۱۰۶ میں شرک سے تعبیر کیا ہے:

﴿وَمَا يَذُنُّ مِنَ اللَّهِ إِلَّا هُمْ مَشْرُكُونَ﴾ ”ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے
 کے بھی مشرک ہی ہیں“

اسی طرح تھا عمل صالح بغیر ایمان باللہ اس راہ کی مانند ہے کہ جو شند ہوا کی زد میں ہو چنانچہ سورہ ابراہیم کی
 آیت ۱۸ میں بیان ہوا ہے:

﴿مِثْلَ الْفَلَنِ كَفَرُوا بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٌ اشْتَلَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْلُدُونَ
 مِمَّا كَسَبُوا عَلٰى شَيْءٍ﴾ ”ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا ان کے
 اعمال مثل اس راہ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے“

لہذا قرآن کریم میں ایمان بغیر عمل صالح کو کفر و نفاق کی علامت گردانا ہے اور منافق کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ سورہ حدید کی آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿يُنَادُوهُمْ أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَلَوْ تَرَبَّصْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ﴾ ”یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے وہ کہیں گے تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں پھنسا رکھا تھا اور انتظار ہی میں رہے اور شک و شبہ کرتے رہے اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے والے نے دھوکے میں ہی رکھا“ (حدید/۱۲) ﴿أَلَمْ يَلْنَّ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ قُطَالٍ عَلَيْهِمُ الْأَمَلُ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ ”کیا اب تک ایمان والوں کیلئے وقت نہیں آیا کہ انکے دل ذکر الہی سے اور جو حق اُتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو انکے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں“ (حدید/۱۶)

جبکہ ایمان اور عمل صالح دونوں کے حامل انسانوں کو سورہ بینہ میں ”خیر البریۃ“ اور سورہ فتح میں ”فوزاً عظیماً“ کہا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ ”بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں“ (بینات/۷) ﴿وَكَانَ ذَٰلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ ”اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے“ (فتح/۵)

وہ ایمان جو عمل صالح کے ساتھ ہو وہی تمام وسائل کا مصدر و مآخذ اور بلکہ بعض اصطلاحات کے تحت مادر وسائل ہے چنانچہ مندرجہ ذیل آیات میں اس ایمان کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبُ الْيُكْمِ الْإِيمَانِ وَزَيْنَةُ قِي قُلُوبِكُمْ﴾ ”لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے“ (حجرات / ۷)

﴿لَا تَحْلِقُوا مَا يَوْمُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ ”اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے“ (مجادلہ / ۲۲) ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الصَّلَاةَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَجِبُونَ مِنْ هَاجِرِ إِلَيْهِمْ﴾ ”اور (ان کیلئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں“ (حشر / ۹)

﴿وَرَبَّنَا أَتَيْنَا مَعْتَابًا يَا بِنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِكُمْ قَامِنًا﴾ ”اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا بلا آواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ! پس ہم ایمان لائے“ (آل عمران / ۱۹۳) ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ وَهِيَ﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم انکی اولاد کو ان تک پہنچادیں گے اور انکے عمل میں ہم کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروہی ہے“ (طور / ۲۱)

اسی ایمان کی طرف نبیؐ کے خطبہ نمبر ۲ میں آیا ہے:

﴿وَإِشْهَادُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ شَهَادَةٌ مُنْتَحَنَةٌ إِخْلَاصُهَا مَعْتَقَلًا مَصَاصُهَا تَمَسُّكُ بِهَا إِيْلًا مَا يَقَاتُوا تَلْخُرُهَا لَا هَاوِيلَ مَا يَلْقَا قَاتَانَهَا عَزِيمَةُ الْإِيمَانِ - وَقَاتِحَةُ الْإِحْسَانِ وَمَرْضَاةُ الرَّحْمَنِ - وَمَلْجَأُ الشَّيْطَانِ وَإِشْهَادُ مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ أَرْسَلَهُ بِاللَّيْنِ الْمَشْهُورِ - وَالْعِلْمِ الْعَاطُورِ وَالْكِتَابِ الْمَسْطُورِ وَالنُّورِ الْعَاطُورِ وَالضِّيَاءِ الْآمِعِ وَالْأَمْرِ الْصَادِقِ إِزَاحَةُ لِلشَّبَهَاتِ وَاجْتِنَاءُ بِالْبَيِّنَاتِ وَتَحْلِيلُهَا بِالْآيَاتِ وَتَحْوِيلُهَا بِالْمَثَلَاتِ﴾ ”میں کو ابی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو یکتا و لا شریک ہے ایسی کو ابی جس کا خلوص پر کھا جا چکا ہے اور جس کا نچوڑ بغیر کسی شاہی کے دل کا عقیدہ بن چکا ہے زندگی بھر ہم اسی سے وابستہ رہیں گے اور اسی

کو پیش آنے والے خطرات کیلئے ذخیرہ بنا کر رکھیں گے یہی کواہی ایمان کی مضبوط بنیاد اور حسن عمل کا پہلا قدم اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ اور شیطان کی دوری کا سبب ہے اور یہ بھی کواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے عبد اور رسول ہیں جنہیں شہرت یافتہ دین منقول شدہ نشان، لکھی ہوئی کتاب، ضوفشاں نور، چمکتی ہوئی روشنی اور فیصلہ کن امر کے ساتھ بھیجا تا کہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے اور دلائل (کے زور) سے حجت تمام کی جائے۔ آیتوں کے ذریعے ڈرایا جائے اور عقوبتوں سے خوف زدہ کیا جائے“ (نہج البلاغہ، ص/ ۹۸ مفتی)

باقی تمام وسائل جو آگے بیان کریں گے اسی وسیلے کی تفسیر و تفصیل ہیں اور یہ انکا اجمال ہے۔ ایمان کے چند بنیادی اصول ہیں اور کچھ فروع۔ ان بنیادی اصولوں کا ذکر قرآن کریم میں مکرر آیا ہے وہ تین ہیں:

۱۔ ایمان باللہ:

﴿وَلَكِن الْبَرِّ مِنَ آمَنَ بِاللَّهِ﴾ ”بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہو“ (بقرہ/ ۱۷۷) ﴿فَمَنْ كَفَرَ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنَ بِاللَّهِ﴾ ”اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے“ (بقرہ/ ۲۵۶) ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ﴾ ”جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے“ (بقرہ/ ۲۸۵) ﴿فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اس لئے تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو“ (آل عمران/ ۱۷۹) ﴿فَآمَنُوا بِكُمْ قَامَتَا﴾ ”لو کو! اپنے رب پر ایمان لاؤ! پس ہم ایمان لائے“ (آل عمران/ ۱۹۳) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر..... ایمان لاؤ“ (نساء/ ۱۳۶) ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں“ (نساء/ ۱۵۲) ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ ”اور ایمان والے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں“ (نساء/ ۱۶۲) ﴿اتَّعَايَعُوا مَعَ اللَّهِ مِنْ آمَنَ بِاللَّهِ..... كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الآخر ﴿اللہ کی مسجدوں کی رونق و آبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں﴾ (توبہ/۱۸، ۱۹) ﴿ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الآخر﴾ ”اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں“ (توبہ/۹۹) ﴿آمنوا باللہ..... ومالکم لا تؤمنون باللہ﴾ ”اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ..... تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟“ (حدید/۸، ۷) ﴿والذین آمنوا باللہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء﴾ ”اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں“ (حدید/۱۹) ﴿لا تحلو قوم ما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یؤتوون من حاد اللہ ورسولہ﴾ ”اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہیں پائیں گے“ (مجادلہ/۲۲) ﴿آمنوا باللہ ورسولہ والنور النبی انزلنا﴾ ”سو تم اللہ پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ“ (تغابن/۸) ﴿تؤمنون باللہ ورسولہ﴾ ”اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“ (صف/۱۱)

۲۔ ایمان بہ نبوت و رسالت:

﴿ولکن الیرمن آمن باللہ والیوم الآخر والملائکہ والکتاب والنیین﴾ ”بلکہ حقیقتاً چھوا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو“ (بقرہ/۱۷۷) ﴿آمن الرسول..... کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسولہ لا تفرق بین احلمن ورسولہ﴾ ”رسول پر ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے“ (بقرہ/۲۸۵) ﴿ولکن اللہ یحبی من رسلہ من یشاء فآمنوا باللہ ورسولہ﴾ ”بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس

کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے، اس لئے تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو“ (آل عمران/۱۷۹) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر..... ایمان لاؤ“ (نساء/۱۳۶) ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں“ (نساء/۱۵۲) ﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ ”جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں“ (اعراف/۱۵۷) ﴿آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ“ (حدید/۷) ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں“ (حدید/۱۹) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ﴾ ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“ (حدید/۲۸) ﴿يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“ (صف/۱۱) ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور آپ سے پہلے اتارا گیا“ (بقرہ/۴) ﴿وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ ”اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی ہے“ (تکوین/۴۶)

۳۔ قرآن:

بندہ اور خدا کے درمیان عظیم ترین اور محکم ترین وسیلہ اس کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم ہے۔ جیسا کہ آیات قرآن کریم اور کلمات نبیؐ البلاغہ میں مکرر و متعدد جگہوں پر ذکر ہوا ہے:

آیات قرآن کریم:

﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ ابْتَغَىٰ حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ ”تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کے

مضامین خوب صاف صاف بیان کیے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں“ (انعام/۱۱۳) ﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مَبَارَكًا فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا عِلْمَكُمْ تَرْحَمُونَ﴾ ﴿لَا تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلٰى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ﴾ ”اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو کہیں تم لوگ یوں نہ کہو کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو فرقتے تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے“ (انعام/۱۵۵، ۱۵۶) ﴿إِن هَذَا الْقُرْآنُ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً یہ قرآن وہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے“ (اسراء/۹) ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ”ہم نے اس قرآن میں ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کیلئے بیان کر دی ہیں“ (کہف/۵۳) ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ ﴿فَإِنَّمَا عَرِضْنَا بِهَا غَيْرِ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ”اور یقیناً ہم نے قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں یہ عربی زبان کا قرآن ہے جس میں کسی طرح کی کجی نہیں ہے شاید یہ لوگ اسی طرح تقویٰ اختیار کر لیں“ (زمر/۲۷، ۲۸) ﴿وَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرًا لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ﴾ ”کیا انہیں یہ کافی نہیں؟ کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جو ان پر پڑھی جا رہی ہے اس میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت (بھی) ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں“ (مکعبوت/۵۱)

نہج البلاغہ میں قرآن کے وسیلہ ہونے کا ذکر:

﴿کتاب ربکم فیکم مبینا حلالہ وحرامہ﴾ ”انہوں نے تمہارے درمیان تمہارے پروردگار کی کتاب کو چھوڑا ہے جس کے حلال و حرام..... سب کو واضح کر دیا تھا“ (خطبہ/۱) ﴿وانزل علیکم الکتاب تبيينا للکل شیء﴾ ”وہ کتاب نازل کر دی ہے جس میں ہر شے کا بیان پایا جاتا ہے“ (خ/۸۶) ﴿فلا مکن الکتاب من زمامہ معہ وقائلہ وامامہ﴾ ”اپنے امور کی زمام کتاب خدا کے حوالہ کر دی ہے اور اب وہی اس کی قائد و پیشوا ہے“ (خ/۸۷) ﴿فانتظر ایہا المسائل بما ادلک القرآن علیہ من صفته فانتہم بہ واستنضی بنورہ لایتنہ وما کلفک الشیطان علمہ معالیس فی الکتاب﴾ ”صفات خدا کے بارے میں سوال کرنے والو! قرآن مجید نے جن صفات کی نشاندہی کی ہے انہیں کا اتباع کرو اور اسی کے نور ہدایت سے روشنی حاصل کرو اور جس علم کی طرف شیطان متوجہ کرے اور اس کا کوئی فریضہ نہ کتاب الہی میں موجود ہے“ (خ/۹۱) ﴿وبقران قدینہ واحکمہ علیعلم العباد ربہم اذ جہلوا ہو لیکروا بہ یعلاذ بحلوا ولیثبتوا بعلاد انکروہ فتعلی لہم سبحانہ فی کتابہ من غیر ان یکونوا وہ﴾ ”اس قرآن کے ذریعہ جسے اس نے واضح اور محکم قرار دیا ہے تاکہ بندے خدا کو نہیں پہچانتے ہیں تو پہچان لیں اور اس کے منکر ہیں تو قرار کر لیں اور ہٹ دھرمی کے بعد اسے مان لیں۔ پروردگار اپنی قدرت کاملہ کی نشانیوں کے ذریعہ بغیر دیکھے جلوہ نما ہے“ (خ/۱۳۷) ﴿وعلیکم بکتاب اللہ فاتہ الحمل المعین﴾ ”کتاب خدا سے وابستہ رہو کہ وہی مضبوط رہسماں ہدایت اور روشن نور الہی ہے“ (خ/۱۵۶) ﴿ان اللہ سبحانہ انزل کتابا ہادیا بین فیہ الخیر والشر فخذلوا تہج الخیر تہتلاوا واصلقوا عن سمع الشر تقصلا﴾ ”پروردگار نے اس کتاب ہدایت کو نازل کیا ہے جس میں خیر و شر کی وضاحت کر دی ہے لہذا تم خیر کے راستہ کو اختیار کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ اور شر سے منہ موڑ لو تا کہ سیدھے راستہ پر آ جاؤ“ (خ/۱۶۷) ﴿ولکم علینا العمل بکتاب اللہ تعالیٰ وسیرۃ رسول اللہ صلی اللہ

عليه وآله۔ والقيام بحقه والعش لستہ ﴿تمہارے لئے میرے ذمہ یہی کام ہے کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کروں ان کے حق کو قائم کروں اور ان کی سنت کو بلند و بالا قرار دوں﴾ (خ/۱۶۹) ﴿واعلموا ان هذا القرآن هو الناصح الذي لا يغش، والهادي الذي لا يضل، والمحدث الذي لا يكذب، وما جالس هذا القرآن احل﴾ ”یا درکھو کہ یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکہ نہیں دیتا ہے اور وہ ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا ہے وہ بیان کرنے والا ہے جو غلط بیانی سے کام لینے والا نہیں ہے کوئی شخص اس کے پاس نہیں بیٹھتا ہے مگر یہ کہ جب اٹھتا ہے تو ہدایت میں اضافہ کر لیتا ہے“ (خ/۱۷۶) ﴿ثم انزل عليه الكتاب نوراً لا تطفأ مصابيحہ وسراجاً لا يخبو توقله، ويحراً لا يلوك قعره، ومنهاجاً لا يضل﴾ ”اس کے بعد اس کتاب کو نازل کیا جس کی قندیل بجھ نہیں سکتی ہے اور جس کے چراغ کی لودھم نہیں پڑ سکتی ہے وہ ایسا سمندر ہے جس کی انتہا مل نہیں سکتی اور ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والا بھٹک نہیں سکتا ہے“ (خ/۱۹۸)

۴۔ ایمان بہ آخرت:

﴿وبالآخرة هم يوقنون﴾ ”اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں“ (بقرہ/۳) ﴿ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر﴾ ”بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا ہو“ (بقرہ/۱۷۷) ﴿والمؤمنون بالله واليوم الآخر﴾ ”اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں“ (نساء/۱۶۲) ﴿من يؤمن بالله واليوم الآخر﴾ ”جو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں“ (توبہ/۹۹) ﴿لأنعلم من يؤمن بالآخرة﴾ ”مگر اس لئے کہ ہم لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ظاہر کر دیں“ (سبا/۲۱) ﴿لا تحلقوا مؤمنون بالله واليوم الآخر﴾ ”اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو“ (مجادلہ/۲۲) ﴿والذين يصلفون يوم الدين﴾ ”اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں“ (معارج/۲۶)

عالم اسلام کے محققین و ماہرین نے اسلام کے ان اصولوں کو بغیر کسی اختلاف کے اصول اسلام قرار دیا ہے۔

ان میں سے کسی ایک کا انکار انسان کو دائرۃ اسلام سے خارج ہونے کیلئے کافی ہے۔ اسی طرح ان پر ایمان کے بغیر کتنا ہی سُو مند و ثمر بخش اجتماعی، فلاحی، دینی عمل سب آخرت کے حوالے سے بے سود و بے فائدہ ہوگا سورۃ مبارکہ ابراہیم کی آیت ۱۸ کے تحت وہ اعمال اُس راکھ کی مانند ہیں جو شند و تیز ہواؤں کی زد میں ہیں۔ لہذا عمل صالح اور آخرت کیلئے مفید اعمال وہی ہیں جو ان تین اصولوں کے محکم ستون پر قائم ہوں۔ اسی طرح عمل صالح بغیر ایمان و اصول اسلام کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ ایمان جو عمل صالح کے لئے محرک نہ ہو وہ درحقیقت کثیر آیات کے تحت شرک و کفر کی نشانی ہے۔ کیونکہ یہ اعمال رضائے خدا کی خاطر انجام نہیں دیئے۔ یہ اعمال حسب تعبیر آیات قرآنی رغبت ”من دون اللہ“ (غیر خدا کیلئے) انجام پائے ہیں جیسا کہ ان آیات کریمہ میں آیا ہے:

﴿ان يدعون من دونه الاثان﴾ ”یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں“ (نساء/ ۱۱۷) ﴿یسئ لهم من دونه ولی ولا شفیع﴾ ”جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی انکا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع“ (انعام/ ۵۱) ﴿ولا تبعوا من دونه اولیاء﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کا اتباع مت کرو“ (اعراف/ ۳) ﴿والذین تدعون من دونه لا یستطیعون نصرکم﴾ ”اور تم جن لوگوں کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے“ (اعراف/ ۱۹۷) ﴿ومالہم من دونه من والی﴾ ”اور سوائے اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں“ (رعد/ ۱۱) ﴿والذین يدعون من دونه لا یستجیبون لهم بشیء﴾ ”جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے“ (رعد/ ۱۳) ﴿قل افاتخلفکم من دونه اولیاء﴾ ”کہہ دیجئے! کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو“ (رعد/ ۱۶) ﴿وقال الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما عبدنا من دونه من شیء﴾ ”مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے“ (نحل/ ۳۵) ﴿قل ادعوا الذین زعمتم من دونه﴾ ”کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ

رہے ہوا نہیں پکارو“ (اسراء/۵۶) ﴿لَنْ تَلْعَوْا مِنْ دُونِهِ﴾ ”ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں“ (کہف/۱۲) ﴿قُلْ اقَاتِلْهُمْ مِنْ دُونِهِ اُولَآءِ﴾ ”یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں“ (کہف/۱۵) ﴿وَلَنْ تَحْمِلَ مِنْ دُونِهِ مَلْحًا﴾ ”اس کے سوا ہرگز ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا“ (کہف/۲۷) ﴿يَلْهُم مَوْعِدُنْ يَحْلُو مِنْ دُونِهِ مَوْعِدٌ﴾ ”بلکہ ان کیلئے ایک وعدہ کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ نہیں پائیں گے“ (کہف/۵۸) ﴿اِمَّا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً﴾ ”کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں“ (انبیاء/۲۲) ﴿وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْ اِلٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَكُفِّرُ عَنْهُمْ﴾ ”ان میں سے کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں“ (انبیاء/۲۹)

وسائل الی اللہ کی ایک تقسیم:

۱۔ وسائل الفاظ و کلمات: وسیلہ لفظی اور کلامی یعنی انسان اپنے آپ کو قرب خدا تک پہنچانے کیلئے کچھ کلمات کا ورد و تلفظ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض قرآن اور روایات سے ماخوذ ہیں بعض کو علماء، عرفاء سے لیا گیا ہے، بعض مجہول النسب ہیں اور بعض خود ساختہ ہیں۔ جب تک یہ الفاظ انسان کے دل کی دھڑکن نہ بنیں اور رجحان کی ترجمانی نہ کریں۔ ان میں کوئی اثر نہیں بد قسمتی سے اکثر و بیشتر کلمات دعائیہ کی حد تک ہیں وہ انہیں معاشرے سے ملے ہیں جنکی کوئی سند نہیں۔ اب ذیل میں ہم ایسے الفاظ و کلمات کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جو آئمہ کی دعاؤں میں آئے ہیں ان میں سے دعائے کمیل کے فقرات:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْطَلُّ بِرَحْمَتِكَ الَّتِىْ وَسَّعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَيَقُوْتُكَ الَّتِىْ قَهَرْتَ بِهَا كُلَّ شَيْءٍ وَخَضَعْتُ لَهَا كُلَّ شَيْءٍ وَذَلَّ لَهَا كُلَّ شَيْءٍ وَيَجْبِرُوتُكَ الَّتِىْ غَلَبْتَ بِهَا كُلَّ شَيْءٍ وَيَعِزُّتُكَ الَّتِىْ لَا يَقُوْمُ لَهَا شَيْءٌ وَيَعْظُمُتُكَ الَّتِىْ مَلَأْتَ كُلَّ شَيْءٍ وَيَسْلُطَانُكَ الَّتِىْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَيُوجِّهُكَ الْبَاقِىَ بَعْلَقَاءَ كُلِّ شَيْءٍ وَيَا سَمَاءُكَ الَّتِىْ مَلَأْتَ لَوْ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ وَيَعْلَمُكَ الَّتِىْ احَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ وَيَنْوِرُ وَجْهَكَ الَّتِىْ اَضَاءَ لَهَا كُلَّ شَيْءٍ﴾ ”خدا یا میں تجھ سے تیری رحمت کا واسطہ دیکر جو ہر چیز سے بڑی ہے اور تیری

رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں“ (لقمان/۵۴) ﴿فَلْيَقْلِحْ مِنْ تَوَكُّيْ مَلَاوْذِ كِرَاسِمِ رَبِّهِ فَصَلِّ﴾ ”بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا۔ اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا“ (اعلیٰ/۱۴، ۱۵) ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يَحَافِظُونَ مَلَاوْثُكَ فِي حَنَّتِ مَكْرُمُونَ﴾ ”اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہونگے“ (معارج/۳۳، ۳۵)

۲۔ دُعا:

﴿اُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ ”جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں“ (اسراء/۵۷)

۳۔ ذکر:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ”اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ“ (جمعہ/۱۰) ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا تَنَسَّيْتَ﴾ ”اور جب بھی بھولے اپنے پروردگار کی یاد کیا کرو“ (کہف/۲۳) ﴿وَإِذَا كُورُوا لِلَّهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ ”سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کو فلاح ہو“ (اعراف/۶۹) ﴿وَإِذَا كُورُوا لِلَّهِ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ”اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو“

(انفال/۳۵)

۴۔ سجدہ:

﴿كَلَّا لَا تَطَّعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْشَرِ﴾ ”خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا“ (علق/۱۹)

۵۔ روزہ:

﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ﴾ ”روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں“ (احزاب/۳۵)

۶۔ زکوٰۃ:

﴿وَاتُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ”اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے“ (بقرہ/۲۷۷) ﴿وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَفْئِدَتُكَ سَتُوثِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ”اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے اجر عطا فرمائیں گے“ (نساء/۱۱۲) ﴿فَلَا تُلَاحِظْ مِنْ تَرْكِي﴾ ”بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا“ (اعلیٰ/۱۳) ﴿فَلَا تُلَاحِظْ مِنْ زَكَاةٍ﴾ ”اور جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا“ (شمس/۹) ﴿وَإِتِمُّوا زَكَاةَ وَأَمْتُمْ بِرُسُلِي وَعِزُّوا نَفْسَهُمْ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَا كُفْرًا عَنْكُمْ سَيَاتِكُمْ وَلَا دَخْلَكُمْ حَتَّى تَخْرُجُوا مِنْ تَحْتِهَا لَا تَنْفَرُوا﴾ ”اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو بہتر قرضہ دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں“ (مائدہ/۱۲) ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِإِيمَانٍ يَوْمُنُونَ﴾ ”اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں“ (اعراف/۱۵۶) ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطْعَمُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْلَئِكَ سَيَرْحَمُ اللَّهُ﴾ ”زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا“ (توبہ/۷) ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ ﴿أَوْلَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ﴾ ”اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں..... یہی وارث ہیں“ (مومنون/۱۰، ۱۱) ﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ ”اور جو کچھ زکوٰۃ تم اللہ تعالیٰ کا منہ دیکھنے (اور خوشنودی کے لئے)

دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا دو چند کرنے والے ہیں“ (روم/۳۹)

۷۔ افعال خیر:

﴿وَأَفْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ ”اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ“ (حج/۷۷)

۸۔ راہ خدا میں انفاق:

﴿وَيُخْلِصَ مَا يَنْفِقُ قَرِيبٌ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتُ الرَّسُولِ أَلَا تَهْتَابُ قَرِيبَةً لَهُمْ﴾ ”اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں“ (توبہ/۹۹) ﴿وَاتَّقِ الْوَقْطَ الْمَالِ عَلَى حَبِّ ذَوِي الْقَرَبِيِّ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالْمَسْأَلِينَ وَقِي الرِّقَابِ—وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ ”جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے۔ اور یہی پرہیز گار ہیں“

(بقرہ/۱۷۷)

۹۔ جہاد:

﴿لَا يَسْتَوِي قَاعِلُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولَى الضَّرُورِ وَالْمُحَافِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُحَافِلِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِلِينَ دَرَجَةً وَكَثَرُوا عِنْدَ اللَّهِ الْحَسَنَى وَقَضَى اللَّهُ الْمُحَافِلِينَ عَلَى الْقَاعِلِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ”اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے“ (نساء/۹۵) ﴿إِنَّ الْفِئِينَ آمَنُوا وَالْفِئِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْحَمُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ﴾ ”البتہ ایمان والے ہجرت کرنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الہی کے امیدوار ہیں“ (بقرہ/۲۱۸) ﴿اجْعَلْنِمْ

سقاۃ الحاج وعمارة المسحط الحرام کمن امن بالله واليوم الآخر وجاهل فی سبیل اللہ لا یستون
 عن اللہ ﴿﴾ ”کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد الحرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے
 جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ اللہ کے نزدیک
 برابر نہیں“ (توبہ/۱۹) ﴿وجاہلوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم اعظم درجة عن اللہ﴾ ”اللہ
 کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے
 ہیں“ (توبہ/۲۰) ﴿ان اللہ اشترى من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنة یقاتلون فی سبیل
 اللہ فیقتلون ویقتلون﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں
 کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں
 قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں“ (توبہ/۱۱۱) ﴿وجاہلوا فی سبیلہ لعلکم
 تفلحون﴾ ”اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو“ (مائدہ/۳۵)

۱۰۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

﴿ولیکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف ینہون عن المنکر واولئک ہم
 المفلحون﴾ ”اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہیے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا حکم دے،
 برائیوں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات یافتہ ہیں“ (آل عمران/۱۱۰) ﴿کنتم خیر امة اخرجت
 للناس تامرون بالمعروف وینہون عن المنکر وتؤمنون باللہ﴾ ”تم بہترین امت ہو جسے لوگوں
 کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ
 پر ایمان رکھتے ہو“ (آل عمران/۱۱۰) ﴿الشائبون العابدون الحاملون السائقون الرکعون
 المسحطون الامرون بالمعروف والنہون عن المنکر والحفظون لحدود اللہ﴾ ”یہ لوگ تو بہ کرنے
 والے، عبادت کرنے والے، حمد پروردگار کرنے والے، راہ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع
 کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے اور حدود

الہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں“ (توبہ/۱۱۲) ﴿يُنِى اقم الصلوة وامر بالمعروف واته عن المنكر واصبر على ما اصابك ان ذلك من عزم الامور﴾ ”بیٹا نماز قائم کرو، نیکیوں کا حکم دو برائیوں سے منع کرو اور اس راہ میں جو مصیبت پڑے اس پر صبر کرو کہ یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے“ (لقمان/۱۷) ﴿والجهاد منها على ربيع شعب على الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فمن امر بالمعروف شلظهور المؤمنين﴾ ”جہاد کے بھی چار شعبے ہیں: امر بالمعروف، نہی عن المنکر..... لہذا جس نے امر بالمعروف کیا اس نے مومنین کی کمر کو مضبوط کر دیا“ (کلمات قصار/۳۱) ﴿والامر بالمعروف مصلحة للعوام والنهي عن المنكر ردعاً للسفهاء﴾ ”اور امر بالمعروف کو عوام کی مصلحت کیلئے۔ نہی عن المنکر کو بیوقوفوں کو بُرائیوں سے روکنے کیلئے واجب کیا ہے“ (کلمات قصار/۲۵۲) ﴿والامر بالمعروف والنهي عن المنكر لاكتفئ في بحر لحي﴾ ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو گہرے سمندر میں لعاب دہن کے ذرات کی حیثیت ہوتی ہے“ (کلمات قصار/۳۷۴) ﴿لا تتركوا الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فيولئ عليكم شر لوكم﴾ ”اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نظر انداز نہ کرنا کہ تم پر اشرار کی حکومت قائم ہو جائے“ (کلام/۴۸)

۱۱۔ عدالت:

﴿ولا يحرم منكم شأن قوم على الا تعلقوا اعلوا هو اقرب للتقوى﴾ ”کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے“ (مائدہ/۸)

۱۲۔ عفو:

﴿وان تعفوا اقرب للتقوى﴾ ”تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے“ (بقرہ/۲۳۷)

۱۳۔ عمل صالح:

﴿عَمَلُوا الصَّالِحَاتِ وَالْحَقَّ وَالْعَقْلَ﴾ ”ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کیلئے ان کے اعمال کا دہرا اجر ہے“ (سبا/۳۷)

۱۴۔ ایمان:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَيَا أَخِرَةَ هُمْ يُوقِنُونَ مَا أُوعِدَكَ عَلَىٰ هَذِهِ مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ”جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں..... اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح اور نجات پانے والے ہیں“ (بقرہ/۵ تا ۵) ﴿فَالْمُفْلِحُونَ﴾ ”یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی“ (مومنون/۱)

۱۵۔ تقویٰ:

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِنْ تَقْوَىٰ﴾ ”بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو“ (بقرہ/۱۸۹) ﴿وَتَقْوَا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تمہیں نجات ملے“ (آل عمران/۱۳۰) ﴿وَتَقْوَا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم مراد کو پہنچو“ (آل عمران/۲۰۰) ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو! تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ“ (مائدہ/۱۰۰)

۱۶۔ توبہ:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا يَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ ”اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ“ (نور/۳۱)

۱۔ اطاعت:

﴿اتمّا كان قول المؤمنين اذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم ان يقولوا سمعنا واطعنا واولئك هم المفلحون﴾ ”ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں“

(نور/۵۱)

۳۔ وسائل اجتماعی:

انسان ایک ایسے معاشرہ اور ماحول کے قیام کی کوشش کرتے ہیں جس سے قرب خدا اور رضائے خدا حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے جہاں انسان آسانی سے عبادت و بندگی کے فرائض انجام دے سکیں۔

۴۔ وسائل سیاسی:

ایک ایسا نظام حکومت قائم کرتے ہیں جس کا بنیادی ہدف احکام الہی کا نفاذ و اجراء کرنا اور معاشرے کو رنگ الہی میں تبدیل کرنا ہے جیسا کہ حج آیت ۳۱ ملاحظہ فرمائیں:

﴿الذين ان مكنهم في الارض اقاموا الصلاة واتوا الزكاة وامر بالمعروف ونهوا عن المنكر الله عاقبة الامور﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے“

۵۔ وسائل وجودی:

وسائل وجودی کی چند اقسام ہیں:

(۱) عابد و زاہد ذوات: یہ ذوات چونکہ درگاہ خداوندی میں محبوب و پسندیدہ ہیں اس لئے انسان ان کے مقام و منزلت کو دیکھ کر خدا سے قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) علماء و رہبرانِ دین: ان سے قرب حاصل کرنے سے بندہ خدا سے قریب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ذواتِ بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑتی ہیں۔ لہذا علماء سے محبت انکی مجلس میں بیٹھنا ان سے سوال و استفادہ کرنا عبادت میں شمار ہوتا ہے اسکا بنیادی فلسفہ بھی یہی ہے۔

۷۔ وسیلہ انبیاء و مرسلین: انبیاء و مرسلین ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہونے کے حوالے سے دو کردار رکھتے ہیں:

۱۔ خود انبیاء و مرسلین پیغامات اور ہدایات پہنچا کر ہمیں خدا سے ربط دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن کریم میں کثیر آیات موجود ہیں:

﴿وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ امْتَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلَتْ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ ”اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر جس کو دیکر مجھ کو بھیجا گیا ایمان لے آئے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ! یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کیے دیتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے“ (اعراف/ ۸۷) ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ ”سنو! میں تمہاری طرف اللہ کا امانتدار رسول ہوں“ (شعراء/ ۱۰۷) ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ ”میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں“ (شعراء/ ۱۲۵) ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ ”میں تمہاری طرف اللہ کا امانتدار پیغمبر ہوں“ (شعراء/ ۱۳۳) ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ ”یقین مانو کہ میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں“ (دخان/ ۱۸) ﴿رَسُولًا مُبَشِّرٍ لِلْمُنْذِرِينَ لَعَلَّكُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ حَقَّ خَشْيَتِهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”ہم نے انہیں رسول بنایا ہے خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد باقی نہ رہ جائے“ (نساء/ ۱۶۵) ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا أَنْ تَوَلَّيْتُمْ قَاعَ مَلَأُوا اتِّعَاظِي رَسُولُنَا الْبَلَاغُ الْعَمِيمُ﴾ ”اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو اگر تم اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف

صاف صاف پہنچا دینا ہے“ (مائدہ/۹۲) ﴿مَاعَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ ”رسول کے ذمہ صرف پہنچانا ہے“ (مائدہ/۹۹) ﴿قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأَتْلُوَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَتَيْنَكُمْ لُتُشْهِدُونَ إِنَّ مَعَ اللَّهِ الْهُدَىٰ أُخْرَىٰ قُلِ لَا أَشْهَدُ قُلُوبَ أَتَمَّ هَؤُلَاءِ وَاحِلُوا بَنِي يَرَىٰ مِمَّا تَشْرِكُونَ﴾ ”آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں“ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں“ (انعام/۱۹) ﴿وَمَا تَرْسُلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ﴾ ”اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں“ (انعام/۲۸) ﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ ”کہہ دیجئے کہ تم عمل کیے جاؤ تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے)“ (توبہ/۱۰۵) ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ﴾ ”اور ہر امت کیلئے ایک رسول ہے“ (یونس/۲۴) ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا﴾ ”اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں“ (اسراء/۱۵) ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرِينَ يُذَكِّرُ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ﴾ ”ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر اسی حال میں کہ اس کے ڈرانے والے تھے۔ نصیحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں“ (شعراء/۲۰۸، ۲۰۹) ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ رَسُولًا﴾ ”تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اُس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے“ (قصص/۵۹) ﴿فَتَالُو سُلْطَنُكَ بِالْحَقِّ يَسِيرًا وَتَنْذِرًا وَأَنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا حَلَّاهَا تَنْذِيرًا﴾ ”ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو“ (فاطر/۲۲) ﴿فَيُخَوِّضُ سَالِمًا

عزّنتہا الم یا تکم تذرہم قالوا بلی قلحآء فانذیر فکلذبہا ﴿﴾ ”اس سے جہنم کے دروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟۔ وہ جواب دیں گے بیشک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا“ (ملک/۸، ۹)

دوسرا وسیلہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہے جہاں بندے رسولوں کی اطاعت کر کے قربِ خدا حاصل کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی کثیر آیات میں رسول کی اطاعت کو خدا کی اطاعت گردانا ہے:

﴿قَالَ یَقُومُ لَیْسَ بَی سَفَاهَۃٍ وَلَکِنِّی رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ”انھوں نے فرمایا اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگارِ عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں“ (اعراف/۶۸)

﴿وَمَا رَسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا یُطَاعُ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ”ہم نے ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے“ (نساء/۶۴) ﴿وَمَنْ یُطِيعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ قَاوَلُکَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّعَمَ اللّٰهُ عَلَیْہِمُ﴾ ”اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے“ (نساء/۶۹) ﴿مَنْ یُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقُلُوعُ اللّٰہِ..... یَقُوْلُوْنَ طَاعَۃٌ قَاذِیْرٌ وَاَمِنْ عِنْدَکَ بَیْتٌ طَائِفَۃٌ مِنْہُمْ غَیْرِ الَّذِیْ تَقُوْلُ﴾ ”اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جو اطاعت کرے گا اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی..... یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت کی ہے پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت جو بات آپ نے کہی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے“ (نساء/۸۰، ۸۱) ﴿وَاطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاحْفَظُوْا اَنْ تُوَلُّوْا اَیْمٰنَکُمْ﴾ ”اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو“ (مائدہ/۹۲) ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ﴾ ”اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلا رہا ہے“ (انفال/۲۴) ﴿وَاطِیْعُوْا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہُ﴾ ”اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری

کرتے رہو“ (انفال/۳۶) ﴿وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْفَكَ سِرْجَهُمُ اللَّهُ﴾ ”جو اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا“ (توبہ/۷۱)

﴿وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہنا کہ تم پر رحم کیا جائے“ (نور/۵۶) ﴿الْبَيْتِ أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ انْفُسِهِمْ وَلِذَٰلِكَ﴾

﴿اَمْتَنَهُمْ﴾ ”پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں“ (احزاب/۶) ﴿وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَلِيلًا قَلِيلًا فَتُؤْتَىٰ مِنْهُ حَقُّهُ﴾ ”اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پائی“ (احزاب/۷۱) ﴿وَأَنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا سے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں“ (فتح/۱۷) ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاللَّهُ غَيْرُ مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو تم جو کچھ کرتے ہو اس (سب) سے اللہ (خوب) خبردار ہے“ (مجادلہ/۱۳) ﴿وَأَعِزُّوا لِلَّهِ وَأَتَّقُوا اللَّهَ وَهُوَ أَطِيعٌ عَزَّ وَجَلَّ﴾ ”کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو“ (نوح/۳) ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ﴿قُلْ اطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ قَانَ تَوْفِيقًا﴾ ”اللہ لا یحب الکافرین“ ”کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا“ (آل عمران/۳۱، ۳۲)

اس طرح نبی کریم ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ ابلاغ شریعت اور اطاعت شریعت میں تحسم پاتے ہیں۔

(۴) وسیلہ ائمہ معصومین:

ہمارے اہداف اور اُمتوں تک رسائی کیلئے ائمہ معصومین علیہم السلام کا وسیلہ ہونے کے بارے میں تین مواقع محل تصور میں آتے ہیں۔

اہل تشیع کے مایہ ناز علماء اور محققین نے دور قدیم سے عصر حاضر تک ائمہ خدا اور بندوں کے درمیان میں ایک وسیلہ حقیقی و شرعی پسند خدا اور رسولؐ ہونے کے بارے میں دلائل عقلی و نقلی از آیات و روایات سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد خلق خدا کو خدا سے وصل رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی ہستی اُمت میں موجود ہو جو اپنے علم و عمل دونوں میں خطا و لغزش سے پاک و منزہ ہو۔ پھر علماء فرماتے ہیں کہ ایسی ہستی کی تشخیص عام انسانوں کی استطاعت سے باہر ہونے کی وجہ سے اسے خود رسول اکرمؐ نے اپنی وفات سے پہلے حکم خدا سے تعین و تشخیص کرتے ہوئے ان ہستیوں کی پیروی کرنے والوں کے حق میں دعائے خیر کی ہے اور ان کی پیروی سے روگردانی کرنے والوں کی مذمت کی۔ لہذا اُمت پر واجب ہے کہ ان ہستیوں کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ یہاں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے وسیلہ ہونے کا مطلب قرآن کریم اور سنت رسولؐ کی تفسیر و توضیح اور اسکی حفظ و پاسداری ہے نہ کہ اپنی دنیاوی طمع و خواہشات کو پورا کرنے کیلئے یہ ذوات وسیلہ ہیں۔

۱۔ عبادت و بندگی خداوند متعال اور اسکی رضا اور خوشنودی تک رسائی کیلئے اس میدان میں ان کے توسط اور توسل کو قرآن کریم اور روایات اسلامی میں ہدایت و رہبری سے تعبیر کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ ذوات ہادیانِ برحق اور رہبرانِ راست کو ہونے میں کم سے کم اہل تشیع کے نزدیک ایک منفقہ حقیقت رکھتے ہیں۔ جس میں جائے شک و تردید نہیں ہے۔

۲۔ آخرت میں ہماری نجات کی راہ میں درپیش مشکلات اور پریشانیوں میں اذنِ خدا کے تحت ہماری نجات کیلئے شفیع بنیں گے اس بارے میں ممکن ہے ان آیات سے استدلال کریں سورہ مریم: ۸۷،

۳۔ اہدافِ پست و عیشِ دنیا تک رسائی کیلئے وسیلہ ہونا۔ بعض مذموم و مشکوک عزائم رکھنے والوں نے آئمہ اطہار کو ان کے شرعی مقام و منصب سے ہٹانے اور اس سلسلے میں مستند اصولوں کو نظروں سے اوجھل کرنے اور آئمہ طاہرین کو ان کے کردار میں عاجز دکھا کر رہبرانِ باطل کیلئے راہ ہموار کرنے والے اس وسیلے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں تاکہ آسانی سے ضعیف النفس اور قلیل العقل لوگوں کو منوانے میں آسانی ہو جائے۔ ان افراد سے سوال ہے آیا آئمہ تمہارے حلال مشکلات ہیں یا اس وقت انسانی فلاح و بہبود کے بین الاقوامی ادارے جو خوراکِ رسانی اور خدمتِ خلق کے مدیران ہیں جنکے ہاتھوں میں دنیا کے غصبی مال و دولت کے خزانے ہیں۔ آپ آنکھ کھول کر ملاحظہ کریں تو آئمہ طاہرین کو وسیلہ کے اس زاویہ سے اٹھانے والے اسی فیصد (۸۰٪) سے زائد لوگ سیکولر لادین، شرابی، جواری اور دنیا کے کفر و شرک کی طاقتوں کے خدمت گزار ملیں گے۔ شاید ہی انکی صفوں میں چند احمق و بے وقوف یا اس ذلیل دنیا کی پست خواہشات کے اسیر مومن اور دین کے دانشمند اور دانشور کہلانے والے بھی ملیں۔ چنانچہ ایسے بہت سے دانشور دیکھنے میں آئے ہیں جنکی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ دین کو زیادہ سے زیادہ فرسودہ اور ناقابلِ تطبیق دکھائیں معلوم نہیں امور دین میں ان کی اس طرح کی روش فکری نقص کا نتیجہ ہے یا مقصر ہونے کے حوالے سے ہے۔

مذکورہ بالا تینوں گروہ کا مقام و منزلت کا دار و مدار پیغمبر اکرمؐ سے وصل ہونے میں پوشیدہ ہے۔ یہ ذوات از خود کوئی مقام و منزلت نہیں رکھتے یہ ذوات چاند کی مانند ہیں ان ذوات کی نورانیت آفتابِ رسالت کی شعاعوں کی وجہ سے ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ کے پاس ہدایت اور ارشادِ خلاق کے علاوہ بندگانِ خدا کو انکے دنیاوی زندگی کے وسائل و ذرائع اور دیگر ضرورتوں کو فراہم کرنے میں کس حد تک گنجائش ہے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِزًّا ۖ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۚ إِن تَتَّبِعُوا مَا يوحىٰ إِلَىٰ ۖ﴾

”آپ کہہ دیجئے! میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں

اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں“ (انعام/۵۰) ﴿وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِزًّا إِنَّ اللَّهَ وَلَا
اعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ اتَّبِعْ مَلِكًا﴾ ”اور میں تم سے نہ تو یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور
نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں“ (ہود/۳۱)

قرآن سے پوچھو

لوگ جاہلیت کی حکومت کے خواہاں ہیں جبکہ اللہ بہتر حاکم ہے

نظام اجتماعی و سیاسی قرآن و سنت کی روشنی میں

نظام اجتماعی و سیاسی قرآن و سنت کی روشنی میں

اسلامی ممالک میں نظام سیکولرازم، اسلام دشمنوں کی خواہشات اور امنگوں کے مطابق کامیاب نہ ہونے کی بنیادی وجہ سیاسی اور اجتماعی ڈھانچے میں عدم ہم آہنگی ہے۔ جبکہ یہی نظام ایک حوالے سے مغرب میں عرصہ دراز سے کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن اسلامی ملکوں میں یہ ناکام ہے جہاں کوئی مظاہرے، جلوس، شور و شرابہ نہیں وہاں بھی ان کی امنگوں کے مطابق رائج نہیں ہو رہا۔ یہاں نظام سیکولرازم کی تعریف وہ نہیں کی جاتی جو ان کے ہاں رائج ہے یہ سیکولرازم سے مراد شخصی اور دینی آزادی کو لیتے ہیں اور اس کی آخری منزل معاشرے سے دین کو ہمیشہ کے لئے بے دخل قرار دینا ہے۔ اپنے اس مقصد میں یہ کامیاب نہیں ہو رہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہونگے۔ مغرب میں نظام اجتماعی کا تصور تین ستونوں پر قائم ہے:

۱۔ پہلا عنصر انسان: لادین معاشرے میں انسان شہوت و خواہشات کا غلام ہے لہذا وہ خود کو اپنی خواہشات کے علاوہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتا۔

۲۔ دوسرا عنصر طبیعت: طبیعت بر و بحر، فضا میں موجود مادہ کثیف اور لطیف کا نام ہے لیکن مغرب والوں کے پاس اس کی حد بندی کا تعین زمان و مکان حالات و شرائط کے تحت طاقت و قدرت کرتی ہے وہ کسی بھی ملک کی زمین و فضا کے حدود کو نو فلاحی زون قرار دے سکتے ہیں اور خود کو اس ملک کا مالک اور وہاں کے باشندوں کو کرایہ دار سمجھتے ہیں۔

۳۔ تیسرا عنصر تعلقات: یہاں تعلقات کے دو زاویے ہیں ایک انسان کا طبیعت سے تعلق مغرب والوں کے نزدیک اسکی حیثیت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا زاویہ انسان کا انسان سے تعلق۔ ان تعلقات کی بھی ان کے پاس دو قسمیں ہیں ایک جغرافیائی، خونی، لسانی، فکری اور دینی نیشنلزم پر قائم ہے جو بھی اس

حدود میں آتا ہے یہ اسے اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں اور ان کی تمام ضرورتوں، خوشحالی کے تمام وسائل کا خود کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں دوسرا تعلق اس حدود سے باہر رہنے والے انسانوں سے ہے۔ چاہے وہ ان کے اتحادی ہوں یا خود کو آزاد و خود مختار سمجھتے ہوں دونوں کے ساتھ ان کا رشتہ ظالم و مظلوم کا ہے۔

نظام اسلام میں اجتماعی ڈھانچے کے چار ستون ہیں:

۱۔ انسان: اسلام کے مصادر اصلی قرآن و سنت کے حوالے سے انسان کی تعریف پہلے بیان کر چکے ہیں یہ صرف دو پاؤں پر چلنے والا ایک خاص شکل، صورت کا حیوان نہیں جیسے دنیا کے کفر والحاد مشرق و مغرب والوں نے پیش کیا ہے بلکہ قرآن و سنت میں انسان اپنے خالق کی طرف سے خلیفہ و امین ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ ”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں“ (بقرہ/۳۰) ﴿یٰۤاٰدَمُ اٰمُرْکَیْنِیْ هٰٓهٰنَا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ ”اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے“ (ص/۲۶) ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلْکُمْ خُلَٰفَۃَ الْاَرْضِ﴾ ”اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے“ (انعام/۱۶۶)

اس حوالے سے انسان مطلق العنان آزادی کا حامل نہیں کہ اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہو بلکہ حسب آیات کثیرہ انسان سے ہر چھوٹے بڑے اعمال کے بارے میں سوال ہو گا۔ اس سلسلہ میں ان آیات کریمہ کو ملاحظہ فرمائیں:

﴿قُلْ اِنْ تَخْشَوْنَ اَمَاقِیْ صَلُّوْا کُمْ اَوْ تَبْلُوْهُ یَعْلَمِ اللّٰهُ﴾ ”کہہ دیجئے: جو بات تمہارے سینوں میں ہے اسے خواہ تم پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ بہر حال اسے جانتا ہے“ (الاعمران/۲۹) ﴿وَ اِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْْ خَرْدَلٍ اَتٰیْنَا بِهَا وَ کَفٰیٰ بِنَاحٰسِیْنِ﴾ ”اور اگر رائی کے دانے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوا تو ہم اسے اس کے لئے حاضر کریں گے اور حساب کرنے کے لئے ہم کافی ہیں“ (انبیاء/۲۷) ﴿فَیَنْصِیْ اَتٰیہَا اَنْ تَلَکَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمَٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یٰۤاٰتِیْہَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ﴾ ”اے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی

چیز کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اللہ اسے نکال لائے گا یقیناً اللہ بڑا باریک بین خوب باخبر ہے“ (لقمان/۱۶) ﴿مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ ”پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا“ (زلزال/۸) ﴿وَأَنْ تَبْلُوا مَا مَقَىٰ أَنْفُسِكُمْ وَأَوْ تَخَفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ ”اور تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے حساب لے گا“ (بقرہ/۲۸۳)

اس نظریہ کے تحت انسان جہاں وہ اپنے مختلف یعنی خلیفہ بنانے والے کے سامنے جوابدہ ہے اسی طرح خدا کی عبودیت میں رہتے ہوئے آزاد ہے۔ کسی انسان کو کسی انسان پر بالادستی، حکمرانی اور تسلط حاصل نہیں۔ یہاں سے ایک صالح جمہوریت کا تصور بھی ابھر کر سامنے آتا ہے۔ جو ابھی تک جمہوریت کے راگ الاپنے اور جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ جہاں جمہوریت کے نعرے لگاتے ہیں وہاں ہی ظلم و استحصا کے سائے میں بیٹھنے پر مجبور کرتے ہیں جس کے چند نمونے ہم پیش کریں گے:

۱۔ قرآن و سنت کے پیش کردہ تصور جمہوریت جس میں خدا کی بندگی اختیار کرنے کے بعد انسان کو حقیقی معنوں میں جمہوریت نصیب ہوتی ہے اسکے بالمقابل ایسی جمہوریت نافذ کرنا جسکی ابتدا شخصی خود مختاری سے ہوتی ہے اور ان شخصی خواہشات کا حصول جس طرح بھی ممکن ہو یہ اس میں آزاد ہے تو لامحالہ اس جمہوریت کا حتمی نتیجہ آمریت، فرعونیت اور استبدادیت کی شکل میں ہی سامنے آتا ہے لہذا ہمیشہ رائے عامہ کے نام سے اقلیت کی خواہشات کو پورا کرنے کی خاطر اکثریت کو قربان کیا جاتا ہے۔

۲۔ جمہوریت کا معنی ملک کے نظام کے انتخاب میں خود مختاری دینا ہے۔ جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور وہ نظام اسلام کے خواہاں ہیں ان پر لادینی نظام مسلط کرنا جمہوریت کے منافی ہے۔

۳۔ جمہوریت کا دوسرا حصہ نظام کے انتخاب کے بعد حکمران کا انتخاب ہے۔ یہاں بھی تمام شہری حق رائے دہی میں برابر کے شریک ہیں جبکہ ہمارے ملک میں مخصوص افراد کو امتیازی حیثیت دے کر اور خواتین کو چور دروازے کے ذریعے دوسری دفعہ ووٹ دلو کر حکمران پارٹی اپنے ووٹوں کی تعداد میں اضافہ کرتی

ہے۔ یہ عمل جمہورت کے منافی اور آمریت کی دوسری تصویر ہے۔

دوسرا عنصر طبیعت ہے

طبیعت جیسے پہلے بیان کر چکے ہیں زمین، دریا، فضا اور اس میں موجود تمام مفید ذخائر کا نام ہے۔ قرآن و سنت کی رو سے طبیعت کو خداوند عالم نے انسان کے لئے مسخر کیا ہے اور اسکی تمام ضروریات کو طبیعت کی شکل میں نہاں کیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات کریمہ ملاحظہ کر سکتے ہیں:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ مِثْلَهُ لَتَكُنَّ سَاحِلُكُمْ الْأَنْهَارِ- وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبِينَ
وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ ”اور کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے سمندر میں
چلیں اور دریاؤں کو بھی تمہارے لئے مسخر کیا اور اسی نے ہمیشہ چلتے رہنے والے سورج
اور چاند کو تمہارے لئے مسخر بنایا“ (ابراہیم/۳۲ تا ۳۳) ﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ﴾ ”اور اسی نے
(تمہارے لئے) سمندر کو مسخر کیا“ (نحل/۱۳) ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی الْاَرْضِ﴾ ”کیا تم
نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین کی ہر چیز مسخر کر دی ہے“ (حج/۶۵) ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں
اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے تمہارے لئے مسخر کیا ہے“ (لقمان/۲۰) ﴿سَبِّحْ لِلَّهِ الَّذِی
سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِیْنَ﴾ ”پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لئے مسخر کیا اور نہ ہم اسے
قابو میں نہیں لاسکتے تھے“ (زخرف/۱۳) ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ﴾ ”اللہ ہی ہے جس نے
تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا“ (جاثیہ/۱۳) ﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ ”اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے لئے
مسخر کیا“ (جاثیہ/۱۲) ﴿كُلُّ لَکُمْ مَخْرُجًا لَّکُمْ تَشْكُرُوْنَ- کُلُّ لَکُمْ مَخْرُجًا لَّکُمْ لَتُکْبِرُوْا لِلَّهِ
عَلٰی مَا هٰدَکُمْ﴾ ”یوں ہم نے انہیں تمہارے لئے مسخر کیا ہے تا کہ تم شکر کرو۔ اسی طرح اللہ نے
انہیں تمہارے لئے مسخر کیا ہے تا کہ اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر تم اس کی بڑائی کا اظہار کرو“

تیسرا عنصر: انسان کا طبیعت اور انسان کا انسان سے تعلق۔

یہ عنصر اپنی جگہ مرکب ہے یہاں اسلام کا عناصر اجتماع لادینیوں سے الگ ہوتا ہے۔ لادینیوں کے عناصر اجتماعی جیسے پہلے بیان کر چکے ہیں تین ستونوں پر قائم ہیں۔ جب کہ اسلامی نظریہ کے تحت عناصر اجتماعی چار ستونوں پر قائم ہے۔ انسان، طبیعت، تعلقات اور چوتھا خالق انسان و طبیعت یعنی جس نے انسان اور طبیعت دونوں کو خلق کیا ہے۔ ہم یہاں تیسرے عنصر یعنی تعلقات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ مغرب میں یہ تعلقات یعنی انسان کا طبیعت اور اپنے جیسے دوسرے انسان سے تعلق میں ان پر نگران اور باز پرس کرنے والے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ جبکہ اسلامی نظریہ کے تحت عناصر اجتماعی کا چوتھا عنصر خالق انسان و طبیعت ہے جو انسان کے طبیعت اور انسان سے تعلق کی نگرانی کرتا ہے۔ یہاں سے انسان کے انسان اور طبیعت سے تعلقات میں طغیانی سرکشی، حدود سے تجاوز وغیرہ کے تمام راستے اور حیلہ بازیاں مسدود ہو جاتی ہیں کو یا وہ آزادی جو مغرب نے انسان کو حیوان بنانے کیلئے دی ہے اسلام اسکے خلاف ہے۔ اسلام انسان کو طبیعت سے تعلقات میں طغیانی سے روکتا ہے اور اسی طرح انسان کو اپنے جیسے انسان سے تعلقات کو انسانیت کی بنیاد پر اور ایک دوسرے کے خلیفہ ہونے کی بنیاد پر اور ایک دوسرے سے اخوت کی بنیاد پر استوار کرتا ہے۔ لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ عناصر اجتماعی جو اسلام نے پیش کیے ہیں وہ مغرب سے مختلف اور فاصلے پر قائم ہیں۔

نظام اسلام میں انسان، تعلقات اور طبیعت سے استفادہ کرنے والے مال و دولت میں خدا کا امین اور اس کے سامنے جوابدہ ہے لہذا یہاں سے لامحدود اور بے جا تسلط کے دروازے بند ہو جاتے ہیں انسان کا انسان سے تعلق میں اخوت و برادری کا تصور پنہاں ہے اور اس تصور میں مسلمان تو چھوڑیں کسی غیر مسلم سے بھی ظلم و نا انصافی کی اجازت نہیں سوائے تعدی اور تجاوزات کی صورت کے۔

مسلمان ممالک میں بسنے والے مسلمان سوائے گنتی کے چند افراد کے جنہیں کوئی کرائے پر خرید کر استعمال کرتا ہے کے علاوہ عام مسلمان خود کو خدا کے سامنے جوابدہ تصور کرتے ہیں اور مرنے کے بعد برائیوں کے جواب

دینے پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہاں کے مسلمان خود کو دو حکمرانوں کے سامنے جوابدہ سمجھتے ہیں ایک ملک کے حکمران جس سے نمٹنے کے لئے رشوت اور سفارش پر ایمان رکھتے ہیں دوسرا خدائے وحدہ لا شریک لیکن عقیدے میں ضعف اور حالات انھیں خالق کے سامنے جوابدہ ہونے میں سستی اور غفلت کا شکار کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ سیکولر ازم بطور کامل یہاں نافذ نہیں ہو سکا کیونکہ لوگ حکمرانوں کے عتاب و سزا سے بچنے کی خاطر متذبذب افکار و عقائد کے حامل ہیں۔ لہذا ایسے انسانوں پر قائم ہونے والا سیاسی نظام تضاد و تناقص پر ہی مبنی ہوگا۔

نظام سیاست:

کسی ملک میں موجود تمام طبقات، خاندان و قبائل، عساکر و عشائر، رنگ و نسل، فرقہ و مذہب، امیر و فقیر، آجر و مستاجر، حاکم اور رعیت کی حدود و قیود اس ملک کا نظام کہلاتا ہے اور اس کو چلانے والے کو حکمران کہتے ہیں۔ وطن اسلامی کے نظام کا مصدر قرآن و سنت ہے جو ایک کامل نظام ہے۔ مملکت کو چلانے کے لئے درپیش تمام مسائل فردی، اجتماعی اور سیاسی سب اس میں موجود ہیں یا نہیں اس سوال کا جواب جو صفحات کتب میں موجود ہے اس میں تین مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ عالمی استعمار کی خود ساختہ مشینری اور بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ اسلام ایک دین ہے جو خدا اور بندے کے درمیان رابطے کی حد تک ہے یا یہ ایک ضابطہ اخلاق تک محدود ہے لیکن اس میں حاکم اور رعیت سے متعلق دستور یا نظام سیاسی نامی کوئی چیز نہیں ہے۔

۲۔ خود مسلمانوں میں سے ایک گروہ نے خلیفہ چہارم حضرت علیؑ کی نگرانی میں ایک جنگ میں شرکت کرنے کے بعد دوسری جنگ کی فتح کو روکنے کے لئے علیؑ پر اپنا نظریہ ٹھونسنے کے بعد اصل ضرورت حکومت سے انکار کیا۔ حضرت علیؑ سے بغاوت کا اعلان کر کے ایک باقاعدہ گروہ کو منظم کیا اور مختلف ذمہ داریاں مختلف لوگوں میں تقسیم کیں جنگ کے لئے ایک امیر، نماز کیلئے ایک امام اور آپس میں صلاح مشورہ کے لئے شوریٰ قائم کی اور ﴿لا حکم الا للہ﴾ کا نعرہ بلند کیا یعنی کسی انسان کو حکومت کا حق نہیں اس گروہ کو

خوارج کہتے ہیں۔ اس دور میں اہلسنت والجماعت کا ایک بڑا گروہ نظام اسلام کی جگہ پر سیکولرزم نظام کا ساتھ دینے کو ترجیح دیتا ہے۔ اور اسی طرح ہمارے فرقے کا ایک بڑے طبقہ اہل منبر و خطیب اور اہل قلم و بیان نے اس منبر علی سے مسلسل مکتب تشیع سے نظریہ حکومت کو نکالا ہے یہ فکر خوارج کے بعد ان لوگوں نے بلند کی ہے۔ یہ اس کے جواز میں کہتے ہیں ہمارے ائمہ نے حکومت کو لات ماری ہے اور ہمیشہ ٹھکرایا ہے اس گروہ نے سابق زمانے کے خلفاء اور حکمرانوں کے مقرب علماء کا کردار اپنایا ہے جنہیں سابق زمانے میں واعظ سلاطین کہا جاتا تھا جو ہمیشہ امیروں کی خوشنودی اور مرضی کے مطابق خطاب کرتے تھے لیکن ہمارے اہل منبر ان سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ لوگ مسلمان حاکم کی مرضی اور ملک کے مفاد کے مطابق بات کرتے تھے لیکن یہ لوگ بیک وقت بیرونی استعماری قوت کو فروغ دینے کے ساتھ ملک میں موجود لادین قوتوں کے قدم جمانے اور ان کے ووٹ بینک بنانے کا کردار ادا کرتے ہیں اور اسکے ساتھ، انہیں استحکام دینے اور اس ملت کو ہمیشہ ان کے ہاتھوں میں قلیل قیمت میں فروخت کرتے ہیں اور ساتھ ہی اسلام کے دوسرے فرقوں کے نزدیک شیعوں کے چہرے کو اسلام دشمنی کے طور پر متعارف کرواتے ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ جو قرآن و سنت اور انبیاء و ائمہ کی سیرت کی روشنی میں ایک صالح حکومت کے قیام کو ہر چیز پر ترجیح دینا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس کے قیام کی راہ میں ہر قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے تاکہ مسلمانوں پر کسی غیر مسلم کی بالادستی قائم نہ ہو سکے۔ یہاں پر ہم اسلامی نظام سیاست کے بارے میں مختصر وضاحت کرنا چاہیں گے اس نظام کی دو شکلیں ہیں:

۱۔ اس کا دائمی آئین و دستور جو قرآن و سنت کی صورت میں موجود ہے، یہاں علماء اور دانشمندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود قرآن کو سمجھنے کے لئے عرق ریزی کریں اور فرقے کے نظریات کو قرآن پر مسلط کرنے سے گریز کریں کیونکہ ایسا کرنا واضح و روشن تفسیر بالرائے کا مصداق بنے گا۔ قرآن سے فرقے کو ثابت کریں نہ کہ فرقے سے قرآن کی تفسیر کریں اور سنت رسول جسے اسرائیلی جعلیات اور مفاد پرستوں

کی خود ساختہ احادیث کے ریت کے ٹیلے کے اندر چھپایا گیا ہے وہاں سے سونا تلاش کرنے کی مانند صحیح احادیث کی تلاش کریں اور سند کو صحیح بنانے کے لئے تحقیق کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھیں۔

۲۔ حکمرانوں کا انتخاب دوسری شق ہے:

اسلام کے نظام سیاسی کے دواہم ستون میں سے ایک ستون کا فقدان دوسرے کو ضعیف و کمزور بنانے میں اثر انداز ہو سکتا ہے بلکہ اسے گرا بھی سکتا ہے لیکن نظام اسلامی میں یہ طاقت و قدرت موجود ہے کہ اس کے دوسرے ستون یعنی حاکم اسلامی کے نہ ہونے کی صورت میں بھی ایک لحاظ سے اس میں استحکام باقی رہتا ہے۔ یہ اس وعدہ الہی کا صلہ ہے جس نے اس کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ دنیا کفر جتنی بھی کوشش کریں نام اسلام مسلمانوں کے ذہنوں سے محو نہیں ہوگا۔ چنانچہ دختر علی حضرت زینبؓ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا نہ تم ہمارے نام کو مٹا سکتے ہو اور نہ ہمارے ذکر کو دفن سکتے ہو۔ حاکم اسلامی نہ ہونے کے باوجود اسلام زندہ رہتا ہے اور حاکم اسلامی میسر ہونے کے بعد اسکے دستور کے ثمرات ہر عام و خاص بلکہ غیروں کیلئے بھی حیات بخش ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ آئین و دستوری ڈھانچہ: آئین و دستوری ڈھانچہ قرآن و سنت کی شکل و صورت میں بطور کامل قائم

موجود ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ شاہد و گواہ ہیں:

﴿وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كُتُبٍ مَّبِينٍ﴾ ”اور کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں

موجود نہ ہو“ (انعام/۵۹) ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ

لِّلْمُسْلِمِينَ﴾ ”اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی مسلمانوں

کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر نازل کی ہے“ (نحل/۸۹)

پیغمبرؐ کی وہ حدیث جو آپ نے حجۃ الوداع پر فرمائی: ”ہر وہ چیز جو تمہیں جنت سے قریب کرتی ہے اور جہنم سے دور کرتی ہو بیان کیا ہے حتیٰ کہ خارش کی دیک تک“

مسلمانوں کو آئین و دستور کے حوالے سے دیگر اقوام و ملل کی مانند بحران کا سامنا نہیں ہے۔

۲۔ حکمران ہے: اس ستون کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُفْنَوْنَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا لَكَ فِيمَا شَرَعَيْنَاهُمْ لََّا يُحْلُوا تَنَافُسُهُمْ حَرْجًا مَّعَاقِصِيَّتٍ وَيَسْلُمُوا تَسْلِيمًا﴾ ”(اے رسول) تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی رنجش نہ آئے بلکہ وہ (اسے) بخوشی تسلیم کر لیں“ (نساء/ ۶۵) ﴿وَمَن يَطْعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ قَالَ لَكَ مَعَ النَّاسِ اتَّعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالشَّهَدَاءِ وَالضَّالِّحِينَ وَحَسَنَ أَوْلَآئِكَ رَفِيقًا﴾ ”اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے اور انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کیساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں“ (نساء/ ۵۹)

اور حدیث کے حوالے سے نبیؐ البلاغہ خطبہ/ ۴۰ ترجمہ مفتی ص ۱۹۷ ملاحظہ کریں:

﴿فَإِذَا خَرَجَ لِمَا سَمِعَ قَوْلَهُمْ كَا حَكَمِ الْإِلَهِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلِمَةً حَقٍّ يَرَادِيهَا الْبَاطِلُ - نَعَمْ أَنَّهُ لَا حَكَمَ إِلَّا لِلَّهِ - وَلَكِنْ هُوَ لَا يَقُولُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ - وَأَنَّهُ لَا يُلْطَنُاسُ مِنْ أَمِيرٍ أَوْ قَاجِرٍ يَعْمَلُ فِي أَمْرِهِ الْمُؤْمِنُ مَوْسِمَتَمَعٍ فِيهَا الْكَافِرُ، وَيُبْلَغُ اللَّهُ فِيهَا الْإِجْلُ - وَيُجْمَعُ بِهِ الْفِي عُمُومَاتِهِ الْعُلُو - وَتَأْمَنُ بِهِ الْعِبِلُ وَيُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوَى حَتَّىٰ يَسْتَرِيحَ بِرُؤْيَا سَرَّاحٍ مِنْ قَاجِرٍ﴾ ”جب آپؐ نے خوارج کا قول ﴿لَا حَكَمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے) سنا تو فرمایا: یہ جملہ تو صحیح ہے مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں، وہ غلط ہے ہاں بیشک حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ لوگوں کے لئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا (اگر اچھا ہوگا تو) مومن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکیں گے۔ اور (برا ہوگا تو) کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہونگے۔ اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچا دے گا اسی حاکم کی وجہ سے مال (خراج و غنیمت) جمع ہوتا ہے دشمن سے لڑا جاتا ہے راستے پر امن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق

دلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ نیک حاکم (مرکریا معزول ہو کر) راحت پائے، اور برے حاکم کے مرنے یا معزول ہونے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔“

اس سلسلہ میں محلے کے حاکم سے لے کر سربراہ مملکت تک کے صفات و شرائط اور خصوصیات انتہائی دقیق و باریک بینی کے ساتھ بیان ہوئی ہیں اور خاص طور پر حکمران کے انتخاب کا طریقہ عقل، آیات قرآن اور روایت واردہ کے تحت دوسرے جمہوری نظاموں سے بالکل مختلف ہے جو جمہوریت اس وقت دنیا میں رائج ہے اس کا ایک معنی مغربی جمہوریت ہے جو جمہوریت انسانی کہنے کے بجائے جمہوریت حیوانی کہنے کی زیادہ مستحق ہے۔ جہاں ووٹ قانون طلب و رسد کے تحت بازار میں بکتے ہیں جسے اسلام مسترد کرتا ہے دوسری طرف کمیونسٹ اور سوشلسٹ جمہوریت ہے جس کی مثال اس کڑوی دوا کی سی ہے جسے بیٹھا کہہ کر بچے کو پلاتے ہیں جہاں آمریت و استبداد اپنے عروج پر ہیں جسے دیکھ کر انسان کو فرعون اور قیصر و کسریٰ کی حکومتیں بہتر لگتی ہیں اس کی ایک اور مثال اس میاں بیوی کے جوڑے کی سی ہے جنہیں ایک عرصہ اولاد کی خواہش و ارمان میں گزرنے کے بعد ان کے ہاں ایک بد شکل بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے اس نومولود کا نام یوسف رکھا۔ تیسری جمہوریت جو پہلے ہماری تنظیموں، انجمنوں میں ہوتی ہے جہاں باڈی اور دستور سازی میں لائف ٹریڈیز اور بعض کے لئے دو ووٹ کا حقدار سمجھا جاتا ہے، اس قسم کے حقوق دینا جمہوریت کو پیچھے سے ذبح کرنے کی مانند ہے آج کل ہمارے ملک میں بھی ایک ایسی جمہوریت کو وجود میں لانے کی کوششیں ہو رہی ہیں جو جمہوریت کی رو سے متضاد اور اس کے منافی ہیں۔ جس کی کوئی بھی عقلی و منطقی دلیل نہیں بنتی یہ ایک قسم کی استبداد و آمریت ہے اور اگر ایسا نظام انتخاب کہیں نافذ ہے تو وہ ہمارے لئے سند نہیں بن سکتا، ہم وہاں بھی اسے آمریت اور استبداد کہیں گے۔ ہمارے ملک میں ٹیکو کریٹس اور خواتین کیلئے خاص نشستیں مختص کرنے کو جمہوریت کا نام دیا جا رہا ہے اگر یہ آئین کے دستور میں بھی ہو تب بھی ظلم ہے کیونکہ ظلم کا معنی صرف کسی کا حق چھیننا نہیں بلکہ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا بھی ظلم ہے چنانچہ جب عام انتخابات میں انھوں نے ووٹ استعمال کیے ہیں اور امیدوار بھی بنی ہیں۔ تو دوبارہ ان کو ایک نئے طریقے سے کم ووٹ دے کر نشست دینا

بھی ایک ظلم ہے۔

نظام علمانی

دور حاضر میں فروغ علوم و معارف اور تحقیقات و ریسرچ گاہوں میں اضافہ کے باوجود ابھی تک ایک موضوع مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اسکے بارے میں آج تک کسی سکول و کالج یا یونیورسٹی میں بات نہیں ہوئی۔ یہ موضوع ہدف و غایت خلقت انسان ہے۔ خداوند متعال کی لارطب و یابس والی کتاب میں اس موضوع کے بارے میں مسلسل تکرار ہوئی ہے۔ بہت سے حلیہ دینی رکھنے والے مسلمان، قرآن کی مسلسل تلاوت کرنے والے قاری و حفاظ کرام، دعاؤں کے ورد کرنے والے، صحیفہ سجادہ و دعائے کمیل کی الحان سے تلاوت کر کے لوگوں کو رلانے والے، خدمت دین کے نام سے بیت المال سے کثیر رقم کھانے والے۔ دور جاہلیت جیسی بت پرستی نہیں کرتے، گاؤ پرستی نہیں کرتے لیکن انسان پرستی ضرور کرتے ہیں۔ یہ ایک طرف خود کو مسجود ملائکہ کہتے ہیں اور دوسری طرف خدا کو چھوڑ کر ملت کا راگ الاپتے ہیں۔ ملت کے مفاد کو دین و مذہب پر مقدم رکھتے ہیں۔ دین پر جو کچھ گزرے انھیں کوئی پرواہ نہیں ان کے لئے بس ملت ہی سب کچھ ہے۔ حسرت و افسوس کا مقام ہے اس ملک کے بعض علماء و عویدار و ارث انبیاء جانشین پیغمبر، نعرہ رسالت اور نعرہ حیدری کے فلگ شگاف نعرہ لگانے والے، محفل شبینہ میں پوری پوری رات قرآن کی تلاوت کرنے والے اس ملک میں لادین اور سیکولرزم کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی خاطر اپنے فرقے کی معمولی باتوں کو مقدم رکھتے ہوئے مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد و یکجہتی کی جگہ نفرت و عداوت کے بیج بو رہے ہیں۔ اور بعض جھنوں نے نہ دین کو سمجھا اور نہ سیکولرزم کو اسکے باوجود اطمینان سے کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ہماری ملت کیلئے سیکولر حکومت اچھی ہے۔

نظام علمانی وہ نظام ہے جس میں نظام اور حکمران دونوں کی سند عقل و منطق کی بجائے نظریہ ضرورت پر قائم ہے۔ لیکن یہ ضرورت کسی عام انسان اور کسی علاقہ یا خطے کیلئے نہیں بلکہ ایک گروہ کیلئے ہے۔ لہذا وہ اپنے اس نظریہ کیلئے کوئی منطق نہیں رکھتے۔ جس نظام کی بنیاد عقل و منطق پر قائم نہ ہو قرآن نے اسے نظام جاہلیت کہا

ہے:

﴿فَحُكْمَ الْحَاہِلِیَةِ یَبْعُوْنَ وَمِنْ أَحْسَنِ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّؤْتُونَ﴾ ”کیا یہ لوگ جاہلیت کے

دستور کے خواہاں ہیں؟ اہل یقین کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟“ (مائدہ/۵۰)

عصر حاضر میں اس نظام کے حامی اسے علمائیت کہتے ہیں۔ لاطینی زبان میں اسے سیکولرزم کہتے ہیں۔ ہمارے خطہ میں بہت سے مسلمان حتیٰ بعض علماء اس نظام کے نہ صرف حامی ہیں بلکہ اس کے داعیوں میں سے ہیں۔ لہذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ نظام اسلامی کی ضد میں قائم اس نظام سیکولرزم اور اسکے داعیوں کے چہروں سے پردہ ہٹایا جائے۔ اور ان کی میٹھی زبان کے نیچے دبے ہوئے اصل مفہوم و مقصد کو ضبط تحریر میں لایا جائے تاکہ مسلمانوں اور بعض داعیان دین کے ہاتھوں میں قیامت کے دن اس فعل کی سند میں جھٹ نہ رہے۔

سیکولرزم لاطینی کلمہ ہے۔ مغرب میں یہ کلمہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عربی مترجمین نے ایک خلاف قواعد لغت عربیہ سے (عربی زبان میں) اس کا ترجمہ ”علمانیہ“ کیا ہے۔ اس ترجمہ کی توجیہ بیان کرتے ہوئے مفکرین اسلام فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ اس لئے کیا گیا تاکہ اس لفظ کے اصل مفہوم کا اسلامی احساسات و جذبات سے تصادم و ٹکراؤ نہ ہو۔ اس کلمہ کی اپنی ساخت کے حوالہ سے اس کی مختلف توجیہات کی گئیں ہیں تاکہ اس کے معنی و مفہوم کے بارے میں گفتگو کا محور صرف درسگاہوں اور اکیڈمیوں تک محدود رہے اور عام انسان اسکی حقیقت سے نا آشنا و نا بلدر ہیں۔

مفکرین اسلام کہتے ہیں کہ عربی میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو سیکولرزم کے مفہوم و معنی کو ادا کر سکے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ الفاظ ہمیشہ ضرورت اور وجود خارجی میں موجود حقائق کیلئے وضع ہوتے ہیں۔ سیکولرزم جو کہ لاطینی زبان کا کلمہ ہے اس کے وہ اصل معنی جو اہل مغرب کے تصور میں ہیں، عربی اور اسلامی ذہنیت سے متصادم ہیں۔ ہمارے یہاں لفظ سیکولرزم زوال خلافت عثمانیہ اور صلیبی جنگوں کے بعد اس وقت آیا جب مغرب سے مسیحی تبشیری جماعتوں کا مختلف اسلامی ممالک میں تعلیمی، سیاسی اور فلاح و بہبود کے بہانوں سے آنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ علاوہ ازیں سرزمین مشرق اور اسلامی ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد کو اسکا لرشپ کا لالچ دے

کر تعلیم کے بہانے مغربی ممالک میں بلا کر ان کے ذہنوں کو آلودہ کیا گیا اور واپسی پر یہ لوگ اس لفظ کو بطور تحفہ ہمارے خطہ میں اپنے ساتھ لے کر آئے۔

لفظ سیکولرزم یہاں کے لوگوں کے لئے ایک نیا کلمہ تھا۔ لہذا اس میں موجود کفر والحاد کے مذموم عزائم کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر ترجمہ کرتے وقت عربی ادب کے مسلمہ اصولوں کے خلاف اسے علمانیہ کا نام دیا گیا۔ اور اسکی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ علمانیہ عالم سے بنا ہے اور اس سے مراد عالمی ہے۔ کبھی اس کی تفسیر میں کہنے لگے کہ یہ علم سے ہے جسکا مطلب ہے اپنی فکر میں محسوسات اور قابل تجربہ چیزوں پر زیادہ بھروسہ کرنا۔

اس طرح انہوں نے اس کلمہ کے اندر موجود مذموم عزائم کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کیلئے اسکی توضیح و تفسیر علم کے نام سے کی۔ اس کیلئے انہوں نے مواقع اور محل بھی تلاش کئے۔ ابتدائی مراحل میں انہوں نے اس کی توضیح و تفسیر زیادہ تر درس گاہوں اور علمی حلقوں تک محدود رکھی اور انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ان حلقوں کے سامنے انہوں نے سیکولرزم کی تفسیر کچھ اس طرح کی کہ ہر وہ چیز جو تجربہ سے باہر ہو اور ماورائے مادہ ہو، اس پر اعتماد کرنا اور اس کا اعتراف کرنا وہمیات اور خرافات میں شمار ہوتا ہے چاہے وہ دینی عقائد ہوں یا اجتماعی و سیاسی مسائل۔ ان چیزوں کا معتقد ہونا، اور ان کا اعتراف کرنا علمی حوالہ سے گمراہ کن ہے۔ یہ سب علم کے منافی ہے کیونکہ یہ چیزیں علمی اور منطقی ذرائع سے ثابت نہیں کی جاسکتیں۔ لہذا ہمیں صرف ان چیزوں کو تسلیم کرنا چاہیے جو ہماری محسوسات اور تجربہ میں آسکیں۔ علمی اور فکری دائرہ کو محسوسات و تجربات میں محدود رکھنے کی تعلیم و تربیت دینے کے بعد انہوں نے اپنے اگلے نصاب اور اس کے پس پردہ عزائم کو یکے بعد دیگرے فاش کرنا شروع کیا جو کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ سیکولرزم کسی چیز کو مقدس نہیں سمجھتا۔

۲۔ یہ جسم و مادہ سے ہٹ کر روح کا معتقد نہیں۔

۳۔ سیکولرزم کے حامی اپنی بنیاد کو عقلی گردانتے ہیں۔

(کہتے ہیں کہ جس چیز کی سند عقل سے نہ ملتی ہو اسے تسلیم نہیں کرتے۔ درحقیقت اس سے ان کا مقصد

وحی کو مسترد کرنا ہے)

- ۴۔ سیکولرزم یعنی علم دوستی، علم پرستی۔
 - ۵۔ سیکولرزم یعنی جدت پسندی، ماڈرنزم (MODERNISM)
 - ۶۔ سیکولرزم عواطف، احساسات اور جذبات کی قدر دانی نہیں کرتا بلکہ ان کی طرف دعوت دینے کو وہمیات اور خرافات گردانتا ہے اور ان سے آزادی کی دعوت دیتا ہے
 - ۷۔ سیکولرزم دین و آخرت دونوں کو نہیں مانتا بلکہ اسکے نزدیک سب کچھ صرف دنیا ہے۔
 - ۸۔ سیکولرزم دین کا متبادل ہے۔
 - ۹۔ سیکولرزم کے نزدیک کائنات بذات خود ایک مستقل چیز ہے۔ تغیر خود اس کے اندر سے ہوتا ہے وہ کسی بیرونی طاقت سے متاثر ہو کر نہیں بنی ہے۔
 - ۱۰۔ سیکولرزم کے نزدیک طبیعت اور اجتماع کبھی ختم نہ ہونے والی حرکت اور تغیر پر استوار ہے۔
 - ۱۱۔ سیکولرزم کے نزدیک انسان ہمیشہ ترقی اور ارتقاء کی منازل طے کر رہا ہے۔ اسکی انتہا کا کوئی پتہ نہیں۔
- سیکولرزم کی یہ تمام توضیحات و تفاسیر، یکے بعد دیگرے انکی زبان و عمل سے فاش ہونے کے بعد ثابت ہوا ہے کہ سیکولرزم کا تصور و مفہوم کیا ہے۔ سیکولرزم درحقیقت دینداروں اور ایمان بالغیب رکھنے والوں کو خدا، وحی اور آخرت سے جان چھڑانے یا آزاد ہونے کی دعوت دینے کا نام ہے۔
- مغرب اور یورپ میں اس نظریہ کو اچھی خاصی قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے اس نظریہ کو بہت جلد قبول کیا جسکی بنیادی وجہ قرون وسطیٰ میں کلیسا کا آمرانہ رویہ اور مسیحی علماء اور دینی حلقوں کی دین و مذہب کی من مانی تفسیر تھی۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے ساتھ ہی زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کے دروازے کھل گئے۔ سائنس کی تمام شاخوں مثلاً فزکس، کیمیا، حیاتیات اور فلکیات وغیرہ میں ہونے والی تحقیقات سے جو نئے نئے انکشافات ہوئے وہ عینی بنیادوں پر استوار تھے۔ ان حقائق کے عیاں ہونے کے بعد انکے مذہبی اعتقادات مثلاً روح، عاطفہ، مبداء و معاد پر ایمان، کلیسا اور علماء کی اندھی تقلید و اطاعت سب کے سب متزلزل

ہو گئے۔ ان باتوں کی صحت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ اس ذہنی و فکری دگر کوئی اور اضطراب کے عالم میں سیکولرزم کی اس صدا کو فروغ پانے کا موقع ملا۔ لیکن کلیسا اور یورپ جو بنیادی طور پر ایک ناقابل انکار حقیقت یعنی ایمان بہ خدا اور آخرت کے داعی تھے اس سے انکار نہ کر سکے۔ لہذا داعیان سیکولرزم اور سربراہان کلسا کے درمیان معاہدہ طے پایا جسکے تحت مجموعہ دین و دنیا اس طرح تقسیم ہو گئے جیسے ایک ملک تقسیم ہوتا ہے، جیسے جرمنی، مغرب جرمنی اور مشرق جرمنی میں تقسیم ہوا۔ اس معاہدہ کے مطابق طے پایا کہ امور دین اور خدا سے متعلق چیزیں کلسا کے ہاتھ میں اور امور دنیا، نظام اجتماع و سیاسی بادشاہوں کے ہاتھ میں ہونگے۔ وہاں یہ تقسیم کامیاب رہی کیونکہ کلیسا اور یورپ درحقیقت انزوا میں (پس پردہ) چلے گئے تھے۔

سیکولرزم درحقیقت یورپ میں کلسا کی مذہبی آمریت و ڈکٹیٹر شپ اور اس کے غیر واضح مذہبی تصورات اور غیر معقول عقائد کا رد عمل ہے۔ اور اسی کے نتیجہ میں صیہونزم کو ظہور اور نمو پانے کا موقع ملا۔ تلموت اور پروٹوکول سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہودیوں نے یہ جان لیا کہ دنیا کو دین یہود کی طرف دعوت دینا ناممکن ہے تو انہوں نے سب کو لادین بنانے کی مہم شروع کی۔ لہذا سیکولرزم کی یہ تفسیر کہ دین و مذہب میں آزادی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ سیکولرزم کے معنی لادینیت بلکہ دین کے ساتھ جنگ ہیں۔ یہ اس مقابلہ میں کبھی تو سامنے آتے ہیں اور کبھی پس پشت مکر و فریب کے ذریعہ شیطانی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ کبھی قومیت کو مقدس بنانے کیلئے قوم پرستی کو بنیاد بناتے ہیں تو کبھی آزادی صحافت و بیان کے نام سے ثقافتی یلغار کرتے ہیں۔ کبھی مذہبی نیشنلزم کو اکسا کر مذہب کو اندرون خانہ محبوس کر کے آپس میں لوگوں کو لڑاتے ہیں۔

سیکولرزم ضد دین ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں سیکولرزم کے داعی بڑے بڑے ملکوں میں سیاسی، اجتماعی اور علمی اجتماعات میں مذہبی حلقوں پر مختلف پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ دور کیوں جائیں خود ہمارے ملک میں دین و مذہب کے نام پر قائم اسکولوں تک میں انکے کارندے مذہب سے نفرت پیدا کرنے اور مذہبی فرائض و آداب پر اسکول کے اندر پابندیاں عائد کرنے کی مہم چلاتے نظر آتے ہیں۔ الغرض یہ ایک

مسلمہ حقیقت ہے کہ سیکولرزم میں دینی آزادی نہیں اور نہ ہی یہ دین و سیاست میں جدائی کا نام ہے بلکہ اگر یہ کامیاب ہوئے تو یہ دین کو دفنائیں گے۔

علمائے منافقت کے روپ میں:

اس وقت عالم اسلامی میں دین مقدس اسلام کی جگہ پر کفر والحاد کو جاگزین کرنے کیلئے عالمی کفر نے جس روش کو اپنایا ہے وہ روش علمانی ہے۔ اگر علمانی روش کے انداز گفتار اور طریقہ عمل کا غیر جانبدارانہ نظر سے جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان کا طریقہ عمل صدر اسلام کے منافقین کے مشابہ ہے چاہے یہ عالمی کفر ہو یا خود مسلمانوں میں سے تنخواہ دار کراہیہ پر لئے ہوئے انسان ہوں ہم ذیل میں اس کے چند نمونے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں مزید تفسیر و وضاحت کیلئے خود قارئین پیش قدمی کریں:

۱۔ اصلاح: علمانی ہمارے ملک میں اسلام کی جگہ پر سیکولرزم کو نافذ کرنے کیلئے مختلف وجوہات پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک تو جیہ ملکی ترقی یا پسماندگی کی اصلاح ہے۔ جس طرح صدر اسلام کے منافقین پیش کرتے تھے:

﴿وَأَذِيقِلْ لَهُمُ لَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَتَعْلَمُونَ مَصْلَحُونَ﴾ ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ

زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں“ (بقرہ

۱۱/﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْحَلًا ضَرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَأَرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ

وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلِ وَلِيحْطِفَنَ أَنْ يُلَاقُوا أَلَا الْحَسَنَى وَاللَّهُ يَشْهَدُهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۲﴾ لَا تَقْسَمُ قِيَه

أَيُّهَا الْمَسْحَلُ اسْمُ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ قِيَه رَجَالٌ يَجِبُونَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى اللَّهِ

يُحِبُّ الْمُظْهَرِينَ ﴿۱۳﴾ اسْمُ بِنَاتِهِ عَلَى شَفَاعَتِهِ هَارِقَاتُهُ رِيَه قِي تَارِجُهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴﴾ لَا يَزَالُ بِنَاتُهُمُ الَّذِي بِنَاوِيَهُ قِي قُلُوبُهُمْ إِلَّا أَنْ تَقْطَعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ ”اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے اغراض کیلئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی

باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس سے پہلے

سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ کو وہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ ان میں کبھی کھڑے نہ ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی ہو پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے“ (توبہ/۱۰۷ تا ۱۱۰)

۲۔ کفر و استعاریت کو چھپا کر پیش کرنا: جس طرح صدر اسلام میں منافقین اپنے اندر کفر کو چھپا کر پیش کرتے تھے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَلَا تَعَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَفُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَافًا أَثِيمًا﴾ ”اور ان کی طرف سے جھگڑانہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں یقیناً دغا باز گنہگار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا“ (نساء/۱۰۷) ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزَنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِقَوْلِهِمْ وَلَمْ يَزِدْهُمْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا وَاسْتَفْعَوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ”رسول! آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ کڑھیے جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان (منافقوں) میں سے ہوں جو زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل با ایمان نہیں“ (مائدہ/۳۱) ﴿وَإِذَا جَاءَ وَكُم مِّنْهُم مَّا قُلْتُمْ سَوَاءٌ أَوْ قُلْتُمْ غُفْرَانٌ﴾ ”اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی اور یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے“ (مائدہ/۶۱)

۳۔ **بخل:** دین کی ترویج و اشاعت اور اس کی سر بلندی کے کاموں میں بخل و کنجوسی۔ منافقین ہمیشہ دین کی سر بلندی کے موقع پر ہر قسم کے انفاق سے گریز کرتے تھے اور اسے ایک بڑا ناقابلِ تحمل ضرر پیش کرتے تھے:

﴿اشحۃ علیکم﴾ ”تمہاری مدد میں (پورے) بخیل ہیں“ (احزاب/۱۹) ﴿ہم الذین یقولون لا تنفقوا علی رسول اللہ حتی یتغضوا﴾ ”یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں“ (منافقون/۷) ﴿و یقبضون ایدیہم تسوا اللہ قسبہم﴾ ”اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں یہ اللہ کو بھول گئے ہیں“ (توبہ/۶۷)

۴۔ **بغض و عناد:**

﴿قالو آمنا و اذا خلوا علیہم اعضاءہم الا تأمل من الغیظ قل موتوا بغيضکم ان اللہ علیہم یلذت الصلور﴾ ”یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مرجاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے“ (آل عمران/۱۱۹)

۵۔ **تذبذب:** کبھی امت اسلامی کی سر بلندی کی بات کرتے ہیں کبھی دنیائے کفر و شرک کے ہم دوش و ہمرکاب ہونے کی بات کرتے ہیں:

﴿الذین یریدون یکم فان کان لکم فتخ من اللہ قالو آلم تکن معکم وان کان للکافرین نصیب قالو آلم تستجود علیکم و تمنعکم من المؤمنین قال اللہ یرحکم ینکم یوم القیامۃ ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً﴾ ”یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں بچایا تھا؟ پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ

تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا“ (نساء/۱۳۱) ﴿مَنْ يَذَّكَّرْ مِنْ ذَلِكَ إِنْهُ قَوْلُ اللَّهِ وَآيَاتُ اللَّهِ وَلَآئِي قَوْلِهِ وَمَنْ يَضِلَّ اللَّهُ قَلْبَهُ فَلاَ يَهْدِيهِ اللَّهُ وَلاَ يَمْلِكُ لَهُ شَيْءٌ﴾ ”اور وہ درمیان میں ہی ڈگمگا رہے ہیں نہ پورے ان کی طرف صحیح طور پر ہیں اور نہ ان کی طرف اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا“ (نساء/۱۳۳)

۶۔ ایمان کا مظاہرہ: علمانی خود کو مسلمان پیش کرتے ہیں اور کبھی کبھارا اسلامی شعائر و رسومات یا تہوار وغیرہ میں اپنے جذبات و احساسات کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں لیکن دین مذہب کے حوالے سے وہ دور کا رشتہ بھی نہیں رکھتے۔ یہ اندر سے اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنے ارباب کے سامنے عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے مقاصد کی انجام دہی کیلئے ان چیزوں میں حصہ لینا پڑتا ہے حقیقت میں ہمارا دل تو آپ کے ساتھ ہے۔ ان کی یہ منطق نزول قرآن کے موقع پر منافقین کی منطق سے چنداں فرق نہیں رکھتی۔ منافقین کی اس منطق کو قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں“ (بقرہ ۸/۸) ﴿وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ فَاتَّخَذُوا مِنَّا وَلِيًّا﴾ ”اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں“ (بقرہ ۱۲/۱۲) ﴿وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ فَاتَّخَذُوا مِنَّا وَلِيًّا﴾

﴿قَالُوا أَتَتَحَلَّتْهُُمْ بِهِمَافَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری کا ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہیں“ (بقرہ ۷۶/۷۶) ﴿لَمْ تَرَالِيَ الَّذِينَ يُزْعِمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نَزَّلَ إِلَيْكَ وَمَا نَزَّلَ مِنْ قَبْلِكَ يَرِيدُونَ أَنِ يُحَاسِبُوا آلِي الطَّاغُوتِ﴾ ”کیا آپ نے انہیں نہیں

دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں“ (نساء/۶۰) ﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مَّا أَوَّلَكُم بِالْمُؤْمِنِينَ إِذْ دَعَوْا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِیَحْكُمَ بَيْنَهُمُ إِذَا فَرِقُوا مِّنْهُمْ مَّعْرُضُونَ﴾ ”اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائے اور فرماں بردار ہوئے پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں۔ جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے جھگڑے چکا دے تو بھی ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے“ (نور/۲۷، ۲۸) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن یَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ فَإِذَا دُیِّیَ اِلَیْهِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَعَنَ جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ رَبِّكَ لِیَقُولَ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِی صُلُوبِ الْعَالَمِیْنَ﴾ ”اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف بنا لیتے ہیں ہاں اگر اللہ کی مدد آجائے تو پکاراٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہی ہیں کیا دنیا جہان کے سینوں میں جو کچھ ہے اس سے اللہ تعالیٰ دانا نہیں ہے؟۔ جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں بھی ظاہر کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا“ (عنکبوت/۱۰، ۱۱) ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ بِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لِرَسُولِهِ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ لِلْمُنَافِقِیْنَ لَكَذِبِیْنَ﴾ ”تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ کے رسول ہیں اور اللہ کو ابھی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس اللہ کی راہ سے رک گئے بیشک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں“ (منافقون/۲۱)

۷۔ **علمانی اور دینی جذبات کا مظاہرہ:** ان چند سالوں میں امت اسلامی کے اندر خون خرابہ کرنے، نفرت و دشمنی پھیلانے، کفر و الحاد کے فتویٰ جاری کرنے میں یہی علمانی گروہ پیش پیش رہا ہے۔ جو بظاہر عوام کو دینی غیرت و حمیت دلاتے ہیں لیکن اندرون خانہ اپنے آقاؤں کے سامنے اسلام دشمنی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کی اسلام دشمنی کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ۲۰۴ میں ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحِزْبِ اللَّيْلِ وَيَشْهَدُ بِاللَّهِ عَلَى مَاقِي قَلْبِهِ وَهُوَ لِلدَّالِّ حَصَامٌ﴾ ”بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے، حالانکہ دراصل وہ زیر دست جھگڑالو ہے“

۸۔ **علمانی اور ریا کاری:** علمانی اگر کوئی نیک کام انجام دیں تو اس سے ان کا مقصد خدا و آخرت اور اجر و ثواب نہیں ہے۔ بلکہ اسکی بنیاد ریا کاری و خودنمائے ہے۔

﴿وَأَمْوَكَمَالِي يَرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ قَلِيلًا﴾ ”یہ منافق اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کابلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الہی تو یونہی برائے نام کرتے ہیں“ (نساء/۱۴۲)

۹۔ **علمانی اور سب و شتم:** موجودہ صدی میں مسلمانوں کے درمیان بر ملا ایک دوسرے کو سب و شتم کرنے کا جو مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے اس کا اسلام کے بنیادی مصادر قرآن و سنت رسول اور سیرت معصومین سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ اس کردار کا سہرا علمانیت کے سر پر ہے۔ جنہوں نے امت مسلمہ کے فرقوں میں ایک دوسرے کو کفر و مشرکین سے بدتر اور قتل کو باعِثِ اجر و ثواب قرار دیا ہے اور اس کی بسبب کافرین کو ہدایت یافتہ قرار دیا ہے:

﴿وَأَن مِّنْكُمْ لَمَن لَّيْطِفُ فَاَن صَابَكُمْ مَصِيبَةً قَالُ قُلْنَا نَعْمَ اللَّهُ عَلٰی اِذْلَم اٰكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا وَلَئِنْ صَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولُن كَاَن لَّمْ تَكُنْ يٰنَكُمْ وَيَعْنِيهِ مَوْقَةٌ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ

فَاَفَوْزَفَوْزًا عَظِيمًا ﴿۱۰﴾ ”اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں، پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں دوستی تھی ہی نہیں، کہتے ہیں کاش! میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا“ (نساء/۷۲، ۷۳)

۱۰۔ **علمانی اور جاہلیت کا ماحول:** علمانیت کو ہمیشہ جہل و نادانی کے ماحول میں فروغ ملتا ہے ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ لوگ کسی نہ کسی بہانہ سے دین و مذہب سے جہل و نادان رہیں۔ یہ علم کے نام سے علم کو پیچھے کرتے ہیں دینی محافل و مجالس میں شرکت کو اپنے لئے توہین و اہانت گردانتے ہیں۔ دینی کتب کے مطالعے سے دور رکھنے کیلئے مختلف بہانے بناتے ہیں اور کبھی دین سے دور لادینی کتب یا مغرب والوں کی دین پر لکھی گئی کتابوں کو اونچا دکھاتے ہیں۔ کبھی دین کو ڈرامہ سیریز وغیرہ کے ذریعے دکھاتے ہیں غرض ان کا میدان عمل جہالت ہے یہ ہمیشہ جہالت ہی کو فروغ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اعلیٰ پایہ کے سند یافتہ انسان دینی مسائل میں تنہا جہل و نادان نہیں بلکہ یہ لوگ معاشرے میں موجود فرسودہ چیزوں کی پاسداری بھی کرتے ہیں یہ منافقین کی وہی خصوصیات ہیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں:

﴿الْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَتَفَاقًا وَاَجْلًا لَا يَعْلَمُوا حُلُودَ مَا نَزَّلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۱۱﴾ ”دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور ان دیہاتیوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسکو جرمانہ سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں کے واسطے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں برا وقت انہی پر پڑنے والا ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے“ (توبہ/۹۷، ۹۸) ﴿وَمَنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنْفِقُونَ

ومن اهل الملئنة مردوا علی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم سعلذبهم مرتین ﴿۱﴾ اور کچھ تمہارے
گرد و پیش والوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پراڑے ہوئے ہیں آپ
ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں ہم ان کو دہری سزا دیں گے (توبہ/۱۰۱)

اسلامی ملکوں میں داعیان سیکولرزم کی کامیابی اور ناکامی کا موازنہ

مغرب میں داعیان سیکولرزم اور ارباب کلیسا کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے معاملات میں
عدم مداخلت پر معاہدہ طے پا جانے کے بعد انکی توجہ سرزمین مشرق میں امت اسلامی کی طرف مبذول ہوئی۔
ان ممالک میں سیکولرزم کے فروغ اور اسکی دعوت دینے کیلئے انہوں نے مختلف پلیٹ فارم استعمال کئے۔ مختلف
کاموں کی آڑ میں کبھی صحت اور سیر و سیاحت کے بہانے تو کبھی عوام کی فلاح و بہبود کے نام سے ان کی تبشیری
جماعتیں اپنا کام کرتی رہی ہیں۔ الغرض اپنے مقصد کیلئے مختلف عنوانات سے یہ لوگ جب ہمارے حلقوں میں
وارد ہوئے تو انھیں بہت کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ جنھیں درج ذیل چند نکات میں سمیٹ کر بیان کیا جاسکتا
ہے۔

- ۱۔ خلافت اسلامیہ کہ جو انتہائی نازک حالات میں برائے نام ہی سہی جب تک موجود تھی، دینی حلقے دشمنان
اسلام کے مقابلے میں اسکو بھی غنیمت سمجھتے تھے۔ اس کا یکسر خاتمہ ہوا یہ انکی پہلی کامیابی تھی۔
- ۲۔ وسیع و عریض اسلامی مملکت میں مختلف قومیتوں کے نعرے بلند کر کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ عرب
وغیر عرب کے مسئلہ کو ہوادی، فرقے در فرقے کو فروغ دیا حتیٰ خود فرقوں کے اندر نژادی تعصبات کی شکل
اختیار ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کلمہ وحدت پر متحد و متفق کرنے کے تمام امکانات ہی ختم ہو کر رہ
گئے۔ ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ آج ایک ہی فرقے کے دینی حلقے حتیٰ کہ علماء تک مذہبی نیشنلزم کے
اس کینسر میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

- ۳۔ اس سرزمین مشرق میں بڑے عظیم، نامور اور علوم و فنون کے جامع نابغہ روزگار فلسفی اور مجتہدین گزرے
ہیں۔ یہ حضرات بیک وقت علم فقہ، حدیث، تفسیر، ریاضی، طبیعیات، فلسفہ سب پڑھتے تھے۔ ان میں بعض

ایسی شخصیات بھی گزری ہیں جو ان تمام مضامین کے ماہر مانے جاتے ہیں۔ مثلاً ارسطو، فارابی، ابن سینا، شیخ نصیر الدین طوسی، ابن خلدون، شیخ بہائی وغیرہ۔ ان حضرات کو معلمین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے دور میں ایسی کوئی تخصیص نظر نہیں آتی کہ یہ مدرسہ دنیوی علوم کیلئے ہے اور یہ دینی علوم کیلئے بلکہ ان تمام علوم کی تعلیم ایک ہی جگہ دی جاتی تھی۔

لیکن مغرب والے سیکولرزم لے کر ہمارے خطے میں داخل ہوئے تو پہلے ہی مرحلہ میں انہوں نے درس گاہوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ دینی درس گاہیں الگ ہو گئیں اور دنیاوی درس گاہیں الگ۔ اس وقت کے علماء و مجتہدین نے اس تقسیم بندی اور ان کے داعیوں کے ناپاک عزائم پر اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے بھرپور احتجاج کیا اور حتی المقدور مزاحمت بھی کی۔ لیکن یہ مزاحمت موثر ثابت نہ ہو سکی اور دشمن اپنے مشن میں کامیاب ہوا۔ مدارس کی تقسیم بندی میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنے مشن کی تکمیل کے لئے انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اب انہوں نے یہاں کے قابل اور لائق افراد کو علم دوستی اور معاونت کے نام سے اسکا لرشپ دیکر اپنے پاس بلانا شروع کیا انکے لئے اعلیٰ تعلیم و تربیت کے مواقع فراہم کئے اور اس دوران ان افراد کی ایسی دماغ شوی (Brain Washing) کی کہ یہ افراد واپس آنے کے بعد اپنے مغربی مربیوں سے بڑھ کر مذہب دشمنی کا ثبوت دینے لگے۔

ایک اور قابل غور مسئلہ یہ ہے جہاں دینی درس گاہوں کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور کہتے تھے کہ یہاں فرسودہ فکر کو فروغ دیا جاتا ہے اور آج بھی صورت حال یہی ہے لیکن مروجہ مدارس کے نصاب کو بھی انھی درس گاہوں میں شامل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہتے ہیں کہ ان درس گاہوں میں دین ہے۔ یہاں مروجہ تعلیم نہیں ہے اسے بھی اس میں شامل کرنے کی ضرورت ہے اور جو مغربی مشنریوں اور ان سے منسلک اداروں کے مخصوص سرمایوں سے پورا کرنے کی بات کر رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو دین سے نفرت ہے انہی کے زیر نگرانی میں چلائیں لہذا ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں دشمن کو اب تک کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔

۴۔ ایسا لگتا ہے کہ اس سلسلے میں سب سے زیادہ کامیابی سیاست کے حوالہ سے ہوئی ہے۔ آج یہ حال ہے کہ لوگوں کی نظروں میں دین و مذہب کی کتنی ہی قدر و قیمت کیوں نہ ہو وہ دین کی حقانیت پر یقین محکم ہی کیوں نہ رکھتے ہوں لیکن اس کے باوجود یہ کہتے نظر آئیں گے کہ کرسی اقتدار پر قابض رہنے والے کو مذہب سے آزاد ہونا چاہیے۔ لوگوں کی سوچ کچھ ایسی ہو چکی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس ملک میں غیر مسلموں کے لئے مکمل تحفظ فراہم کرنے کا اعلان کرنے والوں کو بلکہ مسلمانوں پر انکوفوقیت دینے اور ترجیح دینے والوں کو بھی کرسی اقتدار کے لئے لائق و سزاوار سمجھتے ہیں۔ یہاں کرسی اقتدار پر رہنے کیلئے نہ مذہب شناسی شرط ہے، نہ مذہب پر عمل اور نہ ہی یہاں کی ثقافت اور آداب کا پاس رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کیلئے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ مغرب کی لادینی زبان جانتا ہو اور اس کی سیاسی زبان بولتا ہو۔ اس کے برخلاف چین جو اس وقت ایک سپر طاقت بن کر ابھر رہا ہے، جاپان جو ٹیکنالوجی کے اعتبار سے ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک ہے، جرمنی و فرانس جو یورپی وحدت کے عضو ہیں نہ صرف اپنے ممالک میں بلکہ بین الاقوامی اجتماعات میں بھی اپنی ہی زبان استعمال کرتے ہیں، جبکہ احساس کمتری کے شکار ہمارے حکمرانوں کے خیال میں انگریزی ہی میں گفتگو کرنا ضروری ہے۔

۵۔ سیاسی اقتدار پر آنے والوں کیلئے تنہا سیکولرزم کا اعلان ہی کافی نہیں رہا بلکہ یہ بھی ایک فیشن بن گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے دین کا مذاق اڑایا جائے۔ وہ کبھی اسکو فرسودہ نظام کہیں گئے، کبھی اسکے حدود و قیود کو معطل رکھنے کیلئے طنزیہ انداز میں ان حدود و قیود کے نفاذ سے پہلے اسکے تقاضوں کو پورا کرنے کی دعوت دیتے نظر آئیں گے اور کبھی ازدواجی زندگی بہتر بنانے کے بہانے جنسی فسادات کی پشت پناہی کرتے دکھائی دیں گے۔ صد افسوس کہ خود مسلمان ان خصوصیات کے حامل افراد کو ملک کا بہترین اور لائق سیاست مدار گردانتے ہیں۔

داعیان سیکولرزم کی ناکامیوں کا جائزہ

چونکہ مغرب میں خدا، انبیاء اور آخرت کا تصور غیر معقول اور غیر واضح ہے۔ اس بناء پر داعیان

سیکولرزم کو وہاں لوگوں کو جلد بے دین کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اس کے برعکس ہمارے خطے میں تمام اصول و فروع، توحید، نبوت، اور معاد وغیرہ فطرت اور عقل کی محکم بنیادوں سے ہم آہنگ ہیں۔ اس لئے یہاں کے لوگوں کے عقائد کو ابھی تک متزلزل نہیں کر سکے ہیں اور نہ ہی انکو اسلام سے باہر نکال سکے کی مزموم کوشش میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ آج مغرب میں گرجا گھر (چرچ) خالی پڑے ہیں انکی عمارتیں فروخت ہو رہی ہیں بلکہ بعض تو مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں تبدیل ہو چکی ہیں جبکہ اسلامی مساجد حسب سابق الحمد للہ معمور و آباد ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں سب سے پہلا ملک ترکی ہے جس نے سیکولرزم کو اپنایا ہے اسکے باوجود اہل ترکی کی خاصی بڑی تعداد ہر سال حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے حجاز مقدس آتی ہے بلکہ سال بہ سال اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح دوسرے مسلمان ممالک میں جمعہ و جماعت، ماہ رمضان کی اجتماعی عبادات اور حج بیت اللہ کو فروغ مل رہا ہے اگر حکومتوں کی طرف سے حاجیوں کی تعداد پر پابندی نہ ہوتی تو دنیا دیکھتی کہ کس طرح خانہ کعبہ میں مسلمانوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

یہ عناصر مسلمانوں کے اذہان سے مذہبی رجحان کو نکالنے میں اب تک کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اپنی کرسی کی خاطر اسلام کا مذاق اڑانے والے حکمران و قافو قاسی کرسی کو بچانے کیلئے پیروں فقیروں کے آستانوں پر حاضری دیتے اور بزرگان دین کی قبروں پر چادر چڑھاتے نظر آتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح یہ ہستیاں انکو تحفظ فراہم کریں گی اور انکے اقتدار کو بچالیں گی۔ یہ اور بات ہے کہ یہ سب کچھ انکی خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔

۲۔ یہی حکمران جب مغربی میڈیا پر آتے ہیں یا اپنی پارلیمانی نشستوں پر بیٹھتے ہیں تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ سیکولرزم کے داعی ہیں۔ لیکن عوامی اجتماعات میں یہ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اسلام میں حکومت اللہ کی ہے، بندے اسکی نیابت میں حکومت کرتے ہیں حالانکہ یہ جملہ سیکولرزم کے بالکل خلاف ہے۔

۳۔ خلافت اسلامی کے زوال اور مغرب کی طاقت اور ثقافتی یلغار کے عزائم سے آشنا ہونے کے بعد اسلامی نشاۃ ثانیہ کی فکر، جسے دشمن نے سمجھا تھا کہ دبا دیا ہے پھر سے ابھر کر سامنے آرہی ہے۔

۴۔ ہمارے ایک پڑوسی اسلامی ملک میں الحمد للہ بیس سال کے طویل عرصہ سے مسلسل اسلامی حکومت قائم ہے جو مغرب والوں کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے اور حیرت کا سبب بنی ہوئی ہے۔

۵۔ امریکہ، برطانیہ اور ان کے حلیفوں کے کرتوتوں کے باعث مسلمانوں کے دلوں میں انکے خلاف موجود نفرت میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان حکمرانوں اور ان استعماری طاقتوں کے درمیان مخالفت دیکھ کر لوگ خوشی محسوس کرتے ہیں لیکن جن حکمرانوں کا انکی طرف جھکاؤ دیکھتے ہیں تو ان کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ سب باتیں اسلامی خطوں میں سیکولرزم کی ناکامی کی علامت ہیں۔

لہذا ملک کے سیاستمدار اور اجتماعی، مذہبی اور مقتدر حلقوں پر ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ نیشنلزم کی لعنت، فرقہ واریت کا عذاب اور دشمنوں کے ناپاک عزائم سے نجات، نیز ملک میں خوشحالی، اقتدار کی بقاء اور پاکستان کی سالمیت کا انحصار سیکولرزم کی چھٹی اور اسلام کے نفاذ میں ہے۔

ان سے روابط رکھنے کے بارے میں قرآن کریم کی آیت ملاحظہ کریں:

”آپ کبھی ایسے افراد نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے (بھی) ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اس نے اپنی طرف سے ایک روح سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی جماعت والے ہیں۔ آگاہ رہو اللہ کی جماعت والے ہی یقیناً کامیاب ہونے والے ہیں“ (مجادلہ/۲۲) اور جنہوں نے ظلم کیا

ہے ان پر تکیہ نہ کرنا ورنہ تمہیں جہنم کی آگ چھو لے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی سرپرست نہ ہوگا
پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی“ (ہود/۱۱۳) ”اور گناہ و تعدی پر آپس میں تعاون نہ کرنا
اور اللہ سے ڈرتے رہنا کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے“

(مائدہ/۲)

اسکے ساتھ ساتھ پیغمبر و ائمہ کی سیرت اور فقہاء عظام کے فتویٰ کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایک بحث
ہماری کتاب افق گفتگو میں بنام ”ائمہ معصومین، فقہاء و مجتہدین شیعہ ہمیشہ مدافع اسلام اور داعی وحدت رہے
ہیں“ موجود ہے۔ انہوں نے جب اسلام کو دشمنوں کا نشانہ بننے ہوئے دیکھا تو اپنے مکتب اور نظریات چھوڑ کر
اسلام کو بچانے میں سرگرم عمل ہوئے چنانچہ اسکی ایک واضح اور روشن مثال ماضی قریب میں حضرت آیت اللہ
العظمیٰ سید محسن الحکیم کا وہ تاریخی فتویٰ ہے جو آپ نے عراق میں لادینی جماعتوں میں رکنیت اختیار کرنے کو حرام
قرار دیا۔ اس فتویٰ کی تائید اس وقت کے تمام فقہاء و مجتہدین نے کی۔ ہمارے ملک میں بھی موجودہ صورت
حال کو مد نظر رکھتے ہوئے علماء دین کو اپنے فرقہ یا قوم و ملت کے مسائل سے بالاتر ہو کر اسلام کے تحفظ کی
خاطر لادینی جماعتوں کی رکنیت اور ممبر شپ کو ختم کر کے لا تعلق رہنے کا حکم دینا چاہیے۔

قرآن سے پوچھو

ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں

نظام زوجیت قرآن و سنت میں

نظام زوجیت قرآن و سنت میں

زوجیت مادہ زوج سے ہے جیسا کہ کتب معجم و لغات، لسان العرب، قاموس القرآن، آئینہ اردو ادب وغیرہ میں اسے خلاف اور ضد فرد قرار دیا ہے زوج یعنی خلاف فرد، واحد، ایک، طاق، تنہا، اکیلا، یکتا، بے مثل، جفت کی ضد، یگانہ، لاٹانی، زوجیت خلاف فرد ہے۔ فرد تنہا، نصف زوج جس کی کوئی نظیر نہ ہو اور فرد کی جمع افراد ہے۔

زوج اور فرد دونوں سے خداوند عالم نے سورہ فجر میں قسم کھائی ہے ﴿وَشَفَعُ الْوَقْرُ﴾ شفیع زوج ہے وتر فرد ہے۔ فرد دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جس کے اندر ہزاروں جفت ہیں اگر اس کے ساتھ ایک اور کو ملائیں گے تو وہ زوج بنتا ہے ایک فرد وہ ہے جس کے پاس ایک ساتھ رکھیں تو وہ زوج نہیں بنتا وہ فرد ہی رہتا ہے اگر زوج بنانے کی کوشش کریں تو سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۲۲ کے تحت دونوں تباہ ہونگے: ”اگر اس آسمان و زمین میں اللہ کے سوا خدا ہوتا تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا“ یہاں سے پتہ چلے گا کہ وہ پہلے سے فرد نہیں تھے بلکہ وہ زوج تھے۔

زوج

زوج یعنی جوڑا جفت بطور مثال خاوند بیوی، یہ کلمہ قرآن کریم میں خدا کے سوا ہر موجود کے لئے استعمال ہوا ہے ہر چیز میں زوجیت مرکب پائی جاتی ہے۔ فردیت حقیقی جو کمال ذات باری تعالیٰ ہے وہ انسان کیلئے باعث فنا و زوال اور نقص و عیب ہے۔ چنانچہ خداوند متعال نے انسان کی بے بسی بروز قیامت اس طرح ظاہر کی ہے۔ ﴿وَنُرِثْهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِيَ الْقُرْآنُ﴾ ”اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہو جائیں گے اور وہ ہمارے سامنے اکیلا حاضر ہوگا“ (مریم/۸۰) ﴿وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَرْنَا﴾ ”اور قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے سامنے تنہا حاضر ہونا ہے“ (مریم/۹۵)

حضرت زکریاؑ نے درگاہ خدا میں دُعا کی:

﴿وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِقِينَ﴾ ”اور زکریا کو یاد کرو جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ دینا“

(انبیاء/۸۹)

کتب لغت میں کلمہ کروج کے معانی اور مصداق بیان کرنے کے بعد اب ہم آپ کی خدمت میں زوجیت کی وسعت اور اس کے مصداق بیان کریں گے تاکہ اذہان میں یہ بات نہ آئے کہ یہ کلمہ صرف میاں بیوی سے ہی مختص ہے۔ بلکہ کائنات کی ہر شے، جمادات، نباتات، حیوان اور انسان سب زوجیت میں شامل ہیں کوئی چیز زوجیت سے خالی نہیں بلکہ نظام اجتماعیات اور سماجیات میں بھی یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔

فرد

کائنات کے ذرے سے لے کر کہکشاں تک، جمادات، نباتات حیوانات حتیٰ اشرف المخلوقات انسان سب نظام اجتماعیت اور اشتہاریت کے محکوم ہیں۔ تنہا ایک ہستی فرد حقیقی کہنے کی مستحق ہے زوجیت جس کیلئے نقص و عیب ہے وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ لہذا قرآن کریم میں خدا کی اس صفت کو ثابت کرنے کیلئے کبھی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِ شَيْءٍ﴾ کبھی ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ اور کبھی ﴿تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْفُونَ﴾ کی تعبیروں سے استدلال کیا گیا ہے۔ ذات خدا میں ہر حوالے سے کسی قسم کی دویت نہیں بلکہ اس کیلئے یہ محال ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں اس کا ذکر ہے:

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ اللّٰهُ﴾ ”ان سے پوچھئے: آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ کہہ دیجئے: اللہ ہے“ (رعد/۱۶) ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ”کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو آسمانوں اور زمین میں تمہیں رزق دے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں“ (فاطر/۳) ﴿وَلَعَنَ سَالِحُهُمْ مِنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيُوقِلْنَ خَلْقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِیْمُ﴾ ”اور اگر ان سے پوچھا جائے: آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ یہ ضرور

کہیں گے: بڑے غالب آنے والے، علیم نے انہیں پیدا کیا ہے“ (زخرف/۹) ﴿وَلَعَنَ سَالَتَهُمْ
 مِنْ خَلْقِهِمْ لِيَقُولَ اللَّهُ﴾ ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں: انہیں کس نے خلق کیا ہے؟ تو یہ ضرور
 کہیں گے: اللہ نے“ (زخرف/۸۷) ﴿إِنَّمَا خَلَقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ إِنْ هُمْ إِلَّا خَالِقُونَ﴾ ”کیا یہ لوگ
 بغیر کسی خالق کے پیدا ہوئے ہیں یا خود (اپنے) خالق ہیں؟“ (طور/۳۵) ﴿إِنَّمَا تَخَلَقُونَهُ إِنْ
 تَحْنُ الْخَالِقُونَ﴾ ”کیا اس (انسان) کو تم بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟“ (واقعه/۵۹)
 ﴿فَاطْرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِيُزَاوَجَكُمْ فِيهِ﴾ ”وہی
 آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اسی نے خود تمہاری جنس سے تمہارے لئے ازواج بنائے اور
 چوپایوں کے بھی ازواج بنائے اس طرح سے وہ تمہاری افزائش کرتا ہے“ (شوریٰ/۱۱)

تکوینیات میں زوجیت

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ زوج یعنی مرکب ہے، کائنات میں تمام اشیاء مرکب ہیں چاہے یہ مادہ و
 صورت میں ہوں یا جوہر و عرض کے لحاظ سے کوئی بھی چیز اس ترکیب سے خالی نہیں ترکیب کیلئے ضروری ہے
 کوئی اسکا صانع ہو جو فرد ہو۔ چنانچہ سورہ ذاریات آیت ۴۹ میں ہے ”اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے
 ہیں شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو“ یعنی کائنات میں ہر چیز کی ضد ہے مثال ہے۔ ترکیب اسکے لئے ناگزیر ہے۔
 ۱۔ جمادات: یعنی ایک اثر کنندہ اور دوسرا اثر پذیر ہے۔

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ”اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں
 شاید تم نصیحت حاصل کرو“ (ذاریات/۴۹) ﴿وَرَبِّتْ وَاقْبَتِ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ﴾ ”یہ جنبش میں
 آجاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور مختلف اقسام کی پر رونق چیزیں آگاتی ہیں“ (حج/۵) ﴿وَاقْبَلْ مِنَ
 السَّمَاءِ مَاءً فَاتَّبِعْنَاهُ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ كَرِيمٍ﴾ ”اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے
 اس میں ہر قسم کے نفیس جوڑے لگائے“ (لقمان/۱۰) ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ ”اور ہر
 شے میں سے ہم نے جوڑا بنایا“ (ذاریات/۴۹) ﴿وَاقْبَلْ مِنَ الْمَذْكَرِ وَالْأُنْثَى﴾ ”اور یہ

کہ وہی نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا“ (نجم/۳۵) ﴿سَبَّحَنَ الذِّیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تَبْتِ الارضُ﴾ ”پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود انکی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے“ (یسین/۳۶) ﴿وَاعْرِضْ مِنْ شَکَلِہٖ اَزْوَاجَ﴾ ”اور اس قسم کی مزید بہت سی چیزوں کا“ (ص/۵۸)

نباتات میں زوجیت

﴿فَاَخْرِجْنَا بِہٖ اَزْوَاجًا مِنْ تِبَابٍ مَشْنٰی﴾ ”پھر اس سے ہم نے مختلف نباتات کے جوڑے اگائے“ (طہ/۵۳) ﴿فَاَخْرِجْنَا بِہٖ اَزْوَاجًا مِنْ تِبَابٍ مَشْنٰی﴾ ”ہم نے مختلف قسم کے نباتات کا جوڑا پیدا کیا“ (طہ/۵۳) ﴿فَیَہْمَا مِنْ کُلِّ فَاکَہٍ زَوْجًا﴾ ”ان دونوں میں موجود ہر میوے کی دو دو قسمیں ہیں“ (رحمن/۵۲) ﴿وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْہَا زَوْجِیْنِ اٰتِیْنِ﴾ ”اور ہر طرح کے پھلوں کے دو جوڑے بنائے“ (رعد/۳)

زوجیت یعنی ایک سے زائد

﴿وَاٰتٰیہُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثًا﴾ ”اور تم تین گروہ ہو جاؤ گے“ (واقعہ/۷) ﴿وَإِذَا نَفَسَ زَوْجَتُ﴾ ”جب روجوں کو جسموں سے جوڑ دیا جائے گا“ (تکویر/۷) ﴿ثَغْنَةُ اَزْوَاجٍ﴾ ”آٹھ قسم کے جوڑے ہیں“ (انعام/۱۴۴) ﴿وَإِنزَلَ لَکُم مِّنْ اَنْعَامِ ثَغْنِیۡۃً اَزْوَاجٍ﴾ ”اور تمہارے لئے آٹھ قسم کے چوپائے نازل کئے“ (زمر/۶)

حیوانات

﴿وَإِنزَلَ لَکُم مِّنْ اَنْعَامِ ثَغْنِیۡۃً اَزْوَاجٍ﴾ ”اور اسی نے تمہارے لئے چوپاؤں میں سے آٹھ جوڑے بنائے“ (زمر/۶)

انسان

انسان میں اقسام زوجیت:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لَعَلَّكُمْ تَزْكُونَ وَحِفْظًا لِّرِزْقِكُمْ مِنْ الْطَّيِّبَاتِ﴾ ”اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور اس نے تمہاری ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت کیں“ (نحل/۷۲)

فرد واحد کے اندر زوجیت کے نمونے:

دو آنکھ، (دو ہاتھ، دو پاؤں)

﴿فَاغْسِلُوْهُ وُجُوْهُكُمْ وَيَدَيْكُمْ اِلَى الْمَرَاقِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوسِكُمْ وَلَوْ جَلَّكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو نیز اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرو۔ (مائدہ/۲)

اسی طرح ایک انسان کے اندر دو پھیپھڑے، دو گردے، ہاتھ کی دس انگلیاں، پاؤں کی دس انگلیاں۔

انسانی صفات میں زوجیت

۱۔ علم و جہل: یعنی انسان کے اندر علم بھی ہے اور جہل بھی، ان کا آپس میں کوئی توازن نہیں ہے۔

۲۔ غصہ اور خوشی

۳۔ غضب و رحمت

۴۔ شقاوت و سعادت

۵۔ نفرت و محبت

۶۔ شجاعت و جہانت (بزدلی)

زوجیت متعارف: یعنی انسان کا دوسرے انسان سے انس اس زوجیت میں چند صفات و خلائق

اور حکمتیں پوشیدہ ہیں:

۱۔ ایک دوسرے کے لئے سکون و اطمینان کا باعث ہیں:

﴿وَجَعَلَ سَكَنَ لَا﴾ ﴿وَقُلْنَا اِيَادَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا﴾ ”اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ جنت میں قیام کرو اور اس میں امن و سکون کے ساتھ جہاں چاہو کھاؤ“

(بقرہ/۳۵)

۲۔ تولید مثل:

﴿بِئْسَ مَنَازِلُ جَالًا كَثِيرًا وَنَسَاءً﴾ ”ان دونوں سے بکثرت مرد و عورت روئے زمین پر پھیلا دیئے“ (نساء/۱)

۳۔ تربیت و پرورشِ اولاد

۴۔ ایک دوسرے سے تعاون و ہمکاری

۵۔ توازن و تعادل:

﴿مَنْ النِّسَاءُ مَشْنَى وَثَلُثَ وَرَبَعَ قَانَ خَفْتُمْ اَلَا تَعْلَمُوْا قَوْلَ مَا مَلَكَتْ اِيْمَانُكُمْ ذَالِكِ ادْنَى اَلَا تَعْلَمُوْا﴾ ”اور اگر تم لوگ اس بات سے خائف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو دوسری عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین یا چار چار سے نکاح کر لو اگر تمہیں خوف ہو کہ ان میں عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت یا لونڈی جسکے تم مالک ہو کافی ہے یہ انصافی سے بچنے کی قریب ترین صورت ہے“ (نساء/۳)

زوجیت جنت:

﴿كُلُّكَ وَزَوْجُهُمْ يَحْوِي عَيْنَ﴾ ”اسی طرح (ہوگا) اور ہم انہیں بڑی آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے“ (دخان/۵۴) ﴿وَزَوْجُهُمْ يَحْوِي عَيْنَ﴾ ”اور ہم انکا جوڑا کشادہ چشم حوروں کو قرار

دیئے“ (طور/۲۰) ﴿اور بزوجہم ذکراننا واتنا و جعل من یشاء عقیماً﴾ ”یا (جسے چاہے) مذکر و مونث دونوں دیتا ہے اور جسے چاہے بانجھ بنا دیتا ہے“ (شوریٰ/۵۰) ﴿ولہم فیہا زواج مطہرۃ وہم فیہا﴾ ”اور ان کیلئے وہاں پاکیزہ بیویاں بھی ہوں گی“ (بقرہ/۲۵) ﴿ولہم فیہا زواج مطہرۃ وتدخلہم ظلل ظلیلۃ﴾ ”جن میں ان کے لئے پاک و پاکیزہ بیویاں ہیں اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کریں گے“ (نساء/۵۷)

زوجیت جہنم میں:

﴿احشروا اللہین ظلموا و زواجہم﴾ ”گھیر لاؤ ظلم کا ارتکاب کرنے والوں کو اور ان کے ہم جنسوں کو“ (صافات/۲۲)

اجتماعی اور سیاسی زوج

جس طرح ہر چیز میں اشتراکیت ناگزیر ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی میں اسے وسعت دینا بھی ناگزیر ہے۔ اسلام نے جس طرح میاں بیوی کے درمیان کفو ایمانی کو شرط قرار دیا ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زواج میں بھی اس شرط کو بنیاد بنایا ہے۔ جو بہت سی آیات و روایات سے ثابت ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو ایک شخص کے ساتھ کاروبار میں شراکت کرنے سے منع فرمایا۔ اسماعیل نے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو امامؑ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ اسماعیل نے کہا کہ پدر بزرگوار ہم نے تو تجارت کرنی ہے اس کی شخصی زندگی سے ہمارا کیا تعلق تو امامؑ نے فرمایا کہ خدا نے قرآن میں شراب کو حرام قرار دیا اس کے باوجود اسے پینا خدا سے خیانت ہے اور جو اپنے رب سے خیانت کرتا ہو کیا وہ تم سے خیانت نہیں کرے گا؟ اس کا دوسرا نمونہ امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کا صفوان جمال سے خطاب ہے۔ آپؑ نے فرمایا صفوان جمال! تمہارا ہر فعل اچھا ہے لیکن تمہارا ہارون رشید کو اونٹ کرایہ پر دینا ایک فتنہ عمل ہے۔ صفوان جمال نے کہا کہ میں تو صرف سفر حج کے لئے اونٹ کرایہ پر دیتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا کہ کیا تم اپنے کرایہ کے ملنے تک اس کی زندگی کی بقا نہیں چاہتے ہو۔ اور اس کی بقا چاہنا اس کے جرم

میں شریک ہونے کے برابر ہے۔ آئمہ یہ احادیث قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں جہاں فرمان الہی ہے کہ ”گناہوں میں کسی کی مدد نہ کرو“ یہاں سے ایک سوال جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے بعض علماء جو خود کو محافظ دین سمجھتے ہیں وہ اس ملک کی سب سے بڑی لادین پارٹی میں کس منطق کے تحت شامل ہوتے ہیں۔ انھوں نے اس ازدواج سیاسی کے لئے سند علماء کی سیاسی امور میں شرکت کو بنایا ہے انہیں یہ غلط فہمی لاحق ہوئی ہے کہ سیاست میں دین ہے اگر یہ اس منطق پر قائم رہتے ہیں تو

﴿لکم دینکم ولی دین﴾ ”تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین“ (کافرون/۶)

کا کیا جواب دیں گے۔

عرف عام میں زوجیت

ہمارا موضوع گفتگو نظام زوجیت میں سے زوجیت مرد و عورت ہے۔ یہ کلمہ میاں بیوی دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے اور بعض استعمالات عربی یا اردو میں زوجہ کے لئے آخر میں ’ہ‘ کا اضافہ کرنا اہل لغت کے نزدیک اسے فصاحت لغت سے خارج گردانا گیا ہے قرآن کریم میں کلمہ زوج بیوی کے لئے استعمال ہوا ہے :

﴿ومن ایۃ ان خلق لکم من انفسکم نساء﴾ ”اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے

تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ازواج پیدا کئے“ (روم/۲۱) ﴿وان اردقم استبدال زوج مکان

زوج﴾ ”اور اگر تم لوگ ایک زوج کی جگہ دوسری زوج لینا چاہو“ (نساء/۲۰) ﴿وقلنا ایدم اسکن

انت وزوجک الحسنۃ﴾ ”اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری زوج جنت میں قیام کرو“ (بقرہ

/۳۵) ﴿فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ﴾ ”اگر (تیسری بار) پھر طلاق

دے دی تو وہ عورت اس کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کسی دوسرے شخص سے

نکاح نہ کر لے“ (بقرہ/۲۳۰) ﴿واذا طلقتم النساء قبل ان یصلن اجلھن فلا تعضلوهن ان ینکحن

ازواجھن﴾ ”اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں

اپنے (مجوزہ) شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو“ (بقرہ/۲۳۲) ﴿وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْكُمْ وَيُفَرِّقُونَ بَيْنَهُمْ﴾ ”اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں“ (بقرہ/۲۳۰)

رشتہ ازدواج وہ مبارک رشتہ ہے جسے خداوند متعال نے اپنی عظیم کتاب قرآن کے ذریعے اپنے پیارے نبیؐ اور اس کی امت کو عطا فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں اس رشتہ کے تکوینی اور تشریحی دونوں پہلوؤں سے متعلق متعدد آیات موجود ہیں۔ خدا نے اپنی اس عظیم کتاب کے ذریعہ رشتہ ازدواج کے فلسفہ اور اس کے دوسرے بہت سے زاویوں کو واضح و روشن فرمایا ہے۔ ہم یہاں پر آپ کی خدمت میں قرآن مجید کی ان آیات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جن میں رشتہ ازدواج کا تذکرہ ہوا ہے:

﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَكُمْ وَلَسَتْ مِنْكُمْ﴾ ”جس نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد و عورت (روئے زمین پر) پھیلا دیئے“ (نساء/۱) ﴿وَالَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَكُمْ﴾ ”وہی اللہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا“ (اعراف/۱۸۹) ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَكُمْ﴾ ”اسی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس کا جوڑا بنایا“ (زمر/۶) ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ ”اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں“ (نحل/۷۲) ﴿قَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ ”وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اسی نے خود تمہاری جنس سے تمہارے لئے ازواج بنائے“ (شوریٰ/۱۱)

مندرجہ بالا آیات میں رشتہ ازدواج کے پس منظر کو نظام تکوینی میں رتق و فتق یعنی جمع و تفریق قرار دیا گیا ہے۔ یعنی دونوں پہلے ایک ہی مادہ تھے، پھر ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور دوبارہ نظام تشریع کے تحت ان کے وصال کا حکم ہوا۔ یہ وصال دونوں کو ہر طرح کے کرب و اضطراب سے نجات دیتا ہے جس کے نتیجے میں اطمینان و سکون کی فضا قائم ہوتی ہے سورہ روم آیت نمبر ۲۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ ”اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے ازواج پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو ہو اور اس نے تمہارے مابین محبت اور مہربانی پیدا کی“

دواجنبی جب رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کیلئے زینت بن جاتے ہیں، ایک دوسرے کی محافظت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اگر خدا نخواستہ کسی وجہ سے ان میں جدائی ہو جائے تو زندگی بے رنگ و بے رونق نظر آنے لگتی ہے۔ محافظت کے حوالے سے سورہ بقرہ آیت ۱۸۷ میں ذکر ہے۔

﴿هَن لِبَاسٍ لَكُمْ وَاتَّحَمَ لِبَاسٍ لِهَن﴾ ”وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس ہو“۔

رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد دونوں ایک محاذ کے سپاہی بن جاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ طہ آیت ۱۱ میں ارشاد رب العزت ہے:

﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ ان هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ﴾ ”ہم نے کہا اے آدم! یہ آپ اور آپ کی زوجہ کا دشمن ہے“۔

اگر رشتہ تکوینی کے نظام کا پاس و خیال نہ رکھا جائے اور ہم کفورشتوں کو چھوڑ کر بے جوڑ رشتے قائم کئے جائیں تو ایسی صورت میں دونوں طرف سے مسائل پیدا ہونگے۔ یہ غیر ہم آہنگی فزکی بھی ہو سکتی ہے اور عقیدتی بھی۔ اس ناہمواری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا فساد نہ صرف یہ کہ زوجین کے لئے مصیبت بنے گا بلکہ آئندہ پیدا ہونے والی نسلیں اسکے اثرات بد سے محفوظ نہیں رہ سکیں گی۔ گھر محاذ جنگ میں تبدیل ہو جائے گا یا آج کل کی اصطلاح میں گھریلو خانہ جنگی کا آغاز ہوگا سورہ تغابن کی آیت ۱۴ میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْزُوجُوا حُكْمَ وَأَوْلَادَكُمْ عَلَى الْكَمِّ قَاتِلُوا هُمْ﴾ ”اے ایمان والو!

تمہاری ازواج اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں لہذا ان سے بچتے رہو“

انسانی زندگی میں اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام علمی، اقتصادی، اجتماعی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں غور و فکر ایک طرف اور رشتہ ازدواج کے مسائل کے بارے میں غور و

فکر دوسری طرف ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان سب مسائل سے بھی کچھ زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اسکے معاملات انتہائی حساس اور نازک ہیں۔ ان تمام پیچیدگیوں کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ یہ تقریب اپنے جلوں میں بے پناہ خوشیوں کا نمونہ (SYMBOL) معلوم ہوتی ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف دولہا دلہن ہی نہیں بلکہ ان دونوں کے پورے، خاندان اور تمام عزیز واقربا بھی اس موقع پر خوشی سے سرشار نظر آتے ہیں۔ اگر اس معاملہ میں نظام تکوینی کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ نظام تشریعی کا بھی لحاظ رکھا جائے تو احادیث کو وہ ہیں کہ اس تقریب سعید کے موقع پر حاصل ہونے والی بے پناہ مسرتوں کے ساتھ، ساتھ خداوند متعال کی طرف سے رحمتوں کی بارش ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے؟

حقوق انتخاب زوجیت

شوہر کے انتخاب میں لڑکی کیلئے ولی کی اجازت پر اصرار کو عیب گردانا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اس سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ افراد یہ نہیں جانتے کہ ولی کو کبھی اختیار حاصل نہیں کہ وہ جہاں چاہے لڑکی کا عقد کر دے۔ بلکہ لڑکی کو یہاں اختیار حاصل ہے کہ اس کا نکاح اگر غیر کفو کے ساتھ ہو رہا ہے تو اس کا اظہار کرے۔ اور ولی اگر زیادتی کرے تو اختیار اس سے بلند درجہ کی ولایت کو حاصل ہے۔ جیسے سورہ بقرہ آیت ۲۳۲ میں ہے:

﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ قَبْلَ أَنْ يَضِلَّ قُلُوبُهُنَّ وَلَا تَعْلَمْنَ مَا فِي قُلُوبِهِنَّ مِنْ شَيْءٍ فَلَهُنَّ مَا كُنَّ يَرْجُونَ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَجْزِيْنَ﴾ اور جب تم اپنی عورتوں

کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اپنے (مجوزہ) شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو“

ولی اگر مال و دولت یا کسی مفادات کے چکر میں کسی غیر کفو سے شادی کرے تو ولی سے سوال ہوگا۔ ولی کو اختیار صرف دو صورتوں میں حاصل ہے ایک وہ شادی کفو سے کرے اور دوسرا خواہشات کا احترام کرے۔ اسی طرح اگر ولی نہیں اور لڑکی کو شادی کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں لڑکی خود مختار ہے۔

ازدواجی زندگی کی ضرورت

والدین کے ساتھ زندگی گزارنے کے دور کے خاتمہ کے بعد ایک اجنبی عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی کا آغاز شروع ہوتا ہے۔ یہ ضرورت انسان کو طبیعت سے خود بہ خود میسر نہیں بلکہ وہ اپنے اختیار سے اسے حاصل کرتا ہے۔ اس ضرورت کو اسلام نے مرد و عورت کے لئے سہل الحصول رکھا تھا لیکن جیسے جیسے تعلیمات اقدار اسلامی کی جگہ جاہلیت جدید نے لی بلکہ یہ اقدار اسلام کے خلاف ایک غیر مرئی اور غیر محسوس مہلک اسلحہ کی صورت میں اسلامی معاشرے کے ہر طبقہ اور زاویے سے مسلح ہو کر شکار کیلئے آمادہ ہوئی اور نئی نسل کے لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسا یا اور اسلامی اقدار و تعلیمات کی روح کو نکال کر انھیں جاہلیت کا لباس پہنایا۔ اس اقدام نے نظام ازدواجی میں مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کیں جس کے نتیجے میں یہ ازواج سونا چاندی اور قیمتی جواہرات کی تلاش سے زیادہ دشوار ہو گیا اور اس پر سینکڑوں قسم کی پابندیاں عائد کیں۔ بہت قلیل تعداد ان پابندیوں سے آزاد رہی یا انھوں نے ان پابندیوں سے بغاوت کر کے عدالتوں میں اپنی ازدواج رہبر کروائی۔

انسان جب تک زندہ ہے اسے زندگی گزارنے کے لئے چند چیزوں کی ضرورت ہے جنہیں عرف عام میں زندگی کی بنیادی ضروریات کہا جاتا ہے۔ ان کے بغیر زندگی گزارنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے اور اس کے بغیر زندگی کو زندگی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ بنیادی ضروریات دو قسم کی ہیں۔

۱۔ ضروریات طبعی

یعنی خداوند متعال نے اس طبیعت میں زمین، آسمان اور فضاء میں انسانی ضروریات فراہم کی ہیں جیسے پانی، آکسیجن وغیرہ ان چیزوں کو خداوند کریم نے انسانی زندگی کے لئے سہل الحصول کیا ہے۔

۲۔ ضروریات اختیاری

یعنی وہ ضروریات ہیں جن کو انسان خود اپنی کاوش و زحمت سے حاصل کرتا ہے جیسے کھانے، پہننے کے لئے لباس، مکان اور اجتماعی زندگی یعنی باہمی تعاون وغیرہ ان چیزوں کا حصول خود انسان کی سعی و کوشش

اور ارادے سے مربوط ہے جس معاشرے میں انسان رہتا ہے اس معاشرے کے اہل حل و عقد (جن کے ہاتھوں میں معاشرے کی ڈور ہے) وہ اسے یا کسی گروہ و قبیلہ کو یہ ضروریات فراہم کرتے ہیں تو وہ اچھی زندگی گزارتے ہیں لیکن یہ افراد جب ان سے یہ ضروریات چھین لیتے ہیں تو ان کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ان ضروریات میں سے ایک ضرورت جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں ضرورت اجتماعی ہے چنانچہ قدیم زمانے سے لے کر دور حاضر تک کے فلاسفہ و دانشمندان کا نظریہ ہے کہ انسان ”مدنی الطبع“ ہے یعنی وہ اجتماعی زندگی کا محتاج ہے یہ تنہائی کی زندگی نہیں گذار سکتا۔ اس زندگی کا آغاز والدین سے شروع ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اپنے اندر سے استقلال خود مختاری کی قوت ابھرنے کے ساتھ اس میں ایک نئے ساتھی کی تلاش شدت اختیار کرتی ہے اور اسی کا نام ازدواجی زندگی ہے۔ لیکن ہمیں تعجب اس بات پر ہے جب بعض صاحب عقل و شعور جن کے رؤف و مہربان والدین نے اپنی جان و سرمایہ مالی خرچ کر کے ان کی شادی کی اور اب وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ چین و سکون، خوشی و مسرت کی زندگی گزار رہے ہیں اگر خدا نخواستہ ان کے عزیز و مہربان والدین میں ”مشیت الہی“ تقدیرِ یزدانی نے جدائی ڈالی، ایک کو دایر بقا کی طرف لے گئے اور دوسرے کو اس دایر بقا میں چند اور دن کے لئے زندہ رکھا لیکن کیسی زندگی کہ جس میں اب نہ کھانے پینے کا مزہ ہے اور نہ کسی اور مصروفیت کا اسی طرح خدا نخواستہ اگر یہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جائیں جس کا اظہار وہ بیٹے سے کر سکیں اور نہ بیٹی سے اور اس کا ہم راز بھی اس سے جدا ہو گیا ہو لہذا یہ اگر از خود کوئی اس سلسلہ میں تدبیر کرنا چاہیں تو یہ عزیز بیٹے اور بیٹیاں حائل ہو جاتے ہیں کہ ہمارے والد یا والدہ کو شرم نہیں آتی کہتے ہیں کہ اس عمر میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسی اولاد کو یہاں سوچنا چاہیے کہ ازدواجی ضرورت صرف جنسی خواہشات کی طغیانی کو ٹھنڈا کرنے کا نام نہیں (جس طرح مغرب والوں کی سوچ ہے) بلکہ عقل اور قرآن و سنت کی رو سے اسکی ضرورت حد بلوغ سے شروع ہو کر منزلِ لحد تک ہے۔ انسان کے لئے ہمہ وقت ہر چیز میں محرمِ راز اس کی شریک حیات ہی ہے (خدا کرے اگر کسی کو نصیب ہو جائے) تو حدِ برت پیغمبرؐ کے تحت چار سعادتمندوں میں سے ایک اہم سعادت ہے اور اگر یہ صالح و صالحہ ہو جائیں اور مثلِ آدم و حوا بنیں تو یہ زندگی جنت تک لے جاسکتی

ہے۔

ازدواجی زندگی کی ضرورت کے مختلف پہلوں پر کچھ حد تک گفتگو کرنے کے بعد اب ہم قارئین کرام کی خدمت میں اس راہ میں والدین، خاندان، معاشرے اور دشمنان اسلام نے اسلامی اجتماع کی بنیادوں کو متزلزل اور زمین بوس کرنے کی نیت سے جو رکاوٹیں اور موانع اس راہ میں کھڑی کیں ہیں ان میں سے چند اہم رکاوٹوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے ہمارے تجزیہ و تحلیل میں کوئی نقص نظر آئے تو اپنے قلم و بیان سے اس پر روشنی ڈالیں اور اسی کے ساتھ اگر آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی تجاویز ہوں تو انھیں بھی اپنے قلم و بیان سے اٹھائیں۔ اب ہم ان موانع اور رکاوٹوں کو مرحلہ وار پیش کرتے ہیں۔

کفو حقیقی کی جگہ خود ساختہ کفو

۱۔ خاندان کی چار دیواری میں شادی

مسلمانوں کیلئے مغرب کا پرانا اور زہریلا تحفہ بنام قوم پرستی یا وطن دوستی ہے۔ اس دو دہاری تلوار نے مسلمانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ان کا جینا مشکل بنایا۔ انھیں میں سے ایک انسان کی پہلی و بنیادی اور ضروری ترین ضروریات زندگی شادی ہے۔ شادی کو خاندان اور قبیلے کی چار دیواری میں محدود اور مجبور کرنے کی کوئی منطق نہیں۔ انسان کیلئے ایک صحیح و اطمینان بخش زندگی نہ تعلیم میں ہے نہ دولت میں اور نہ ہی اقتدار میں بلکہ جس زندگی کو باعث سکون و اطمینان قرار دیا گیا ہے وہ شادی کی زندگی ہے۔ چنانچہ قرآن میں اسے سکون اور ایک دوسرے کو بچانے کا ذریعہ بتایا ہے۔ انسانی زندگی طبیعت اور فطرت سے ہم آہنگ ہونی چاہئے خداوند متعال نے انسان کی ضروریات کو اسکی اہمیت کے تناسب سے فراہم کیا ہے۔ غذا سے زیادہ پانی کی ضرورت ہے لہذا پانی کو تین حصے زیادہ فراہم کیا اور اس کے حصول کو آسان بنایا۔ پانی سے زیادہ زندگی کی اہم ضرورت ہوا ہے لہذا پانی سے زیادہ ہوا کو خداوند عالم نے فراہم کیا۔ جس چیز کی ضرورت زیادہ اہم ہوا سے محدود کرنا ظلم و استحصال گنا جاتا ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ کی شہادت میں دیگر مظالم کی بہ نسبت پانی کو زیادہ اٹھایا جاتا ہے کیونکہ اس محرومیت کو عام انسان بھی جنایت سمجھتے ہیں۔ اس قاعدہ کے تحت لڑکے اور لڑکی کی زندگی کی اہم

ضرورت شادی ہے۔ جس کا طغیان اور بخار اوپر آنے کے بعد جوان لڑکا لڑکی نہ کسی کی سنتے اور نہ کسی بات سے مطمئن ہوتے ہیں۔ لہذا اس ضرورت کو خاندانی چار دیواری تک محدود کرنا اس اہم ضرورت کو روکنے کے مترادف ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں خاندان سے رشتہ آنے کے انتظار میں لڑکی کی عمر گزر جاتی ہے اور اس طریقے سے وہ زندگی کی ایک اہم ضرورت سے محروم رہتی ہے۔ اس چار دیواری کی شادی کی بہت سی اقسام ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس ضرورت کا تعلق انسان کی ضرورت اختیاری میں سے ہے انسان کیلئے یہ ضرورت قدیم زمانے میں پہلے الحصول تھی لیکن جیسے جیسے ایک انسان یا ایک گروہ نے دوسرے انسان یا گروہ کی ضروریات چھیننے اور استبداد کا راستہ اختیار کیا یعنی انسانی آزادی کو غلامی میں بدلنا، مالی وسائل پر قبضہ کرنا وغیرہ۔ لیکن یہاں انسان کا ایک اور مصیبت سے سامنا ہوا وہ یہ کہ اسکی ازدواجی زندگی کے ڈھانچے کا درہم برہم ہونا ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلی ضروریات زندگی میں اس کے مخالف اسکے دشمن تھے لیکن اس ضرورت میں اس کے دشمن خود اس کے ماں باپ، مہربان، بہن بھائی اور دیگر خاندانی رشتہ دار ہیں جنہوں نے اپنے بیٹے بیٹی، پوتے پوتی اور نواسا نواسی کی ازدواجی زندگی پر سینکڑوں قسم کی پابندیاں عائد کی ہوئی ہیں ان میں سے بہت قلیل تعداد ان پابندیوں سے بغاوت کر کے ازدواجی زندگی حاصل کر چکی ہے لیکن اکثر و بیشتر والدین اور

خاندان کی اطاعت و بندگی کی وجہ سے ازدواجی زندگی حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں ان میں سے بعض اپنی اس مظلومیت کو اسلام کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں حالانکہ اسلام ان پابندیوں کے سراسر مخالف ہے خواہ یہ پابندیاں کسی صورت میں بھی ہوں۔ دشمنان اسلام اور بعض دوست نما نام نہاد مہربان اقرباء نے ایسی رسومات پیدا کر دی ہیں جو قرآن و سنت اور سیرت اہل بیت کے بالکل منافی ہیں اور اسلام نے انہیں بجا تک دہل مہل کر دیا ہے۔ ان حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر اس مسلمان کو دعوت فکر ہے جو خود کو مسلمان سمجھتا ہے جس کا اس عظیم کوثر یعنی قرآن کریم پر ایمان ہے جس میں ہر خشک و تر کا بیان ہے اور پیغمبرؐ سے مروی حدیث ثقلین کے تحت اس (قرآن) سے روگردانی ضلالت و گمراہی ہے اور خاص کر وہ افراد جو دامن اہل بیت سے متمسک

ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے مولا امیر المومنینؑ سے ورثہ میں ملنے والی کتاب نوح البلاغہ سے متمسک ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں اور اسکو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں وہ خود کو ان زمانہ جاہلیت و شرکین سے ملنے والی رسومات پر عمل کرنے کی بجائے اپنے عزیز بیٹوں، بیٹیوں کو اس خوشگوار اور انس و محبت کی زندگی سے محروم نہ کریں اور اپنی اولاد پر رحم کریں۔

رشتہ ازدواج کو قوم و قبیلہ تک محدود کرنا اگر چہ لڑکا اور لڑکی میں ایک کافر و شرک ہی کیوں نہ ہو اور دوسرا مومن ہی کیوں نہ ہو انہیں اپنے والدین کا فیصلہ جبراً ماننا پڑتا ہے چاہے خاندان سے باہر ایک صالح اور باایمان رشتہ ہی کیوں نہ موجود ہو۔ ایسے رشتوں کا نتیجہ طلاق، جھگڑا فساد، والدین سے بغاوت، کورٹ میرج یا عمر بھر شادی نہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے معاشرے میں یہ صورت حال کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اور یہ قرآن و سنت کی ثقافت کی مہجوریت ہے۔

کیونکہ پیغمبر اکرمؐ اور آلہٴ معصومینؑ نے صریحاً اس ثقافت کی اپنے عمل سے مخالفت کی ہے خود پیغمبر اکرمؐ جو سرور انبیاء ہیں کی شادی حضرت خدیجہ کے علاوہ بنی عدی، بنی امیہ بنی قبطیہ وغیرہ میں ہوئی ہیں اسی طرح مولا امیر المومنینؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی شادیاں بھی قوم و قبیلہ کی بجائے ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر ہوئی ہیں۔ کفو قبیلائی کو اپنانے سے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں بعض جگہوں پر لڑکوں کی پیدائش زیادہ ہے اور لڑکیوں کی کم یا لڑکیوں کی پیدائش زیادہ اور لڑکوں کی کم تو اگر یہاں بنیاد کفو قبیلائی کو بنائیں تو ازدواجی زندگی کا حصول تقریباً ناممکن ہو جائے گا اور معاشرہ گمراہی اور پستی کی راہ اختیار کرے گا۔

حرمت تزویج سادات غیر سادات سے:

سرزمین دیار مقدسہ مرکز و مرجع فتاویٰ اہل تشیع عراق ایران اور حجاز مقدسہ سے ہٹ کر ہمارے اس ملک میں ایک گروہ نے ڈنڈے اور سب و شتم سے تشہد میں شہادت ثالثہ اور سید زادی کی غیر سید سے عقد و ازدواج پر حرمت کے فتاویٰ کی طرح بہت سے ایسے افکار و نظریات اور فتاویٰ کو لا کو نافذ کرنے کی مذموم کوشش کی ہے جو سیرت معصومینؑ اور گزشتہ و حاضر فقہائے اسلام کے قول اور سیرت عملی کی صریحاً خلاف ورزی

اور سراسر مخالفت پر مبنی ہے ان کے یہ فتاویٰ قرآن کریم کی سورہ تو بہ آیت ۲۹ اور امام حسینؑ کے اس خطبے کے بھی خلاف ہیں جو آپؐ نے منزل زبالہ پر لشکرِ حُر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَ: ((مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَافِرًا مُسْتَحِلًّا لِحَرَمِ اللَّهِ، تَاكُنَّا لِعَهْدِ اللَّهِ، مُخَالَفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ، يَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللَّهِ الْبِلَاطِمَ وَالْعُلُوْنَ، قَلَمَ يَغْيِرُ عَلَيْهِ بِفَعْلٍ وَلَا قَوْلٍ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَدْخُلَهُ مَدْخُلُهُ)) الْإِذَا وَانْ هُوَ لَا يَزَالُ مَوَاطَعَةَ الشَّيْطَانِ، تَرَكَوْا طَاعَةَ الرَّحْمَنِ، وَاطْهَرُوا الْفُسَادَ، وَعَطَلُوا الْحُدُودَ، وَاسْتَأْثَرُوا بِالْفِئَةِ، وَاحْلُوا حَرَامَ اللَّهِ، وَحَرَمُوا حِلَّ اللَّهِ.﴾ ”اے لوگو! رسول اللہ نے فرمایا: جو کسی ظالم حاکم کو خدا کے حلال کردہ احکام کو حرام کرتے ہوئے دیکھے، خدا کے عہد اور سنتِ رسول کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھے تو بندگانِ خدا پر واجب ہے کہ اس ظالم کا راستہ بدلیں اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ انھیں انکے ٹھکانے تک پہنچائے۔ تحقیق ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنایا ہے اور رحمان کی کی اطاعت سے روگردانی کی ہے، زمین میں فساد پھیلایا ہے اور حدودِ خدا کو معطل کیا ہے۔ مالِ غنیمت کو اپنے سے مختص کیا ہے اور حلالِ خدا کو حرام اور حرامِ خدا کو حلال کیا ہے۔“

اسی طرح امیر المومنین علیؑ کے ان کلمات کے مصداق ہیں جو سید رضی شریف نے نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۶ پیرا گراف ۱۸۷ میں نقل کیا ہے:

قسم اول:- یاد رکھو کہ پروردگار کی نگاہ میں بدترین خلاق دو طرح کے افراد ہیں ایک جسے پروردگار نے اسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اور وہ درمیانی راستے سے ہٹ گیا ہے صرف بدعت کا دلدادہ ہے اور گمراہی کی دعوت پر فریفتہ ہے یہ دوسرے افراد کیلئے ایک مستقل فتنہ ہے اور سابق افراد کی ہدایت سے بہکا ہوا ہے اپنے ہم کاروں کو گمراہ کرنے والا ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ یہ دوسروں کی غلطیوں کا بوجھ اٹھانے والا ہے اور ان کی خطاؤں میں بھی گرفتار ہے۔

قسم دوم:- وہ شخص جس نے جہالتوں کو سمیٹ لیا اور انھیں کے سہارے جاہلوں کے درمیان دوڑ لگا رہا ہے فتنوں کی تاریکیوں میں دوڑ رہا ہے اور امن و صلح کے فوائد سے یکسر غافل ہے انسان نما لوگوں نے اس کا نام عالم رکھ دیا ہے حالانکہ اس کا علم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صبح سویرے ان باتوں کی تلاش میں نکل پڑتا ہے جن کا قلیل ان کے کثیر سے بہتر ہے یہاں تک کہ جب گندہ پانی سے سیراب ہو جاتا ہے اور مہمل اور بے فائدہ باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں کے درمیان قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اس امر کی ذمہ داری لے لیتا ہے کہ جو امور دوسرے لوگوں پر مشتبہ ہیں وہ انھیں صاف کر دے اس کے بعد جب کوئی مبہم مسئلہ آ جاتا ہے تو اس کیلئے بے سود اور فرسودہ دلائل کو اکٹھا کرتا ہے اور انھیں سے فیصلہ کر دیتا ہے یہ شبہات میں اسی طرح گرفتار ہے جس طرح مکڑی اپنے جالے میں پھنس جاتی ہے اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ صحیح فیصلہ کیا ہے یہ اگر صحیح فیصلہ کرتا ہے تو بھی ڈرتا ہے کہ شاید غلط ہو اور اگر غلط کیا ہے تو بھی امید رکھتا ہے شاید صحیح ہو ایسا جاہل ہے جو جہالتوں میں بھٹک رہا ہو اور ایسا اندھا ہے جو اندھیروں کی سواری پر سوار ہے۔ نہ علم میں کوئی حتمی بات سمجھا ہے نہ کسی حقیقت کو پرکھا ہے روایات کو یوں اڑا دیتا ہے جس طرح تیز ہوائیوں کو گرا دیتی ہے خدا کواہ ہے کہ یہ ان فیصلوں کو صادر کرنے کے قابل نہیں جو اس پر وارد ہوتے ہیں اور اس کام کا اہل نہیں جو اس کے حوالہ کیا گیا ہے جس چیز کو ناقابل توجہ سمجھتا ہے اس میں علم کا

احتمال بھی نہیں دیتا اور اپنی پہنچ کے ماوراء کسی اور رائے کا تصور بھی نہیں کرتا اگر کوئی مسئلہ واضح نہیں ہوتا تو اسے چھپا دیتا ہے کہ اسے اپنی جہالت کا علم ہے ناحق بہائے ہوئے خون اس کے فیصلوں کے فریادی ہیں اور غلط تقسیم کی ہوئی میراث چلا رہی ہے میں خدا کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہوں ایسے گروہ کی جو زندہ رہتے ہیں تو جہالت اور مر جاتے ہیں تو ضلالت کے ساتھ ان کے نزدیک کوئی متاع کتاب خدا سے زیادہ بے قیمت نہیں ہے اگر اس کی واقعی تلاوت کی جائے اور کوئی متاع اس کتاب سے زیادہ فائدہ مند اور قیمتی نہیں ہے اگر اس کے مفاہیم میں تحریف کر دی جائے ان کیلئے

معروف سے زیادہ منکر کچھ نہیں ہے اور منکر سے زیادہ معروف کچھ نہیں ہے“ (نہج البلاغہ ذیشان حیدر خطبہ نمبر ۷۷ صفحہ ۵۷)

مذمت اہل رائے:

”ان لوگوں کا عالم یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کسی کا فیصلہ آتا ہے تو وہ اپنی رائے سے فیصلہ کر دیتا ہے اور پھر یہی قضیہ بعینہ دوسروں کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کے خلاف فیصلہ کر دیتا ہے اس کے بعد تمام قضاۃ اس حاکم کے پاس جمع ہو جاتے ہیں جس نے انھیں قاضی بنایا ہے تو وہ سب کی رائے کی تائید کر دیتا ہے جب کہ سب کا خدا ایک نبی ایک اور کتاب ایک ہے تو کیا خدا ہی نے انھیں اختلاف کا حکم دیا ہے اور یہ اسی کی اطاعت کر رہے ہیں یا اس نے انھیں اختلاف سے منع کیا ہے مگر پھر بھی اس کی مخالفت کر رہے ہیں؟ یا خدا نے دین ناقص نازل کیا ہے اور ان سے اس کی تکمیل کیلئے مدد مانگی ہے یا یہ سب خود ہی اس کی خدائی میں ہی شریک ہیں اور انھیں یہ حق حاصل ہے کہ یہ بات کہیں اور خدا کا فرض ہے کہ وہ قبول کرے یا خدا نے دین کامل نازل کیا تھا اور رسول نے اس کی تبلیغ اور ادائیگی میں کوتاہی کر دی ہے جب کہ اس کا اعلان ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ہے اور اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے یہ قرآن غیر خدا کی طرف ہوتا تو اس میں بے پناہ اختلاف ہوتا یہ قرآن وہ ہے جس کا ظاہر خوبصورت اور باطن عمیق اور گہرا ہے۔ اس کے عجائب فنا ہونے والے نہیں ہیں اور تا ریکیوں کا خاتمہ اس کے علاوہ اور کسی کلام سے نہیں ہو سکتا ہے“ (نہج البلاغہ ذیشان، خطبہ ۱۸ صفحہ ۵۹)

اسی طرح آپ محرمات الہی سے آگاہی کی خاطر قرآن کریم کی سورہ انعام ۱۵۱ اور سورہ نساء ۲۳ کی اس آیت کا مطالعہ کریں جس میں اللہ رب العزت نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ کہ جن سے کسی نسب یا سبب کی وجہ سے

- ۵۔ خالائیں۔ ۶۔ بھائی کی بیٹیاں اور ان کی بیٹیاں۔ ۷۔ بہن کی بیٹیاں اور ان کی بیٹیاں۔ ۸۔ رضاعی ماں۔
 ۹۔ رضاعی بہن۔ ۱۰۔ بیوی کی ماں اور ان کی مانیں۔ ۱۱۔ بیوی کی بیٹی دوسرے شوہر سے۔ ۱۲۔ بیٹے کی
 بیوی۔ ۱۳۔ فی زمانہ دو بہنوں کو ایک ساتھ عقد میں لانا۔ ۱۴۔ ازنا کار عورتیں۔ ﴿نساء/۲۳، ۲۵، نور/۳﴾
 ۱۵۔ شرک عورتیں۔ ﴿بقرہ/۲۲۱﴾ ۱۶۔ نبی کی بیویاں۔

قرآن کریم کی سورہ احزاب آیت نمبر ۵۹ کے تحت پیغمبر اکرم کی بیٹیاں تھیں جن میں دو کو بعد دیگرے خلیفہ سوم کے عقد میں دیا جس کی نہج البلاغہ سے بھی تائید ہوتی ہے پیغمبرؐ نے اپنی ایک بیٹی حضرت زہرا سلام اللہ علیہ کو حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے عقد میں دیا اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہ کی بیٹی کو حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے عقد میں دیا جس میں کسی بھی حوالے سے شک و تردید نہیں۔ حضرت عثمان بھی پیغمبر اکرمؐ کی امت میں سے ہیں اور حضرت علیؑ بھی پیغمبرؐ کی امت میں سے ہونے کے علاوہ آپؐ کے پروردہ بھی ہیں اس کے باوجود حضرت زہرا سلام اللہ علیہ کا علیؑ کے عقد میں رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے پیغمبر اکرمؐ کی بیٹیاں امت کے لئے حرام نہیں ہیں خدا جانے ان لوگوں کا قیامت کے دن کیا حشر ہوگا جو اس دنیا میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظیم ترین کتاب قرآن کریم میں حلال کردہ چیزوں کو بزور بازو اور بذریعہ سب و شتم حرام قرار دے کر اس کے واضح و روشن احکامات پر عمل سے روگردانی کرتے ہیں۔

لیکن یہ لوگ اپنے مدعا میں جو فتویٰ پیش کرتے ہیں آیات و روایات میں ان کی ذرہ برابر بھی تائید موجود نہیں بلکہ ان میں ایسی غیر عقلی و غیر منطقی باتوں کا نام و نشان تک بھی نہیں ہے۔ لہذا اس طرح کے کسی فتویٰ سے متعلق ان کی ہر بات قرآن و سنت پیغمبر اکرمؐ اور سیرت معصومینؑ اور سیرت فقہائے و مجتہدین کے سراسر خلاف ہے۔ لیکن ہم یہاں پر ان لوگوں کی ان باتوں کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں جو قرآن و سنت اور سیرت معصومینؑ سے ملنے والے حقائق کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں اور جس سے استناد کر کے انہیں خدا اور رسول آئمہ معصومینؑ اور فقہا ملت کے کلام و فکر کے خلاف فتاویٰ صادر کرنے کی جرات و جسارت ہوئی ہے ان کا قلع قمع کرنے کے بعد اگلے مرحلے میں ہم سید کی تعریف کے ساتھ یہ بھی بیان کریں گے کہ وہ کون سے احکام

ہیں جو عام مسلمانوں سے ہٹ کر صرف سادات کیلئے مختص ہیں لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ انہیں ڈنڈا ہاتھ میں لینے کی جرات اس لئے ہوئی کہ ہم سب نے ان کثیر آیات و روایات سے چشم پوشی کی جو امر بالمعروف و نہی ازمنکر کی ادائیگی چھوڑنے اور اس فریضہ کو ترک کرنے والوں کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔

جن دلائل خس و خاشاک سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ نبی کریمؐ اس امت کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج اس امت کی مائیں ہیں لہذا نبی زادی امت کی بہنیں ہوئیں اور بہنوں سے شادی کرنا حرام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر کی بیویاں امت کی مائیں ہیں جیسا کہ سورہ احزاب آیت ۶ میں آیا ہے

﴿وَأَزْوَاجَهُمْ﴾

لیکن ان کی یہ منطق مختلف حوالوں سے مردود ہے۔

۱۔ پیغمبرؐ کی بیویاں امت کی اس حوالے سے مائیں ہیں کہ وہ امت پر نکاح کیلئے حرام ہیں ورنہ ہر امتی جس طرح اپنی سگی ماں کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح سے اس کیلئے پیغمبر کی بیویوں کو دیکھنا حرام ہے جیسا کہ سورہ احزاب آیت ۵۳ میں امت کو پیغمبر کی بیویوں سے کوئی بات یا سوال کرتے وقت پس پردہ رہنے اور ان سے نکاح نہ کرنے کا حکم ہے

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ

أَنْ تُؤْخَذُوا بِرَسُولِ اللَّهِ إِلَّا أَنْ تَنْكَحُوا أَزْوَاجَهُنَّ مِنْ بَعْدِهِ ابْذُلُوا إِلَيْكُمْ كَلِمَاتُ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ ”اور

جب ازواج پیغمبر سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو کہ یہ بات تمہارے اور

ان کے دونوں کے دلوں کیلئے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمہیں حق نہیں ہے کہ خدا کے رسول کو اذیت دو یا

ان کے بعد کبھی بھی ان کے ازواج سے نکاح کرو یہ بات خدا کی نگاہ میں بہت بڑی بات

ہے“ (احزاب/۵۳)

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کی بیٹیوں کا پیغمبر اکرمؐ کے بیٹوں پر حرام ہونا نص قرآن سے ثابت ہے لیکن انکی اولادوں پر بھی یہ احکام صادر نہیں کئے جاسکتے کیونکہ امام حسینؑ کی بیٹی حضرت فاطمہ صغریٰ کی امام حسنؑ کے بیٹے حسن مثنیٰ سے شادی ہوئی۔ اسی طرح سورہ احزاب آیت نمبر ۵۹ کے تحت پیغمبر اکرمؐ کی چند بیٹیاں تھیں۔ اور ان میں سے دو کا عقد حضرت عثمان سے ہوا تھا۔

﴿وَشَيْخَةُ رَحِمَ مَتْنَهَا وَقَلْبَتُ مَنْ صَهْرَهُ مَالِمَ يَنَالَا﴾ ”تم ان کی نسبت رسول اللہ سے زیادہ قریبی رشتہ رکھتے ہو اور تمہیں وہ دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو انہیں حاصل نہیں“ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۶۴)

۳۔ پیغمبر اکرمؐ کے امت کا باپ ہونے کے حوالے سے پیغمبر اکرمؐ کی جو اولاد نسل بنتی ہے، اگر اس پر بھی اصلی باپ کے احکام نافذ ہوں تو امت کی تمام بیٹیاں اولاد پیغمبرؐ ہونگی تو پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ امت کی بیٹیوں کا پیغمبر اکرمؐ کے بیٹوں یعنی سید سے عقد و نکاح جائز ہے۔

۴۔ دوسری سند:

سید غیر سید سے افضل ہے ان کی یہ منطق قرآن کریم کی کثیر آیات و روایات کے خلاف ہے۔ اگر اس سلسلے میں وہ کسی حدیث سے استناد کرتے ہیں تو شاید اسے کسی فاسق و فاجر شراب خور سادات نے اپنی فضیلت و برتری کے لئے جعل کیا ہوگا۔ لیکن ایسی کوئی بھی حدیث، آیات قرآنی اور دیگر روایات کے مقابلے میں استقامت نہیں دکھا سکتی گرچہ وہ سند کے حوالے سے صحیح ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ آیات قرآنی اور دیگر روایات قطعی پیغمبر سے متصادم ہے۔

۵۔ بعض افراد نے کہا ہے کہ شوہر بیوی سے افضل ہے۔ اس لئے بیوی پر شوہر کی اطاعت واجب ہے لہذا اگر سید زادی کی غیر سید سے شادی کریں گے تو یہ مفضول کو افضل پر فضیلت دینے کے برابر ہوگا جو کہ ناجائز ہے۔ ان کی یہ منطق بھی قرآن کریم کی سورہ انعام آیت ۳۲ کے خلاف ہے۔ شوہر کے گھر کا سربراہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شوہر بیوی سے افضل ہے آیات و روایات اسلام میں کہیں بھی یہ بات نہیں

ملتی کہ مرد عورت سے افضل ہے اور شوہر بیوی سے افضل ہے۔ یہ وہ ڈھنڈورا ہے جسے عالمی سامراجیت اور دشمنان اسلام نے اسلامی معاشرے کو بگاڑنے اور اس میں انتشار پیدا کرنے کے لئے اٹھایا ہے۔

۶۔ سید کا غیر سید لڑکی سے شادی کرنے سے اولاد غیر نجیب نکلتی ہے۔ لہذا سید کی سید زادی سے ہی شادی ہونی چاہئے ان کی یہ بات بھی خس و خاشاک سے بھی پست ہے۔ آیا نعوذ باللہ بعض آئمہ طاہرین جن کی مائیں غیر سید تھیں انھیں یہ غیر نجیب قرار دیں گے۔ جیسا کہ سب پر عیاں ہے کہ امام محمد باقر علیہ سلام کے علاوہ تمام آئمہ کی ازواج غیر سید تھیں۔

۷۔ یہ جملہ پیغمبر گمانیں بلکہ امام حسینؑ کا فرمان ہے جو آپ نے ایک خاص مناسبت پر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کو شرعی و قانونی سند بنانے کیلئے عبداللہ بن جعفر کی بیٹی (جو حضرت زہب سے تھی) کا والی مدینہ کے توسط سے یزید کیلئے رشتہ مانگا تو امام حسینؑ نے مداخلت کر کے معاویہ کی اس سازش کو یہ فرما کرنا کام بنایا کہ ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لئے ہیں، اور اس لڑکی کا عقد بنی ہاشم کے ایک لڑکے کے ساتھ جاری کیا۔

۸۔ حضرت زہراؑ کی بیٹی زہب بنت علیؑ کی شادی عبداللہ جعفر سے ہوئی۔

۹۔ مولا امیر المومنین کی ایک بیٹی کی شادی مسلم بن عقیل سے ہوئی۔

۱۰۔ جہاں سیدانی کی شادی غیر سید سے کرنے کی پابندی نہیں ہے وہاں سیدانی کے ہاں پیدا ہونے والی اولاد کو سید نہیں کہا جاتا۔ جبکہ بیٹی سے پیدا ہونے والی اولاد حسب آیات قرآن اسی اولاد کی طرح ہیں جس طرح بیٹے سے پیدا ہونے والی اولاد ہیں جیسے حضرات حسینؑ پیغمبرؐ کی اولاد ہیں اور حضرت عیسیٰؑ نسل ابراہیم سے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں سید مرتضیٰ علم الہدی کا فتویٰ بھی ہے۔

۱۱۔ اسکے علاوہ بہت سے فقہاء و مجتہدین جو سید نہیں تھے انھوں نے سید زادیوں سے شادی کی ہے اور اسی طرح ہمارے قریب ترین دور میں نامور فقہاء و مجتہدین جو سید تھے انھوں نے اپنی بیٹیاں غیر سیدوں کو دی ہیں۔ جن میں سرفہرست آیت اللہ عظمیٰ سید امام خمینی رضوان اللہ علیہ ہیں جنھوں نے اپنی بیٹی کی شادی

غیر سید سے کی ہے دوسرے نامور فقہی آیت اللہ محمد رضا گلپایگانی ہیں جن کے داماد غیر سید ہیں اور منصب مرجعت پر بھی فائز ہیں انکا نام شیخ لطف اللہ صافی ہے اور اسی طرح حضرت آیت اللہ العظمیٰ مرحوم عبد اللہ شیرازی نے بھی اپنی بیٹی کا عقد غیر سید سے کیا ہے۔
ہم سیرت و کردار سب و شتم کی بجائے شریعت اور دین و مکتب کے مصادر کی روشنی میں بحث و گفتگو کرنے کو مناسب سمجھتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں مرحلہ وار گفتگو میں داخل ہوتے ہیں۔

۱۔ سید کی تعریف لغت عرب، قرآن و احادیثِ آئمہ معصومین اور عرفِ فقہاء میں:

لغت میں سید دو معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ سید مادہ سود سے لیا ہے جس کے معنی سیاہی ہے:

﴿فَإِنَّمَا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وَجُوهُهُمْ﴾ ”اور کچھ لوگ روسیہ ہوں گے“ (آل عمران/۱۰۶) ﴿مِنَ الْخِطِّ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ ”یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے نمایاں نہ ہو جائے“ (بقرہ/۱۸۷)

اجتماع اور گروہ کو سوادِ اعظم کہتے ہیں۔

۲۔ سید بمعنی مولا، سرپرست، آقا، جناب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ ابھی تک عرب کے قبائل اپنے رئیس کو سید کہتا ہے (سید قوم رئیس قوم ہے) چاہے کسی فرد کے سرپرست ہو یا گروہ کا اسے سید کہتے ہیں چنانچہ سورہ یوسف ۲۵ میں:

﴿وَالْقِيَا سِلْعًا لِّلْبَابِ﴾ ”زلیخا اور یوسف دونوں اپنے سرپرست عزیز مصر سے ملے“

قرآن کریم میں خداوند عالم نے حضرت یحییٰ کو سید کہا ہے سورہ آل عمران آیت ۳۹

﴿سَيِّدًا وَحَصُورًا﴾ ﴿وَرَبَّنَا آتِنَا لِمَا نَادَعُوكَ﴾ ”ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی

اطاعت کی تھی“ (احزاب/۶۷)

ہر صفت کامل فضائل اور امتیازی خصوصیات رکھنے والے کو سید کہتے ہیں۔ جس طرح لغت اور قرآن کریم کی

آیات میں کلمہ سید، مولا، ہر پرست، آقا، صاحب فضائل و کمالات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اسی طرح نہج البلاغہ کے خطبات اور کتب و کلمات میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

﴿وَأَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ﴾ ”اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں اور پھر تمام بندوں کے سردار بھی ہیں“ (خطبہ ۱/۲۱۲) ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَشْهَدَ شَهِيدُنَا قِيلَ سَيَدُ الشُّعْلَاءِ﴾ ”لیکن جب ہمارا کوئی شہید ہوا تو اسے سید الشہداء کہا گیا ہے“ (کتب ۸/۲۸) ﴿وَمِنْ أَسِيدَةِ شَبَابِ أَهْلِ الْحَنَفَةِ﴾ ”اور ہم میں سردارانِ جوانانِ اہل جنت ہیں“ (کتب ۱۳/۲۸) ﴿كَنْصَرَةِ الْعَبْدِ مِنْ سَيِّدِهِ﴾ ”اسی طرح ہو جس طرح کہ غلام آقا سے مدد طلب کرے“ (خطبہ ۳/۹۸) ﴿أَحْزَرُ رَضَى سَيِّدِهِ﴾ ”اور اپنے مالک کو واقفًا خوش کر دیا“ (خطبہ ۱۱/۱۱۳) ﴿فَعَلْ فَعَلَ السَّادَةِ﴾ ”اس نے کام شریفوں جیسا کیا“ (خطبہ ۱/۲۴) ﴿الْحَرُّ مِنْ طَاعَةِ سَادَاتِكُمْ﴾ ”اپنے ان بزرگوں اور سرداروں کی اطاعت سے محتاط رہو“ (خطبہ ۳۰/۱۹۲)

اور تیسرا گروہوں اور جماعتوں کے سربراہان کو کہا ہے۔

سید کی تعریف فقہا و مجتہدین کی رو سے:

بعض فقہا و مجتہدین نے اپنے رسالہ عملیہ میں دو مقامات پر سید کی تعریف بیان کی ہے ان میں سے ایک جہاں عورت کی ماہواری کا ذکر ہے اور دوسری جگہ باب خمس میں سید کے لئے خاص حکم کا ذکر کیا ہے انھوں نے ماہواری کے ذکر میں لکھا ہے کہ عام عورتوں کی ماہواری پچاس سال میں ختم ہوتی ہے جبکہ سیدہ کی ماہواری ساٹھ سال تک جاری رہتی ہے۔ لیکن سیدہ کی تعریف میں انھوں نے کہا ہے کہ سیدہ کی نسل قریش سے ہو بعض نے سیدہ کے نسب کا سلسلہ نذر ابن کنانہ تک اور بعض نے ہاشم بن عبد مناف تک پہنچنا قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام خمینیؑ نے اپنی کتاب فقہ اور تحریر الوسیلہ میں لکھا ہے کہ سیدہ کی نسل نذر ابن کنانہ تک پہنچتی ہے سید کی اس نسب تعریف کے تحت سیدوں کو غیر سیدوں پر فضیلت حاصل ہونے کی کوئی منطق ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ اس نسل میں

تو بہت سے دشمنان اسلام اور دشمنان اہل بیت نبی شامل ہیں اور انھیں میں بنی عباس و بنی امیہ بھی ہیں۔
باب خمس میں سید کی تعریف کے سلسلے میں حضرت امام خمینیؑ نے لکھا ہے کہ خمس کا ایک حصہ ان فقراء و مساکین
سادات کو ملنا چاہیے جن کا سلسلہ نسب حضرت عبدالمطلب تک پہنچتا ہو اس تعریف کے تحت بھی سید کا دائرہ
بہت وسیع ہوگا۔

سید کی چوتھی تعریف کے تحت کہا جاتا ہے کہ سید وہ ہے کہ جس کا نسب پیغمبر اکرمؐ سے ملتا ہو البتہ چونکہ خاتم
الانبیاء حضرت محمدؐ کی نسل صرف حضرت زہراؑ سے پھیلی ہے لہذا اس تعریف کے تحت صرف وہی افراد سید
کہلانے کے مستحق ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت زہراؑ تک پہنچتا ہے چنانچہ عصر حاضر میں سید سے یہی مراد لی
جاتی ہے۔ اگر اس نقطہ نظر کے تحت سید کی فضیلت کی بات کی جائے تو پھر صرف انھیں افراد کو دیگر تمام خلائق پر
شرف و فضیلت حاصل ہوگی جو خاتون جنت حضرت زہراؑ کی نسل سے ہیں۔ لیکن اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو
بہت عجیب و غریب اور غیر عقلی نتائج برآمد ہونگے۔ کیونکہ سید کی اس تعریف کے تحت خود پیغمبر اکرمؐ اور امیر
المومنین علیؑ کو یہ افتخار اور شرف و فضیلت حاصل نہیں ہوگا۔ چنانچہ بعض بزرگان نے بغیر تحقیق کے اپنی کتب میں
حدیث افتخار حسنینؑ کا قصہ خود پیغمبرؐ و علیؑ پر حضرات حسنینؑ کی برتری دکھانے کیلئے درج کیا ہے۔ حدیث افتخار
حسینؑ جو قرآن و سنت کے سراسر خلاف ہے اسے بھی شاید بعض سادات نے اپنی فضیلت و برتری دکھانے
کیلئے گھڑا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کے بعد سید خود کو حسنی حسینی، علوی زیدی موسوی اور رضوی وغیرہ کے نام سے متعارف کرواتے تھے۔
جس ذریعہ کا ذکر قرآن کریم میں آیا اور پیغمبر اکرمؐ نے جس کی عظمت و بزرگی اور تکریم و احترام کی سفارش کی ہے
وہ آل رسولؐ ہے اور اس آل رسولؐ سے مراد وہ لوگ نہیں جنھیں نسب کی وجہ سے سید کہتے ہیں بلکہ عظمت و بزرگی
اور تکریم و احترام کی حامل آل رسولؐ سے مراد آل رسولؐ نبوت و رسالت ہیں یعنی اس سے مراد رسولؐ کی نسل
سے پھیلنے والے وہ افراد ہیں جو خاتم الانبیاءؑ کی نبوت و رسالت کے پاسدار و محافظ ہیں۔

سیدوں کو غیر سیدوں پر فضیلت ہے

قرآن و سنت کی رو سے سید کی فضیلت و برتری کا معیار وہی ہوگا جو آیات قرآن اور روایات معصومینؑ اور ان کی پاکیزہ زندگی کی سیرت سے ملتا ہے۔ قرآن میں خداوند عالم نے بعض ہستیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے:

”اور تم میں سے بعض پر بعض کے درجات بلند کیے“ (انعام/۱۶۶) ”اور ہر شخص کیلئے اس کے اعمال کے مطابق درجات ہوں گے“ (انعام/۱۳۳) ”مگر بیٹھنے والوں کی نسبت جہاد کرنے والوں کو اجر عظیم کی فضیلت بخشی ہے“ (نساء/۹۵) ”تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں ہو سکتے“ (حدید/۱۰) ”اور رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے“ (بقرہ/۲۵۳) ”جس کے ہم چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں“ (یوسف/۷۶) ”اور ہم ہی نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے“ (زخرف/۳۲) ”اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات ہیں“ (احقاف/۱۹)

قرآن کریم میں فضیلت کے جو معیار رات بیان ہوئے ہیں انکا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ ایمان:

”اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کرو“ (مجادلہ/۱۱)

۲۔ علم:

”کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟“ (زمر/۹) ”اور وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے انکے درجات اللہ بلند فرمائے گا“

(مجادلہ/۱۱)

۳۔ عمل صالح:

”اور نیک عمل اسے بلند کر دیتا ہے“ (فاطر/۱۰)

۴۔ تقویٰ:

”تم میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناً وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“ (حجرات/۱۳)

۵۔ جہاد:

”اللہ نے بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ زیادہ رکھا ہے“ (نساء/۹۵) ”ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کی شناخت کر لیں اور تمہارے حالات جانچ لیں“ (محمد/۳۱)

اس کے علاوہ نسب نامی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو خدا اور رسول اور آئمہ طاہرین کے نزدیک کسی فضیلت کی حامل ہو اور آخرت میں انسان کے نام اعمال کے ترازو میں کوئی وزن بناتی ہو۔ بلکہ آیات قرآن سے ثابت ہے کہ انسان کے نسب کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کی برگشت حسب قرآن مٹی سے ہے:

”اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں شبہ ہے تو (سوچو) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا“ (ج/۵)

پانی سے ہے:

”اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر کو پیدا کیا“ (فرقان/۵۴)

تمام کی برگشت ایک مرد اور عورت سے ہے:

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا“ (حجرات/۱۳)

قیامت کے دن تمام نسب ختم ہو جائیں گے:

”پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان میں اس دن نہ کوئی رشتہ داری رہے گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے“ (مومنون/۱۰۱) ”اور تمام تعلقات ٹوٹ کر رہ جائیں گے“ (بقرہ/۱۶۶) ”مگر یہ کہ انکے دل پاش پاش ہو جائیں گے“

(توبہ/۱۱۰)

امام سجادؑ نے فرمایا خداوند عالم نے جنت اس کے لئے خلق کی ہے جو اس کی اطاعت کرے گرچہ وہ عبد حبشی کیوں نہ ہو اور جہنم کو اس کیلئے خلق کیا ہے جو اس کی عصیان و نافرمانی کرے گرچہ سید قریشی کیوں نہ ہو۔ اگر قرآن کریم سنت و سیرت معصومینؑ سے ثابت فضیلت یعنی ایمان اور عمل صالح کو نظر انداز کر کے نسب کو فضیلت دی جائے تو تاریخ اسلام اور آئمہ معصومینؑ سے سلمان محمدی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، مالک اشتر، میثم تمار، رشید ہجری، حجر بن عدی، حبیب ابن مظاہر اور دیگر یاران با صفا آئمہ معصومینؑ جن سے یہ دین و مکتب آج تک زندہ و تابندہ ہے نعوذ باللہ بعض اہل و لعب مغربی ثقافتی یلغار کے ٹھکیدار اسلام و مسلمین کے ملک کو چند دن کے اقتدار کے قیمت پر بیچنے والے رضوی، زیدی، بخاری، موسوی، سید و سیدانیاں افضل ہوں گے۔

امیر المومنین کے دو فرزند رشید حضرت ابوالفضل عباسؑ جن کی شان میں امام حسینؑ نے فرمایا کہ ”میری جان تم پر فدا ہو“ امام سجادؑ نے فرمایا کہ ”شہداء اولین و آخرین میرے چچا عباس کے مقام و منزلت پر رشک کرتے ہیں“ اور امام جعفر صادقؑ نے اس قبر مطہر پر آکر آپ کے کردار اور حسن نیت کی گواہی دی اور وہ محمد ابن حنفیہ جس کی شان میں امیر المومنینؑ نے فرمایا ”کوئی شخص میری موت کے بعد مجھ پر احسان کرنا چاہے تو محمد پر احسان کرے“ ان پر بعض گناہوں میں آلودہ سید و سیدانی کو نعوذ باللہ فضیلت و برتری ہوگی۔

☆ امام رضاؑ نے اپنے ایک بھائی جو اپنے سلسلہ نسب پر زیادہ فخر و مباہات کرتے تھے فرمایا کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ

صحیح ہے تو نعوذ باللہ خدا ظالم ہوگا چونکہ تم بغیر عمل کے اس درجہ پر فائز ہو اور تمہارا باپ موسیٰ ابن جعفر عمل صالح کے ساتھ اس راستے میں صعوبتیں اور مشکلات برداشت کرنے کے بعد یہ مقام حاصل کرے تو کیا یہ ظلم نہیں ہوگا۔ نسب پر فخر و مباہات جاہلیت کا ورثہ ہے جیسے پیغمبرؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان کیا کہ عصبیت جاہلیت کو آج میرے پاؤں کے نیچے دبا دیا گیا ہے یہ پھر سے زندہ نہیں ہوگی۔

☆ سورہ فرقان آیت ۵۴ میں مرد اور عورت کے جوڑ کا واحد سبب تولید بتایا ہے۔ بعض قرآنی آیات میں عورت کو مزرع اور مرد کو بیج بونے والا قرار دیا ہے فصل سے بہتر ثمرات کی درآمد کیلئے بیج اور مزرع دونوں کا مختلف زاویوں سے نسبت کا خیال رکھنا چاہئے یہ عقل و شرع دونوں کی رُو سے ضروری ہے۔

☆ نسب جو ہمارے تصور میں قومیت اور خاندانوں میں مضمحل ہے قرآن کریم میں اس پر کسی قسم کی فخر اور مباہات کرنے کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ یہ تصور ایک ناپائیدار چیز ہے اور سراب کی مانند ہے۔ چنانچہ سورہ مبارکہ مومنون ۱۰۱ میں ہے ”جب قیامت ہوگی اور نفع صور پھونکا جائے گا تو تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے“۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے بعض اپنی قوم اور آباؤ اجداد پر فخر کرتے ہو جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور اس وقت جہنم میں ہیں خداوند عالم نے اسلام کے ذریعے تم سے جاہلیت کی اس معیوب فضیلت کو ختم کیا ہے اور اس کی جگہ تقویٰ کو جاگزین کیا ہے۔ اس لئے جاہلیت کی اس فضیلت پر اترانا اسلام کو دل سے قبول نہ کرنے کے مترادف ہے۔ اسکے علاوہ خداوند متعال نے تمام انسانوں کی برگشت آدم کی طرف کی ہے اور آدم کی برگشت مٹی کی طرف ہے۔ آپؐ نے اپنے تاریخی خطبہ جو عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر دیا میں فرمایا کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ کسی سفید کو کسی سیاہ پر (کتاب تربیت اولاد عبد اللہ علوان ج ۲ ص ۹۹۹)۔ صاحب

المیزان نے اس آیت کی تفسیر میں کتاب مجمع البیان سے ایک حدیث نقل کی ہے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”قیامت کے دن ہر حسب و نسب ختم ہوگا سوائے میرے حسب و نسب کے“۔

صاحب المیزان پیغمبر کے نسب سے مراد آدمہ معصومینؑ مراد لیتے ہیں یا وہ صالح افراد جو آپؐ کے نقش قدم پر

چلے ہو ننگے یا نسب سے مراد نسب معنوی ہے یعنی پیغمبر کے دین و شریعت پر قائم ہو ننگے۔
پھر امام نے اپنے اس مدعا کیلئے قرآن کی اس آیت کو دلیل بنایا جو سورہ مبارکہ عیسٰی کی ۳۳ سے ۳۷ تک
قیامت کے دن بھائی اپنے بھائی سے فرار کرے گا:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَ ذَلِكَ شَانٌ يَغِيهِ﴾ ”جس
دن انسان اپنے بھائی سے فرار کرے گا اور ماں باپ سے بھی اور بیوی اور اولاد سے بھی اس دن
ہر آدمی کی ایک خاص فکر ہوگی جو اس کیلئے کافی ہوگی“ (عیسٰی/ ۳۳ تا ۳۷) ﴿يَصْرُوفُهُمْ بِدُورِ
الْمَحْرَمِ لَوْ يَفْتَلِي مِنْ غَلَبِ يَوْمَئِذٍ﴾ ”وہ سب ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے تو مجرم
چاہے گا کہ کاش آج کے دن کے عذاب کے بدلے اس کی اولاد کو لے لیا جائے“ (معارج/ ۱۱)

قیامت کے دن کسی کو اس کا نسب کچھ فائدہ نہیں دے گا بلکہ قرآنی اصطلاح میں سورہ تین اور عصر کے مطابق
ایمان اور عمل صالح کو بنیاد قرار دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ سیرت پیغمبر و آئمہ میں خونی رشتہ کا تصور عقل و
قرآن کی رو سے ایک بے بنیاد تصور ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ ہم مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ
کرتے ہیں۔ ان آیات کے مصداق جلی تاریخ میں بے شمار ہیں اوللعزم پیغمبر حضرت نوح کے بیٹے کی مثال
جس کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا یہ آپ کے اہل سے نہیں ہے

﴿قَالَ يَنْحَرِ لِقَاءِ رَبِّهِمْ إِبْرَاهِيمُ إِسْحَاقُ وَيُحَارِبُ عَلَيْهِمْ عِصْرُ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَعْلَمُ أَنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ يَمِينٍ وَيَعْلَمُ أَنَّ يَاقُونََ عَلَىٰ يَمِينٍ﴾ ”ارشاد ہوا کہ اے نوح یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے یہ عمل غیر صالح ہے لہذا مجھ سے اس
چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تمہارا شمار
جاہلوں میں نہ ہو جائے“ (ہود/ ۳)

امام جعفر صادق کے فرزند عبد اللہ بطح جس نے امام موسیٰ جعفر کے مقابلے میں دعویٰ امامت کیا۔ امام رضا نے
اپنے بھائی کی اس بات کو کہ اولاد فاطمہؑ سب جنت میں جائیں گے کے جواب میں کہا اگر یہ صحیح ہے تو خدا عادل
نہیں کیونکہ تمہارا باپ اپنے دور میں زہد و تقویٰ کا پیکر تھا اور تم ایک فاسد انسان ہو تو دونوں کیونکر جنت میں

ایک مقام حاصل کریں گے۔ چنانچہ آیات میں ہے اس دن نہ اولاد والدین کے کام آئے گی اور نہ والدین اولاد کے۔ ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی نسب پر امتیاز و برتری کا دعویٰ بے بنیاد ہے اور اس پر قائم کسی بھی اصول کی بنیاد گھاس پر کھڑی کی گئی عمارت کے مانند ہے اسی طرح رشتہ ازدواج میں اس کو بنیاد بنانا عقل و شرع اور سیرت انبیاء و آئمہ اور فقہاء و مجتہدین کے سراسر مخالف ہیں چاہے یہ رشتہ سادات و غیر سادات اور مقامی خاندانوں کی روایات ہوں بے بنیاد ہے۔ مقام فکر ہے کہ جس معاشرے میں اتنی تعداد میں فرسودہ خرافات رائج ہوں جو کتاب خدا اور سیرت انبیاء و آئمہ کے خلاف ہوں تو ایسے میں اگر ہم پر عذاب خدا نازل ہو تو یہ ہمارے عمل کا نتیجہ ہوگا۔ ہماری نجات صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ہمارا ہر عمل کتاب خدا اور سیرت پیغمبر اکرام اور آئمہ کے مطابق ہو ہم اسلام کو ہر چیز پر مقدم رکھیں اسلئے کہ اگر دریا پار کرنا ہے تو پل کا تحفظ ضروری ہے۔

بروں کو ہمارے لئے اور اچھوں کو خدا کیلئے:

زندگی کے ہر شعبے میں ہمیشہ ایک گروہ بغیر کسی استحقاق کے فائدہ و منفعت حاصل کرنے اور لطف اندوز ہونے کا خواہاں رہتا ہے اس گروہ و فکر کے حامل افراد رائج قوانین و ضوابط سے ہٹ کر ان ہستیوں کو جو پابند قانون و شریعت ہیں کے ساتھ خود کو برابر کے شریک دکھانے اور ان سے مستفید ہونے کی سر توڑ کوششیں کرتے ہیں۔ بلکہ اسکے حصول کیلئے خدا و رسول کی طرف جھوٹی نسبت دینے سے بھی گریز نہیں کرتے اس سلسلے میں تھوڑا غور و فکر اور مشاہدہ کرنے سے آپ کو بہت سی مثالیں ملیں گی۔ مصائب امام حسینؑ میں قصہ سازی کرنے والے اور جھوٹے قصہ اور کہانیاں بنانے والے اپنی جھوٹی کہانیوں کی سند میں خود کو امام حسینؑ اور حضرت زہراؑ سے منسوب کر کے بہت سے جھوٹے خواب بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ان معصوم ہستیوں نے انھیں خواب کے ذریعے ان مصائب کے بیان کرنے کا حکم دیا ہے لہذا ہم ان مصائب کے بیان کو کیوں چھوڑیں اسی طرح خمس سے بہرہ مند و لطف اندوز ہونے والوں نے خمس کے مسئلے کو بہت سنگین اور آگ بگولے کی مانند دکھایا تا کہ دوسروں کو اس سے دور رکھا جائے۔ خمس سے تنہا استفادہ کرنے کی خاطر سند کے طور پر امام

زمان (عج) اور گزشتہ مجتہدین سے جعلی قصے نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض سادات بغیر کسی نسب کے خمس لینے کیلئے قصے کہانیاں بناتے ہیں۔ انھیں افراد نے سید کی فضیلت میں بھی بعض قصے کہانیاں اور احادیث جعل کیں ہیں ان میں سے ایک مجہول حدیث ہے جس میں کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہمارے بڑوں کا ہمارے لئے اور اچھوں کا خدا کی خاطر احترام کرو۔ یہ حدیث اپنی سند میں کتنی ہی مستند کیوں نہ ہو جیسا کہ بعض افراد نے اسے مستند دکھانے کی کوشش کی ہے لیکن عقل و منطق اور احادیث پر کھنے کے اصولوں کے مطابق کسی حدیث کا تنہا مستند ہونا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیات کے خلاف اور ان سے متصادم نہ ہو اور پیغمبر اکرمؐ سے صادر شدہ احادیث قطعی کے خلاف بھی نہ ہوں۔ جبکہ مذکورہ بالا حدیث اس فرمان کے خلاف ہے جس میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا گزشتہ قوموں میں ظلم کے رواج پانے کا ایک سبب یہ تھا کہ اگر کوئی حکمران یا صاحبان قدرت سے وابستہ افراد جرم و جنایت کرتے تو ان کیلئے جزا و سزا نہیں ہوتی تھی اور اس طرح ظلم کو فروغ ملتا تھا لیکن اگر میری بیٹی سے بھی کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو میں محمدؐ انھیں بھی سزا دوں گا۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ کے نزدیک ان کی نسل تو چھوڑیں خود ہر امر ضیہ ہی کیوں نہ ہوں وہ خدا اور رسول کے قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں لہذا ان آیات قرآن جن میں کہا گیا ہے جو اچھا عمل کرے گا اس کے لئے جزا و انعام ہے اور جو برا عمل کرے گا اس کیلئے سزا اور عتاب و عقاب ہے کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کی نسل بھی قانون جزا و سزا سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح نسل پیغمبر کو اگر قانون جزا و سزا سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو یہ بات عقل و منطق، آیات قرآنی اور پیغمبر اکرمؐ سے مروی کثیر روایات پر قائم قانون عدالت کے خلاف ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ شریعت پیغمبر اکرمؐ کے پابند ذریعہ رسول اور آپؐ کی شریعت مقدسہ کو پامال کرنے والے بلکہ اسلام کے خلاف سازش کرنے والے اور اسلام کے قانون کو چیلنج کرنے والے سید و سیدانیاں سب برابر ہوں۔ اگر ایسا ہو تو یہ خدا کے عدل کے خلاف ہے۔

۲۔ تعلیمی کفو

قرآن کریم کی آیات اور پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ سے وارد روایات میں دولہا دلہن کیلئے جس کفو

کا ذکر آیا ہے وہ کفو ایمانی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۲۲۱ میں ہے:

﴿وَلَا تَنْكَحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يَؤْمِنُوا بِمَا مَنَعُوا مَنِ الْمُشْرِكِينَ وَلَوْ اعْتَبَرْتُمْ لَعَدَّتْكُمْ اللَّهَ لَإِنَّ أُولَٰئِكَ كَانُوا فِي اللَّهِ يَسْتَرْحِمُونَ ۚ وَاللَّهُ يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ﴾
 وَلَا تَنْكَحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يَؤْمِنُوا وَلَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
 النَارُ وَاللَّهُ يُلْعَوُا إِلَىٰ الْحَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِأَذَنِّهِ وَيُؤْمِنُ أَتَيْنَهُ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲۱﴾
 عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک ایمان نہ لائیں کہ ایک مومن کنیز مشرک آزاد عورت سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں کتنی ہی بھلی معلوم نہ ہو اور مشرکین کو بھی لڑکیاں نہ دینا جب تک مسلمان نہ ہو جائیں کہ مسلمان غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو یہ مشرکین تمہیں جہنم کی دعوت دیتے ہیں اور خدا اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ شاید یہ لوگ سمجھ سکیں۔“

دوسرا کفو عملی ہے کیونکہ قرآن میں جہاں آمنو کا ذکر آیا ہے وہاں فوراً ہی عمل صالح کا ذکر آیا ہے چنانچہ معجم المفہر س میں آیات قرآنی کی سرسری اعداد شمار میں ۸۰ سے زائد جگہ پر (منو) کے ساتھ عمل صالح کا ذکر آیا ہے۔ لہذا تنہا کفو ایمانی کافی نہیں بلکہ کفو ایمانی و عملی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ عملی زندگی میں لڑکے اور لڑکی کے کردار میں ہم آہنگی لازمی عنصر ہے کردار میں اختلاف آپس میں نفرت اور تصادم کا باعث بنتا ہے اسکی تائید سورہ نور کی آیت ۲ سے ہوتی ہے جس میں خداوند متعال نے فرمایا ہے زانی مرد زانی عورت کیلئے ہے اور زانی عورت زانی مرد کیلئے ہے اسی سورہ میں آگے ہے حیثیات حیثیات کیلئے ہیں جبکہ ہمارے معاشرے میں اس کفو کو چھوڑ کر بہت سے خود ساختہ کفو بنائے گئے ہیں جسکے نتیجے میں نظام ازدواج کی بنیاد متزلزل ہے اور اسکی بلند و بالا عمارت زمین بوس ہوتی نظر آ رہی ہے۔ جس ازدواجی زندگی کو قرآن نے انس و محبت کی زندگی قرار دیا ہے وہ مغرب کی تقلید کی وجہ سے پریشانیوں کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ خود ساختہ کفو کے چند نمونے درج ذیل ہیں۔

زوج و زوجیت میں کفو علم و معرفت شرط ہونے میں کسی قسم کی برائی و قباحت نہیں ہے۔ قرآن و سنت میں علم و معرفت مسلمان مرد و عورت کی بنیادی شرط ہے اور کمال کی سیڑھی ہے اور جہالت ایک نقص و کمی اور میل و داغ

ہے جو نظام زوجیت کو بوسیدہ کرنے اور ایک دوسرے میں خلیج پیدا کرنے کا سبب ہے۔ لیکن ایک بڑی ڈگری کی بنیاد پر انتخاب کی کوئی منطق نہیں کیونکہ اس عمل سے جہالت ختم نہیں ہو سکتی۔ علماء نے جہالت کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ جہالت بمعنی ان پڑھ: یعنی کسی قسم کا پڑھنا لکھنا نہیں آتا۔ یہ صورت انتہائی قبیح ہے سوائے ایسی صورت میں کہ عملاً جہالت یا کردار جہالت سے دور ہو۔

۲۔ ایک موضوع میں ڈگری ہو لیکن اسلام کے بنیادی مسائل اور حقوق زوجین سے بالکل ناواقف ہوں جیسے آج کل کے کالج یونیورسٹی کے پڑھے لکھے نوجوان لڑکے لڑکیوں کی حالت ہے نہ یہ عقائد سے واقف ہیں نہ ہی فروع اسلام سے اور نہ ہی حقوق زوجین سے بلکہ دونوں کے ملنے کا مقصد صرف اور صرف جنسی خواہشات ہیں۔ دونوں کی مثال اس حیوان مونث و مذکر جیسی ہے جو جنسی عمل کے بعد ایک دوسرے سے بیزار و اجنبی ہو جاتے ہیں۔

۳۔ پڑھے لکھے ہیں علم و شریعت سے بھی واقف ہیں اور نظام زوجین کے مسائل کو بھی درک کرتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے ایسا انسان خواہ عالم ہو یا عالمہ جہالت کا حکم رکھتا ہے۔ لہذا کسی قسم کی تعلیمی ڈگری نظام زوجیت کو ہموار اور خوشگوار بنانے میں معاون نہیں ہے یہاں تک کہ اسلام کے عقائد و فروع سے آشنائی ہو۔ حقوق زوجین سے واقف ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق سے روگردانی کرنے کی وجہ سے آخر میں عذاب پر یقین رکھتے ہوں ایسا علم ہی نظام زوجیت کی عمارت کو محکم و مضبوط بناتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ مومن مرد و عورت، مشرک مرد و عورت سے بہتر ہیں۔ کیونکہ اگر یہاں خدا نخواستہ کوئی اختلاف کی صورت پیش بھی آجائے تو بغیر کسی ناخوشگوار واقعہ کے ایک دوسرے سے جدائی ہو سکتی ہے اور دونوں کو اگلے مرحلے میں زوجیت تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

قرآن و سنت نے فکری کفو کو بنیاد بنایا ہے یعنی لڑکا اور لڑکی دونوں مومن ہوں خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہوں اسے بنیادی شرط قرار دیا ہے نہ کہ تعلیمی ڈگری کو۔ خود پیغمبر اکرمؐ جن کو خداوند عالم نے معلم کتاب حکمت بتایا ہے

ان کی جن خواتین سے شادی ہوئی وہ اکثر و بیشتر ان پڑھ تھیں اور یہ ہی مثال آئمہ کی ہے لیکن ان ہستیوں نے تعلیمی ڈگری کو کفو کی بنیاد نہیں بنایا۔ کیونکہ ممکن ہے لڑکے اور لڑکی کی ڈگری برابر ہو لیکن ان میں سے ایک جھوٹ دھوکہ دہی، ناجائز طریقے سے مال کمانے کو اچھا سمجھتا ہو جبکہ دوسرا اسے اچھا نہ سمجھتا ہو اسی طرح ان میں سے ایک اجنبی سے بات کرنے کو پسند کرتا ہو جبکہ دوسرا اس سے انتہائی نفرت کرتا ہو لہذا ڈگری کو شادی کی بنیاد بنانا ایک لغو اور غیر منطقی بات ہے یہی وجہ ہے کہ اس بنیاد پر قائم رشتے زیادہ عرصہ قائم نہیں رہتے۔

۳۔ کفو اقتصادی

دین اسلام جس کا مصدر و ماخذ قرآن اور سنت و سیرت پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ ہے نے عورت کی زندگی سے متعلق تمام ضروریات کی ذمہ داری شوہر پر عائد کی ہے۔ جو مرد اپنی اور اپنی بیوی کی ضروریات زندگی پورا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے قرآن کریم اور سنت رسولؐ میں اسے شادی کی جگہ پر عفت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے سورہ نور آیت ۳۳، ۶۰:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الْفَرِيقُ لَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَكُونَ﴾ ”جو لوگ نکاح کا امکان نہ پائیں انہیں عفت اختیار کرنا چاہئے“ ﴿وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ ”تاہم عفت کا پاس رکھنا ان کے حق میں بہتر ہے۔“

آئمہ طاہرینؑ جنہوں نے کنیزوں کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لایا اور پیغمبر اکرمؐ نے بہت سی بے آسرا اور بیوہ عورتوں کو اپنے عقد میں لیا اسکے برخلاف ہمارے معاشرے کے مرد مسلمان مومن نے انتخاب لڑکی میں جس کے ذمہ کسی قسم کی مالی ذمہ داری اور بوجھ نہیں اسکی اقتصادی صورت حال اور زیادہ جہیز دینے کی صلاحیت کو بنیادی شرط قرار دیا ہے جس کی وجہ سے نظام ازدواج زمین بوس ہو گیا ہے جسکی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ہمارے معاشرے میں بہت سے جوان مالی حیثیت سے کمزور ہونے کی وجہ سے کسی صاحب ثروت و دولت مند لڑکی کی تلاش میں رہتے ہیں جیسے انھوں نے لڑکی سے نہیں بلکہ اس کی دولت سے عقد باندھنا ہے۔ اس دولت سے مربوط تمام لوازمات کیونکہ اس لڑکی کی ملکیت ہیں لہذا یہ لڑکی اس سے وہ ہی سلوک کرے گی جو اپنے مال و

دولت سے کرتی ہے۔ قرآن نے اس نظریہ کا ابطال ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَاتَّكُوا حَوْلَ الْأَيْمَنِ مِنْكُمُ وَالضُّلْحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمَّا تَكُمُ أَنْ يَكُونُوا قِرَاءَ يَغْنَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اور تم میں سے جو لوگ بے نکاح ہوں اور تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے جو صالح ہوں ان کا نکاح کر دو اگر وہ نادر ہوں تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا“ (نور/۳۲)

﴿وَلَيْسَ لِمَنْ عَفَفَ الْفَنِينَ لَا يَحْلُونَ تَكَاتُ حَتَّى يَغْنَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اور ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہئے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مالدار بنادے“ (نور/۳۳)

شریعت نے بیوی کو ضروریات زندگی کی فراہمی کا فریضہ شوہر کو سونپا ہے لہذا بیوی کو یہ سوچنے کا حق حاصل ہے کہ جو شخص اسکی زوجیت کا خواہاں ہے وہ اس فریضہ کو ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔ قرآن کریم میں ایسے افراد جو اپنی بیوی کی ضروریات زندگی پوری کرنے سے عاجز ہیں انہیں اپنی حیثیت کے مطابق بیوی تلاش کرنے کا حکم ہے۔ اور اگر وہ یہ بھی نہیں کر سکتے تو شادی سے ہی اجتناب کریں اور اپنی جنسی خواہشات پر کنٹرول کرنے اور اسکی تکالیف سے بچنے کیلئے نماز، روزہ اور عبادات سے مدد حاصل کریں۔

موجودہ معاشرے میں کفو مالی کو اتنا رواج دیا گیا ہے کہ اب لڑکے اور لڑکی میں رشتہ کی بنیاد ایمان اور عمل صالح کی بجائے بھیر و گاڑی، خاص جگہ پر بنگلہ، بینک بیلنس وغیرہ میں قرار پائی ہے کو یا یہاں شادی لڑکے اور لڑکی کی نہیں بلکہ عہدہ نوکری اور جہیز کے درمیان ہو رہی ہے۔

جہیز یا گھر کی ویرانی

انسانی معاشرے میں بالغ لڑکے اور لڑکی کیلئے اہم ترین اور مقدم ترین ضروریات زندگی میں سے ایک ضرورت شادی ہے۔ ایک جوان لڑکا اور لڑکی انتہائی پست ترین مائکولات و ملبوسات پر اکتفاء کرنے چادر نشینی اور خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے کیلئے تو آمادہ ہو سکتے ہیں لیکن ازدواجی زندگی سے دست بردار نہیں ہو سکتے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن یہ شرم و حیا اور مروت میں خاموش رہتے ہیں۔ اسی طرح والدین کی فطرتی سمندر

کی بھاپ ٹھنڈی ہو چکی ہوتی ہے اور شادی کا ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ اس طغیانی دور کو بھول چکے ہوتے ہیں اس لئے انہیں لڑکی اور لڑکا میں یہ فطرتی طغیان نظر نہیں آتا یا پھر وہ معاشرے کی طرف سے حامل رکاوٹوں کی وجہ سے ہمت ہارے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنے دل کی بات کا اظہار نہیں کر پاتے۔ جس شخص کے ہاں چند لڑکیاں ہوں اور اسکی گذراوقات ایک مختصر سی دکان یا ایک گاڑی سے ہوا اگر اسے ایک لڑکی کی شادی کرنا پڑے تو اسے دکان یا گاڑی بیچنا پڑتی ہے جس کے نتیجے میں اسکا باقی خاندان زیر آسمان فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس حالت زار کو دل میں پوشیدہ رکھ کر لڑکی کی شادی میں مختلف بہانے تراشتے ہوئے اسے ملتوی کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس ملک کے صاحب ثروت اور برسر اقتدار افراد مال و دولت کے نشے میں غریبوں اور متوسط طبقے کے لوگوں کی حالت سے ناواقف ہیں یا پھر چشم پوشی کرتے ہیں یا اپنی انا نیت کے نشے میں ہوتے ہیں۔ اس لئے جہیز کی لعنت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شرط ہے کہ اگر شریعت میں اس کی کوئی سند بھی ہوتی تب بھی قانون ”عسر و حرج“ کے تحت یہ معلق اور کالعدم ہو جاتی اور اس پر عمل کرنے کا وجوب خود بخود درفع ہو جاتا۔ جبکہ حقیقت میں اس کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ہی سیرت انبیاء اور آئمہ میں اسکا کوئی نمونہ ملتا ہے۔ جس جہیز کا ذکر حضرت زہراؑ کی شادی میں ملتا ہے وہ مریحہ جہیز نہیں تھا بلکہ وہ جہیز پیغمبر اکرمؐ نے خود حضرت زہراؑ کے حق مہر پانچ سو درہم حضرت علیؑ سے لے کر خریدا تھا۔ نہ کہ پیغمبرؐ نے اپنی طرف سے دیا تھا۔ کو یا پیغمبر اکرمؐ نے امیر المومنینؑ اور حضرت زہراؑ کی نئی زندگی کی ضروریات کو علیؑ کے ذمہ پر عائد حق مہر سے پورا کیا۔ جبکہ رائج جہیز میں جو لڑکی کے باپ کیلئے کمر شکن ہے اور لڑکی کے بہن بھائیوں کیلئے بے روزگاری بھوک و افلاس کا سبب ہے۔ اس سے بڑھکر خو لڑکی کی شادی کے قتل کا بھی سبب ہے۔ کیونکہ معاشرے کی رائج سنت میں ایک با ایمان و صالح لڑکی یا حسن و جمال اور ہم کفو پر اکتفا نہیں کیا جاتا جب تک مطلوبہ جہیز اس کے ساتھ نہ ہو۔ بین الاقوامی حقوق نسواں کے علمدار لڑکی کو درپیش اس مشکل کے خاتمہ کے بارے میں بات نہیں کرتے۔ بلکہ اس مسئلہ کو جوں کا توں رکھے ہوئے ہیں یا وقتی مشکلات کو حل کرنے کی راہ دکھا کر اپنی مشرق دشمنی کا کینہ نکالتے ہیں۔

ازدواج متبادل (یعنی وٹہ سٹہ کی شادی)

اس قسم کی شادی کے جائز و ناجائز ہونے کے حکم کا اختیار صرف فقہاء و مجتہدین کو ہی حاصل ہے۔ ہم یہاں نظام شریعت اور قرآن و سنت کی روشنی میں بطور تجزیہ و تحلیل آپ کی خدمت میں چند اعتراض پیش کرتے ہیں۔ اس قسم کا نکاح زمانہ جاہلیت میں نکاح شغار کے نام سے رائج تھا۔ شغار شجر سے ہے اور شجر کتے کا پاؤں اٹھا کر پیٹا بن کر دیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ عورت کے عمل جنسی کے دوران پاؤں اٹھانے کو بھی شغار کہتے ہیں اور اس زمین کو بھی بلد شاجرہ کہتے تھے جو بیرونی غارت گروں سے نہ بچا سکے۔ نکاح شغار یعنی ایک فریق اپنی بہن یا بیٹی دوسرے کے نکاح میں دے اور اسکے بدلے میں اسکی بہن یا بیٹی سے نکاح کرے۔ یعنی ایک لحاظ سے ایک دوسرے کا حق مہر قرار دیں۔ اسلام نے جاہلیت کے اس نظام زوجیت کو حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں ایک انسان پر ظلم ہونا جتنی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے ایک مرد اور عورت تو راضی ہوں لیکن دوسرے راضی نہ ہوں ان میں ہم آہنگی نہ ہو اور وہ انکے مقامات کی زد میں آتے ہوں۔ اس قسم کا نکاح ہمارے ہاں رائج ہے۔ اس نے مہر جیسے حکم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یعنی ایک کی زوجہ دوسرے سے مشروط ہے۔ لہذا یہ ایک قسم کی فرسودہ رسم ہے جو عورت کی حق تلفی کا سبب بنتی ہے۔ اس قسم کا نظام اپنانے کی ضرورت وہاں پیش آ سکتی تھی جہاں خواتین کی خواستگاری میں کمی ہو لیکن حیرت کی بات ہے یہ عمل ایک ایسے معاشرے میں انجام پا رہا ہے جہاں خواتین مردوں سے زیادہ ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حقوق زوجیت جو بنیادی حقوق میں سے ہے وہ معاشرے کے ذمہ دار افراد کے نزدیک نظر انداز ہیں۔

عمر میں برابری

ازدواجی زندگی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ یہ ضرورت جہاں مرد و عورت کیلئے ہے وہاں اس کی ضرورت اجتماع کیلئے بھی ہے۔ انھیں اپنی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اجتماع کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ اگر ہم مسلمان ہونے کے ناطے حکم قرآن کریم کے تحت پیغمبر اکرم کی سیرت طیبہ کو اپنے سامنے بطور

نمونہ رکھ کر زندگی گزاریں تو ہمارا معاشرہ جنتِ مذیر ہوگا۔ پیغمبر اکرمؐ جہاں خود فرماتے ہیں کہ ”میرے شیطان نے میرے ہاتھوں اسلام قبول کر لیا ہے۔“ جہاں آپؐ نے ہر قسم کی خواہشاتِ نفسانی کھانے پینے، لباس اور شہوت میں اسے کوئی موقع نہیں دیا وہاں ازدواجی زندگی میں بھی پیغمبر اکرمؐ اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔ لہذا خداوند عالم نے انہیں نمونہ کامل قرار دیا ہے اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ کا کبھی عمر رسیدہ بیوہ خواتین کو اپنے عقد میں لانا ہے جنہیں دوسروں نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ انہیں اپنے شرفِ زوجیت بخشے اور کبھی کنواری لڑکی سے شادی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ازدواجی زندگی کو معاشرے کی ایک ضرورت اور زندگی کیلئے ناگزیر سمجھتے تھے لہذا اس کیلئے مفروضہ منفی (پسند و ناپسند، زیادہ عمر یا کم عمر) کے پہلوں پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کی ازدواجی زندگی کو سامنے رکھنے کے بعد ہماری زندگی میں عمر کی برابری کی شرط لغو غیر شرعی ہے بلکہ دنیا بھر میں کوئی اس فارمولے سے اتفاق نظر نہیں رکھتا۔ جس پر ہمارے یہاں انتہائی شد و مد سے اسرار کیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت ہمارے اجتماع میں بہت سی خواتین شادی شدہ اور غیر شادی شدہ پر ایک بہت بڑے ظلم کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

ازدواجی رسومات

قرآن کریم کی کثیر آیات پیغمبر اکرمؐ اور اہلبیت اطہار سے مروی روایات میں رشتہ ازدواج اور اسکی تقریبات یعنی مجلس عقد و نکاح و ولیمہ کو مجلس عبادت اور محل نزولِ رحمت خدا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ عقد نکاح کی خطبہ میں چندین آیات و روایات سے اسکی سند شرعی اور مرضی خدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اسلام دشمن گماشتے اور خود مسلمانوں کے اندر موجود وہ افراد جنکی ہوائے نفس انکی عقل اور شرعی زندگی پر غالب ہے انھوں نے ایسی رسومات جو شریعت کے خلاف ہیں اس میں شامل کی ہیں لہذا ایسی محفل جس میں ایسے افعال و حرکات انجام دی جائیں جن کے تحت خدا کی نازل کردہ شریعت کو چیلنج کیا جائے اور آیاتِ خدا اور فرموداتِ معصومینؑ کو مسترد کیا جائے تو ایسی محفل نصِ قرآنی کے تحت مستحقِ قہر و غضب خدا ہے ذیل میں ہم مروجہ رسوماتِ شادی کا نصِ قرآنی کے تحت تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

کلام خدا کی جگہ خود ساختہ کلام کو ترجیح دینا

کائنات میں وجود صرف وجود باری تعالیٰ ہے باقی سب اسکے جلوے اور شعائیں ہیں البتہ بعض ہستیاں جو اپنے رب سے وابستگی اور خداوند امتعال کی طرف سے اصطلاحی و انتخاب کی وجہ سے اشرف المخلوقات اور افضل الموجودات بنی ہیں لیکن وہ کسی بھی حوالے سے مقام الوہیت اور ربوبیت پر فائز نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح خدا کی خدائی ہر چیز پر غالب ہے اسی طرح اسکا حق بھی سب حقوق پر مقدم ہے اسکا کلام ہر کلام پر مقدم ہے آیات قرآنی اور پیغمبر اکرمؐ، امیر المومنینؑ اور دیگر آئمہؑ سے مروی روایات کے تحت خدا کی کتاب یعنی قرآن وہ کتاب ہے جو حافظ و نگہبان کل کتب آسمانی اور حیثیت و فضیلت و شرافت انبیاء مرسلین و آئمہ طاہرینؑ ہے امام صادقؑ نے فرمایا کہ ”ہر وہ چیز جو کتاب خدا سے مطابقت نہ رکھتی ہو زخرف یعنی مٹی ہے اور مردود ہے۔ حق و باطل کی تمیز کرنے کی کسوٹی قرآن ہے حدیث ثقلین کے تحت اس کتاب سے روگردانی ضلالت و گمراہی ہے۔“

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد ہمارے اجتماعات اور دیگر محافل و مجالس کی مانند شادی کی تقریبات میں کتاب خدا کی جگہ ایک حدیث پڑھی جاتی ہے جو حدیث کساء کے نام سے معروف ہے معلوم نہیں ہمارے ہاں میں غیر مستند حدیث کو پڑھنے کی مہم کب سے شروع ہوئی اور اب تو یہ ایک مستقل حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ مفسرین و محدثین فریقین شیعہ سنی نے اپنی اپنی کتب تفاسیر میں آیہ تطہیر کے ذیل میں ایک واقعہ بنام حدیث کساء نقل کیا ہے۔ ان محدثین نے اپنی کتب احادیث کے ابواب فضائل و مناقب اہل بیت میں بھی اس حدیث کو نمایاں طور پر جگہ دی ہے۔ لہذا کوئی بھی حدیث کساء کے نام سے وقوع ہونے والے واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا تاہم اس حدیث کی اسناد، مضامین و مفاد ہم اور اسکے آثار و نتائج مذکورہ ہمیشہ سے علماء و محققین فریقین کے نزدیک موضوع بحث و گفتگو رہے ہیں۔ ہم طباعت اول کے بعد وارد شکوک و شبہات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے ازالہ کو ضروری سمجھتے ہوئے تین موضوعات کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

۱۔ اس حدیث کی اسناد کے حوالے سے چند نقاط قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں ہم کچھ مطالب کتاب تفسیر

الفرقان تالیف آیت اللہ محمد صادق تہرانی جلد ۲۲، ۲۱ صفحہ ۱۱۶ سے نقل کر رہے ہیں کہ جنہوں نے حدیث کساء سے متعلق حقائق پر مشتمل روایات فریقین کو جمع کیا ہے۔

۱۔ تمام روایات فریقین میں یہ روایت آیت تطہیر کے ذیل میں نقل ہوئی ہے۔ اور اس میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک کساء میں حضرت علیؑ علیہ سلام، حضرات حسنینؑ علیہ سلام اور زہراؑ مرضیہ سلام اللہ علیہا کو جمع کر کے درگاہ خداوند متعال میں دعا کی۔

۲۔ کچھ روایات میں یہ واقعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے گھر میں وقوع پذیر ہونے کا ذکر ہے۔

۳۔ کثیر روایات میں نقل ہوا ہے کہ یہ واقعہ ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ کے گھر رونما ہوا ہے۔

۴۔ صرف ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت زہراؑ کے گھر رونما ہوا ہے۔ لہذا یہاں شیخ عبد اللہ بحرانی، صاحب عوالم تمام روایات کی مخالفت کرتے ہوئے اس واقعہ کے وقوع کی جگہ حضرت زہراؑ مرضیہ کے گھر کو قرار دینے میں منفرد ہیں۔ انہوں نے یہ روایت اپنے استاد شیخ الجلیل سید ہاشم بحرانی سے نقل کی ہے جو کہ باتفاق علماء ایک عالم اخباری تھے اور احادیث کو بغیر نقد و تنقید کے اپنی کتب میں جمع کرتے تھے۔ انہوں نے اس حدیث کو حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے اور انہوں نے حضرت زہراؑ سے نسبت دے کر نقل کیا ہے۔ اور یہ حدیث ہی ہمارے ہاں رائج ہے۔ اور ہم اسی پر بات کریں گے۔

۱۔ اس حدیث میں اہل بیت اس ترتیب سے حضرت زہراؑ سلام اللہ علیہا کے گھر جمع ہوئے کہ پہلے پیغمبر اکرام صلی اللہ وآلہ وسلم تشریف لائے بعد میں حضرت امیر المومنینؑ اور ان کے بعد حضرات حسنینؑ اور سب سے آخر میں حضرت زہراؑ تشریف لائیں۔ اس ترتیب سے کساء کے نیچے جمع ہوئے۔

۲۔ بعض روایات میں پیغمبر اکرمؐ اپنے ہمراہ حضرت علیؑ اور حضرات حسنینؑ کو لیکر حضرت زہراؑ کے گھر

تشریف لائے اور پھر سب کو بلوا کر ایک کساء کے نیچے جمع کیا اور درگاہ رب العزت میں دعا کی۔

۳۔ بعض روایات میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اکیلے حضرت زہراؑ کے گھر تشریف لائے اور پھر سب کو بلوا کر

ایک کساء کے نیچے جمع کیا اور درگاہ رب العزت میں دعا کی۔

اسکے باوجود اگر اس حدیث کی سند میں خدشہ نہ بھی ہو تب بھی دیگر با معنی اور مستند واقعات مثلاً خطبہ غدیر، خطبات حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، خطبات امام حسین علیہ سلام، خطبہ منی و عاشورا اور دعائے عرفہ اور دعائے ابو حمزہ ثمالی اور صحیفہ سجادہ کی دعائیں جھنیں زبور آل محمد کہا جاتا ہے کو چھوڑ کر صرف اس حدیث کو مقدم رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور خاص کر اسے قرآن کریم کی جگہ پر پڑھنا دراصل قرآن کو کنارے لگانے کی سازش ہے، یہ قرآن کو بھور کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ خود پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے خلاف ہے۔ اس فکر کے حامل افراد نے معتبر اور مستند دعاؤں کو پڑھنے کے خلاف بھی مہم چلائی جیسے انھوں نے کہا دعائے کمیل نہ پڑھو صرف حدیث کساء کا ورد کرو جیسے ان لوگوں کے یہاں آئمہ سے صرف یہی ایک حدیث وارد ہوئی ہے اور باقی سب جھوٹ ہے۔ اس سے بڑھ کر افسوس کا مقام یہ ہے جب ہمارے معاشرے میں بعض علماء اس کے پڑھنے کو ولائے اہل بیت قرار دیتے ہیں۔ اور بعض اس سے بھی بڑھ کر مضحکہ خیز بات کرتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو عبد اللہ بن جابر انصاری کی طرف منسوب کر کے پڑھیں تو اشکال رفع ہو جاتا ہے اور حدیث میں سقم نہیں رہے گا۔ اگر ان کی اس بات کو مان لیا جائے تو فریقین کی کسی حدیث کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کسی حدیث کی تلاوت فضیلت رکھتی ہے تو پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے مستند خطبات کی تلاوت کیوں نہیں کی جاتی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث مستند ہی کیوں نہ ہو وہ کلام خدا کی جگہ نہیں لے سکتی۔ کیونکہ حدیث تابع کلام خدا ہے نہ کہ کلام خدا تابع حدیث ہے۔ لہذا جس قوم کے باشعور علماء کی عدم دلچسپی کی بنا پر کتاب خدا کو کنارے لگا دیا ہو وہ قوم جتنے بھی برے نتائج کا سامنا کرے وہ کم ہیں۔

تفاسیر و کتب احادیث میں حدیث کساء سے متعلق ان متعدد اور مختلف روایات کو جمع کرنے کے بعد دونوں قابل تردید حقائق سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ان میں ایک حقیقت تو یہ ہے کہ حدیث کساء کے نام سے منسوب ایک واقعہ پیش آیا ہے اور اس واقعہ

کو فریقین شیعہ اور سنی دونوں تسلیم کرتے ہیں اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے

۲۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ کس طرح پیش آیا اس حوالے سے جن روایات کی کثرت ہے وہ ہی

قابل قبول ہوگی اور باقی مردود قرار پائیں گی۔

حدیث کا متن اور مضمون

کسی بھی حدیث پر عمل کیلئے اسکی سند کے بعد دوسرے مرحلہ میں اسکے مضمون اور متن کا عقلی آیات قرآن اور سنت قطعی رسول اللہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی حدیث سند کے حوالے سے تو درست ہو لیکن اسکا متن قرآن اور سنت قطعی اور عقل کے خلاف ہو تو ایسی حدیث ناقابل قبول ہوگی۔ مثلاً کسی حدیث صحیح السند کا متن تحریف قرآن پر مشتمل ہو یا ختم نبوت کے خلاف ہو تو ایسی حدیث یقیناً مجہول قرار پائے گی۔ اس اصول مسلمہ کے بعد ہم آتے ہیں اس حدیث کساء کی طرف جو ہمارے درمیان رائج ہے اور تمام آئمہ طاہرین سے وارد احادیث اور خطبات سے ہٹ کر ایک خاص امتیاز کے تحت قرآن یا دعا کی مانند پڑھی جاتی ہے۔ جبکہ بہت سے جید اور محققین علماء و مجتہدین جیسے آیت اللہ مرتضیٰ عسکری اور آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ وغیرہ نے اس کی سند کو مخدوش اور غیر مستند قرار دیا ہے۔ کتاب حدیث کساء فی کتب مدرستہ الخلفاء و مدرستہ اہل بیت تالیف آیت اللہ مرتضیٰ عسکری صفحہ ۱۵ پر بیان فرماتے ہیں: ”تمام روایات جو اس سلسلے میں گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں جو کتب فریقین میں آئیہ تطہیر رسول اللہ پر نازل ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں حضرت ام سلمیٰ کے گھر میں نازل ہوئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے اپنے گرد اہل بیت کو جمع کیا اپنے اور اہل بیت کے اوپر ایک چادر چڑھائی اسی وجہ سے یہ واقعہ کساء کے نام سے مشہور ہوا۔ ان تمام روایات کے مقابل ایک روایت کہ یہ واقعہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پیش آیا ہے۔ لیکن یہ روایت ان تمام روایات کے مقابل میں اپنی سند اور متن دونوں حوالوں سے مخدوش ہے۔ لہذا ہم نے ضرورت محسوس نہیں کی کہ اس کی سند و مضمون کے ضعف کے اسباب کو بیان کریں اور اسکی سند و مضمون کے بارے میں مزید کوشش کریں۔“

ہم یہاں آیت اللہ مرتضیٰ عسکری کی بات میں اضافہ کریں گے۔ وہ یہ کہ انکی مسئولیت اس سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ وہاں اس انداز سے اس حدیث کو پڑھنے کا رواج نہیں تھا۔ جس طرح ہمارے ملک میں اس حدیث کو تمام محافل و مجالس اور تقریبات میں قرآن کی جگہ پر یا اسکے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ کو یا شیعہ مسلک میں قرآن کے

بعد کوئی حدیث یا خطبہ اس کے برابر نہیں۔ اور اس عمل میں بہت سے جید علماء بھی انکی تقلید کرتے ہوئے مجالس میں اپنی گفتگو میں اسی ضعف السند و متن کو موضوع بنا کر تقریریں کرتے ہیں اور اپنی جیب میں حدیث کساء کا کتابچہ رکھتے ہیں۔ لہذا ہم نے اپنی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر اس روایت کے ضعف سند کے ساتھ اسکے مضامین اور دیگر خامیوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھا۔

اب ہم اس حدیث کے متن اور مضمون کی طرف آتے ہیں۔ اس حدیث میں اہل بیت اطہار میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو محور و مرکز قرار دیا گیا ہے اور پیغمبر اکرمؐ و حضرت علیؑ اور حضرات حسنین علیہم السلام کو انکی فرع یا شاخ قرار دیا ہے۔ جبکہ یہ بات کسی بھی اصول و ضوابط عقلی و نقلی اور آیات قرآنی اور سنت قطعی کے خلاف اور متصادم ہے۔ کسی چیز کی مرکزیت کیلئے اس میں مندرجہ ذیل چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ وہ مرکز بن سکے۔

۱۔ **عنوان:** کسی ملک و علاقہ، صنف، گروہ یا مفہوم کے حوالے سے ایک عنوان کا ہونا ضروری ہے ورنہ مرکزیت کا تصور بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ مجہول قرار پائے گا مثلاً پاکستان کی کسی جگہ کو مرکز قرار دینے کیلئے صوبہ ضلع یا تحصیل کا ذکر ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کسی کو تنہا مرکز کہنا بے معنی ہوگا۔ جسم انسان میں مرکزیت کے حوالے سے ضروری ہے پہلے جسم یا روح کا تجزیہ کریں۔ یہ سب کچھ ہمارے لئے عالم مادیات میں عیاں و روشن ہیں۔ مادی اور معنوی دونوں حوالوں سے باپ انسان کا مصدر ہے اور اولاد اسکی شاخیں اور تنے ہے۔ تاریخ میں کہیں نہیں ملتا کہ بیٹا مصدر ہو اور باپ اسکی شاخ ہو۔ اسی طرح دین و شریعت میں خدا مرکز ہے تمام عقائد و احکام کی برگشت خدا کی طرف ہوتی ہے مرکز ہستی اور ادیان و شریعت کی برگشت ذات خدا کی طرف منتہی ہوتی ہے۔

۲۔ ہدایت و رہبری خلاق میں نبی و رسول مرکز ہیں آئمہ اوصیاء علماء اصحاب اولیاء مومنین سب نبی کی شاخیں اور اس کے فرع اور تنے ہیں۔ نبی کو اس عمل سے نکالنے کے بعد نہ وصی کا مقام ہے نہ خلیفہ کا نہ جانشین کا نہ امام کا نہ اولیاء و علماء غرض کسی کیلئے بھی جائے استقرار نہیں رہتی۔ اس مسلمہ اصول کو جو کسی کیلئے بھی

قابل رد نہیں سامنے رکھنے کے بعد اس حدیث کے مضمون میں جہاں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو اصل و مرکز قرار دیا ہے اور رسول اللہ اور حضرت علیؑ کو جو قول رسول کے تحت کفوحقیقی ہیں اور نص قرآنی کے تحت اپنی جگہ قیم ہیں کو شاخ قرار دیا ہے۔ ہمیں حضرت زہراؑ سے منسوب کہیں بھی کوئی ایسا جملہ نہیں ملتا جہاں آپؐ نے فرمایا ہو میرے باپ محمدؐ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں جبکہ اس کے برعکس رسول اللہؐ نے کئی بار فرمایا زہراؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں۔ زہراؑ میری یادگار ہیں۔

تعارف

کسی شخصیت کا تعارف کروانے کیلئے عام طور پر دو طرح کی روش اپنائی جاتی ہے۔

۱۔ حسب کے حوالے سے یعنی وہ ان صفات کا حامل ہے۔ مثلاً عالم، فقیہ، مجتہد، عابد و زاہد وغیرہ کے ناموں سے تعریف کی جاتی ہے۔

۲۔ نسب کے حوالے سے یہ تعریف دو حوالوں سے کی جاتی ہے ایک عمومی اور ہما گیر جیسے فلاں کا بیٹا، بیٹی بیوی وغیرہ۔ جبکہ دوسری تعریف پچگانہ ہے مثلاً آپؐ کا گذر ایسی جگہ سے ہو جہاں بچے کھیل رہے ہوں تو وہ آپؐ کا تعارف یوں کروائیں گے کہ یہ فلاں کے باپ یا بھائی ہیں۔

۳۔ اسی طرح ایک تعارف زنا نہ ہے یعنی خواتین کہیں کہ یہ فلاں کے بھائی خاوند یا والد ہیں۔

تعارف کے اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اب ہم حدیث کساء کی طرف آتے ہیں۔ بالفرض یہ تعارف اگر سند کے حوالے سے ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس تعارف کا کوئی عقلی اور معنوی وزن قائم نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہاں زنا نہ ماحول میں تعارف کروانے کی بو آتی ہے۔ نعوذ باللہ جیسے مشرکین ملائکہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کا تعلق صنف مونث سے ہے۔ لہذا یہاں بھی خداوند متعال نے پیغمبر اکرمؐ کا تعارف حضرت زہراؑ سے کروایا ہے۔ لہذا ہم یہاں پر اس حدیث کے مضمون و محتوی پر چند حوالوں سے بحث و گفتگو کریں گے۔

۱۔ اقسام تقدیم و برتری عقل و قرآن کی روشنی میں: مکیونیات میں دین اسلام دو گراں بہا و پائیدار

اصولوں پر قائم ہے اور ان پر دین کا پورا ڈھانچہ قائم ہے۔ ایک عقل سالم اور دوسرا قرآن کریم ہے۔ ان میں کسی چیز کے مقدم یا موخر ہونے، اشرف و برتر ہونے کے تمام مصادیق بیان ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم ان اقسام کا ذکر آیات کی روشنی میں کرتے ہیں۔

(الف)۔ علت و معلول: علت و سبب ہمیشہ معلول پر مقدم ہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ معلول علت پر مقدم ہو۔ جیسے آگ مقدم ہے جلنے پر اور باپ مقدم ہے اولاد پر۔

(ب)۔ اعداد: اعداد میں ہمیشہ پہلا عدد دوسرے عدد پر مقدم ہے قرآن کریم میں اس کا دقیق اندازے سے لحاظ رکھا گیا ہے ملاحظہ کریں مجادلہ آیت نمبر ۷

﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَحْوِ ثَلَاثَةِ اَلَا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةَ اَلَا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ ”کبھی تین آدمیوں کی سرکوشی

نہیں ہوتی مگر یہ کہ ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر یہ کہ ان کا چھٹا اللہ ہوتا ہے“

(ج)۔ شرافت: بعض موجودات دوسرے موجودات پر فضیلت و شرافت رکھتے ہیں قرآن کریم میں اس کا ذکر کرتے وقت اس کا خیال رکھا گیا ہے جیسے کہ احزاب کی آیت ۷

﴿وَإِذْ أَخْلَفْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ”اور

جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے بھی اور ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی“

اس میں اول المعزوم پیغمبروں میں پیغمبر اکرمؐ کی اشرفیت کا پاس رکھتے ہوئے دیگر چار سے پہلے آپؐ کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ نساء ۶۹

﴿وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ قَاوَلَهُكَ مَعَ الَّذِينَ اتَّعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَ

الْصَّالِحِينَ﴾ ”اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین

کے ساتھ ہوگا“

۲۔ تقدم مکانی: امام جماعت کا مقام دیگر مامومین پر مقدم ہے ممکن نہیں ماموم آگے ہوں اور امام پیچھے ہو۔

۳۔ تقدم زماني:

﴿اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهِ تَرْقِعَ دَرَجَتٍ مِّنْ تَشَآءُ﴾ ”ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں عنایت فرمائی۔ جس کے ہم چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں“ (انعام/۸۴) ﴿وَمَا اَنْزَلْنَا وِوَمَا اَنْزَلْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاِلٰسَاطَ وَاٰوَتٰى مُوسٰى وَعِيسٰى وَاٰوَتٰى النَّبِيُوْنَ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ”جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور جو انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا“

(بقرہ/۱۳۶)

۴۔ نعمت تعلیم نعمت خلقت پر مقدم ہے۔ تعلیم انسان تمام نعمتوں پر مقدم ہے سورہ رحمن کی پہلی آیت ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾ ”رحمن نے قرآن کی تعلیم دی۔“

۵۔ تقدم ابوت: باپ بیٹے پر مقدم

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوْعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلَ﴾ ”اور جب ابراہیم و اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے“

سورہ بقرہ ۱۲۷۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر پہلے ہے۔

۶۔ تقدم شوہر بیوی پر:

﴿وَقُلْنَا يَا اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَاْكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ السُّجَّةَ﴾ ”اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری زوجہ“ (بقرہ/۳۵)

یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر پہلے ہوا ہے۔

۷۔ تقدم محرم میں شوہر دیگر محرموں پر مقدم ہے

﴿وَالَّذِيْنَ يَمْلِكُنَّ اِذَا لَبَعُوْنَ لَهُنَّ اَوْ اِيَّاَهُنَّ اَوْ اِیَّاهُ يَعْوْلُهُنَّ اَوْ اِيْنَآهُنَّ اَوْ اِیْنَآءُ يَعْوْلُهُنَّ اَوْ

اِنْحَوَاتُهُنَّ اَوْ رِبْنٰى اِنْحَوَاتُهُنَّ﴾ ”اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ ہونے دے سوائے اپنے شوہروں کے

بیٹوں اپنے بھائیوں، بھائیوں کے بیٹوں، بہنوں کے بیٹوں“ (نور/۳۱)

۸۔ تربیت تعلیم پر مقدم ہے:

﴿رسولا من انفسهم يظلو عليهم ائنة ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة﴾ ”ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اسکی آیات پڑھ کر سنانا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے“ (آل عمران/۱۶۳) ﴿ربنا وابعت قیہم رسولا منهم يظلو عليهم ائتك ويعلمهم الكتب والحكمة﴾ ”اے ہمارے رب ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے“ (بقرہ/۱۲۹)

۹۔ عمل زنا میں عورت کا کردار مرد پر مقدم ہے:

﴿الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة﴾ ”زنا کا عورت اور زنا کار مردوں کو سو سو کوڑے لگاؤ“ (نور/۲)

۱۰۔ چوری میں مرد عورت پر مقدم ہے:

﴿والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما﴾ ”اور چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو“ (مائدہ/۳۸)

۱۱۔ اتفاق میں ذی القربا، مسکین، یتیم اور ابن السبیل مقدم ہیں:

۱۲۔ سماعت بصارت پر مقدم ہے:

۱۳۔ ہجرت جہاد پر مقدم ہے:

۱۴۔ سوال نہ کرنے والے سوال کرنے والوں پر مقدم ہے:

۱۵۔ موت حیات پر مقدم ہے:

﴿الذی خلق الموت والحیوة لیلو کم ایکم احسن عملا﴾ ”اس نے موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں حسن عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے“

۱۶۔ نبی امت پر مقدم ہے:

تشریحات میں

یعنی شریعت کی برگشت کہاں ہے۔ خداوند متعال کے بعد شریعت کا مصدر و ماخذ رسول اللہ ہیں۔ قرآن رسول اللہ پر نازل ہوا احکام رسول اللہ فرماتے تھے۔ کوئی آیت ایسی نہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ قرآن کی آیات رسول اللہ کے علاوہ کسی بھی اہل بیت پر نازل ہوئی ہوں۔

مضمون حدیث ایک دوسرے سے متعارض اور متناقض ہے:

حدیث کساء کا مضمون خود اپنے اندر تناقض رکھتا ہے کیونکہ حدیث کے ایک حصہ میں ذکر ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں اس جملہ کے تحت پیغمبر مرکز ہوئے اور اہل بیت آپ کی شاخیں بنی۔ جبکہ دوسری جگہ یہ جملہ خداوند متعال سے منسوب ہے یعنی یہاں زہراؑ ہیں اور انکے باپ بیٹے اور شوہر ہیں تو یہاں زہراؑ اصل ہوئیں اور رسول اللہ شاخ بنے۔ لہذا ایک ہی حدیث میں ایک دفعہ مرکز رسول اللہ کو قرار دیا ہے اور دوسری جگہ حضرت زہراؑ کو مرکز قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حدیث کا مضمون اپنے اندر تناقض رکھتا ہے۔ اس حدیث کا جعلی ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ اسکے رواج اور فروغ میں اتنا تشدد کیوں پایا جاتا ہے اور اس پر بات کرنے والے کے خلاف پر تشدد اور تحدیدی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ رویہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ افراد اہل بیت سے محبت میں یہ عمل انجام دیتے ہیں بلکہ اس تشدد کا مقصد قرآن کریم کو کنارے لگانا ہے۔ رسول اللہ جو اسلام کی بنیاد و مرکز ہیں انکو گرانے پر اسرار کرنا ہے۔ حقیقت میں یہ رویہ اسلام دشمنی میں قادیانیوں کا تو ہو سکتا ہے لیکن اہل بیت سے دوستی رکھنے والوں کا نہیں۔

نتائج فوائد

اس حدیث منقول کے آخری فقرات میں آیا ہے کہ یہ واقعہ جس محفل میں ذکر ہو گا یا جو اس کا ورد کرے گا۔ تو اس کے نتائج و ثمرات میں یہ چیز مضمحل ہے کہ جو انسان پریشانی و اضطراب میں مبتلا ہو گا اسکی پریشانی فوراً رفع ہو جائے گی۔ اور اس محفل میں جو بھی حاجت درگاہ خداوندی میں پیش کی جائے گی وہ برآور ہوگی۔ جو فوائد و آثار اس حدیث میں بیان کیے گئے ہیں یہ درج ذیل ستم و خدشات سے خالی نہیں ہیں۔

۱۔ اس میں مدعا اور دلیل دونوں ایک ہیں۔ مدعا دلیل ہے اور دلیل مدعا ہے یعنی حدیث پڑھنے سے حاجتیں روا ہوگی یہ دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی۔ اس کی صحت پر باہر سے کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی۔ یہ وہ پہلا خدشہ اور ستم ہے جو باعث تشکیک ہے۔

۲۔ باب دعا میں فلسفہ دعا کو بطور اطاعت و بندگی کے پیش کیا گیا ہے نہ کہ حوائج کے حصول کیلئے یہ اس میں دوسرا ستم ہے۔

۳۔ باب دعا میں تین قسم کی دعائیں ہیں۔ پہلی تعریف و تحمید رب جلیل ہے لہذا یہ اگر قلب و زبان مومن سے صادر ہو تو اسکی اجابت یقینی و حتمی ہے۔ دوسری دعا اپنے رب غفور سے اپنے گناہوں کی طلب و بخشش و استغفار ہے۔ جیسا کہ کثیر آیات خصوصاً وہ آیات جن میں خداوند متعال نے خود کو رب رحیم یعنی توبہ قبول کرنے والی ذات کے طور پر متعارف کروایا ہے۔ لہذا ایسی دعائیں بھی ناقابل تردید و قرین اجابت ہیں۔

۴۔ اسکے علاوہ ایسی دعائیں جو کشف کرب یا قضاء حوائج دنیا سے متعلق ہیں۔ ایسی دعاؤں کے ہمہ وقت قبول ہونے پر نہ ہی کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ نقلی۔ اور یہ بات آیات و روایت سے ثابت ہے۔ بلکہ انکا قبول نہ ہونا قرین صحت ہے۔ کیونکہ اس قسم کی حاجات ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ اگر ایسی دعائیں قبول ہوں تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً ایک گروہ کا مفاد اس میں ہے کہ موسم صاف ہو اور دوسرے کا مفاد اس میں ہے کہ بارش ہو۔ اسی طرح ایک کا مفاد اس میں ہو کہ کوئی شخص نابود ہو اور

دوسرے کا مفاد اس میں ہو کہ وہ زندہ رہے تاکہ وہ اس سے اپنا قرضہ وصول کر سکے وغیرہ۔ لہذا حواج دنیا کا کلی طور پر ہر شخص کیلئے اجابت ہونا ممکن نہیں۔ یہ تیسرا قسم ہوا جو اس حدیث میں موجود ہے۔ اس حدیث کے پڑھنے کا رواج صرف برصغیر پاک و ہند کے چند علاقوں میں موجود ہے جبکہ مراکز تشیع میں اس قسم کا کوئی رواج نہیں۔ لہذا جہاں اس کا رواج عام ہے وہاں ہزاروں دروہند اور آرزو مند اپنی حاجات و پریشانیاں پیش کرتے ہیں لیکن کہیں بھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا کہ سب کی پریشانیاں اور حاجتیں پوری ہوئی ہوں۔ یہ وہ چوتھا قسم ہے جو بطور نمایاں نظر آتا ہے۔ مزید وضاحت کیلئے قارئین کرام امین بن کرا و تعصب، دشمنی اور مخالفت جیسی تین شیطانی صفات سے پاک ہو کر اس پر رائے قائم کریں کیونکہ غیر معصوم جتنی بھی کوشش کرے غلطی و کوتاہی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہذا اگر ہماری تحقیق میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو ہم رب غفور و رحیم سے بخشش کے طلب گار ہیں۔

حدیث تکرار سے پر ہے:

علماء و حکماء خاص طور پر ارباب فصاحت و بلاغت کے کلمات و خطبات میں ایک جملہ و کلمہ حتیٰ حرف زائد تک استعمال نہیں ہوتا۔ لہذا علماء اور عراقی فلسفیوں کی کتابیں ہر قسم کے زائد کلمات و تکرار سے پاک ہوتی ہیں چنانچہ اس سلسلے کی واحد مثال شہید اولؒ کی فقہ پر لکھی گئی کتاب لمعہ و مشقیہ ہے جس کی شرح شہید ثانیؒ نے کی اسی طرح کتاب تجرید الاعتقاد ہے جسے علامہ حلیؒ نے تالیف کیا ہے اس کی شرح شیخ طوسیؒ نے کی ہے اسی طرح نحو میں ابن مالک کی الفیہ شیخ بہائی کی کتاب صلا میہ اور ملا صدرا کی کتاب تہذیب المنطق ہے ملا صدرا نے اپنی حیات میں اس کتاب سے کوئی زائد کلمہ ثابت کرنے والے کیلئے جائزہ رکھا تھا چنانچہ شیخ بہائی نے اس میں سے ایک کلمہ ثابت کیا جب عام علماء حوزہ کے نزدیک ایک جملہ زائد ہونا فتیح ہو تو آئمہ جو فصاحت و بلاغت میں امراء کلام کہلاتے ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ اس حدیث کساء میں تنہا ایک حرف یا کلمہ تکرار نہیں ہو بلکہ جملوں کی تکرار ہے۔

جب امام حسنؑ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت زہراؑ سے فرمایا کہ میں گھر میں ایک ایسی خوشبو پا رہا ہوں جو کہ

میرے جد کی خوشبو کی مانند ہے تو حضرت زہراؑ نے فرمایا کہ آپ کے جد آئے ہوئے ہیں اور کساء کے اندر ہیں پھر امام حسنؑ نے رسول اللہؐ سے کساء میں داخل ہونے کی اجازت مانگی تو پیغمبرؐ نے انھیں صاحب حوض کوثر کہہ کر اجازت دی۔ اسی طرح امام حسینؑ آئے انھوں نے بھی یہی جملہ استعمال کیا اور انھیں بھی زہراؑ نے وہی جواب دیا پھر امام حسینؑ نے اسی طرح جس طرح امام حسنؑ نے اجازت مانگی تھی اجازت مانگی۔ انھیں بھی پیغمبرؐ نے کساء میں داخل ہونے کی اجازت دی اس کے بعد امیر المومنینؑ آئے انھوں نے بھی وہی بات دہرائی اور کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی انہیں بھی زہراؑ نے وہی جواب دیا۔ یہی جملہ ہے جو حدیث کساء میں تکرار ہوا ہے اس کے بعد حضرت زہراؑ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے باپ نے درگاہ خدا میں دعا کی تو خداوند عالم نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں نے آسمان و زمین سورج و چاند کو خلق نہیں کیا سوائے ان ہستیوں کی محبت کے یہی بات جبرائیلؑ نے خدا سے پوچھی تو خدا نے انھیں بھی یہی جواب دیا پھر علیؑ نے رسول اللہؐ سے اس کساء کے نیچے ہونے کی فضیلت کے بارے میں پوچھا تو پھر پیغمبر اکرمؐ نے بھی وہی جواب دہرایا تو اس میں تکرار ہی تکرار ہے۔ یہ ایک عادی انسان جیسی گفتگو کی مانند ہے اس حدیث میں امیر کلام خود پیغمبر اکرمؐ و علیؑ اور حضرت زہراؑ شامل ہیں اور پھر خداوند عالم کی طرف سے بھی ایک جملے کی تکرار کی نسبت دی گئی ہے۔

معصوم ہستیاں جو مرکز خالق کلام اور مکتب وحی کے تربیت شدگان میں سے ہیں انکی طرف ایسے کلام کو نسبت دینا جھوٹ ہونے کی دلیل ہے اس قسم کی تکرار حضرت محمدؐ کے خطبوں، حضرت علیؑ کی نہج البلاغہ، جناب زہراؑ اور جناب زینبؑ کے خطبوں میں کہیں بھی نہیں ملتی۔

اس حدیث میں مندرجہ بالا اخذات کے علاوہ جو پہلے بیان کیے جا چکے ہیں ایک خدشہ یہ بھی ہے کہ اس میں حضرت جبرائیلؑ امینؑ کو بھی اہل بیت میں بتایا گیا ہے جو کسی بھی حوالے سے قابل فہم نہیں چاہے ہم اہل بیت سے مراد حضرت محمدؐ کے اہل بیتؑ لیں یا اہل بیت نبوتؑ مراد لیں یا اہل بیت امتؑ لیں ان تینوں اقسام میں جبرائیلؑ امینؑ کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں کسی بھی جگہ ملائکہ اور انسان کو جمع کر کے خطاب نہیں کیا گیا۔ لہذا یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی جاہل کی اختراع ہے۔

مخلوط اجتماع

انسانی زندگی کی تمام خرابیاں اور بیماریاں چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، سیاسی ہوں یا ثقافتی یا اخلاقی، ان سب کے علاج کا نسخہ اس قرآن کریم میں موجود ہے۔ لہذا خود خداوند متعال نے اپنی اس کتاب میں خدا اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم دیا ہے۔ سورہ انفال آیت ۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ و رسول

کی آواز پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس امر کی طرف دعوت دیں جس میں تمہاری زندگی ہے“

عقل و آگاہ انسان مسائل کو بخوبی درک کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تمام اجتماعی و اخلاقی مسائل، سیاسی برائیوں کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، انکا آپس میں گہرا ربط ہے یہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں سیاست کا ثقافت اور اقتصاد پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔ امت اسلامی کو درپیش تمام برائیوں کے علاج کا واحد نسخہ آیات قرآنی پر عمل کرنا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے معاشرے کے عمومی عوام تو کجا، دینی گھرانوں تک میں قرآن کے انتہائی واضح و روشن احکامات سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے باوجود اس کے کہ یہ لوگ قرآن مجید کی تلاوت کا وظیفہ بھی انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان عورت کیلئے اپنے بال، بازو اور جسم کے دیگر حصوں کو کہاں تک اور کن لوگوں سے چھپانا ہے، قرآن مجید کی سورہ نور کی آیت نمبر ۳۱ میں اس بارے میں واضح حکم موجود ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائے:

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ قُرُوحَهُنَّ وَلَا يُبْلِغْنَ زِينَتَهُنَّ

الْمَاضِيَّاتِ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْلِغْنَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا بَعْضَتَهُنَّ أَوَابَاتَهُنَّ وَأَوَابُ

بَعُولَتِهِنَّ وَأَخَوَاتِهِنَّ أَوْبَتِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْبَتِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ تَسَآئِهِنَّ أَوْ مَمْلَكَتِ أَيْمَاتِهِنَّ أَوِ التَّابِعِينَ

غَيْرِأُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ﴾ ”اور مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچی

رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں علاوہ اس کے جواز خود ظاہر

ہے اور اپنے دوپٹہ کو اپنے گریبان پر رکھیں اور اپنی زینت کو اپنے شوہر، باپ، دادا، شوہر کے باپ

دادا، اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی اولاد، اپنے بھائی اور بھائیوں کی اولاد اور بہنوں کی اولاد اور اپنی عورتوں اور اپنے غلام اور کنیزوں اور ایسے تابع افراد جن میں عورت کی طرف سے کوئی خواہش نہیں رہ گئی ہے اور وہ بچے جو عورتوں کے پردہ کی بات سے سے کوئی سروکار نہیں رکھتے ہیں۔“

لیکن ہمارے معاشرے میں حتیٰ متدین گھرانوں کے اندر بھائیوں کی بیویاں ایک دوسرے کیلئے محرم کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ بے دھڑک ایک دوسرے کے سامنے آتی جاتی ہیں۔ اسی طرح لوگ بہنوئی کو اپنی بیویوں کا محرم تصور کرتے ہیں جبکہ قرآن مجید کی سورۃ نساء آیت نمبر ۲۳ میں اسکا کہیں ذکر نہیں کہ یہ لوگ بھی محرم ہیں۔ ذیل میں ہم اس آیت کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَابْنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَخَنَاطُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَنِسَاءُ آبَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ دَخْلٌ فِيهَا وَلَاحْنَاهُ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَحْمِلُوا أَوْلَادَكُمْ لِلَّذِينَ نَكَحْتُمُ أَبْنَاءَكُمْ﴾ ”اور تم پر حرام کر دی گئی تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلا چکی ہوں تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں تمہاری بیویوں کی مائیں اور جن بیویوں سے تم مقاربت کر چکے ہو ان کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہی ہو لیکن اگر ان بیویوں سے (صرف عقد ہوا ہو) مقاربت نہ ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں نیز تمہارے صلیبی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کا باہم جمع کرنا، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا بے شک اللہ بڑا بخشنے والا رحم والا ہے“

ذرا سوچئے حکم قرآن کو نظر انداز کرنے کے بعد اسکی تلاوت کیونکر باعث اجر ہو سکتی ہے جبکہ حدیث رسول کے تحت بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر خود قرآن لعنت کرتا ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں یہ بُری رسم گھروں کی چار دیواری سے نکل کر شادی ہالوں تک پھیل گئی ہے جہاں منعقد ہونے والی تقریبات میں مخلوط اجتماعات روزِ مَرّہ کا معمول بن گئے ہیں۔ عوام الناس کا ذکر ہی کیا، پاکیزہ مومنین و مومنات بغیر کسی جھجک کے ان مخلوط

تین اوقات میں تم سے اجازت لے کر آیا کریں فجر کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اجازت لیا کریں جس طرح پہلے (ان کے بڑے) لوگ اجازت لیا کرتے تھے“

۵۔ عورتوں کو ایسے طریقے سے گھروں سے نکلنے سے منع کیا گیا ہے جیسے عورتیں زمانہ جاہلیت میں باہر نکلتیں تھیں:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْعَاهِلِيَةِ الْأُولَى﴾ ”اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے آپ کو نمایاں کرتی نہ پھرو“

(احزاب/۳۳)

۶۔ سورہ احزاب آیت ۳۳ میں خواتین کو آیات الہی کو یاد کرنے اور اس قرآن کی حکمتوں سے آشنا ہونے کا حکم دیا ہے:

﴿وَإِذْ كُنَّ نَائِظَاتٍ فَمَا يَقُولْنَ إِلَّا بِأَمْرِ اللَّهِ وَالْحُكْمَ لِلَّهِ﴾ ”اور اللہ کی ان آیات اور حکمت کو یاد رکھو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتی ہے“

ان آیات کے آئینہ میں اگر شادی کی مرہبہ محافل پر نظر دوڑائیں تو کوئی انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہماری شادیوں میں دلہا دلہن سے زیادہ مہمان مرد و خواتین سچ دج کر آتے ہیں اور اپنے آپ کو ماڈرن ظاہر کرتے ہوئے اجنبی مرد اجنبی عورت اور اجنبی عورت اجنبی مرد سے باتیں کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں آیا یہ لوگ آیات قرآنی کی صریحاً مخالفت کرتے ہوئے بھی خود کو مسلمان کہلوانے کا استحقاق رکھتے ہیں؟ ہمارے اس موجودہ معاشرے میں کوئی کسی پر حاکم نہیں خدا نے بھی حکم دینے کے بعد لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑا ہے۔ سنت کا نفاذ کرنے والی انتظامیہ بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہر وہ مسلمان جو خود کو مسلمان کہتا ہے

اور مرنے کے بعد خدا کے حضور حاضر ہونے کا عقیدہ بھی رکھتا ہے وہ ان رسومات میں شرکت کے بعد ان آیات کریمہ کی مخالفت میں کیا جواب لائیں گے۔ شادی کی تقریبات موجودہ صورت میں حرام ہیں۔ دعوت میں جانا ایک عمل مستحب ہے لیکن ایسی تقریبات میں جانا نص قرآنی کے تحت حرام ہے اور فعل حرام انجام دے کر خدا سے قرب حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ لہو و لعب

ہر ایک کھیل کو لعب کہتے ہیں۔ لعب دراصل لہو ہی کی ایک قسم ہے۔ ہر وہ چیز یا ہر وہ کام کہ جس میں سرگرم و مشغول ہو کر انسان دین و شریعت کی بنیادی چیزوں اور بالخصوص اپنے خالق و مالک اور محسن حقیقی سے دور اور روگردان ہو جائے لہو کہلاتی ہے لہذا ہر وہ چیز اور کام جو عقل و شرع کے لحاظ سے بے مقصد و بے ثمر ہو اور جسکی قرآن اور سنت و سیرت معصومینؑ میں کوئی اہمیت بیان نہ کی گئی ہو لہو کہلاتی ہے۔ لہو و لعب میں دلچسپی لینے والے حضرات عموماً ایک جملے کی تکرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ انھوں نے آخر وقت بھی تو گزارنا ہے۔ لہو و لعب کے جواز میں اس بے وزن بات کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی دلیل و منطق نہیں لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ لوگ محض وقت گزارنے کے نام پر جو کام انجام دیتے ہیں انھیں لہو کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے چند مصداق ہیں:

۱۔ لہو و لعب وہ افعال ہیں جو جسم و روح کو آخرت میں کوئی فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ہی دنیا میں یہ افعال سامعین و ناظرین اور دین کے لئے منفعت بخش ہیں۔ لہذا عقل کی رو سے ایسے افعال کا کوئی فائدہ نہیں گرچہ اس کے فروغ دینے والے اس کے لئے بہت سے فوائد ہی کیوں نہ بیان کریں۔ مثلاً کرکٹ یا کھبال وغیرہ کے کھلاڑی ان لوگوں کے کہنے پر کھیل میں حصہ لیتے ہیں جن کے ایک تو مالی مفادات ان کی شرکت سے وابستہ ہوتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ عوام کو اس طرف مصروف رکھ کر قرآن و سنت سے دور کرنے کے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ کہیں یہ نور ہدایت اور علم و حکمت سے آگاہ ہو کر ان کا محاسبہ نہ کرنے لگیں۔ لہذا اس طرح کے کھیلوں میں شرکت کرنے والے کھلاڑی اور سامعین و ناظرین نہ تو اپنی

مرضی اور پسند سے یہ کام کرتے ہیں اور نہ ہی خدا و رسولؐ اور آئمہ اطہارؑ کے احکامات کی بجا آوری میں۔ جسکے نتیجہ میں یہ لوگ رضائے خدا اور رضائے معصومینؑ سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ہر وہ چیز جو انسان کو خدا سے روگردان کرے اسے قرآن کریم اور روایات میں لہو لعب کہا گیا ہے۔ لہو لعب کی مذمت کی اصل وجہ اور مرکزی نقطہ یہ ہے کہ یہ انسان کو خدا سے دور کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی کثیر آیات میں اس فعل کی مذمت کی گئی ہے لہو لعب کی مذمت کی وجوہات:

ہر وہ فعل جو عبث و بے کار ہو اور جس کا عقل و شرح کے لحاظ سے کوئی معقول فائدہ نہ ہو انسان کو اس سے دور رہنا چاہئے:

﴿لَوْلَوْ دَنَا آن تَخْلِفُهُمْ وَلَا تَخْلِفُهُمْ لَدَنَا آن كَمَا فَعَلْتُمْ﴾ ”اگر ہم کھیل کا ارادہ کرتے تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہوتے (تمہیں خلق کرنے کی کیا ضرورت تھی)“ (انبیاء/۱۷) ”مگر یہ کان لگا کر سن لیتے ہیں اور پھر کھیل تماشے میں لگ جاتے ہیں۔“ (انبیاء/۲) ﴿رَجَالٌ لَا تُلَهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاقَامِ الصَّلٰوةَ وَآتَا زَكٰوةَ یُحَاقِقُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ ”ایسے جنہیں تجارت و خرید و فروخت ذکر خدا اور قیام نماز اور ادائیگی زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے وہ اس دن سے خوف کھاتے ہیں جس میں قلب و نظر متقلب ہو جاتے ہیں“ (نور/۳۷)

۲۔ دنیا کو خداوند علم نے لہو و لعب قرار دیا ہے لہذا اگر انسان اس دنیا سے وابستگی میں مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس نے خدا سے روگردانی کی:

﴿اَتَعْمَلُ الْحَیْوةَ الدُّنْیَا لَعِبٍ وَلَهْوٍ وَّ اَنْ تَقُوْا فِیْ تَحْرِیْمِ الْحَرَامِ وَلَا یَسْطَلْکُمْ اَمْوَالُکُمْ﴾ ”بے شک یہ دنیاوی زندگی تو بے کھیل اور فضول ہے اور اگر تم ایمان لے آؤ اور اور تھوڑی اختیار کرو تو اللہ تمہارا اجر تمہیں دے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا۔“ (محمدؐ/۳۶) ﴿اعْلَمُوْا اَنَّ الْحَیْوةَ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِیْنَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْصَبَ

الكفار نباته ثم يهيج قناره مصفراً ثم يكون حطاً ما وقى الآخرة من الله ورضوان وما الحية
النفية الامناع الغرور ﴿﴾ ”جان رکھو! دنیاوی زندگی کھیل، بیہودگی، آرائش، آپس
میں فخر کرنا اور اموال و اولاد کی کثرت کا مقابلہ ہے اور بس جیسے کوئی بارش ہو جس کی قوت نامیہ
کسان کو خوش کر دے اور اس کے بعد وہ کھیتی خشک ہو جائے اور پھر تم اسے زرد دیکھو اور آخر میں وہ
ریزہ ریزہ ہو جائے اور آخرت میں شدید عذاب بھی ہے اور مغفرت اور رضائے الہی بھی ہے اور
زندگانی دنیا تو بس ایک دھوکہ کا سرمایہ ہے اور کچھ نہیں ہے“ (حدید/۲۰) ﴿﴾ وما هذه الحية
النفية الا لهو ولعب وان دلو الاخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون ﴿﴾ ”اور زندگانی دنیا ایک کھیل
تماشے کے سوا کچھ نہیں ہے اور آخرت کا گھر ہمیشہ کی زندگی کا مرکز ہے اگر یہ لوگ کچھ جانتے اور
سمجھتے ہوں“ (عنکبوت/۶۳) ﴿﴾ ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم
ويضلها جزواؤك لهم عذاب مهين ﴿﴾ ”لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو مہمل باتوں کو خریدتا ہے
تا کہ ان کے ذریعہ بغیر سمجھے ہو جھے لوگوں کو راہ خدا سے گمراہ کرے اور آیات الہیہ کا مذاق اڑائے
درحقیقت ایسے ہی لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے“ (لقمان/۶) ﴿﴾ وذو النین اتخذا دینہم
لعباً ولہواً وغرتہم الحیوة النفیة ﴿﴾ ”ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا
ہے اور انہیں زندگانی دنیا نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے“ (انعام/۷۰) ﴿﴾ الذین اتخفا دینہم
لہواً ولعباً وغرتہم الحیوة النفیة اقل الیوم نعتنہم کما نعتسوا لقاء یومہم
ہنا وما کاوا یبتلیا یحسدون ﴿﴾ ”جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا اور انہیں زندگانی
دنیا نے دھوکہ دے دیا تھا تو آج ہم انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے آج کے
دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیات کا دیدہ و دانستہ انکار کر رہے تھے۔“ (اعراف/۵۱)
﴿﴾ واذا لواوا تجارة اولہو اتفضوا الیہا وترکوا قائل ما عند اللہ خیر من اللہو ومن التجارة واللہ
خیر الرزقین ﴿﴾ ”اور اے پیغمبر! یہ لوگ جب تجارت یا لہو لعب کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ

پڑتے ہیں اور آپ کو تنہا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ خدا کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کھیل اور تجارت سے بہر حال بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔“ (جمہ/۱۱) ﴿الْفُكْمُ الشَّكَاوَةُ﴾ ”تمہیں باہمی مقابلہ کثرت مال و اولاد نے غافل بنا دیا ہے“ (مکاشفہ/۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

﴿عِبَادَ اللَّهِ عَيْنَ الْغَيْنِ عَمُّوهُمُ اقْتَعَمُوا وَعَلِمُوا قَفَّهَمُوا، وَانْظُرُوا قَلْبَهُمْ﴾ ”کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں عمریں دے گئیں تو خوب مزے اڑائے“ (نہج البلاغہ خ ۸۳ ص ۱۴۷ ترجمہ جوادی) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ قَمَا خَلَقَ أَمْوَالَكُمْ﴾ ”لو کہ اللہ سے ڈرو۔ اس نے کسی کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے کہ کھیل کود میں لگ جائے اور نہ آزاد چھوڑ دیا ہے کہ لغویتیں کرے“ (نہج البلاغہ ق ۳۷۰ ص ۶۱ ترجمہ جوادی) ﴿عَبَّالَايِنِ النَّابِغَةِ لِيَزْعِمَ لَاهِلُ الشَّامِ أَنَّ قِيَّ دَعَابَةٍ وَاقِيَّ أَمْوَالِهِمْ﴾ ”تعجب ہے نابغہ کے بیٹے سے کہ یہ اہل شام سے بیان کرتا ہے کہ میرے مزاج میں مزاح پایا جاتا ہے اور میں کوئی کھیل تماشا والا انسان ہوں اور ہنسی مذاق میں لگا رہتا ہوں“ (نہج البلاغہ خطبہ ۸۴ ص ۱۴۷ ترجمہ جوادی) ﴿وَلَمْ يَرْسَلِ الْإِنْبِيَاءَ لَعِبَاءَ وَلَمْ يَنْزِلِ الْكِتَابُ لِلْعِبَادِ عَبَثًا﴾ ”اس نے نہ انبیاء کو کھیل کود کیلئے بھیجا ہے اور نہ کتاب کو عبث نازل کیا ہے“ (نہج البلاغہ ق نمبر ۸ ص ۶۵۳ سطر ۶ ترجمہ جوادی)

ان روایات کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی سینکڑوں روایات میں ابو ولعب کی مذمت وارد ہوئی ہے اب دانش وران ملت اور قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ وہ شادی بیاہ اور دیگر بہت سی تقریبات میں دف، ڈھول، ناچ گانا اور مزاحیہ حرکات و سکنات کا جو بے ہودہ مظاہرہ کرتے ہیں یا کھیل سیر و تفریح اور اسی طرح کے اور بہت سے مقامات پر ابو ولعب کا جو مظاہرہ ہوتا ہے اس سے نوجوانان ملت کے اذہان پر منفی اور برے اثرات مرتب ہونے کے ساتھ قیمتی وقت اور مال دولت کا ضیاع اور خدا و رسول کے احکامات و تعلیمات کو

صریحاً پس پشت ڈالا جاتا ہے۔ ایسے افعال انجام دینے والے اپنے اس عمل سے کہیں یہ ثابت تو نہیں کر رہے کہ وہ مسلمان یا مومن کہلانے کے باوجود خداوند متعال، اس کے رسول پاکؐ اور ان کے پسندیدہ و منتخب نمائندوں کے احکامات و فرمودات کو چیلنج کر کے یہ کہہ رہے ہیں کہ ”آپؐ نے جو جو حکم فرمایا تھا، ہم اس میں سے کسی کو بھی نہیں مانیں گے۔“

محافل و اجتماعات اسلامی روح کے مطابق ہونے چاہیے

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا

”بدترین کھانا اس شادی کا کھانا ہے کہ جس میں اغنیاء کو دعوت دی جائے اور مساکین کو بھلا دیا جائے۔“ ”شادی میں پہلے دن دعوت کرنا حق ہے اور دعوت ہونی چاہئے دوسرے دن دعوت معروف ہے لیکن تیسرے دن دعوت کرنا ریا اور دکھلاوا ہے۔“

پیغمبر اکرمؐ سے وارد روایتوں کے تحت محفل عقد و ازدواج کو سنت رسول بتایا ہے۔ یہ محفل عبادت ہے اور موردِ پسند خدا اور رسول ہے۔ یقیناً قول خدا و رسول میں شک یا تردد کی گنجائش نہیں ہے لیکن ہماری رائج رسومات میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ مقام نزولِ رحمت بن سکیں۔ چندین لحاظ سے یہ رسومات ایک طویل عرصہ سے خدا اور اسکے رسول اور آئمہ طاہرین کے ارشادات و فرمودات اور ہدایت کی روشنی میں تشکیل پانے کی بجائے بالکل انکے احکامات کے خلاف انجام پا رہی ہیں تو جس مجلس میں خدا اور اس کے رسول کے احکامات کو پامال کیا جاتا ہو یقیناً اس میں قہر و غضب خدا ہو گا نہ کہ لطف و عنایت خدا۔ البتہ خداوند متعال اپنے غضب کے نزول میں جلدی نہیں فرماتے کہ شاید ہم باز آجائیں۔ ہمارے پورے معاشرے میں اور ہمارے اس علاقے میں شریعت اسلام کے خلاف ایک نبرد آزمائی اور اعلانیہ جنگ کی تقریبات ہوں تو خوشی و مسرت اور اہتمام کے ساتھ تشکیل دی جاتی ہیں اور کثیر مال و دولت کا ضیاع کیا جاتا ہے جو امانت خدا ہے۔ اس امانت خدا کو فعل حرام پر خرچ کیا جاتا ہے۔ ہم آپ حضرات کی خدمت میں ان کی نشاندہی کریں گے جو آپ لوگوں سے ڈھکی چھپی نہیں۔ ایک شخص خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو قرآن پر ایمان رکھتا ہو اور اس کی تلاوت کی بدولت

نجات کی امید رکھتا ہوں۔ اور آئمہ طاہرینؑ کو اپنی زندگی کیلئے نمونہ عمل اور مشعل راہ سمجھتا ہوا سکے باوجود جو کچھ ان تقریبات میں انجام دیتا ہے اسے ہم قارئین کی نظر کرتے ہیں اور فیصلہ انہی پر چھوڑتے ہیں کہ خدا اور رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے یا شیطان مردود کی خوشی کا باعث بن رہا ہے۔

۱۔ ہم میں سے بہت سے لوگ خصوصاً جو مال و دولت رکھتے ہیں صاحب حیثیت ہیں انکی تقریبات گانے بجانے اور ڈھول ڈھمکے سے شروع اور اختتام پزیر ہوتی ہیں جسکی حرمت قرآن کریم کی کثیر آیات سے ثابت ہے۔

۲۔ اس تقریب میں کھانے کیلئے دعوت پر مدعو مہمانوں یا وہاں آئے ہوئے کسی بھی فرد کو قصد قربت یا رضا ئے الہی کی خاطر دعوت نہیں دی جاتی۔ بلکہ جن کو دعوت دی جاتی ہے وہ یا تو ان کے عزیز و اقارب ہوتے ہے جنہیں نہ بلانے میں ان کی طرف سے شکایت کئے جانے کا خدشہ رہتا ہے یا وہ افراد جو علاقہ کے بزرگ ہیں ان کی شرکت کو محفل کی زینت سمجھا جاتا ہے یا وہ افراد ہوتے ہے جن سے آئندہ امید کی توقع وابستہ کی جاتی ہیں یا وہ افراد ہوتے جن کی محفل میں پہلے شرکت کی جا چکی ہوتی ہے۔

اگر اس میں شریک نہیں ہوتے تو بھوکے، غریب، مسکین و نادار اور شریف انسان شامل نہیں ہوتے۔ لہذا وہ دسترخوان جس میں غذا کے محتاج مند انسان کو دعوت نہ دی گئی ہو اور امیر کبیر شخصیات کو دعوت دی گئی ہو تو ایسی محفل و دسترخوان پر بیٹھنے پر مولائے متعینان حضرت علیؑ نے اپنے نمائندے عثمان ابن حنیف جو کہ بصرہ میں مولا کی طرف سے والی تعینات تھے کو ایک طویل خط اسی عمل کی مذمت میں تحریر فرمایا اور اس میں انہیں مورد عتاب بنایا نہج بلاغہ مکتوب نمبر ۴۵، ترجمہ جواد، صفحہ نمبر ۵۵۷۔

۳۔ قرآن کریم کی کثیر آیات میں اسراف و تبذیر سے منع کیا گیا ہے اور اسراف و تبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے آپ سب جانتے ہماری شادی کی تقریبات کس قدر اسراف سے بھری ہوئی ہے۔ اس قدر اسراف کے ساتھ ہم کس طرح رحمت خدا کے امیدوار قرار پائیں گے۔ یقیناً آیات کی روشنی میں یہ محفل شیطانی ہے نہ کہ محفل مومنین۔

۴۔ رسم ازدواجی انسان کی زندگی میں مکان، زیور، زرو جواہر، لباس فاخرہ اور کھانے پینے سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ انسانی زندگی کی ضروریات کو خدا نے سب کے لئے سہل الحصول رکھا ہے۔ بطور مثال پانی دیگر نعمتوں کے مقابلہ میں کس قدر فراواں ہے، آکسیجن کتنی فراوانی سے میسر ہے۔ اسی وجہ سے آدم صفی اللہ اور مادر گرامی حوا کی شادی کتنی سادگی میں ہوئی کہ ابھی خداوند عالم نے حضرت آدم کو زمین پر نہیں بھیجا تھا لیکن اماں حوا سے پہلے شادی ہوئی۔ اسی طرح کسی نبی کی شادی کے پر رونق ہونے کی تاریخ نہیں ملتی۔ پیغمبر اکرمؐ اور حضرت خدیجہ کبریٰ (سلام اللہ علیہا) کی شادی ہوئی کوئی بتا سکتا ہے کس تاریخ کو ہوئی۔ اور اس شادی مبارک کی شان و شوکت پر کتنا خرچ ہوا؟ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی کی تقریب دیکھیں۔ جناب زہراؑ جب علیؑ کے گھر میں داخل ہوئیں تو انکے ہمراہ کتنے لوگ تھے جو دلہا دلہن کے گھر پر رہے اور کتنے لوگوں کے طعام کا بندوبست کیا گیا۔ امام زمانہؑ کے علاوہ گیارہ اماموں میں سے کسی ایک امام کی شادی کے متعلق تمام دانشور اور علماء حضرات کو چیلنج دیکر کہتا ہوں کہ کسی ایک امام کی شادی کی تاریخ اور تقریبات کے متعلق بتائیں امام حسینؑ اور امام حسنؑ کی چند بیویاں ہیں ان میں سے کسی ایک بیوی کیساتھ امام کی شادی کی تاریخ بتائیں۔ طول تاریخ میں کہیں نہیں ملتا کہ انکی فلاں دن اور فلاں تاریخ کو شادی ہوئی۔ جبکہ ہم یہاں کربلا کے خونی سانحہ کی یاد مناتے ہوئے بھی (جبکہ کربلا میں وہ خاک و خون میں غلطاں تھے) انکی شادیوں کی رسم بڑی شان و شوکت اور آب و تاب کے ساتھ لوگوں کے درمیان پیش کر رہے ہوتے ہیں خدا را اپنے اوپر رحم کریں اور دشمن کو اپنے خلاف منہ کھولنے کا موقع نہ دیں کہ وہ آپکے عیوب پر انگشت نمائی کریں۔ غرض اس شان و شوکت و اہتمام کی رسم و رواج میں ملت کے بہت سے بیٹے اور بیٹیاں اس ضرورت انسانی سے آج محروم ہیں اور یہ ارمان لیکر مرتے ہیں کہ کاش انکی شادی بھی ہو جاتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ نے اس رسم و رواج کے اخراجات کو کتنا بڑھا دیا ہے کہ انسان کے تحمل و برداشت سے باہر ہے یا اتنا جہیز بنایا کہ لوگ اس گھرانے کی لڑکی سے رشتہ باندھنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس سے معاشرے اور مذہب کو نقصان ہوا کیونکہ شادی کی سخت شرائط کی

وجہ سے لوگ شادی کرنے پر قادر نہیں رہے جسکی وجہ سے معاشرے میں بے پردگی، فحاشی اور زنا کو فروغ ملتا ہے۔

۵۔ رحمت خدا کا نزول وہاں ہوتا ہے جہاں تواضع و انکساری ہو۔ ہمارے ہاں دلہا دلہن اپنے لئے اس موقع پر اتنے امتیازات اور برتری کے طالب ہیں کہ وہ خود نمائی اور ممتاز نظر آنے میں گم ہو جاتے ہیں جبکہ جو خود کو بڑائی اور برتری کی طرف لے جائے گا اس نے اسوۂ آدم صلی اللہ اور اسوۂ بندگان صالح کو نمونہ عمل نہیں بنایا۔ وہ خدا جس نے ایک اجنبی لڑکے اور لڑکی میں اتنی محبت و الفت پیدا کی بجائے اس ذات کے سامنے گر کر سجدہ شکر بجالائیں انکے دلوں میں تکبر کی لمبی فہرست ہوتی ہے۔ کہ میرے لئے اتنے جوڑے کپڑے، سونے کی چوڑیاں، انگوٹھیاں، ہار، وغیرہ ہونے چاہئیں۔ آخر میں فلاں کی بیٹی ہوں محلے کی تمام عورتوں میں ممتاز نظر آؤں لوگوں کے درمیان مجھے قابل رشک و تعریف قرار پانا چاہیے یہ سیرت ابلیسی ہے۔ ایسی عورت پر رحمت خدا نہیں بلکہ غضب خدا ہوگا۔

۶۔ اس ملک میں ہم سب مسلمان ہیں چاہے شیعہ ہو یا اہل سنت یا کوئی اور نام ہو لیکن ایمان بہ خدا و نبوت ختم الانبیاء، کعبہ کے قبلہ ہونے، قرآن ہمارے دین و دنیا کا دستور ہونے کے معتقد ہونے کے باوجود اس دور کے طول و عرض میں ہر قسم کے جرائم برائی، فحاشی وغیرہ کو جو فروغ حاصل ہو رہا ہے اس کا سبب اصلی تنہا ہمارے اندر عادی رسومات نہیں بلکہ ہماری مذہبی رسومات بھی ہیں جنکے اندر باطل و خرافات نے جگہ بنائی ہے۔

قارئین کرام! المیہ یہ ہے کہ اگر بازار و مارکیٹ میں تمام دکانداروں کی چابیاں کھو جائیں اور ایک تالا کھولنے والا آجائے تو سب کے تالے کھل جاتے ہیں اسی طرح اگر علاقہ میں ایک پڑھا لکھا شخص آجائے تو ہزاروں انسانوں کے دلوں پر لگے قفل کھل جائیں گے لوگ بیدار ہو جائیں گے ہر شخص معاشرے کا مصلح بن جائے گا لیکن بد قسمتی سے ہمارے علاقہ میں جتنا بھی پڑھا لکھا شخص آجائے خود اسکے دل پر اس سے زیادہ محکم تالا لگ جاتا ہے اگر ان پڑھ کی اصلاح ممکن ہو تو پڑھے لکھوں کی اصلاح ناممکن ہوتی ہے۔ یہ اپنی دنیوی زندگی میں

ترقی اور تمدن کے ساتھ جیتے ہیں اور اس میں مقابلہ کرتے ہیں۔ گھر بناتے ہیں، گاڑی لیتے ہیں، لباس زیب تن کرتے ہیں دوسروں پر سبقت لینے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے دین کو سو سال قبل گدھا گاڑی پر سوار کرتے ہیں کو یا یہ دین کے فروغ اور اس کے نفاذ کو دیکھنا نہیں چاہتے۔

اگر ہمارے معاشرے کے پڑھے لکھے بالخصوص دین و مکتب کا مطالعہ رکھنے والے دین کوئی تحقیقات پر چلاتے تو ہم آج یہ برائیاں مثلاً قتل و غارت گری فتنہ و فساد نہ دیکھتے۔ ان رسومات کا اس معاشرے سے خاتمہ کسی واعظ کے وعظ سے اور کسی خطیب کے شعلہ بیانی سے نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی حکومتی انتظامیہ سے بلکہ ان رسومات باطلہ کو ختم کرنے کیلئے چند صاحب حیثیت افراد اپنی حیثیت کی پرواہ کئے بغیر اسلام و مسلمین اور معاشرے کی سربلندی کے خاطر اکسار اور تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے سے کم حیثیت لوگوں کی سطح پر آئیں اور لوگوں کی چے میگوئیوں اور باتوں پر توجہ نہ دیں۔

۴۔ اسراف و تبذیر

تبذیر بذر سے ہے بذر کا معنی بیج کو زمین میں پھینکنا ہے یعنی ظاہری طور پر اس نے بیج کو ضائع کیا ہے وہ انسان جو اس کے فوائد سے آشنا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ بیج کو پھینکنا ضیاع ہے اور ضیاع خلاف عقل و شرع ہے اس وجہ سے علماء اس مال کو جس کا فائدہ مالک کو نہ ہو اسے تبذیر کہتے ہیں تبذیر کرنے والے اسراف کے ہم پلہ ہیں اور قرآن میں ایسا کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے:

﴿وَلَا تَبْذُرُوا ثَمَارَ الْمَبْرُورِ كَمَا تَوَآخِوْنَ السَّيِّطِينَ﴾ ”اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔ فضول خرچی

کرنے والے یقیناً شیاطین کے بھائی ہیں“

(اسراء/۲۶/۲۷)

اسراف مادہ صرف سے ہے صرف کسی چیز کا اسکی حدود سے نکلنے کو یا اسکی حدود سے نکال کر کوئی فعل انجام دینے کو صرف کہتے ہیں شریعت میں علماء نے ہر وہ فعل جس میں خدا کی رضا مت نہ ہو یا منع کیا ہو اس میں خرچ ہونے والی توانائی کو اسراف قرار دیا ہے اسراف کے بہت سے مصداق ہیں۔

۱۔ انفاق مالی قرآن میں کثیر آیات میں انفاق میں اسراف کرنے سے منع کیا ہے۔

﴿وَلَا تَسْرِقُوا اَنْفُسَكُمْ لَا يَحِبُّ الْمَسْرِقِينَ﴾ ”اور خبردار اسراف نہ کرنا کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا“ (انعام/۱۴۱) ﴿وَالْفٰحِشَیْنَ اِذَا تَفَقَّوْا لَمْ یَسْرِقُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ ”اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان اوسط درجہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں“ (فرقان/۶۷)

۲۔ اسراف کرنے والے اہل جہنم ہیں:

﴿وَإِنَّ الْمَسْرِقِیْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ﴾ ”اور اسراف کرنے والے ہی اصل جہنمی ہیں“ (غافر/۴۳)

۳۔ اسراف کرنے والے ہدایت خدا سے محروم ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذٰبٌ﴾ ”اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا“ (غافر/۲۸)

امیر المومنین نے فرمایا:

﴿وَإِنْ اَعْطَاءَ الْعَمَالُ قِیَ غَیْرِ حَقِّهِ تَبَذَّلَ وَاسْرَافَ﴾ ”یا درکھو کہ مال کا ناحق عطا کر دینا بھی اسراف اور فضول خرچی میں شمار ہوتا ہے“ (نہج البلاغہ/۲۶ ص ۲۴۷) ﴿كُنْ سَمِيحًا وَلَا تَكُنْ مُبْذِرًا، وَكُنْ مُقَدِّرًا وَلَا تَكُنْ مُفْتِرًا﴾ ”سخاوت کرو لیکن فضول خرچی نہ کرو اور کفایت شعاری اختیار کرو لیکن بخیل مت بنو۔ (نہج البلاغہ، ق/۳۳)

ہم سب جانتے ہیں کہ ہماری رسومات ازدواجی میں وقت کے ساتھ ملک کی ایک بڑی توانائی بجلی اور کھانوں کا کثیر ضیاع ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے خلاف بولنے والا کوئی نہیں اور جن افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں وہ بے پردہ خواتین کے درمیان سے خود حجاب میں ہوتے ہوئے گزرتے ہیں اور دلہن سے عقد نکاح کی وکالت لے کر نکاح کا اجراء کرنے کے بعد اپنی فیس جیب میں ڈالتے ہوئے خاموشی سے نکل جاتے ہیں۔ ان کے اس فعل سے وہاں موجود افراد یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اس

میں از روئے شریعت کوئی کراہت نہیں ہے۔ ہم سب مولا امیر المومنینؑ کے دوستدار اور شیدا ہیں ان سے محبت اور دوستی کو دین و دنیا کیلئے افتخار گردانتے ہیں اپنی خلافت کے دور میں مولا نے اپنے ایک خاص صحابی جنکا نام عثمان ابن حنیف انصاری ہے کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا جب وہ وہاں پہنچے تو ایک شادی میں شرکت کی جب یہ خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے انکے نام ایک خط لکھا جو علامہ ذیشان حیدر جوادی کے ترجمہ شدہ نہج البلاغہ ص ۵۵۷ پر موجود ہے۔

(اپنے بصرہ کے عامل عثمان بن حنیف کے نام جب آپ کو اطلاع ملی کہ وہ ایک بڑی دعوت میں شریک ہوئے ہیں)

﴿امام ابی عبد اللہ بن حنیف، عقل علی غنی ان رجلاً من فنیة اهل البصرة دعاک الی ما ذیة فاسرعت الیہا تستطاب لک الالوان موتنقل الیک الحفان. وما ظننت انک تحیب الی طعام قوم، عائلہم محفوف، وغیہم مدعو. فانظر الی ما تقضہ من هذا المقض، فما شنبہ علیک علمہ فاقظہ ما یقت بطیب وجوہہ قتل منہ﴾ ”اما بعد۔ ابن حنیف! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بصرہ کے بعض جوانوں نے تم کو ایک دعوت میں مدعو کیا تھا جس میں طرح طرح کے خوشگوار کھانے تھے اور تمہاری طرف بڑے بڑے پیالے بڑھائے جا رہے تھے اور تم تیزی سے وہاں پہنچ گئے تھے۔ مجھے تو یہ گمان بھی نہیں تھا کہ تم ایسی قوم کی دعوت میں شرکت کرو گے جس میں غریبوں پر ظلم ہو رہا ہو اور جس میں دولت مند مدعو کیے جاتے ہوں۔ دیکھو جو لقمے چباتے ہو اسے دیکھ لیا کرو اور اگر اس کی حقیقت مشتبہ ہو تو اسے پھینک دیا کرو اور جس کے بارے میں یقین ہو کہ پاکیزہ ہے اسی کو استعمال کرو۔“

یاد رکھو کہ ہر ماموم کا ایک امام ہوتا ہے جس کی وہ اقتداء کرتا ہے اور اسی کے نور علم سے کسب ضیاء کرتا ہے اور تمہارے امام نے تو اس دنیا میں صرف دو بوسیدہ کپڑوں کے جوڑوں پر گزارا کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے ہو لیکن کم سے کم اپنی احتیاط، کوشش، عفت اور سلامت روی سے میری مدد کرو۔

۵۔ رشتہ داروں اور دوست احباب کی شرکت

ہمارے علماء اعلام اور دانشوران ملت جو خود کو پابند دین و شریعت سمجھتے ہیں اور ہیں بھی انہی ہی کی فکر، قلم و بیان سے دانستہ یا غیر دانستہ دین و شریعت میں انحراف اور تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان ذوات گرامی کا قول و فعل اور خاموشی مثل انبیاء و آئمہ عام لوگوں کیلئے حجت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب یہ علماء و دانشوران حضرات دیگر امور طبعی کی مانند اپنے اندر توازن کھو بیٹھتے ہیں تو جو کچھ دین و شریعت ان کے پاس ہے اس میں بھی توازن کا فقدان پیدا ہو جاتا ہے۔ بطور مثال بعض علماء نے اسراف و تبذیر جو بحکم قرآن و سنت بغیر کسی کم و کاست اور قید و شرط کے حرام ہے۔ اسکو بعض مواقع تک محدود کیا ہے اور بعض چیزوں کو اسکی حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جیسے شادی یا دوسری تقریبات میں چراغاں کرنے کو اس حکم سے نکالا جاتا ہے اور کہتے ہیں اس میں کوئی اسراف نہیں لیکن اس بات کا احساس تو اس بیچارے کو ہی ہوتا ہے جو اس کا بل ادا کرتا ہے۔ اسی طرح بعض حضرات خوشبو میں زیادتی کو اسراف سے مستثنیٰ گردانتے ہیں۔ بطور مثال عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ عادل بنی امیہ جو کھانے میں تو دال کا شور بہ استعمال کرتے تھے لیکن عطر کے حوض میں نہاتے تھے۔ اسی طرح ہمارے ہاں شادیوں میں جو وقت کا ضیاع ہوتا ہے اسے اسراف نہیں سمجھا جاتا علماء و دانشور حضرات ان تقریبات میں گھنٹوں بے ہودہ و بے سود مسائل پر کول میز کانفرنس کرتے ہیں۔ غرض اسراف و تبذیر صرف کھانے یا پیہ خرچ کرنے تک محدود نہیں بلکہ قوت و توانائی کا بے جا استعمال بھی اسراف کے زمرے میں آتا ہے۔ ہم اپنے قارئین کی سماعت شریف کو ایک اور حقیقت کی طرف مبذول کرواتے ہیں جسکی طرف شاید وہ متوجہ ہوں وہ شادی کی تقریب کیلئے دوست احباب اور رشتہ داروں کا دور دراز علاقوں یا بیروں ملک سے شرکت کیلئے آنا ہے۔ ان کے اس عمل سے شادی کی تقریب منعقد کرنے والوں کو کچھ خاص فائدہ نہیں ہوتا جبکہ اسکے بالمقابل شرکت کرنے والوں کو شیر مال اور ذہنی و جسمانی صوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں بطور مثال اگر کوئی کراچی سے راولپنڈی یا کوئٹہ سے بلتستان شادی میں شرکت کیلئے جاتا ہے تو اگر ہم ایک متوسط طبقہ کے خاندان کا خرچ لگائیں تو یہ دس سے پندرہ ہزار بنتا ہے۔ اتنی رقم خرچ کر کے یہ لوگ وہاں شادی میں ایک جوڑا

یا دو ہزار روپے دیں گئے۔ لیکن یہ چار پانچ ہزار کی رقم دینے کیلئے پندرہ ہزار خرچ کرنا اور ساتھ سفری صعوبتیں برداشت کرنا کس کھاتے میں جائے گا؟ شادی منعقد کرنے والے تو چند دن اسے یاد رکھیں گئے لیکن ان کے نامیہ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جائے گا کیونکہ بادل خواستہ اور عالم کراہت و ملامت کی حالت میں شرکت کرنا درگاہ خدا میں قبول نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یورپ یا کسی مغربی ملک سے آئے تو اسے دو تین لاکھ خرچ کرنا پڑیں گئے لیکن اگر وہ وہاں ہی سے شادی کی تقریب منعقد کرنے والوں کو بیس پچیس ہزار بھیجیں تو یہ رقم انکے لئے مثل قمیض یوسف کی مانند ہوگی جس سے حضرت یعقوبؑ کی بیٹائی واپس آئی۔ ان رسومات میں اس حد تک جسمانی، اقتصادی اور فکری صعوبتیں برداشت کر کے شرکت کرنے کی کسی بھی حوالے سے نہ تو کوئی عقلی سند ملتی ہے اور نہ ہی کوئی شرعی سند قرآن و سنت اور سیرت معصومین میں ملتی ہے۔ کیونکہ تاریخ میں ایسی تقریبات کسی امام یا کسی امام زادہ کے لئے انجام پذیر نہیں ہوئی ہیں۔ اگر کوئی ثابت کرے تو میں اپنی غلطی کو خط درشت میں تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اسے انعام بھی دوں گا۔ ہاں اگر اشتباہ نہ کروں تو اس کا نمونہ ایک اور جگہ ملتا ہے۔ ہمارے برادران تشیع ایام عزاء میں ایک خود ساختہ اور من گھڑت اور تشدد پر مبنی ایک رسم بقول انکے رسم حناء قاسم بن حسن مناتے ہیں۔ اگر چہ ان دو ماہ میں کوئی اور اگر شادی منعقد کرے تو یہ تشدد پراثر آتے ہیں۔ لیکن خود اس رسم کو عین مصیبت کے دنوں میں انتہائی اہتمام کے ساتھ انجام دیتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ شریعت میں حرام کی ہوئی چیزوں کو بلا تاہل داخل کرتے ہیں جیسے دف، ڈھول اور مخلوط اجتماع۔ اسکے ساتھ خوشی مسرت، شوق و ذوق سب اس میں شامل ہوتا ہے لیکن ایک فرق کے ساتھ وہ یہ کہ شادی میں لباس سرخ یا شوخ ہوتا ہے لیکن یہاں کالا لباس زیب تن کرتے ہیں۔

حقوق زوجین

دین اسلام جسکے آئین کا مصدر و ماخذ قرآن و سنت ہیں۔ حقوق زوجین جو عقد و نکاح یا رخصتی کے بعد مرد و عورت پر عائد ہو جاتے ہیں۔ عورت کی تمام ضروریات زندگی (بود و باش، کھانے پینے) کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے۔ سورہ نساء آیت ۳۴ میں مرد کی انھی ذمہ داریوں کی وجہ سے ذکر ہے ”مرد عورتوں پر قوام

ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اس آیت میں ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اس کلمہ قوام سے دشمنان اسلام نے عورتوں پر مردوں کی حکمرانی کا معنی لے کر اسلام کے خلاف اپنی مہم جوئی کا خوب ڈھنڈورا پیٹا ہے۔ ان کے ساتھ خود مسلمانوں میں بعض نے اس آیت کا یہی مفہوم سمجھ کر عورتوں پر مردوں کی فضیلت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ دونوں گروہوں نے کلمہ قوام کو اس کے اصل مصدر و ماخذ سے نہیں سمجھا۔ قوام قائم کا صیغہ مبالغہ ہے۔ قائم اشی یعنی پاسداری و نگرانی ہے۔ سورہ نساء آیت ۳۴ میں عورت کی تمام ضروریات زندگی کو شوہر پر عائد کیا ہے: ”مرد عورتوں کے نگہبان ہیں اس بنا پر اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہ کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں“۔ لہذا یہ قائدہ معروف ہے کہ جو نقصان اٹھاتا ہے اگر کوئی فائدہ ملے تو اسے ہی ملے گا۔ عورتوں کی ضروریات کو چونکہ مردوں پر عائد کیا ہے لہذا انکی سرپرستی اور نگہداری بھی شوہر کے ذمہ ہونی چاہیے یعنی بیوی کی تمام سرگرمیاں شوہر کی اجازت سے ہونی چاہیں۔ عورت کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ اسے شوہر کا مطیع و فرمانبردار ہونا چاہیے۔ اگر وہ سرکشی اور نافرمانی کرے گی تو خداوند عالم نے اپنی کتاب میں اسکے لئے مکافات اور تنبیہات بیان کی ہیں۔ اسکے علاوہ عورت پر اپنی اولاد کی پرورش اور گھر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ حقوق خواتین کی علمبردار تنظیمیں خواتین کو ان قانون سے آزاد کرانے کے لئے مختلف حربے استعمال کر رہی ہیں۔ انکے پروپیگنڈے میں سرفہرست یہ نقاط ہیں۔ اسلام میں عورتوں پر مردوں کی نگرانی اور سالاری ہے۔ اور قانون ارث، دیت اور کواہی میں نصف کیوں ہے یہ ایک بہت بڑا ظلم ہے جو اسلام نے خواتین پر روا رکھا ہے۔ مغرب والے اسلام کے خلاف بہانہ تراشی اور تہمت کی مہم میں مصروف ہیں جبکہ ہمارے بعض ذمہ دار افراد نے اپنی تحریر و گفتگو سے ان کیلئے اور مواقع پیدا کیے ہیں جیسے مرد کا عورت سے افضل ہونا، عقل قوت اور جنگجو ہونا، انبیاء کا مردوں میں سے ہونا، مردوں کا عورتوں کے مقابلے میں حصہ زیادہ ہونا۔ حق طلاق، تعدد زوجات، اولاد کا مرد کی طرف منسوب ہونے جیسے مسائل تراشے ہیں۔ آیات کا مقصد مرد و عورت کے درمیان تفصیل بیان کرنا نہیں بلکہ ایک دوسرے کے درمیان تقسیم کار اور میدان عمل کا تعین کرنا ہے۔ اس تعین

کی منطق اور وجوہات میں موجود حسن ثابت ہونے کے بعد ارث، شہادت اور دیت میں نصف کے حق دار ہونے کے بارے میں وارد شہادت خود بخود دفع ہو جاتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں حقوق نسواں کی دعویدار بعض تنظیمیں، خصوصاً جو بین الاقوامی سطح پر اسلام کے خلاف سرگرم ہیں انکا ظاہری چہرہ کچھ اور ہے جبکہ پس پشت یہ کچھ اور مقاصد رکھتیں ہیں۔ یہ لوگ حقوق نسواں کی آڑ میں عورتوں خصوصاً بیویوں کے لئے ایسے، ایسے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر انکو مان لیا جائے تو بے چارے شوہر کی حیثیت گھر میں ایک چوکیدار سے زیادہ نہیں رہتی۔ اسکے برعکس عورت کو اتنی آزادی مل جاتی ہے کہ وہ بے لگام ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسی بات کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کئی پٹنگ کی طرح ہوا میں بے سہارا بھٹکتی پھرتی ہے۔ ایک طرف تو یہ حالت ہے دوسری طرف ایک گروہ ہے جو مردوں کے حقوق کی بات کرتا ہے ان کی نظر میں عورت کی حیثیت ایسی ہے جیسے ایک گڑیا اور بس۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مرد و زن دونوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق و فرائض ہیں۔ اس سلسلہ میں امیر المومنین شیخ ابلاغہ خطبہ نمبر ۶۳ اور ۲۱۶ میں فرماتے ہیں کہ سوائے خدائے بزرگ و برتر کے کوئی شخص حتیٰ انبیاء، علماء اور مجتہدین، ایسے نہیں کہ انکا کسی کے اوپر حق نہ ہو اور کسی کانکے اوپر کوئی حق نہ ہو۔

مسئلہ تفصیل مرد و عورت: مردوں کو عورتوں پر تقدیم و تفصیل کا نظریہ اسلام سے پہلے کی اقوام و ملل اور بعض منحرف و تحریف شدہ ادیان یہود و نصاریٰ کا ہے۔ اگر اس سلسلے میں کوئی آیت و روایت پیش کی جائے تو یہ علماء و فقہاء کے فہم میں نقص کی وجہ سے ہے یعنی اسے ان کا اجتہادی نقص تو کہا جاسکتا ہے لیکن اسکی بازگشت قرآن و سنت پر نہیں ہوگی۔ اس مسئلے کو فروغ دینے والے اسلام سے بے بہرہ گروہ ہیں جنہوں نے عورتوں پر مظالم ڈھائے ہیں۔

عالمی حقوق نسواں دراصل دین و مذہب کی ضد میں عورتوں کے حقوق کے بہانے سے اسلام دشمنی ہے۔ اس مسئلہ کی ایک وجہ خود عورت کی اسلام سے دوری اور مغرب پسندی ہے۔ ہمارے یہاں لڑکے اور لڑکی کے مسلمان ہونے کے علاوہ مت صرف حدیث کساء اور خطبہ نکاح پڑھنے تک محدود ہے اسکے علاوہ انکا اسلام سے

دور کا بھی واسطہ نہیں اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کے حقوق سے آگاہ ہیں۔ اسلام کی رو سے عورت کے وہی حقوق ہیں جو مرد کے ہیں۔ مرد و عورت کے درمیان معاہدہ مضبوط و پائیدار ہے اور اسے میثاق غلیظ کہا ہے۔
 ”اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے“ (نساء/۲۱) ”جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں“ (بقرہ/۲۳۲)

زوجہ کا حق شوہر پر

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”حضرت جبریلؑ نے عورت کے بارے میں مجھے اتنی سفارش کی کہ میں نے یہ سمجھا کہ عورت کو کبھی طلاق نہیں دینا چاہیے سوائے اس کے کہ وہ فحاشی کی راہ اختیار کر لے“

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”کسی شخص کا ایک لمحہ اپنی زوجہ کے پاس رہنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ وہ میری مسجد میں اعتکاف بیٹھے“

زوجہ کے شوہر پر حق کے بارے میں شوہر کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تمہاری زوجہ تمہارے لئے خداوند عالم کی طرف سے ایک نعمت ہے“
 پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”نہیں کرتا کوئی شخص اپنی زوجہ کی خدمت لیکن وہ کہ جو صدیق اور شہید کا درجہ و مرتبہ رکھتا ہو اور دنیا و آخرت کی خیر چاہتا ہو“ ”مرد جب اپنی زوجہ سے (اپنی زبان سے) یہ کہتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو یہ بات ہمیشہ کے لئے اس کے دل میں جاں گزریں ہو جاتی ہے (اور کبھی اس کے دل سے نہیں نکلتی)“ ”اگر کوئی شخص بازار جائے اور وہاں سے اپنے اہل و عیال کے لئے کوئی تحفہ لائے تو ایسا ہے گویا وہ محتاج انسانوں کے لئے صدقہ لے گیا جب تحفہ تقسیم کرنے لگے تو ابتداءً کیوں سے کرے۔“

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

تمہاری زوجہ تمہارے لئے سکون انس کا باعث ہے، اس کی مدارات کرو اور اس کا احترام کرو۔ کو تمہارا حق ان پر زیادہ ہے لیکن پھر بھی تم کو ان کے ساتھ (رحمت والفت) کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔
امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

”مردمومن کے لئے تقویٰ کے بعد بہترین سرمایہ اور بہترین متاع دنیا نیک اور صالحہ زوجہ ہے“
پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”شوہر پر زوجہ کا یہ حق ہے کہ شوہر اسے بھوکا نہ رکھے، وہ اپنی زوجہ کو ایسا لباس پہنائے کہ جس سے اس کی ستر پوشی ہو اور کبھی اپنی زوجہ کے سامنے ایسا منہ نہ بنائے جس سے ناراضگی کا اظہار ہوتا ہو“
پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کے اس مطالبہ کو تسلیم کرے کہ وہ اسے ہلکا اور باریک لباس مہیا کرے تو خداوند عالم اس کو جہنم میں داخل کرے گا“

عورت پر واجب ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ اچھی اور خوش کوار زندگی گزارے۔ یہاں ہم چند اصول کا ذکر کرتے ہیں:

- ۱۔ وہ اپنی ہر چیز میں برابری کا مطالبہ نہ کرے۔
- ۲۔ شوہر کے ہر اس حکم کا جو خلاف شرع نہ ہو اطاعت کرے۔ اگر زوجہ نے شوہر کی اطاعت نہ کی جیسا کہ سورہ نساء ۳۴ ہے

”مرد عورتوں پر نگہبان ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور یہ کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرمانبردار ہوتی ہیں۔ اللہ نے جن چیزوں (مال و آبرو) کا تحفظ چاہا ہے ان کی غیر حاضری میں ان کی محافظت کرتی ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور (اگر باز نہ آئیں تو) خواب گاہ الگ کرو اور

(پھر بھی باز نہ آئیں) انھیں مارو پھر اگر وہ تمھاری فرمانبرداری ہو جائیں تو ان کے خلاف بہانہ تلاش نہ کرو یقیناً اللہ بالآخر اور بڑا ہے“

عورت کو یہ حق نہیں کہ وہ شوہر سے اتنے مطالبات کرے کہ شوہر پر بوجھ بن جائے۔ اور شوہر کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شریعت کی پابندی کا حکم دے۔ سورہ طہ میں ارشاد ہے

”اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھو اور خود بھی اس پر جیسے رہو“

بیوی پر واجب ہے کہ وہ اپنی شکل اور ہیبت کو اپنے شوہر کے سامنے خراب کر کے پیش نہ کرے۔ بیوی پر واجب ہے کہ شوہر کے مال و دولت عزت و آبرو اور حیثیت کی محافظت کرے اور اسراف نہ کرے۔

سورہ تحریم میں ارشاد ہے

”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں“

کسی سے شوہر کی اجازت کے بغیر کوئی ہدیہ قبول نہ کرے۔ بیوی کو یہ حق نہیں کہ اگر شوہر راضی نہ ہو تو گھر سے نکل جائے۔ بیوی کو یہ حق نہیں کہ ایسے فحش کو گھر میں آنے کی اجازت دے جس سے شوہر راضی نہ ہو۔

زوجہ پر شوہر کا حق

پیغمبر اکرم نے فرمایا:

”ملعونہ ہے، ملعونہ ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کو تنگ کرتی اور اس کو غصہ دلاتی ہے اور سعید ہے، سعید ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کا احترام کرتی ہے، وہ عورت خوش بخت اور سعادت مند ہے جو تمام حالات میں اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہے اور اسے اذیت نہیں پہنچاتی ہے۔ جو عورت اپنے شوہر کو اذیت پہنچاتی ہے اس کی نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ نیک اعمال چاہے وہ تمام عمر روزہ رکھے جب تک کہ وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کر لے۔ اسی طرح شوہر پر بھی اتنا ہی گناہ ہے اگر وہ اپنی زوجہ

پر ظلم کرے اور اسے اذیت پہنچائے“

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے لیکن مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے“

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”افسوس ہے اس عورت پر جو اپنے شوہر کو ناراض کرے اور خوش قسمت ہے وہ عورت جس سے اس

کا شوہر راضی ہو“ (میزان الحکمہ ص ۷۸۶۵)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”اگر کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا تو عورت کو اپنے شوہر کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا“

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

”اگر کوئی عورت سات دن تک اپنے شوہر کی خدمت کرے تو خداوند عالم اس پر جہنم کے سات

دروازے بند کر دے گا اور جنت کے آٹھ دروازے اس پر کھول دے گا اور اس سے فرمائے گا کہ

وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے“ (میزان الحکمہ) ”انسان کے لئے دو

قسم کے کسب ہیں ان دو کسبوں میں سے ایک کسب صالح زوجہ ہے۔“ ”زوجہ موافقہ (ایسی زوجہ

جو شوہر کے مزاج سے موافقت رکھتی ہو) دو راحتوں میں سے ایک راحت ہے“ (ک، ق

۱۶۳۵) ”شرائع زوجہ بیویوں میں سے بدترین بیوی وہ ہے جو اطاعت نہیں کرتی“ (ک، ق

(۵۶۸۶)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

”پیغمبر اکرمؐ دعا فرماتے تھے کہ: خداوند! مجھے ایسی عورت نہ دینا کہ جو بڑھاپے سے پہلے مجھے

بوڑھا بنا دے“

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

ایک نیک اور صالحہ عورت ہزار غیر صالح مردوں سے بہتر ہے۔“

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں:

عورت کے لئے بہترین جہاد یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کا خیال رکھے۔“

معصومین سے روایت ہے کہ:

”عورت کا اپنے شوہر کو ایک گلاس پانی پلانا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (میزان

الحکمہ) ”نیک اور صالحہ عورت اس کمیاب کوئے کی مانند ہے کہ جس کا ایک پاؤں سفید ہو اور ایک

سیاہ (یعنی ایسے کوئے نایاب ہیں۔ اور عام طور پر ملتے نہیں)۔“

ارث سے محرومیت

انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ایک والدین کی متروکہ جائیداد ہے۔ قرآن کریم میں سورہ نساء

آیت ۱۱ اور ۱۷۶ میں عورتوں کے ارث کا حکم آیا ہے:

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَانْصَبْ لَهُنَّ مِثْلَ مَا نَصَبَ لَكَ

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ ”ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، پس اگر لڑکیاں اگر

دو سے زائد ہوں تو تر کے کا دو تہائی ان کا حق ہے اور اگر صرف ایک ہی لڑکی ہے تو نصف تر کے اس

کا ہے۔“

”پیغمبر یہ لوگ آپ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ کلالہ (بہن بھائی) کے

بارے میں خدا خود یہ حکم بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اسکی اولاد نہ ہو اور صرف بہن

وارث ہو تو اسے تر کے کا نصف ملے گا“ (مائدہ/۱۷۶)

گرچہ اسلام دشمن قوتوں کی خواہش ہے کہ ارث کے اس حکم کو خواتین کی حق تلفی کے نام سے اچھالا جائے۔

لیکن ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو دوطرف سے حقوق دیئے ہیں ایک اسکے والدین کی طرف

سے اور دوسرا اسکے شوہر کی طرف سے۔ لیکن اسلامی معاشرے میں استعماری پروردہ انسانوں نے اسلام سے بدظن کرنے اور اپنی مادی خواہشات کی خاطر خواتین کو بیک وقت ارث سے محروم رکھنے کے ساتھ ساتھ انھیں زوجیت سے بھی محروم رکھا ہے اور انھیں مفروضہ وہمی کے ازدواج کی صورت دکھا کر اپنے ہی گھر میں کنیز کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا ہے لہذا خواتین کو اس چیز کا احساس کرنا چاہئے۔

خواتین پر گزرنے والے مظالم کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری خواتین کو نصیحت ہے کہ وہ ہوش کے ناخن لیں اور پیغمبر اکرم کی لائی ہوئی کتاب وسنت پر غور کریں اور دنیا کے ان کنیز ساز اداروں کے جال میں پھنس کر اپنی اندرونی اور داخلی عصمت وعفت اور زندگی بھر کی عزت کو داؤ پر نہ لگا ہیں اور چند دن کی خواہشات کیلئے ان کنیز ساز اداروں کی خدمت نہ کریں۔ یہ آپ کو چند دن استعمال کرنے کے بعد اس طرح پھینک دیں گے جس طرح پرانے کپڑے یا جوتے پھینک دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت نہ اسلام آپ کی کچھ مدد کر سکے گا اور نہ ہی یہ خیر خواہ آپ کی فریادری کر سکیں گئے۔

میاں بیوی کے درمیان تقسیم کاریا میدان عمل کا تعین

ان مسائل کے بارے میں حقوق خواتین کی انجمنیں اور بعض علماء اعلام افراط وتفریط اور جانب داری کا شکار ہیں۔ ان مسائل کی تشخیص دنیا میں رائج قابل قبول اصول وضوابط عقل و تجربہ اور وحی و قرآن اور سنت کی روشنی میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم اس ذمہ داری اور میدان عمل کے بارے میں قرآن وسنت سے استدلال سے پہلے عقل اور تجرباتی میدان سے اس سلسلہ میں آپ کے سامنے چند مفروضے پیش کرتے ہیں۔ آپ خود ذمہ داری کی تشخیص کریں تا کہ میدان عمل معین ہو جائے۔

۱۔ میاں بیوی دونوں گھر سے باہر مصروف عمل ہو جائیں۔ مرد تو ہمیشہ سے باہر تھے اب خواتین کو باہر لانا چاہیے یہ مہم ہر جگہ جاری ہے اور اسلامی ملکوں میں تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس صورت میں دونوں کا میدان عمل گھر سے باہر ہو گا اور گھر کے بارے میں کوئی تحفظات نہیں ہونگے۔ اس مفروضہ پر کس حد تک عمل ہوا ہے اور یہ کس حد تک مفید ہے یہ ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا۔

۲۔ دونوں خانہ نشین ہو جائیں یعنی دونوں کا میدان عمل گھر ہو اور کوئی بھی گھر سے باہر نہ جائے۔ اس مفروضہ پر شاید ابھی تک عمل نہیں ہوا سوائے مفلوح الحال اور بے روزگار خاندانوں کے، لہذا اسکے حسن و قبح پر کوئی مہر نہیں لگائے گا۔

۳۔ عورت گھر سے باہر جائے۔ اس مفروضہ کے کامیاب ہونے یا نہ ہونے سے پہلے عورت کے گھر سے باہر کامیابی کے امکانات پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ قدیم تاریخ میں عورت کی سربراہی کا ذکر موجود نہیں سوائے ملکہ سبا یعنی بلقیس کے لیکن وہاں بھی وہ خود مختار نہیں تھیں بلکہ ایک کنسل کی رکن تھیں اور اعزازی حکمران تھیں۔ جسطرح آجکل ملکہ برطانیہ وغیرہ ہیں۔ بنی امیہ و بنی عباس کے خلفاء نے اسلامی قوانین کو پس پشت ڈالنے اور لہو لعب اور غناء وغیرہ فروغ دینے کے باوجود کسی عورت کو سربراہی یا عہدہ نہیں دیا۔ دور جدید میں بعض خواتین سربراہ مملکت یا حکومتی عہدوں پر فائز ہیں لیکن یہ کہیں ثابت نہیں کہ وہ اپنے فیصلوں اور آراء میں خود مختار ہوں بلکہ یہ ثابت ہے کہ وہ بیرونی اور اندرونی دو گروہوں کے زیر اثر ہیں جو انھیں استعمال کر رہے ہیں۔ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا کہ عورت کسی فوجی یا دیگر طاقت و قدرت کا مظاہرہ کرنے والے عہدہ پر فائز ہو اور اس سے عہدہ برآں ہوئی ہو۔ عورت گھر سے باہر طبیعت سے لڑنے اور دوسرے مسائل سے نکلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ہاں وہ کسی میز اور کرسی پر بیٹھ کر کام کر سکتی ہے۔

۴۔ مرد خانہ نشین ہو جائے اور بچوں کی تربیت کی ذمہ داری اٹھائے۔ جبکہ اسکی طبیعت میں عدم برداشت کا عنصر نمایاں ہے۔ ابھی تک یہ سننے میں نہیں آیا کہ ایک مرد نے کسی بچے کو پہلے دن سے لے کر بلوغت تک پالا ہو اگر ہنگامی صورت میں کوئی بچہ اس پر پیشاب کر دے یا اسکی نیند میں مزاحم ہو یہ اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ نہ ہی یہ بھوک کی صورت میں ماں کے دودھ کی جگہ کوئی چیز دے سکتا ہے۔ لہذا ایسا انسان اگر بچوں کی تربیت کرے گا تو یہ بچے بیک وقت جسمانی اور روحانی کمزوری کا شکار ہوں گے۔ اگر آپ کو اس مفروضہ میں کوئی حسن و خوبی نظر آتی ہے تو تصدیق کریں۔

۵۔ عورت گھر میں رہے اور مرد گھر سے باہر کام کرے۔ یعنی میدان عمل تبدیل ہو جائے۔ عورت کا میدان عمل گھر ہو اور مرد کا میدان عمل گھر سے باہر ہو۔ یہ ہی ایک منطقی مفروضہ ہے جس پر عمل ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظام زوجیت پر تعدد زوجات کا داغ

ایک مرد کا بیک وقت چار بیویوں، کنیر کی لامحدود اجازت دشمنان اسلام کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف ایک مہلک ہتھیار ہے۔ لیکن کسی مسئلے کو اس کے بنیادی حدود و عبادت کو لئے بغیر اور تنقید کی تشخیص کیے بغیر کسی دین و مذہب کے خلاف پروپیگنڈہ کی مہم چلانا نجس سیرت اور سرشت میں دشمنی و عداوت کی علامت ہے۔ ایسے افراد کا مقصد لوگوں کو حقائق سے دور رکھنا ہے۔ تاکہ وہ اس مذہب کی خوبیوں کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ یہ مسائل کو الجھن میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بحث و مباحثہ اور افہام و تفہیم کی فضا آلودہ رہے۔ اور یہ کسی نہ کسی بات کو بہانہ بنا کر اس مذہب پر ہجوم کریں۔ یہ ان ہی کی صفت ہے جو ایمان و استدلال سے محروم و ساقط ہیں۔ لیکن اسلام اسکے برخلاف اپنے مخالفین سے سوال و استفسار اور افہام و تفہیم کے ماحول کو بحال رکھنا چاہتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ چلو ہم غلطی پر ہی آپ بات تو کریں۔ اسلام دشمن سے مجادلہ احسن اور عادلانہ گفتگو کرنے اور اسے بات کرنے کا موقع دیتا ہے۔ تاکہ وہ آپ کی بات سننے کیلئے آمادہ ہو جائے۔

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب نے لشکر یزید سے مطالبہ کیا کہ ہماری بات سنو لیکن لشکر کے سربراہان نے اپنے لوگوں سے کہا انکی بات مت سنو۔ اسی سیرت پر آج کل کی دنیائے مسیحیت کے تبشیری مشن کام کر رہے ہیں یہ اپنی بات سناتے ہیں اور ساتھ لٹریچر بھی دیتے ہیں لیکن جب ہم بات کرنا چاہیں تو پہلو تہی کرتے ہیں اور یہی رویہ ہماری کتب کے بارے میں بھی ہے۔ دین اسلام سخت سے سخت دشمن سے گفتگو پر ایمان رکھتا ہے لیکن بد قسمتی سے آج ہمارے فرقوں میں بھی یہ بری صفت جاگزیں ہو چکی ہے۔ ایک دوسرے سے الفت و محبت کی گفتگو فرقہ معلوم ہونے پر نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ غرض شرک و کفر کا یہ پروپیگنڈہ چند لحاظ سے غلط و بے بنیاد اور عداوت اور دشمنی پر مبنی ہے۔ ہمارے نظام زوجیت میں موجود حسن و خوبی کو نظر انداز کر کے اسکے خلاف کچڑا چھالنا انکی سوء نیت کا خاصہ ہے۔ ہم یہاں بباغ دھل نظام زوجیت میں تعدد زوجات کا قبیح نہ ہونے

اور اسے ایک ناگزیر مسئلہ ہونے کو ثابت کریں گے۔ جبکہ وہ خود اس پر عمل پیرا ہیں ہمارے پاس موجود دلائل کی بنیاد دل و انصاف کے محکم ستونوں پر قائم ہے۔

۱۔ جہاں عقد و نکاح کا تصور نہیں۔ وہاں زوجیت کے تقاضوں کو دوستی کے نام سے انجام دیا جاتا ہے۔ اور تعدد دوستی بغیر کسی قباحت کے رائج ہے اور انھیں قبول بھی ہے۔ یہ دوستی محلے سے لیکر دفتر اور کالج یونیورسٹی کی سطح تک عام ہے۔ صبح کسی کے ساتھ اور شام کسی اور کے ساتھ۔ لہذا جو خود اس تعدد دوستی پر عمل پیرا ہیں وہ ہمارے نظام تعدد زوجیت پر کسی قسم کی تنقید نہیں کر سکتے۔

۲۔ بہت سی خواتین اپنے شوہروں کو مجبور اور بے بس بنا کر رکھتی ہیں۔ بسا اوقات خواتین اپنے شوہروں کے واجبات ادا کرنے سے گریز کرتی ہیں جسکی بنیاد پر وہ بیچارہ اپنی ضروریات پوری کرنے کی خاطر کسی اور سے شادی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۳۔ بہت سی خواتین شوہر کی اجازت کے بغیر میاں بیوی کے اس رشتہ کے پردے کو چاک کر کے اجنبی مردوں کے ساتھ دوستی کرتی ہیں۔

۴۔ مرد ایک پر مسرت اور سکون و اطمینان کی زندگی گزارنے کی خاطر ایک عورت سے شادی کا انتخاب کرتا ہے۔ اور اسکی خوشی کا مظاہرہ شادی کے دن ہوتا ہے۔ اسکے ساتھ اگر عورت بغاوت پر اتر آئے تو کیا اسکی مکافات یا تعزیرات نہیں ہونی چاہیے۔ اسکے علاوہ کوئی عورت اگر شادی کی بنیادی ضرورت ہمبستری سے بھی انکار کر دے تو کیا دوسری شادی کے علاوہ کوئی چارہ رہ سکتا ہے۔

۵۔ نظام زوجیت میں چندین ضروریات کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی ضرورت اس بیوی سے ممکن نہ ہو تو اسے طلاق دے کر دوسری عورت سے شادی کرنا بہتر ہے یا اسکو اپنی زوجیت میں رکھتے ہوئے اس ضرورت کی خاطر کسی اور سے شادی کرنا بہتر ہے۔ یہ اس پہلی عورت سے پوچھنا چاہیے۔

۶۔ بہت سی دوشیزائیں شادی کے چند دن گزرنے کے بعد اپنے محبوب شوہر سے موت یا قتل کی صورت میں محروم ہو جاتی ہیں۔ آیا ایسی خواتین کو نظام زوجیت سے ملنے والی لطف و لذت کو شوہر کے ساتھ ہی دفن

کر دینا چاہیے جیسا زمانہ جاہلیت میں عورت کو مرد کے ساتھ ہی دفن کر دیا جاتا تھا یا اس عورت کا کسی اور کی زوجیت میں جانا بہتر ہے چاہے دوسری بیوی کی ہی صورت میں کیوں نہ ہو۔

۷۔ اسلام میں تعدد زوجیت تو چھوڑیں خود از دو اجی زندگی ایک واجب عمل نہیں ہے کہ جسے کا چھوڑنا حرام ہو۔ سنت قولی اور فعلی پیغمبر ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ یہ واجب ہے۔ بلکہ یہ ایک جائز عمل ہے تو کیونکر صرف خواہشات کی بنیاد پر تعدد زوجات کو ترجیح دیں۔ قرآن کریم اور روایات میں ہے کہ جو شخص اپنی زوجہ کی ضروریات کو برداشت نہیں کر سکتا اسے چاہیے کہ وہ عفت اختیار کرے یعنی شادی نہ کرے۔

۸۔ قرآن کریم میں خداوند عالم نے حضرت یحییٰ کی صفت میں فرمایا ہے کہ وہ حصور تھے یعنی غیر شادی شدہ تھے۔

۹۔ قرآن کریم کی آیت ہے کہ انصاف نہیں کر سکتے تو ایک پر ہی اکتفا کرو۔

۱۰۔ نظام زوجیت میں جو لطف اور حسن و خوبی ہے وہ صرف مرد تک محدود نہیں ہے بلکہ عورت بھی اس سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ لہذا اگر اسکا فائدہ صرف مرد تک ہی محدود ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔

۱۱۔ کیا نظام زوجیت میں تنہا مرد کا کردار آمرانہ اور ظالمانہ ہوتا ہے اور عورت معصوم و عادل ہوتی ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں عورتوں نے جو ظلم و جنائیت اپنے گھرانے اجتماع اور شوہر سے کئے ہیں تاریخ کے صفحات اس سے سیاہ ہیں۔ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں چاہے معاشرہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی آپ کو عورتوں کے مظالم نمایاں نظر آئیں گئے۔ ملکہ برطانیہ اور انکے وزیراعظم کی مثال جنہوں نے کتنے ہی لوگوں کو قید و بند اور اذیت میں مبتلا کیا۔ ہمارے اسلامی ملکوں میں بھی جو خواتین سربراہ تھیں انہوں نے اپنے مخالفین سے یہ ہی رویہ اختیار کیا۔ بعض کو جیلوں میں بھیجا اور اپنا بغض و عداوت باہر نکالا۔

☆ اسکے علاوہ ادیان سماوی میں حضرت نوح اور لوط کی بیویوں نے ان برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ خیانت کی۔

☆ قرآن کریم میں بعض زوجات پیغمبر اکرم کی حرکات کے بارے میں سورہ طلاق اور تحریم کی آیات واضح و روشن دلیل ہیں کہ انھوں نے اس عظیم المرتبت پیغمبرؐ اور مجسمہ رحمت کی کتنی دل آزاری کی اور انھیں تکالیف پہنچائیں۔

☆ امام حسنؑ کی بیوی دختر اشعت بن قیس نے خلیفہ کے ولی عہد کی زوجیت میں جانے کی خواہش میں اس رؤف اور مہربان امائمؑ کو زہر دیکر شہید کیا۔

مغرب کا اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اس لئے نہیں کہ اسلام نے عورت کے حق میں نا انصافی یا ظلم روا رکھا ہے۔ مغرب والے خود ظالم ہیں لہذا جو خود ظالم ہو وہ ظلم سے نہیں روکتا۔ انکی کسی سے حمایت اس لئے نہیں ہوتی کہ یہ اس کے مددگار ہیں بلکہ انکی مثال شیر و چیتے کی سی ہے جو دوسرے درندوں سے یہ نہیں کہتے کہ یہ بے چارے اور بے بس ہیں لہذا انھیں مت چیرو بلکہ اس لئے رکاوٹ ڈالتے ہیں کہ یہ میرا حق ہے اور میں چیلوں گا اور میں ہی کھاؤں گا۔

اسلام نے عورت کے ساتھ ظلم نہیں کیا بلکہ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان عدل و مساوات کو قائم کیا ہے اور بعض مواقع پر عورتوں کو ترجیح بھی دی ہے: ”اگر نیکی کرنا ہے تو ماں کے ساتھ کرو، اگر تنگ دینا ہو تو بیٹی سے شروع کرو اس کی پرورش و تربیت موجب رضایت حق و مستحق رضوان ہے۔ مغرب صرف اسلام دشمنی میں عورت کو مظلوم دکھاتے ہیں اور اس کے لئے موقع محل سے کسی چیز کو اٹھاتے ہیں۔

خانہ ازدواج میں موسم خزاں

میاں بیوی کی دیرینہ خواہشات اور والدین کی زحماتوں اور کوششوں سے آباد ہونے والا یہ گھرانہ کبھی کبھی باخزاں کی زد میں آ جاتا ہے۔ عرف عام اور سادہ لوح افراد کی زبان میں اسے چشم بد لگ جانا کہتے ہیں۔ اس بادِ سموں کو طلاق کہتے ہیں۔ طلاق کا معنی جدائی، الگ ہونا اور کسی محکمہ گمراہ کو کھولنے کا نام ہے۔ جیسا کہ سورہ کعف ۱۷، ص ۶۶ اور شوریٰ ۱۳ میں اسکا ذکر موجود ہے۔ اصطلاح شرعی میں طلاق عقد نکاح کے کھل جانے کا نام

ہے۔ قرآن و سنت میں اس عمل کو مذموم و ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسلام نے اس عمل کی راہ میں چند رکاوٹیں بھی رکھی ہیں۔

۱۔ اس عمل کو احادیث میں مغبوض ترین حلال قرار دیا ہے۔ یعنی یہ خدا کے نزدیک ناپسند ترین حلال میں سے ہے۔

۲۔ میاں بیوی میں اختلاف اور ناچاقی کی فضاء قائم ہوتے ہی انھیں ایک مصلح کا انتخاب کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ ان دونوں کے مسائل سننے کے بعد فیصلہ کر سکے۔

۳۔ مرد اگر ایک طلاق دے تو دوبارہ اسی عورت کو بغیر نکاح کے اپنے عقد میں لاسکتا ہے۔ اور اگر تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ وہ عورت اب اس کے سامنے کسی دوسرے مرد سے شادی کر سکتی ہے اب سابقہ مرد کا اس پر کچھ اختیار نہیں۔ اس طرح اس مرد کی ناک رگڑی جاتی ہے تاکہ وہ دوبارہ جلد بازی میں ایسا کام نہ کرے۔

۴۔ عورت مرد کی ظلم و زیادتی کی صورت میں حاکم شرع سے رجوع کر کے اپنے شوہر کی شکایت کر سکتی ہے۔ اگر بیوی سرکشی اور نافرمانی کرے تو مرد تین مراحل میں طلاق دے گا۔ (۱) پہلے مرحلہ میں وعظ و نصیحت کرے (۲) ہم خوابی سے علیحدگی اختیار کرے

(۳) کچھ تھوڑی مار پیٹ کرے۔ ان تین مراحل کے بعد بھی صورت حال ویسی ہی رہے تو طلاق کی نوبت آتی ہے۔ اسلام کے خلاف سرکشی و مہم جوئی کرتے ہوئے بڑی طاقتیں یا ان سے منسلک نمائندہ تنظیمیں مسئلہ طلاق کو اچھالتی ہیں کہ یہ عورت کے ساتھ ظلم و نا انصافی ہے لہذا یہ حق خواتین کو دلو انے کیلئے سر توڑ مہم چلائے ہوئے ہیں۔ لیکن ملک میں موجود لوگوں کی اسلام سے محکم وابستگی کی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو رہے۔ اسلام تشدد جبر، طاقت کے استعمال اور غلط پروپیگنڈہ کے استعمال کے خلاف ہے۔ اپنے موقف کو پیش کرتے وقت عقل منطق کی راہ اپنانا ہے کیونکہ اس کے پاس نہ ختم ہونے والے دلائل کے خزانے موجود ہیں۔ ہم ان خواتین کے حقوق کے نام سے پروپیگنڈہ کرنے والی پارٹیوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا فارمولا لائیں

جو ہمارے فارمولا سے بہتر ہو۔ اس سلسلہ میں چند مفروضات ہیں جنہیں ہم مرحلہ وار آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کونسا مفروضہ ہے جسے اپنا کر ہم اس خانہ ازدواج کو باخزاں سے بچا سکتے ہیں:

۱۔ طلاق نامی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے۔ شادی بس ایک دفعہ ہوگی اب جدائی ناممکن ہے۔ عورت جہاں مرضی گھومے جس کے ساتھ مرضی جائے اپنے مرد کے ساتھ رہے یا نہ رہے وہ آزاد ہے۔ لیکن وہ اسی کی بیوی شمار کی جائے گی۔ کیا یہ فارمولا صحیح ہے؟

۲۔ یہ حق عورت کو ہی دیا جائے۔ عورت جس وقت چاہے اپنے مرد کو طلاق دے سکتی ہے اور کسی دوسرے سے مرد سے شادی کر سکتی ہے اور اگر اسے بھی طلاق دینا چاہے تو دے سکتی ہے اور کسی دوسرے سے شادی کر سکتی ہے اور وہ شادی کی مدت کو مہینہ، ہفتہ بلکہ ایک دن تک لاسکتی ہے اور ہر دن نیا شوہر کر سکتی ہے۔ کیا اس عمل میں حسن ہے؟

۳۔ یہ حق دونوں کو ہونا چاہیے۔ جب مرد چاہے طلاق دے سکتا ہے اور یہ ہی عمل بیوی بھی کر سکتی ہے۔ اگر اس مفروضہ کو اپنایا جائے تو ہر گلی ہر محلہ میں طلاق کی شرح ۵۷ فیصد تک پہنچ جائے اگر خدا نا خواستہ کسی معاشرے میں یہ صورت حال پیدا ہو تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں اس معاشرہ کا کیا حال ہوگا اور ان دونوں سے پیدا ہونے والی اولاد کا کیا حال ہوگا۔

۴۔ یہ اختیار مرد کو دیا جائے۔ ہمارا اس سے یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے یہ کہا ہے۔ بلکہ یہ ان مفروضات میں سے مستحسن ہے۔ اگر مندرجہ بالا مفروضہ میں سے پہلے کو مان لیں تو گھر آبا نہیں ہوگا بلکہ جہنم بن جائے گا اور حیوانوں جیسی زندگی کی شکل اختیار کرے گا۔ اور اگر عورت کو یہ حق دے دیں تو اس میں سقم ہے کیونکہ عورت کی طبیعت میں عاطفہ ہے اثر پذیری ہے عورت جلد متاثر ہو جاتی ہے عورت کو مونث اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں مرد کے مقابلے میں اثر پذیری زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں شرح طلاق بہت زیادہ ہوگی جبکہ یہ ہی پریگنڈہ کرنے والے لوگ طلاق کو برا سمجھتے ہیں۔ اسکے علاوہ اگر تیسری صورت کو اپنایا جائے تو اس کے اثرات دوسری صورتوں سے زیادہ تباہ کن ہونگے۔ اور یہ شرح ۹۵ فیصد تک پہنچ

سکتی ہے۔ اب چوتھی صورت ہی رہ جائے گی جس میں سب سے زیادہ اس خانہ کو آباد رکھنے کے مواقع موجود ہیں۔ اس لئے یہ حق مرد کو دینے میں زیادہ مضبوطی ہے۔ مرد اتنا جلد باز نہیں جتنی عورت ہے۔ مرد اس لحاظ سے بھی زیادہ مستحق ہے کہ وہ ایک عرصہ تک اس عورت کے اخراجات برداشت کرتا ہے تو طلاق کی صورت میں اس کا نقصان زیادہ ہے لہذا جس کا زیادہ نقصان ہو حق بھی اسی کا ہونا چاہیے۔ دوسری طرف مرد کو اسلام نے بالکل ہی آزاد نہیں چھوڑا۔ اگر یہ ضد، انا پرستی اور تشدد کی صورت اختیار کرتا ہے تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حاکم شرع کو اس کی شکایت کرے۔ اور اگر مرد پھر بھی طلاق نہ دے تو حاکم شرع خود طلاق دے سکتا ہے۔ یہ تھے طلاق کے ضمن میں مفروضہ جات۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس باد خزان کو گھر میں لانے والا کون ہے اور اس کو روکنے کیلئے کیا چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں چند نکات پیش خدمت ہیں:

- ۱۔ کیا اسکی وجہ اسلام ہے۔ یہ قطعاً ممکن نہیں کیونکہ پہلے واضح کر چکے ہیں کہ اسلام نے جدائی کے تمام دروازوں کو بند کیا تھا اور صلح و آشتی کی ممکنہ تجاویز پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کی ہے
- ۲۔ کیا اسکی وجہ مغرب ہے۔ یہ احتمال انتہائی قوی ہے۔ سورہ مبارکہ فلق میں ہے کہ وہ گروہوں میں پھوٹ ڈالنے میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں اس کیلئے دروازے کھڑکی یا سوراخوں کو بند نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ دقیق اور باریک الیکٹرونک شعاعوں کے ذریعے اندر داخل ہوتے ہیں اور پورے گھرانے کو ان شعاعوں سے متاثر کرتے ہیں یعنی ٹی وی، کیبل، انٹرنیٹ کے ذریعے اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں۔

۳۔ کیا لڑکی کے والدین اسکے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ ایک لحاظ سے لڑکی کی ماں کے خیال میں یہ ہے کہ اس نے اس لڑکی کو اس گھر میں ایک شکاری کے طور پر بھیجا ہے تاکہ وہ لڑکے کو پھنسائے اور جب تک وہ لڑکا اس جال میں نہ آئے وہ چین سے نہ بیٹھے اور اس کے لئے وہ تمام حربے استعمال کر سکتی ہے۔

۴۔ لڑکے کی ماں کی طرف سے بھی امکان ہے۔ کیونکہ جس دن سے شادی ہوئی ہے اب اس کا لڑکا امی کہہ

کر پکارنے کی بجائے اپنے نئے ساتھی کو پکارتا ہے یا وہ دونوں اپنے کمرے سے نکلتے ہی نہیں۔ انکا یہ عمل ان کی ماں پر گراں گزرتا ہے اسکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ کمرہ خالی ہی ہو جائے بہتر ہے۔ لہذا پہلے مفروضہ کے علاوہ باقی تین مفروضات یہ بادِ مسموم خزاں پیدا کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔

اسلام میں عورت کا مقام و منزلت

امت اسلامی کی بعض خواتین حضرت امام حسینؑ کے روز عاشورا اہل کوفہ سے خطاب کے ان بعض فقرات کی مصداق جلی نظر آتی ہیں جن کو کتب تاریخِ مقاتل نے نقل کیا ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا

”خدا تمہیں ہلاک و نابود کرے جب تم نے سرگردان و پریشان حال میں ہمیں بلایا اور ہم سے مدد چاہی تو ہم تمام تیاری کے ساتھ تمہاری مدد کو پہنچے تو جو تلواریں ہمارے دشمنوں کے خلاف ہمارے ساتھ مل کر استعمال کرنی چاہیے تھیں وہی تلواریں تم نے ہمارے قتل کیلئے اٹھائیں اور اس فتنہ کو روشن کیا جس کو ہمارے دشمن نے ہمیں جلانے کیلئے روشن کیا تھا اور تم سب اپنے دوست کو مارنے کیلئے متفق ہوئے تاکہ تمہارے دشمن خوش ہو جائیں حالانکہ تمہارے دشمن نے تمہارے لئے کوئی عدل نہیں کیا تھا اور نہ ہی تمہاری کوئی آرزو پوری کی تھی سوائے چند لقمہ حرام اور پست زندگی کے جس کی تمہیں طمع و لالچ ہے بغیر اس کے ہم سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہو یا ہماری فکر و عقیدہ میں کوئی تزلزل پیدا ہوا ہو۔ اور تم نے ہم سے کوئی کوتاہی نہیں دیکھی۔“ (موسوعہ کلمات امام حسینؑ ترجمہ فارسی ص ۴۷۳)

امت مسلمہ کی بعض خواتین نے اسلام و امت کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا ہوا ہے اسلام کی آمد سے پہلے گندی و نجس دنیا کے متمدن قوم روم و فارس اور عرب و حجاز میں عورتوں کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ انھیں تمام رجس و پلیدی کا پتلا سمجھا جاتا تھا۔ کتب عہد قدیم و جدید دونوں میں انسان کی شقاوت و بدبختی کا نشانہ عورت گردانی جاتی ہے۔ کتب قدیم میں آدم ابو البشر کو شجر ممنوعہ سے تناول کرنے کی لالچ دینے کا ذمہ دار حضرت حوا کو ٹھرایا گیا اور درجہ بد میں کوئی شخص بلندی کی طرف پرواز کرنا چاہے تو اسے عورت سے دور رہنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ عورت کو پھنسانے کا جال قرار دیا گیا ہے۔ کلیسا میں عورتوں کے

اسلام نے عورتوں کو دور جہالت کی تاریکیوں اور ظلم و تشدد کے ساتھ انتہائی تکلیف دہ زندگی گزارنے سے آزادی دلا کر مردوں کے ساتھ ان کے دوش بدوش مساوی سطح تک عظمت و بلندی عطا کر کے آزاد و پرسکون فضا میں سانس لینے کا موقع فراہم کیا ہے۔ انہیں دنیاوی اور آخری زندگی میں مردوں کے مقابل حقوق دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس طرح اس باعزت و باعفت مخلوق کو گزند پہچانے والے درندہ صفت انسانوں، حیوانوں اور لٹیروں سے تحفظ فراہم کیا۔ اسے ذلالت اور رسوائی سے بچانے کی خاطر شوہر، والدین، بھائی اور حجاب اسلامی کے نایاب اور انمول اصول اور ناقابل تسخیر قلعہ میں تحفظ و امان بخشے کیلئے پائیدار اور خوبصورت نظام کا اہتمام کیا ہے۔ اسلام نے اسے جو عظیم الشان مقام و منزلت عطا کیا اسی کے مطابق اس کی ذمہ داریوں کا تعین بھی کر دیا تاکہ اس قیمتی اور انمول کوہر کو آسیدب و ضرر نہ پہنچنے پائے۔ لیکن افسوس دشمنان اسلام نے لوگوں کو اور خصوصاً خواتین کو دھوکہ و فریب دینے اور ان کو ان کی شان و عظمت سے محروم کرنے کیلئے ایک مہم کے تحت یہ باور (مشہور) کرانا شروع کر دیا کہ اسلام نے عورتوں کیلئے جن ذمہ داریوں اور ضروریات کا تعین کیا ہے وہ ان سے ظلم اور ناروا سلوک ہے۔ حالانکہ یہ نظام ان کی مقام و منزلت کا محافظ ہے۔ لیکن الٹا چور کتوال کو ڈانٹنے کے مصداق دشمنان اسلام نے ان ذمہ داریوں کو عورتوں کے استحصال کا نام دے کر اسلام پر الزام لگایا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ قانون ارث، قانون شہادت، قانون طلاق، قانون تعدد ازدواج اپنی اپنی جگہ عورت کے مقام و منزلت کے محافظ و امین تھے لیکن دشمنان اسلام نے ان قوانین کو حقوق خواتین کے استحصال کا نام دیا۔ انکی مثال ایسی ہے جیسے کچھ دھوکہ باز ایک شخص سے اسکی بکری چھیننا چاہتے تھے جس کیلئے انھوں نے اس شخص سے کہا یہ کتا کہاں لے کر جا رہے ہو اور اسی طرح چند فاصلے پر اسکی تکرار کی تو وہ بے وقوف شخص سمجھا کہ واقعی یہ کتا ہے اور اس کے ساتھ دھوکہ ہوا اور اس نے اسے انکے حوالے کر دیا۔ اسی طرح مغرب اور اسکے گماشتوں نے اسلامی قوانین کو جو خواتین کی منفرد و اعلیٰ شان و عظمت اور بہترین مقام و

منزلت کے محافظ و امین تھے انھیں انکے ساتھ زیادتی دکھایا اور حقوق نسواں کے نعرے سے نہ صرف خواتین کو تحفظ و امان اور اعلیٰ مقام و منزلت سے محروم کر دیا بلکہ انھیں قوانین تحفظ سے آزاد کرایا۔ اور خواتین اس دھوکہ و فریب کے جال میں پھنس کر پورے اسلامی معاشرے اور خود اپنے لئے ظالم بنی گئیں لہذا اس دور کی بعض خواتین امام حسینؑ کے لشکر کوفہ سے خطاب کی تاویلی مصداق ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے محافظ و نجات دہندہ اسلام کو پیچھے چھوڑا اور بازار خواہشات و شہوات سے وابستہ اور عزت و ناموس اور لذتیں بیچ کر متاع بنانے والوں کی ساتھی و ہمنوا بن گئیں۔ اس دین کو پس پشت ڈال کر اس کتاب کے عطا کردہ احسانات کو فراموش کر کے اپنے دشمن کے جال میں پھنسنے کے بعد اپنے دشمن کو خوش کرنے کی خاطر اس دین و کتاب کے ہر حکم کو ختم کرنے کے لئے گھروں سے جہالت کی طرف نکلیں جہاں جہالت کے قدیم و جدید ظلم ڈھائے جاتے ہیں۔ ان انسانوں کے کہنے پر اسلام و مسلمین کو اپنے اوپر ظلم استحصال کرنے والا ٹھہرانے لگیں۔ دشمن کے جال میں پھنسنے کے بعد دشمن کو خوش کرنے کی خاطر اسلام کو مسترد کرتی ہیں اور اسے ناروا کہتی نظر آتی ہیں دین و کتاب خدا کے بارے میں ہر قسم کی جسارت و گستاخی کرتی ہیں۔ قرآن کے اس حکم جس میں آیا ہے کہ خواتین گھروں سے باہر نکلتے وقت جہالت کی طرح نہ نکلیں یعنی بے حجاب نہ نکلیں اسکا مذاق اڑاتی ہیں۔ وہ خواتین جو کل تک ذلت و پستی کا نمایاں نشان سمجھی جاتی تھیں اور اسلام کی مرہون منت سے صاحب عزت و شرف قرار پائیں۔ ان انسانوں کے کہنے پر اسلام و مسلمین کو اپنے اوپر استحصال اور ظلم کرنے والا ٹھہرانے لگی ہیں۔

جاہلیت جدید کے نام نہاد حقوق خواتین کے علمبرداروں نے خواتین کو ان کی زندگی کے بنیادی مسائل میں رخنہ ڈالنے، رکاوٹیں کھڑی کرنے اور اپنے جال میں پھانسنے کے بعد انہیں اپنے بنیادی حقوق سے غافل رکھنے کیلئے انہیں مزدور یونینوں میں نمائندگی دینے فیکٹریوں میں روزگار دینے اور ان کے جسم کی نمائش کو ذرائع ابلاغ میں پیش کر کے حق زحمت دینے کی طمع لالچ دی ہے۔ ان چیزوں نے انہیں ان کے بنیادی حقوق سے دور کرتے ہوئے زندگی کی اصل لذت (جو میاں بیوی کی شادی سے لے کر اختتام حیات تک عشق و محبت اور تقدیم و ایثار کی صورت میں موجود ہے) سے محروم کیا۔ خواتین کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنے میں حائل

رکاؤں کا خلاصہ ہم اوپر پیش کر چکے ہیں لہذا اگر کوئی مخلصانہ حقوق خواتین کے علمبردار اس معاشرے میں موجود ہیں تو آئیے سب مل کر ان پہاڑ جیسی رکاؤں کو پاش پاش کریں۔ اور ان کو گرانے میں رضا کارانہ خدمات پیش کریں۔ ملک کی ہر خاتون کو اس کی زندگی کے بنیادی حقوق جو اسے قرآن کریم نے دیئے ہیں جیسے سکون و چین، الفت و محبت وغیرہ کو سب کیلئے آسان کریں۔

قرآن سے پوچھو

ان دونوں سے بکثرت مرد و عورت پھیلا دئے

نظام ولادت اور اس کے احکام قرآن و سنت، عقل اور تجربہ کی روشنی میں

نظام ولادت اور اس کے احکام قرآن و سنت، عقل اور تجربہ کی روشنی میں:

پوری کائنات مسلسل موت و حیات میں ہے ایک مادہ مرتا ہے تو اس سے ایک زندہ پیدا ہوتا ہے ایک ذی حیات مردہ ہوتا ہے تو اس مردہ مادہ سے ایک زندہ پیدا ہوتا ہے اسی کا نام ولادت ہے۔ ولادت و تولید مادی چیز سے کسی مادہ کے نکلنے کو کہتے ہیں اس میں فرق نہیں کہ والد و مولود میں کونسا مادہ کثیف ہے اور کونسا لطیف۔ ولادت صرف مادیات میں ہے۔ مجرد خالص نہ کسی چیز سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ ان سے کوئی چیز پیدا ہوتی ہے۔

اس تسلسل کا ذکر قرآن کریم کی مختلف آیات میں ہوا ہے:

سورہ مبارکہ ملک آیت نمبر ۲ میں موت و حیات کا ذکر ہے:

”اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔“

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵ میں ظلمت سے نور کے نکلنے کا ذکر ہے:

”وہ انہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے“ ظلمت مردہ ہے اور نور حیات ہے۔

وہ ہمیشہ مردہ کو زندہ کرتا ہے اور پھر اسے واپس مردہ کرتا ہے:

”بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کا شگافتہ کرنے والا ہے وہی مردے سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ

کو نکالنے والا ہے۔“ وہی خلقت کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے

گا“ (یونس/۴) ”کہہ دیجئے: اللہ خلقت کی ابتداء بھی کرتا ہے اور پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے

گا“ (یونس/۳۴) ”اور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا“ (یونس/۴۵) ”کیا انہوں نے غور نہیں

کیا کہ اللہ خلقت کی ابتداء کیسے کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرتا ہے“ (عنکبوت/۱۹) ”اللہ خلقت کی ابتداء فرماتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ فرماتا ہے“ (روم/۱۱) ”پس جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو اللہ کی تسبیح کرو“ (روم/۱۷)

سب سے پہلے جو مادہ بغیر ولادت کے خالق کائنات نے پیدا کیا ہے اس کا نام اس نے پانی رکھا ہے چنانچہ اس کا ذکر سورہ ہود/۷ میں آیا ہے:

”اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔“

پھر اس مادہ کو اس نے مردہ کیا اور اس سے دوسری چیزیں پیدا کیں:

ولادت کے معنی و مفہوم واضح ہونے کے بعد اب آپ کی خدمت میں اقسام و انواع ولادت پیش کریں گے اور اس کو مختلف زاویوں میں تقسیم کریں گے:

اقسام ولادت

۱۔ مادہ اول سے پیدا ہونے والے آسمان و زمین

”اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے“ (انبیاء/۳۰)

اور اس مادہ کے مرنے سے جو دھواں نکلا اسی سے آسمان پیدا ہوا:

”پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ اس وقت دھواں تھا“ (فصلت/۱۱) ”اور اس کی راکھ سے زمین بنی اور اس زمین کو خداوند عالم نے موت و حیات کے ذریعے پھیلایا ہے جس طرح نظام تفسیر خلیہ میں آیا ہے: ”اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں“ (ذاریات/۳۹)

۲۔ ولادت خلیہ

زندہ موجودات میں خلیہ پہلی اکائی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ ایک بالغ انسان میں ایک سو ٹریلین

(TRILLION) خلیئے ہوتے ہیں اگر ہم انہیں دیکھنا چاہیں تو ایک ایسی خوردبین کی ضرورت ہے جو ایک خلیہ کو ایک سو چالیس گنا بڑا دکھا سکتی ہو۔ اس کے وزن کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک گرام کو ایک ملیارڈ میں تقسیم کریں تو اس کا ایک حصہ ہوگا کہتے ہیں کہ انسان کے جسم سے ایک سیکنڈ میں ایک سو پچیس (۱۲۵) خلیئے مرجاتے ہیں اور ان کے بدلے نئے خلیئے پیدا ہو جاتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر ہفتے نئے خلیئے بن جاتے ہیں یہ بھی ایک نظام ولادت ہے۔

۳۔ مولود کے پیدا ہوتے ہی والد کی شکل و صورت تبدیل ہو جاتی ہے جیسے لکڑی جلنے سے راکھ، دھوئیں اور شعلے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

۴۔ والد موجود (زندہ) ہے۔ لیکن اس کا مولود مادہ جلد ہے جیسے حیوان سے نکلنے والے تمام فضلات خبیثہ (پیشاب، پاخانہ، میل، ناخن وغیرہ)

۵۔ والد مادہ جلد ہے لیکن اگلے مرحلہ میں موجودہ زندہ میں تبدیل ہو جاتا ہے جیسے انڈے سے چوزے۔

۶۔ موجود کثیف زندہ سے مولود لطیف نکلتے ہیں۔ جیسے انسان سے کاربن ڈائی آکسائیڈ، نیند اور غنودگی وغیرہ۔

۷۔ موجود کثیف مردہ سے موجود لطیف نکلتے ہیں جیسے درختوں سے آکسیجن وغیرہ

۸۔ موجود مادہ سے مولود مجرد پیدا ہوتا ہے جس طرح جسم انسان سے روح پیدا ہوتی ہے

۹۔ موجود لطیف سے موجود کثیف پیدا ہوتا ہے جیسے پانی سے بخارات، پیٹرول سے گیس

۱۰۔ مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا جیسے حضرت عزیر پیغمبر، طور پر اصحاب موسیٰ، بنی اسرائیل کے مقتول انسان اور حضرت عیسیٰ کے معجزے کے ذریعے زندہ ہونے والے مردے۔

۱۱۔ والد مادہ کثیف زندہ ہے اور مولود بھی کثیف اور جاندار ہے جیسے انسان اور اسکی اولادیں۔

انسان کی اولاد کی چند اقسام ہیں:

۱۔ **اولاد فزیالوجی (PHYSIOLOGY) :** غیر شرعی طریقے سے جیسے زنا سے پیدا ہونے والی اولاد جسے

ولد حرام کہتے ہیں یہاں اس بیٹے کا والد ہے لیکن شریعت اس کو والد نہیں سمجھتی۔ اولاد نطفہ سے بنتی ہے نطفہ اگر حرام طریقے سے رحم میں منتقل ہوا تو وہ اولاد حلال نہیں ہوگی بلکہ وہ اولاد فاسد و ولد حرام ہوگی۔

جیسے زنا سے پیدا ہونے والے اولاد، شریعت اسلام میں زنا کو شرک اور قتل نفس محترمہ کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ اولاد حرام پیدا نہ ہو اسلام نے معاشرے میں ولد حرام کے راستے کو روکنے کے لئے اس کے متوقع تمام راستوں کی بندش کی ہے تاکہ یہ وجود میں نہ آنے پائے جیسا کہ عورت یا کسمہ نہ ہو اور اگر اسے طلاق دے دیں تو اس شوہر سے اولاد ہونے کی توقع کی مدت ختم ہونے تک وہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس مدت کو عدہ کہتے ہیں اس میں وہ انتظار کرتی ہے کہ اپنے طلاق دینے والے شوہر کا نطفہ اس کے رحم میں نہ ہو چکی عدہ وفات میں بھی غیر یا ستہ عورتوں کی عدہ کا ایک فلسفہ یہ ہے کہ اس مدت میں وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ تھی ایک احتیاطی تدبیر لیکن اصل ولد حرام پیدا ہونے کا بنیادی راستہ وہی زنا ہے اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس حرام کے کتنے درجے ہیں اور اس کی شدت حرمت کس حد تک ہے مندرجہ ذیل آیات میں زنا سے متعلق ملاحظہ کریں:

آیات قرآنی میں زنا کو جیسا کہ سورہ نور آیت ۳ میں آیا ہے کہ شرک کے برابر قرار دیا ہے سورہ فرقان آیت ۶۸ میں زنا کو شرک، قتل نفس کے برابر میں گنا ہے لہذا زنا قتل نفس اور شرک تین فساد کی جڑ ہے۔ قرآن کریم میں جہاں فساد جو کہ صلاح کے خلاف ہے اسکے مصداق جلی میں ان تین چیزوں کا ذکر کیا۔ زنا کا ایک بڑا جرم ہونے کا ایک واضح ثبوت سورہ ممتحنہ کی آیت ۶ میں ہے۔ زنا میں بنیادی کردار عورت کا ہے لہذا سورہ نور میں ارتکاب زنا میں عورت کے کردار کو مقدم رکھا گیا ہے۔ زنا میں عورت کا کردار مقدم ہونے کا ایک ثبوت قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جس میں عورتوں کو زم زبان میں

بات کرنے اور زینت ظاہر کرنے والی حرکتوں سے منع کیا ہے ایک پاکیزہ عورت جو نطفہ حرام سے اپنے رحم کو بچاتی ہے خدا کے نزدیک کتنی مقام و منزلت ہے اس کا اندازہ ان آیات سے ہوگا جو مریم بتول کی شان میں نازل کی ہیں۔

”اور اس خاتون کو بھی نوازا جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی“ (انبیاء/۹۱) ”اور مریم بنت عمران کو بھی (اللہ مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی“ (تحریم/۱۲)

زنا ایک بڑا جرم ہونے کی دلیل کا سورہ ممتحنہ کی آیت ۳۱ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں پیغمبر اکرمؐ کو حکم ہو کہ جو خواتین آپ کی بیعت کرنے کے لئے آئیں ان سے ان نکات پر بیعت لے لیں ان میں سے کوئی زنا نہ کرے گی۔ مسلمان عورت اگر زنا کرے تو پیغمبرؐ کے اس معاہدہ کے خلاف ہے یہاں ایک کلام جو اس موقع پر ابوسفیان کی بیوی نے کہا وہ مسلمان عورتوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے اس نے پیغمبرؐ کے اس معاہدہ کے بارے میں کہا کہ کیا آزاد عورت زنا کا ارتکاب کر سکتی ہے۔

۲۔ **لقمہ حرام سے پیدا شدہ اولاد:** نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا اگر حرام ہے تو نطفہ صحیح نہیں بنے گا۔ لقمہ حرام و حلال کی کیا تعریف ہے۔ اسکی تشخیص آجکل بہت مشکل ہے کیونکہ بعض کے نزدیک لقمہ حرام مردار اور حرام شدہ چیزیں، چوری، ڈاکہ اور رشوت ہیں۔ جبکہ شریعت میں ہر وہ مال جو بغیر کسی استحقاق کے حاصل کیا ہو وہ مال حرام ہے۔ اسے کھانے کو لقمہ حرام کہتے ہیں۔ لیکن کسب حلال اور شبہات سے پرہیز کرنے والے ایسے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مرد اور عورتوں موجود ہیں جنکی اولاد غیر صالح ہے۔ کیونکہ لقمہ حلال کسے کہتے ہیں اور ہمارے گھر میں جو ہے وہ حلال ہے یا حرام وہ متوجہ نہ ہوں ہاں اگر کسی کو پتہ ہے تو یہ اور بات ہے۔

اولاد فتنہ ہے

جن چیزوں کو خداوند عالم نے فتنہ قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) فتنہ معنی فساد پھیلاتا:

”اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ بُرا ہے“ (بقرہ/۱۹۱)

(۲) شرک و کفر فتنہ ہے:

”اور تم ان سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے“ (بقرہ/۱۹۳)

(۳) ہر انسان دوسرے انسان کے لئے فتنہ ہے:

”اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنا دیا“ (فرقان/۲۰)

(۴) ناقہ صالح فتنہ ہے:

”بے شک ہم اونٹنی کو ان کے لئے آزمائش بنا کر بھیجنے والے ہیں“ (قمر/۲۷)

(۵) مال و اولاد فتنہ ہے:

”تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بس یقیناً آزمائش ہیں“ (تغابن/۱۵)

(۶) اولاد دین و دنیا کی دشمن ہے:

”تمہاری اولاد میں سے بعض یقیناً تمہارے دشمن ہیں“ (تغابن/۱۴) ”تو اس دن اپنے ماں باپ

سے دور بھاگے گا“ (عبس/۳۴/۳۵)

۳۔ وہ اولاد جو غلط صحبت کی وجہ سے فاسد ہوئی

جیسا کہ خداوند عالم نے حضرت نوحؑ کے بیٹے کو غیر صالح قرار دیا ہے۔ اولاد صالح کیلئے صرف نطفہ صحیح ہونا یا کسب حلال کا ہونا کافی نہیں بلکہ اعمال صالح انجام دینے کیلئے ایک صحیح ماحول اور صالح مربی کی ضرورت ہے۔ مغرب نے صحیح ماحول کے تمام امکانات کو ہم سے چھین لیا ہے۔ آج اگر کوئی اپنے بچے کو فساد سے بچانے کیلئے اپنے گھر کے کمروں میں بند رکھے تو بھی مغرب نے ایسے آلات اور ذرائع تیار کئے ہیں کہ جن سے بچنا نہایت مشکل ہے جیسے کمپیوٹر، جو صالح والدین نیک نیتی سے پیسہ خرچ کر کے اولاد کی حوصلہ افزائی کیلئے گھر میں لاتے ہیں لیکن انٹرنیٹ اور سی ڈیز کے ذریعے وہ مغرب کے اثر سے نہیں بچ پاتے۔ اس کے علاوہ اسکول

اور کالج میں نام کے استاد کسی کے ایماء پر انکے مشن کی تکمیل کیلئے ایسی ڈسکیں بچوں میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ مسلمان بچے فاسد ہو جائیں۔ لہذا اگر آپ خود اپنی اولاد کی حفاظت نہیں کریں گے تو کوئی اور ان کو دین پر باقی رکھنے کیلئے کوشش نہیں کریگا۔ سطر ح آ پکی اولاد کا صالح ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ بچوں کو ہمیشہ گھر میں محبوس نہیں رکھ سکتے اور نہ ہی اسکول و کالج کی پڑھائی سے روک سکتے ہیں۔ علماء و مجتہدین کی اولادوں کے فاسد ہونے کی منطق بھی سمجھ میں آتی ہے۔ کیونکہ تنہا دوسروں کے بچوں کو صحیح کرنے کی ذمہ داری سے وہ اپنے بچوں کو وقت نہیں دے سکتے یا وہ افراد جو معاشرے میں فساد پھیلانے پر مامور ہیں وہ علماء ہی کے بچوں پر پیار و محبت کا ہاتھ رکھتے ہیں تاکہ اپنے مشن کا آغاز یہیں سے کریں۔ لہذا ہمیں پہلے اعمال صالح کی پہچان ہونی چاہئے تاکہ اس کی بنیاد پر اپنے فرزندوں کی تربیت کر سکیں۔

۴۔ اولاد صالح

اولاد کی خواہش ہر انسان رکھتا ہے لیکن اولاد کی شرائط اور صفات کی طرف یہ متوجہ نہیں انہیں صرف اولاد چاہیئے۔ انبیاء، اولیا، ائمہ معصومین، عباد الصالحین کی بھی یہ خواہش رہی ہے لیکن خاص صفات کی حامل اولاد کی جیسا کہ قرآن کریم میں مندرجہ ذیل آیات میں انبیاء کی اولاد صالح کیلئے دعائیں آئی ہیں:

”اے پروردگار، مجھے ایک صالح فرزند عطا کر“ (صافات/۱۰۰) ”اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے فضل سے ایک جانشین عطا فرما۔ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور میرے پروردگار! اسے (اپنا) پسندیدہ بنادے“ (مریم/۶/۵) ”پھر جب وہ حمل بھاری ہوا تو دونوں (میاں بیوی) نے اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں صالح بچہ دیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے“ (اعراف/۱۸۹) ”اور میری اولاد کو میرے لئے صالح بنادے“ (احقاف/۱۵) ”جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل بجالائے“ (بقرہ/۶۲) ”اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال بجالائے“ (محمد/۲) ”اور ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے پروردگار

کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور امید کے اعتبار سے بھی بہترین ہیں“ (کہف/۳۶) ”پس اللہ نے انہیں صالح بچہ عطا کیا تو وہ دونوں اللہ کی اس عطا میں (دوسروں کو) اللہ کے شریک ٹھرانے لگے“ (اعراف/۱۹۰)

بعض لوگ اپنی اولاد کو ہر صورت میں باقیاتِ صالحات گردانتے ہیں جبکہ انکا یہ تصور اس آیت اور دیگر آیات کے تحت غلطی پر مبنی ہے۔

اولاد صالح کسے کہتے ہیں اور کسی کو اولاد صالح گرداننے کے کیا اصول و قواعد ہیں اور اولاد صالح کس طرح بنائی جاتی ہے؟ اس موضوع میں اہم سوالات ہیں بہت سے لوگ ان کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔ انسان روزمرہ سرگرمیوں کے حوالے سے مختلف گروہوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

۱۔ صرف اعمالِ فاسد انجام دیتا ہے۔ جو لوگ اعمالِ فاسد انجام دیتے ہیں انکا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں آیا ہے۔

”البتہ جو کوئی بدی اختیار کرے اور اس کے گناہ اس پر حاوی ہو جائیں تو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ (بقرہ/۸۱) ”اور جو شخص برائی لے کر آئے گا پس اسے اوندھے منہ آگ میں پھینک دیا جائے گا۔“ (نمل/۹۰) ”اور ایسے لوگوں کی تو بہ نہیں جو برے کاموں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے۔ (نساء/۱۸) ”اور جو لوگ برے مکاریاں کرتے ہیں انکے لئے سخت عذاب ہے۔“ (فاطر/۱۰) ”اور انکی بری کمائی ان پر ظاہر ہو جائیگی اور جس بات کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ انھیں گھیر لے گی۔ (زمر/۳۸) ”پس ان پر انکے برے اعمال کی وبال پڑے گی اور ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا ہے عنقریب ان پر بھی انکے برے اعمال کا وبال پڑنے والا ہے۔“ (زمر/۵۱)

۱۔ صلہ کرہام نہ کرنا:

”تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو گے“ (محمد/۲۲) ”اللہ نے جن رشتوں

کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں منقطع کر دیتے ہیں“ (رعد/۲۵)

۲۔ چوری:

”ہم اس سر زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں“ (یوسف/۷۳)

۳۔ خون بہانا، قتل کرنا:

”کیا تو زمین میں ایسا خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلانے کا اور خون ریزی کرے گا؟“
(بقرہ/۳۰) ”جبکہ یہ قتل خون کے بدلے میں یا زمین میں فساد پھیلانے کے جرم میں نہ ہو“ (مائدہ/۳۲)

۴۔ اطاعت خداوندی سے روگردانی:

”جو اللہ کے ساتھ مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں“ (بقرہ/۲۷) ”جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں“
(رعد/۲۵)

۵۔ نظام اسلامی سے لڑنا:

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور روئے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں“
(مائدہ/۳۳)

۶۔ یتیم کا مال کھانا:

”اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور مصلح کون؟“ (بقرہ/۲۲۰)

۷۔ ناپ تول میں کمی پیشی کرنا:

”اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پورا ناپا تول لا کرو“ (ہود/۸۵) ”اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو“ (شعراء/۱۸۳)

۲۔ اعمال صالح و فاسد دونوں ملا کر انجام دیتا ہے۔ جیسا سورہ توبہ آیت ۱۰۲ میں آیا ہے ”اور کچھ دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا انہوں نے نیک عمل کے ساتھ دوسرے برے عمل کو مخلوط کیا“

۳۔ ان کے عمل میں کسی قسم کی نیت و ارادہ کا دخل نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر انسان ایسے ہیں کہ جو بھی کام انہیں میسر ہو وہ کرتے ہیں۔ انکے پاس کسی بھی عمل کے صالح و فاسد ہونے کی کوئی کسوٹی نہیں ہے یہ لوگ شکل سے تو انسان ہیں مگر عمل میں حیوان کے مشابہ ہیں انہیں اپنے اجتماع، ملک اور دین و مذہب کے بارے میں کسی قسم کی ذمہ داری کا احساس نہیں بد قسمتی سے ہمارے معاشرے کی اکثریت اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے جس گھر کا دروازہ کھلا ہو یا اس میں رہنے والے غافل و مدہوش ہوں تو یہ گھر چوری، ڈاکہ ڈالنے والوں کی شکار گاہ بنے گا۔ ہماری ساری مصیبتیں اس گروہ کی غفلت اور عدم توجہی کی وجہ سے ہیں انکی صورت و سیرت آیات قرآنی اور کلمات امیر المومنین کے تحت شکل میں انسان ہیں اندر سے حیوان ہیں۔ آیات قرآن اور کلمات امیر المومنین ملاحظہ کریں:

”وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں یہ لوگ تو غافل ہیں“ (اعراف/ ۱۷۹)

”اس لئے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں اس بندھے ہوئے چوپائے کی طرح جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر ہوتی ہے یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور اسکا جو مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے۔ کیا میں بے قید و بند چھوڑ دیا گیا ہوں یا بے کار کھلے بندوں رہا کر دیا گیا ہوں“ (نہج البلاغہ، کتب/ ۴۵)

عمل صالح اور فاسد کی تفسیر: عمل صالح کسے کہتے ہیں اسکی تشخیص اور تفسیر میں ارباب فکر و نظر اختلاف نظر رکھتے ہیں۔

۱۔ مغرب والوں کا نقطہ نظر

مغربی سرمایہ داری نظام عمل صالح اسے قرار دیتا ہے جو معاشرے میں زیادہ فائدہ پہنچائے۔ ان کی نظر میں عمل کا کثیر المنفعت ہونا اس کے صالح ہونے کا معیار ہے۔ فری طبی مشن (فری علاج معالجہ) اسکا لرشپ، سردیوں میں کمبل تقسیم کرنا، جنگ یا سیلاب زدہ علاقوں میں کھانے کے ڈبے تقسیم کرنا وغیرہ ان کی نظروں میں عمل صالح ہیں انہی کاموں کی وجہ سے ہمارے لوگ اسلام سے زیادہ مغرب سے متاثر ہیں۔ اسلامی اقتدار کی بجائے مغربی اقتدار کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس ملک میں وہ گروہ جو دین کو خراب کرنے کے درپے ہے بطور وسیلہ ان اعمال کو انجام دیتے ہیں انکی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ لیکن اسلام اسے عمل صالح نہیں کہتا۔ کیونکہ ان کے اعمال بدعتی پر مبنی ہیں بلکہ دین و شریعت کے خلاف اور معاشرے میں فساد پھیلانے کا موجب ہیں۔

۲۔ مارکسزم والوں کا نقطہ نظر

نظام مارکسزم کی نظر میں ہر وہ عمل جس سے سرمایہ داروں کو فائدہ ملے وہ فاسد ہے اور جس سے مزدوروں اور نئے نظام کو فائدہ ملے وہ عمل صالح ہے۔

۳۔ اسلامی نقطہ نظر

اسلامی نقطہ نظر کے تحت ایک عمل صالح ہونے کیلئے مندرجہ ذیل شرائط کی ضرورت ہے۔

- ۱۔ خود عمل اپنی جگہ صالح ہو جیسے صداقت، مستحق احسان سے احسان کرنا، عدالت، سخاوت، یہ عمل بذات خود اپنی جگہ عمل صالح ہیں۔
- ۲۔ عمل بجالانے والے کا ایمان بہ خدا و آخرت کے ساتھ عمل بجالانا سیرت ہو۔ ”مشرکین کو یہ حق حاصل نہیں کہ مساجد کو آباد کریں درحالیکہ وہ خود اپنے کفر کی شہادت دے رہے ہیں ان لوگوں کے اعمال برباد ہونگے اور وہ آتش میں ہمیشہ رہیں گے“

(توبہ/۱۷)

۳۔ عمل کو بجالاتے وقت ریا کاری سے اجتناب کرنا ہو۔ یعنی سوائے رضا خدا کے اپنی یا اپنے جیسے کسی اور کی خواہشات کو شامل نہ کرے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات:

”اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے تمام اعمال برباد ہو جاتے“ (انعام/۸۸)
 وہ یہ ہیں کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں“
 (عمران/۶۳) ”جو اللہ کے حضور جانے کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھرائے“ (کہف/۱۱۰) ”اسلئے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اب ہم کسی کو ہرگز اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے“ (جن/۲)

اولاد باقیات الصالحات:

”اور ہم نے ان کی اولاد ہی کو باقی رہنے والوں میں قرار دیا“ (صافات/۷۷)
 اولاد صالح جسے اکثر انسان باقیات الصالحات سمجھتے ہیں۔ یعنی اسکے مرنے کے بعد بچی ہوئی نیکی اور خوبیوں میں سے ہے۔ بعض اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور بعضوں کی توقعات اس سے آگے ہیں کہ یہ اولاد میرے مرنے کے بعد میری قبر و حشر میں میری نجات کا سامان ہوگی۔ یہ سب توقعات و امیدیں ہیں۔ اولاد باقیات الصالحات گردانے کیلئے پہلے ضروری ہے باقیات کسے کہتے ہیں کیا چیز باقیات سے ہیں اور کونسی چیزیں صالح ہیں معلوم ہو پھر ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سی اولاد اس زمرے میں آتی ہے اور کونسی نہیں۔ آئیے دیکھتے ہیں باقیات الصالحات کیا ہیں۔

۱۔ خدایں باقی رہے گا:

”اور صرف آپ کے صاحب عزت و جلال رب کی ذات باقی رہنے والی ہے“ (طہن/۲۷) ”اللہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے“

(طہ/۷۳)

۲۔ آخرت ہی باقی رہے گی:

”آخرت بہترین اور بقا والی ہے“ (اعلیٰ/۱۷)

۳۔ کلمہ طیبہ:

”اور انہوں نے اس پیغام کو اپنی نسل میں ایک کلمہ باقیہ قرار دے دیا“

(زخرف/۲۸)

۴۔ جو چیز راہِ خدا میں خرچ کی جائے

”جو کچھ بھی خدا کی بارگاہ میں ہے وہ خیر اور باقی رہنے والا ہے“ (قصص/۶۰) ”اور جو کچھ اللہ کے

پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے“ (نحل/۹۶)

وہ اولاد انسان کی باقیات الصالحات میں سے گنی جائے گی۔ جو خدا اور آخرت اور انبیاء و معصومین پر یقین اور صحیح اعتقاد رکھتی ہو۔ دین اسلام کے اصول و فروع کی پابند ہو۔ اپنے والدین کے ذمہ واجب ادا و اجبات شرعی دینی اور انسانی کو پہلی فرصت میں ادا کرے پھر اپنی حسب استطاعت اپنے مرنے تک بہتر سے بہتر اعمال، تلاوت قرآن، حج و زیارات ان کے نام پر نیک اعمال پر شرکت کرنے والی اولاد کو باقیات الصالحات میں گنا جائے گا۔

۱۔ خود اعمال صالح کے پابند ہوں کیونکہ نیک اعمال صرف متقین کے ہی قبول ہیں:

”اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے“ (مائدہ/۲۷)

۲۔ جو چیز مرحوم کی مغفرت کے لئے انجام دیتے ہیں وہ ریا کاری سے خالی ہو۔

۳۔ مرحوم دنیا سے اسباب مغفرت اور اجر و ثواب وصول کرنے کی اہلیت رکھتا ہو ورنہ مرتد، بے دین، حکم خدا و رسول کو دنیا میں ٹھکرانے والے نظام اسلام اور حکم قرآن کی جگہ پر نظام کفر و لادین لانے کی کوشش کرنے والوں کے لئے نہ آیات قرآنی کی تلاوت نہ کھانے پینے کی چیزیں مفید ہوں گی یہاں تک ایسے لوگوں کے نماز جنازہ پڑھنے سے قرآن نے منع کیا ہے۔

۵۔ **اولادِ نسبتی اور تربیتی** (جسے اس نے دین و مذہب سکھایا اور صالح بنایا) گرچہ احکام شریعت ارث و حریمیت وغیرہ اس پر لاگو نہیں ہوتے لیکن حکم شریعت کے تحت وہ اولاد کہنے کی مستحق ہے جیسے محمد ابن ابی بکر کے بارے میں حضرت علیؑ نے فرمایا: محمد میرا بیٹا ہے ابو بکر کی صلب سے ہے یہاں اس سے مراد میرا تربیت شدہ فرزند ہے۔

اولادِ نسبتی کی اقسام:

اس کی بھی چند قسمیں ہیں:

۱۔ **اولادِ نسبتی:** اس پر نصف حکم شریعت نافذ ہے جیسے بیوی کے دوسرے شوہر سے اولاد اسی طرح شوہر کی دوسری بیوی کی اولاد موجودہ بیوی کے لئے نصف حکم شریعت رکھتی ہے۔ جیسے محمد ابن ابی بکر کے بارے میں حضرت علیؑ نے فرمایا: محمد میرا بیٹا ہے ابو بکر کی صلب سے ہے یہاں اس سے مراد میرا تربیت شدہ فرزند ہے۔

۲۔ **اولادِ حبنی:** جسے ہمارے ہاں رائج اصطلاح میں منہ بولی اولاد کہتے ہیں اس قسم کے والد و مولود، ابوت و بنوت دور جاہلیت میں پائی جاتی تھی اور دورِ حاضر میں بھی اس کو فروغ حاصل ہے اور اس عملِ فتنج کو قابلِ تحسین گردانا جاتا ہے۔ قرآن نے اس سنت کو مسترد کیا ہے اور اسے احکام ابوت و بنوت سے خارج کیا ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں:

”اور نہ ہی تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں“ (احزاب/۴) ”تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے شادی کرنے) کے بارے میں کوئی حرج نہیں“ (احزاب/۳۷) ”تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ”ظہار“ کرتے ہیں (انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے“ (مجادلہ/۲)

زمانہ جاہلیت میں جنگ، ڈاکہ اور غارت گری میں مغلوب گروہ کے بیوی بچوں کو اسیر کر کے انھیں فروخت کرتے تھے اور جوان میں حسن و جمال یا اچھے کردار کے حامل ہوتے تھے انھیں آزاد کر کے اپنی اولاد بنالیتے تھے چنانچہ اسی طرح زید بن حارثہ جو ایک اسیر تھے حضرت خدیجہ الکبریٰ کی غلامی میں آئے اور آپ نے انھیں پیغمبرؐ کو ہبہ کیا۔ پیغمبر اکرمؐ کی غلامی کے دور میں انکے والد آئے اور انھیں آزاد کروا کر واپس لے جانا چاہا تو زید نے اپنے حقیقی والد کے ساتھ جانے اور اپنے آزاد ہونے سے انکار کیا اور پیغمبرؐ کی غلامی میں رہنے کو پسند کیا۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے انکی اس حسن نیت کی وجہ سے انھیں اپنا بیٹا کہا اور انکا اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش سے عقد کیا۔ لیکن بعد میں خداوند متعال کی طرف سے آیت نازل ہوئی کہ یہ سنت تمہنی ہمیشہ کیلئے شریعت میں منسوخ ہے جو حکم شریعت میں منسوخ ہوا اسے آج مسلمان قرآن و سنت کو ماننے والے حتیٰ بعض دیندار لوگ بغیر کسی جھجک کے اپنا رہے ہیں جبکہ اس منسوخ شدہ سنت میں بہت زیادہ قباحتیں ہیں ان میں سے چند ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

- ۱۔ جس سنت کو قرآن میں خداوند عالم نے منسوخ کیا ہے اسے زندہ کرنا قبیح عمل ہے۔
- ۲۔ لڑکا ہو یا لڑکی سن بلوغت پر پہنچنے کے بعد جب اس میں حسن و جمال ابھر کر سامنے آتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے جنسی خواہشات اور طغیان فوارے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اگر لڑکی ہے تو اس باپ کیلئے نامحرم ہے اور اگر لڑکا ہے تو اس ماں کیلئے نامحرم ہے تو پوری زندگی ایک نامحرم کے ساتھ گزارتے ہیں ممکن ہے کسی وقت یہ سنت ذہن سے نکل جائے تو فعل حرمت کا ارتکاب کا خدشہ رہتا ہے۔
- ۳۔ اس عمل سے اسکی متروکہ جائیداد سے اس کے حقیقی وارثین جیسے بہن بھائی یا برادر زادے محروم ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے یہ بھی اپنی جگہ ایک ظلم ہے۔
- ۴۔ جو افراد کسی اور کی اولاد کو دیکھ لیتے ہیں اور محبت و شفقت سے اسکی پرورش کرتے ہیں اور اس ضمن میں مشکلات اور مصیبتیں برداشت کرتے ہیں وہاں انکے ذہن میں ایک خدشہ ہر وقت جنم لیتا ہے کہ کہیں یہ (لڑکا لڑکی) بڑے ہونے کے بعد اپنے حقیقی والدین سے جا ملیں اور وہ تنہا رہ جائیں۔ لہذا اس خدشہ

کو دور کرنے کی خاطر وہ اس بچے اور اس کے والدین کے درمیان نفرت و عداوت پیدا کرتے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے دور رہیں اس کے علاوہ وہ اپنی جائداد ایک ایسے شخص کو اپنی خواہش اور رغبت کی بنا پر سپرد کر کے مرتے ہیں اگر خدا نخواستہ یہ منہ بولا فرزند غیر صالح اور جنایت کار بنے تو اس کا بھی حصہ اسے ملے گا کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے اس کے سپرد کیا ہے یہ تمام قباحتیں اس تمنیٰ میں موجود ہیں۔

۶۔ **اولاد اشرفی:** یعنی کسی کے بیٹے کے حسن و جمال یا اچھے کردار کو دیکھ کر احتراماً اسے اپنا بیٹا کہنا۔ یہ عمل بھی ہمارے ہاں رائج ہے یعنی بیٹے کے فرائض و احکام اس پر لاگو نہیں ہوتے بس احتراماً اسے بیٹا کہتے ہیں۔ اسی اشرف اور احترام کو بنیاد بنا کر یہودیوں اور مسیحیوں نے اپنے بعض نبیوں کو خدا کا بیٹا کہا ہے جبکہ خداوند متعال کیلئے بیٹے کا ہونا محال ہے:

”وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے“ (انبیاء/ ۲۶) ”اور کہہ دیجئے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے.....“ (اسراء/ ۱۱۱) ”اور انہیں تنبیہ کریں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے“ (کہف/ ۴) ”اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو“ (نساء/ ۱۷۱) ”اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا وہ پاکیزہ ہے اور وہ اللہ یکتا غالب ہے“ (زمر/ ۳) ”اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی شان بلند ہے اس نے نہ کسی کو زوجہ بنایا اور نہ اولاد“ (جن/ ۳) ”اللہ کی شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے“ (مریم/ ۳۵) ”اور رطمن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے“ (مریم/ ۹۲) ”اور اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا“ (مومنون/ ۹۱) ”جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا“ (فرقان/ ۲) ”نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا“ (اخلاص/ ۳)

ان آیات میں خداوند عالم نے کسی انسان کی ولدیت کو اپنی طرف منسوب کرنے کو مسترد کیا ہے۔ جبکہ مشرکین اور اہل کتاب نے اس کی طرف اولاد کو نسبت دی ہے:

”اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے پاک ہے وہ ذات (ایسی باتوں سے)“ (بقرہ/

(۱۱۶) ”وہ کہتے ہیں: اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے وہ بے نیاز ہے“
یونس/۶۸) ”اور وہ کہتے ہیں: رحمن نے کسی کو فرزند بنالیا ہے“ (مریم/۸۸)

فلسفہ احتیاج و نیاز مندی اولاد

اس دنیا میں انسان کی فکر اور سوچ اس کی اندرونی خواہشات تصورات یا اس کے گرد و نواح کے ماحول سے بنتی ہے۔ ہر وہ چیز جسکی اسے خواہش ہو یا اسے اپنے لئے ضروری سمجھتا ہو وہ دوسروں کیلئے بھی پسند کرتا ہے ہر وہ چیز جو اسے پسند نہ ہو یا جس سے وہ نفرت کرتا ہو وہ دوسروں کیلئے بھی بری سمجھتا ہے۔ جس طرح خود کو اولاد کا محتاج اور نیاز مند سمجھتا ہے اسی طرح وہ خدا کو بھی اولاد کا نیاز مند محتاج سمجھتا ہے خداوند متعال کی ذات کا اولاد دیا احتیاج و نیاز مندی سے پاک و منزہ ہونے کا بیان بعد میں کریں گے پہلے مرحلے میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ انسان کیونکر اور کن اسباب و عوامل کے تحت خود کو اولاد کا محتاج اور نیاز مند سمجھتا ہے۔

۱۔ نفس انسانی کے اندر ایک حس موجود ہے جسکے دوزاویے ہیں ان دوزاویوں کی بنیاد پر وہ اپنے لئے اولاد کا ہونا ضروری سمجھتا ہے۔

الف۔ اسکی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ذکر دنیا میں ہمیشہ باقی رہے۔

ب۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک دنیا میں نہیں رہے گا۔ اس کی عمر بھی دیگر لوگوں کی طرح محدود ہے۔ لہذا وہ اپنے ذکر کی بقا کا ذریعہ اولاد ہی کو سمجھتا ہے وہ جتنا بڑھا پے کی طرف جاتا ہے اسکی یہ خواہش زور پکڑتی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا کے بارے میں قرآن میں نقل ہے۔

۲۔ انسان قدرت مندی اور عزت کی خواہش رکھتا ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ قوی قدرت مند اور صاحب عزت و آبرو رہے۔ اسکی بھی دو بنیادیں ہیں۔ (۱) جوانی میں انسان کو اپنے اندر ایک طاقت و قدرت نظر آتی ہے لہذا جوانی میں اولاد کی خواہش میں اتنی نمو اور تیزی نہیں آتی جتنی بڑھا پے میں آتی ہے عمر رسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی عزت کو بھی (جو قدرت مندی کے نتیجے میں اسے حاصل تھی) کھوتا ہوا دیکھتا ہے اب وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت و قدرت کی بازیابی کے لئے اولاد کی خواہش کرتا ہے تاکہ وہ عزت و

احترام اسے دوبارہ مل جائے۔

۳۔ انسان کے اندر خداوند متعال نے کچھ ایسے تصورات اور احساسات پیدا کئے ہیں جن سے صرف وہ نہیں بلکہ بقائے نظام کائنات بھی ہے ان میں سے ایک حرص و طمع دولت ہے البتہ دین نے اسے کے اثر ہونے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے قرآن فرماتا ہے تم مال سے محبت کرتے ہو دنیا تمہیں اچھی لگتی ہے شیطان انسان کو کثرت مال و دولت کو اچھا کر کے دکھاتا ہے انسان دولت کا مالک ہوتا ہے لیکن جب وہ یہ سوچتا ہے کہ ایک دن اس نے یہاں نہیں رہنا اور یہ دولت کسی اور کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ اسکی محنت و مشقت سے کمائی گئی اس دولت کا وارث کوئی اور بن جائے گا تو اسے اولاد محترم نہیں بلکہ اس کی نظر میں جو مقام و منزلت ہے وہ مال و دولت کو حاصل ہے۔ انسان کبھی اتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ وہ اولاد کیلئے دولت کا خواہاں نہیں ہوتا بلکہ دولت کیلئے اولاد کا خواہاں ہوتا ہے تا کہ وہ اسے جمع شدہ مال کی وارث بنے۔

خدا اور مفروضہ بنوت

مذکورہ بالا انواع و اقسام ولادت بیان کرنے کے بعد ہم جس مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہیں گے وہ ہے خدا کیلئے اولاد کی نسبت۔

۱۔ خداوند متعال نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں ہر قسم کی بنوت کی نسبت سے اپنی ذات کو پاک و منزہ قرار دیا ہے جن آیات میں اس نے اپنی ذات سے نسبت بنوت کی نفی کی ہے وہ یہ ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ﴾ ”بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہے“ (نساء/ ۱۷۱) ”اللہ کی شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے“ (مریم/ ۳۵) ”اور اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا“ (مومنون/ ۹۱) ”اور کہہ دیجئے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے.....“ (اسراء/ ۱۱۱) ”کہہ دیجئے: اگر رحمن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا“ (زخرف/ ۸۱)

۲۔ لوگوں کی طرف سے خدا کیلئے اولاد کی نسبت دینے کا ذکر ان آیات میں آیا ہے:

اولاد اولویت کے منافی ہے

خداوند متعال کیلئے اولاد کی نسبت کا آغاز میلاد مسیح کے تین سو سال بعد شروع ہوا ہے:

﴿وَحَرِّقُوا آلَهُ بَنِي وَيَسَّىٰ يَحْمِلُ﴾ ”اللہ کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ ڈالیں“ (انعام/۱۰۰) ”اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے پاک ہے وہ ذات (ایسی باتوں سے)“ (بقرہ/۱۱۶) ”وہ کہتے ہیں: اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے وہ بے نیاز ہے“ (یونس/۶۸) ”انہیں تنبیہ کریں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے“ (کہف/۴) ”وہ کہتے ہیں: رحمن نے کسی کو فرزند بنالیا ہے“ (مریم/۸۸) ”اس بات پر کہ انہوں نے رحمن کے لئے فرزند کا الزام لگایا ہے“ (مریم/۹۱) ”رحمن کی شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے“ (مریم/۹۲) ”وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنالیا ہے“ (انبیاء/۲۶) ”جس نے کسی کو فرزند نہیں بنایا“ (فرقان/۲) ”اس نے نہ کسی کو زوجہ بنالیا اور نہ کسی کو بیٹا“ (جن/۳)

۳۔ خدا کیلئے اولاد کی نسبت: جن لوگوں نے خدا کیلئے اولاد کی نسبت دی ہے وہ بیٹے اور بیٹی کی نسبت ہے قرآن کریم کی آیات میں دونوں کی نسبت کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ مشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا:

”اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ ڈالیں“ (انعام/۱۰۱) ﴿اصْفَطِ الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ مَا لَكُمْ﴾ ”کیف تحکمون؟“ ”کیا اللہ نے بیٹوں کی جگہ بیٹیوں کو پسند کیا تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟“ (صافات/۱۵۳/۱۵۴) ﴿وَيَجْعَلُونَ الْبَنَاتِ سُبْحَنَهُ﴾ ”اور انہوں نے اللہ کے لئے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں“ (نحل/۵۷) ﴿فَاسْتَفْتِهِمُ الرِّبَّكَ الْبَنَاتِ وَلَهُم بَنُونَ﴾ ”پس آپ ان سے پوچھیں: کیا تمہارے رب کے لئے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لئے بیٹے ہوں؟“

(صافات/۱۴۹) ﴿لَمَّا اتَّخَذْنَا مِمَّا يَخْلُقُ بَنِينَ وَاصْفَكُم بِالْبَيْنِ﴾ ”کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے (اپنے لئے) بیٹیاں بنالیں اور تمہیں بیٹے جن کر دیے؟“ (زخرف/۱۶) ﴿لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمْ الْبَنُونَ﴾ ”کیا اللہ کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں؟“ (طور/۳۹) ”انہوں نے اللہ کے لئے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں“ (نحل/۵۷) ”کیا اللہ نے بیٹوں کی جگہ بیٹیوں کو پسند کیا“ (صافات/۱۵۳) ”کیا تمہارے رب کے لئے تو بیٹیاں ہوں اور ان کیلئے بیٹے ہوں؟“ (صافات/۱۴۹) ”کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے بیٹیاں بنالیں اور تمہیں بیٹے جن کر دیے؟“ (زخرف/۱۶) ”کیا ان کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں؟“ (طور/۳۹)

۲۔ خداوند متعال نے ان لوگوں سے مجادلہ بالحق کیا ہے کہ جنہوں نے خدا کیلئے بیٹی کی نسبت دی ہے یہاں یہ بات واضح کرنا دو لحاظ سے ضروری ہے کہ

الف۔ کہیں بیٹی کو خدا کا اپنی ذات سے مسترد کرنے پر مغربی اسلام دشمن عناصر اس بات کا پروپیگنڈہ نہ کریں کہ مسلمانوں کے خدا نے بھی بیٹی کو پسند نہیں کیا اور اس نے بیٹی کی نسبت دینے والوں سے اظہار ناراضگی کیا ہے۔

ب۔ مسیحی ان آیات سے یہ استدلال نہ کریں کہ خدا نے بیٹی کی نسبت دینے کو مسترد کیا ہے بیٹے کی نسبت کو مسترد نہیں کیا ہے۔

۱۔ یہودیوں نے خود کو ابناء اللہ (خدا کے بیٹے) قرار دیا۔

۲۔ یہودیوں نے عزیر کو جو مرنے کے ایک سو سال بعد زندہ ہوئے تھے اسے خدا کا بیٹا قرار دیا

۳۔ مسیحی اور یہودیوں نے صرف بیٹے کی نسبت دی ہے یہودیوں نے سب کو ابناء اللہ قرار دیا ہے:

”یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

۴۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا تَكَادُ السَّمُوتُ يَنْفَطَرُونَ مِنْهُ وَتَتَنَقَّى الْأَرْضُ وَتَنْجَرُ

الحبال هنا ان دعووا للرحمن ولنا وما يتبعی للرحمن ان يتخذ ولنا ﴿ (مریم/۸۸ تا ۹۲) ” اور وہ کہتے! ہیں رحمٰن نے کسی کو فرزند بنا لیا ہے۔ تحقیق تم بہت سخت بے ہودہ بات (زبان پر) لائے ہو، قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کیلئے فرزند (کی موجودگی) کا الزام لگایا ہے۔ اور رحمٰن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے ﴿ ﴿وینفرو الذین قالوا اتخذ اللہ ولنا مالہم بہ من علم ولا یاتہم کبرت کلمۃ تخرج من اقوالہم ان یقولون ال کلنا﴾ ” اور انھیں تنبیہ کریں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ اس بات کا علم نہ انہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو یہ بڑی (جسارت کی) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ تو محض جھوٹ بولتے ہیں)“

(کہف/۵/۴)

مشرکین نے ملائکہ کو خدا کا بیٹا قرار دیا یہودیوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے جبکہ مسیحیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے۔

۵۔ اس وقت عالم اسلام کا مذہبی جدل میں مسیح، تبشیری گروہ سے سامنا ہے وہ ہمارے ہاں فلاح و بہبود، بے سہارہ لوگوں کی سرپرستی، فروغ تعلیم، خدمت خلق کی اجازت سے داخل ہوتے ہیں۔ یہاں پر نفوذ کے بعد مسیحیت کے بے بنیاد اور بے منطقی عقائد سے مسلمان ضعیف العقیدہ یا محتاج اور نیاز مندوں کو ورغلا تے ہیں اور ان کے ضمیر اور دین کو یرغمال بنانے کے لئے حضرت مسیح کی بنوت کا پرچار کرتے ہیں یعنی غیر مسیحیوں کو مسیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم یہاں اس مسئلہ نسبت بنوت کے بارے میں جتنے مفروضے جن کا دعویٰ کیا جاتا ہے کے بارے میں ضروری مگر اختصار کے ساتھ وضاحت کریں گے۔

۱۔ ولادت یعنی خدا بنوت میں تبدیل ہو جائے، مسیح میں حلول ہو جائے، اس میں حل ہو جائے جیسے لکڑی جل کر راکھ بن جاتی ہے یا پانی سو درجہ حرارت پر بخارات میں تبدیل ہوتا ہے یہ بخارات ہی وہی پانی ہے۔

- ۲۔ جس طرح عام انسان سے ایک جز نکل کر اولاد بنتی ہے اسی طرح خدا سے جز نکل کر مسیح بنے ہیں۔
- ۳۔ مسیح فرزند الہی ہے۔ یعنی مسیح کی صفات اور خصوصیات کی بنا پر یا ان کے احترام کی خاطر یا ان کے اندر موجود بے پدری کے خلاء کو پر کرنے کیلئے خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔
- ۴۔ خدا چونکہ بطور مستقیم لوگوں سے ارتباط نہیں کر سکتا تھا لہذا خدا نے مسیح کو خلق کیا تاکہ وہ کام جو خدا نہیں کر سکتا اسے مسیح کروائیں۔

یہ وہ مفروضے ہیں جو خدا سے نسبت بنوت کے بارے میں تصور کئے جاتے ہیں۔

ذات خدا کی عقل اور قرآن سے ثابت شدہ صفات جیسے غنی، صمد، انزال و عہدی، عالم، قدرت، حیات وغیرہ کو سامنے رکھنے کے بعد تمام مذکورہ بالا بنوت کے مفروضے اس ذات باری تعالیٰ کیلئے محال ہیں۔ کیونکہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ انسانوں میں اولاد کی خواہش کی بنیادوں کو واضح کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بنوت کے تمام مفروضے احتیاج و نیاز مندی کی ضرورت میں ممکن ہیں اور احتیاج و نیاز ذات باری تعالیٰ میں محال ہے لہذا بنوت حقیقی و نسبتی دونوں اس ذات کیلئے محال ہے۔

بنوت حقیقی

- بنوت حقیقی کی دو صورتیں ہیں دونوں خدا کے لئے محال و ناممکن ہیں۔
- ۱۔ باپ ختم ہو کر بیٹے میں تبدیل ہو جائے۔ چنانچہ بعض مسیح بنوت مسیح میں اس نظریہ کے قائل ہیں۔ اس صورت میں باپ جب بیٹے میں تبدیل ہوا یعنی خدا مسیح میں تبدیل ہوا تو خدا جو واجب الوجود تھا وہ ممکن الوجود میں تبدیل ہوا کیونکہ حضرت عیسیٰ ممکن الوجود تھے کیونکہ وہ ولادت، طفلیت، موت اور عجز سے گزرے ہیں اور یہ علامات ممکن الوجود کی ہیں۔
- ۲۔ یہ جو جز نکلا ہے کیا یہ خدا کا جز تھا۔ اس صورت میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔
- ۲-۱ اس جز کے نکلنے کے بعد خدا میں کمی پیدا ہوئی کیونکہ وہ اپنے جز کے جدا ہونے سے عاجز ہوا۔
- ۲-۲ اس کا مطلب ہوا کہ خدا مرکب ہے۔ یعنی جو چیز نکلی اور جو باقی بچی دونوں کا مرکب تھا۔ جبکہ مرکب

علامات ممکن الوجود سے ہے۔

۲۔۳ یہ ذاتِ خدا کا جز نہیں تھا بلکہ ایک فالتو جز تھا جو وہاں سے نکلا۔ اس صورت میں بھی دواشکال لازم آتے ہیں۔

۱۔ خدا مکان ہوگا اور حوادثِ تغیرات کا محل ہوگا۔

۲۔ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک جز وہاں آنے سے پہلے کی حالت، دوسرا نکلنے کی تیسرا الگ سے موجود ہونے کی حالت۔ جبکہ یہ تمام صورتیں الوہیتِ خدا کے منافی ہیں۔

۲۔۴ بنوتِ نسبتی یعنی خدا نے اپنی طرف نسبت دی۔ یہ خدا کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ نسبت وہاں دی جاتی ہے جہاں ممکن ہو۔ جیسے ایک انسان کو اندھا کہہ سکتے ہیں لیکن درخت اور پتھر کو اندھا نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ انکے لئے ممکن ہی نہیں لہذا ان سے نسبت بھی نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح خدا کیلئے بنوتِ نسبتی ناممکن ہے۔

۱۔ خدا کا جز نکل کر مسیح بن گیا۔ جس طرح دنیا میں اولادیں اپنے باپ کا ایک جز ہوتیں ہیں جیسا کہ نبی البلاغہ کتب نمبر ۳۱ میں امیر المومنین امام حسنؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے دیکھا کہ تم ہی ایک ٹکڑا ہو بلکہ جو میں ہوں وہی تم ہو یہاں تک کہ تم پر کوئی آفت آئے تو کو یا مجھ پر آئی ہے۔“

۲۔ حضرت عیسیٰؑ کے باپ نہ ہونے کی وجہ سے بطور اعزاز و اشراف اپنی فرزندگی کے لقب سے نوازا ہے۔ خداوند متعال نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں اپنے سے ہر قسم کی ولدیت اور بنوت کو مسترد اور محال قرار دیا ہے۔

لفظ ولد یا بنوت میں دونوں حقیقی یا مجازی طور پر خدا سے پیدا ہونا یا بطور احترام ایسی نسبت دینا دونوں صورتوں میں شان الوہیت و ربوبیت کے منافی ہے۔ آیۃ الکرسی میں ذکر ہے:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ

ذالذی یشفع عنده الا باذنه یعلم ما بین ایدیهما وما خفہما ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السموات و الارض ولا یؤدہ حفظہما وهو العلی العظیم ﴿اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور سب کا نگہبان ہے اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے روبرو اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ ان سب سے واقف ہے اور وہ علم خدا میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ خود چاہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان دونوں کی نگہداری اس کے لئے کوئی گراں نہیں ہے۔ اور وہ بلند و بالا عظیم ذات ہے﴾ (بقرہ/۲۵۵) ﴿وللہ میراث السموات والارض﴾ ”اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے ان سب کی برگشت خدا کی طرف ہے ان کا وارث خدا ہے۔“

لہذا خدا کیلئے ولدیت اور بنوت کی ضرورت کا فلسفہ عبث ہے تو کیونکر خدا کی ذات سے اولاد اور بنوت کو نسبت دیں یہ پہلی دلیل ہے۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اصلاً خدا کیلئے بیٹے کا تصور ہر لحاظ سے نامعقول و ناممکن ہے۔ اس منطق کی وضاحت یا توضیح یہ ہے کہ کیسے خدا اپنے لئے بیٹا بنائے گا یا کوئی اسکا بیٹا بنے گا اس سلسلہ میں چند مفروضے ہیں:

الف۔ وہ خود اپنے لئے بیٹا پیدا کرے گا اگر ایسا ہو تو وہ بیٹا نہیں ہوگا بلکہ دیگر مخلوقات کی مانند خدا کی مخلوق ہوگا کیونکہ بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہے جبکہ خدا کا کوئی جز نہیں ہے۔

ب۔ وہ بیٹا جو خدا سے نکلا ہے تو وہ خدا کا جز تھا جس طرح دیگر بیٹے اپنے باپ کا جز ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں بیٹا پیدا ہونے کے بعد خدا میں ایک جز کم ہوا اور خدا ناقص ہوا جبکہ خدا میں نقص کا ہونا محال ہے اسی طرح اگر یہ کہیں کہ خدا کا جز نہیں تھا بلکہ وہ منظر و ف تھا اور خدا اسکا ظرف تھا تو ایسی صورت میں خدا مکان ہوا اور بیٹا اسکا مکین یعنی محل حوادث ہوا۔ جبکہ خدا کیلئے محل حوادث کا ہونا محال ہے۔

ج۔ اگر وہ بیٹا خدا نے خود پیدا نہیں کیا اور خود پیدا ہو گیا ہے تو یہ خدا کا بیٹا تو نہ ہوا بلکہ الگ سے ایک موجود ہوا جس کا خدا سے کوئی ربط نہیں ہے تو اس صورت میں دو خدا ہو گئے اسکے علاوہ بیٹا ہونے کیلئے زوجہ کی ضرورت ہے جس سے بیٹا پیدا ہو جبکہ خدا کی کوئی زوجہ نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند متعال نے حضرت آدم کو بغیر مذکر و مونث کے پیدا کیا تو کیا آدم بیٹا ہیں؟ حوا کو بغیر مذکر کے پیدا کیا یعنی وہ مذکر کی محتاج نہیں۔ حضرت عیسیٰ کو مونث سے پیدا کیا بغیر مذکر کے کو یا وہ مذکر کا محتاج نہیں۔ لہذا اولاد پیدا ہوتی ہے اسباب سے اور اسباب مخلوق خدا ہیں اور خداوند متعال اسباب پر حاکم ہے لہذا وہ جب خلق کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ﴿کُنْ فَيَكُونُ﴾ اگر کہیں کہ ایک مونث ہے جس سے خدا کا بیٹا پیدا ہوا ہے یعنی حضرت مریم تو خود مریم ایک مخلوق ہیں اور ایک مرد و عورت (عمران اور حسنہ) سے پیدا ہوئی ہیں۔ ہم پوچھیں گے یہ مونث خدا کی مخلوق ہے تو اس سے پیدا شدہ بھی خدا کی مخلوق ہوا دیگر مخلوق کی مانند تو اگر یہ کہیں کہ اس مونث نے خود پیدا کیا ہے تو پھر تین خدا ہو گئے۔ خدا، مونث، بیٹا تو ایسی صورت میں تعدد الوہیت لازم آئیگی جو محال ہے۔

۳۔ نسبت دینا: خداوند متعال کیلئے حقیقی اولاد ممکن نہیں ہم تو صرف اسکی طرف نسبت دیتے ہیں جس طرح جس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو وہ دوسروں کی اولاد کو پال کر اپنی طرف نسبت دیتے ہیں۔ یہ نسبت بھی ایک لحاظ سے نقص ہے اور ایک خلا کو پُر کرنے کیلئے ہے اور انفرادی بیقراری اور وحشت کو ختم کرنے کیلئے ہے یہ چیز وہاں صحیح ہے جہاں اصل اولاد عقلی طور پر ممکن ہو اور اگر کچھ اسباب و علل کی وجہ سے وہ اس سے محروم ہو تو کسی اور کی اولاد کو نسبت دے لے۔ لیکن جب خدا کیلئے اصل اولاد ہی محال ہے تو کیونکر نسبہ اولاد ممکن ہو سکتی ہے اولاد کا خدا کی طرف نسبت دینا درحقیقت ایک قسم کا شرک ہے :

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ أَتَاهُ كُلُّ الْإِلَهِ بِمَا خَلَقُوا وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ

سَبِيحٌ لِلَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ غَلَمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ”اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں

بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوقات کو لیکر جدا ہو جاتا اور

ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ غیب و شہود کا علم رکھتا ہے پس وہ منزہ ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں“
(مومنون/۹۱/۹۲)

یہ تھے عقائد مسیحیت سے متعلق مختصر نمونے آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا انکے بنیادی عقائد عقل و منطق سے خارج اور ناقابل فہم درک ہیں۔ اس عقیدہ پر قائم ہونے والے دیگر تصورات دینی کا کیا حشر ہوگا۔ دنیائے مسیحیت نے اپنے دین کے فرسودہ اور خرافات ہونے کا انتقام دیگر ادیان و ملل سے لیا انہوں نے دیگر ادیان و ملل میں خرافات، فرسودگی کو مختلف ذرائع سے شامل کرنے کی ہمہ جہت کوششیں کیں۔ اس سلسلہ میں وہ بہت حد تک کامیاب ہو گئے ہیں۔ دین اسلام کے فرقوں کو ایک دوسرے کی ضد میں کھڑا کر کے اپنی خرافات کو انہیں کے ذریعے ان کے درمیان فروغ دیا ہے اس سے ہمارے تمام فرقے کسی نہ کسی حوالے سے انکی زد میں آئے ہیں۔ مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان نفوذ ہونے والی ایک فکر نظریہ فدا ہے۔ یہ مسیحیت کا نظریہ فدا ہے جو وہ حضرت مسیح کے بارے میں رکھتے ہیں اسے انہوں نے حضرت مسیح کے بارے میں گھڑا ہے اور اسی فکر کو امام حسینؑ کیلئے بھی گھڑا گیا ہے۔ قرآن کریم میں سورہ مائدہ کی آیت ۸۲ میں مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ دشمن یہود کو بتلایا گیا ہے۔ اور نصاریٰ کے قسسیسین کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن ایک صدی سے مسلمان ہر طرف سے مسیحیوں کے حملوں کی زد میں ہیں۔ معلوم نہیں یہ قسسیسین اس وقت موجود نہیں یا وہ قسسیسین ہی نہیں رہے۔ لیکن دین اسلام اسکے خلاف کسی قسم کا تشدد و انتقامی رویہ نہیں رکھتا۔

عید قرآن اور روایات اسلامی میں

عید: عید مادہ ”عوذ“ سے لیا گیا ہے اور اس کے لیے ”عوذ“ کی ”و“ کو ”ی“ سے تبدیل کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ کلمہ صرف ایک بار سورہ مائدہ کی آیت ۱۱۳ میں آیا ہے:

﴿وَبَيْنَا أَتْرَلْ عَلَيْنَا مَائِلَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَمِلًا لَأَوَلْنَا وَآخِرْنَا وَآيَةً مِنْكَ﴾ ”پروردگار ہمارے

اوپر آسمان سے دسترخوان نازل کر دے کہ ہمارے اول و آخر کیلئے عید ہو جائے اور تیری قدرت کی نشانی بن جائے۔“

اسلام کے ہر مذہبی و سیاسی گروہ کی اپنی اپنی نشانیاں ہیں۔ ان میں سے اگرچہ کچھ تو سب میں مشترک ہیں مگر ہر ملک بلکہ علاقے فرقے اور قبیلہ کی ان ایام کو منانے کے آداب و انداز جدا ہیں حالانکہ جب ہم اسلامی بات کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اسلام ہر ملک خطے اور قوم قبیلے کیلئے ایک ہی ہے۔ قرآن و سنت سے ہمیں جو راستہ ملتا ہے وہ ایک ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور اس صراطِ مستقیم میں ملک قوم اور فرقہ کے لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں آتی اور نہ ہی یہ صراطِ مستقیم ایک سے زیادہ ہیں کہ ہر ایک کا راستہ دوسرے سے جدا اور متضاد و متصادم ہو اور ہر کوئی یہ کہتا نظر آئے کہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہے اسلام اور قرآن و سنت نے جو ثقافت دی اس کا اپنا ناکسی کیلئے گراں نہیں لیکن ہمیں آئے دن جن ثقافت سے واسطہ پڑتا ہے ان پر خرچ ہونے والے کثیر مال و دولت کو دیکھتے ہوئے نہایت ضروری ہے کہ ان کا قرآن و سنت سے ملنے والے احکام و تعلیمات سے موازنہ کیا جائے اور انہیں شریعت، عقل و منطق اور عدل و انصاف کے ترازو میں تولایا جائے کیونکہ کوئی بھی چیز قانون کے دائرہ سے باہر نہیں اور خود قانون بھی کسی قانون کے اندر اور اسکے تابع ہوتا ہے جہاں کوئی الہی قانون کا رفرمانہیں وہاں بھی کوئی قانون ساز ادارہ یا قانون ساز کونسل موجود ہوتی ہے لہذا ہم چونکہ اصول عقائد تو حید ثبوت اور معاد کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی حاکمیت کے قائل ہیں لہذا ضروری ہے کہ آیات اسلامی اور عید منانے کے حقیقی طریقے اور مصارف بھی قرآن و سنت سے اخذ کریں چنانچہ اس سلسلے میں ہم پہلے مرحلے میں عید کے بارے میں قرآن و سنت اور سیرتِ معصومین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں کتنی اور کون کون سی عیدیں پائی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دو عیدیں ایسی ہیں کہ جنہیں منانے میں پوری امت مسلمہ متفق ہے۔ ان میں سے ایک ماہِ رمضان المبارک کے اختتام پر یکم شوال کو آنے والی عید ہے کہ جسے عید الفطر کہتے ہیں اور دوسری عید الضحیٰ ہے جو ہر سال ۱۰ ذوالحجہ کو منائی جاتی ہے۔ یہ دونوں مسلمانوں کی عیدیں کہلاتی ہیں تیسری عید عید میلاد النبیؐ ہے کہ جسے منانے میں مسلمانوں کے تمام فرقے متفق نہیں ہیں

اور امت اسلامی کا ایک فرقہ نہ صرف شدت سے اس کی مخالفت کرتا ہے بلکہ اس کی حرمت اور بدعت تک کا قائل ہے اور ان کے بالمقابل عید میلاد النبیؐ منانے والوں کے طور طریقے اور اس سلسلے میں اٹھنے والے اخراجات کو دیکھیں تو وہاں پیغمبر اکرمؐ اور سیرت و کردار پیغمبرؐ کے بیان اور اسکے ذریعے سے مسلم معاشرے کو کفر و شرک و بدعت اور تحریفات و خرافات سے نجات دلانے اور قرآن و سنت کی اتباع و پیروی کی ترغیب دینے کی بجائے بچکانہ و زنانہ حرکات و سکنات اور اصحاب دف و ڈھول کی سرگرمیاں اور حجاب اسلامی کا کھلم کھلا مذاق اڑاتی ہوئے بے پردہ خواتین اور مردوزن کے بے ہنگم مخلوط اجتماع لوگوں کو بے راہ روی کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں۔ عید میلاد النبیؐ کے جلوس میں شرکت کرنے والے چراغان دیکھنے کے بہانے مخلوط اجتماع میں آزادانہ گھومنے پھرنے کیلئے بیتاب نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نہ صرف نوجوان بلکہ عمر رسیدہ افراد بھی اسلامی اور قرآنی اہداف و مقاصد سے دور کرنے والے مخلوط اجتماعات پر مبنی ایسے جلوس اور بارونق سڑکوں اور چمکتی دکتی راتوں میں عیدوں اور مذہبی تہواروں کے نام پر آوارہ گھومنے پھرنے اور سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہونے کے منتظر رہتے ہیں اور جشن و میلے کا سماں باندھنے کیلئے مال و دولت کے اسراف میں تمام حدوں سے تجاوز کرتے نظر آتے ہیں تاکہ برقی قمقموں کی روشنی میں لوگوں کو ثقافت قرآن اور شریعت پیغمبرؐ کے اس نور حقیقی سے دور رکھنے کا بندوبست جاری رہے کہ جو نہ صرف اس دنیا میں بلکہ ہر دوزخ بھی ہر انسان کی ضرورت ہوگا۔ کویا عید کے نام سے ہندوانہ و مشرکانہ تہذیب و ثقافت کو اتنا عام کر دیا گیا کہ آپ چراغ لے کر ڈھونڈیں تو بھی اسلامی و قرآنی ثقافت کا ملنا محال ہے۔

چوتھی قسم کی عید اہل تشیع کے ہاں پائی جاتی ہے کہ جو پیغمبر اکرمؐ کی میلاد کے علاوہ بارہ آئمہ طاہرینؑ کے روز ولادت اور ان کی خوشی کی مناسبت سے بعض دیگر ایام کو بطور عید مناتے ہیں ان کے طور طریقے بھی برادران اہل سنت سے چنداں مختلف نہیں اور یہاں بھی سیرت و ثقافت پیغمبر و آئمہ طاہرینؑ اور احکامات و تعلیمات قرآن کے بیان و پرچار کی بالکل کوشش نہیں کی جاتی اور نہ ہی معاشرے کو بے راہ روی اور خلاف اسلام کاموں سے دور رکھنے کیلئے درس قرآن و سیرت معصومینؑ کی ترویج و اشاعت اور اس سے استفادہ کا اہتمام کیا جاتا ہے

اور نتیجہ مغربی تہذیب و ثقافت گھر گھر ڈیرے جمائے ہوئے ہے اور قرآن کریم اور سیرت و تعلیمات معصومین سے ملنے والے اثر اور وحیات آفرین افکار و نظریات اور طور طریقوں کا کہیں نام و نشان تک نظر نہیں آتا پھر بھی نجانے ہم کیوں مطمئن ہیں کہ ہم پیغمبرؐ و آل پیغمبرؐ کے ماننے والے ہیں حالانکہ نہ ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہمارا قرآن کریم سے کوئی تعلق و واسطہ اور انس و لگاؤ ہے اور نہ ہم سیرت و تعلیمات حضرت محمدؐ و آل محمدؐ پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید ہماری آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑ گیا ہے کیونکہ اگر ہم پیغمبر اکرمؐ اور ان کی آل پاک سے محبت و مودت کے دعوے دار ہیں تو اس دعوے کے ثبوت میں ہمیں ان کی اتباع و پیروی کی حتی المقدور کوشش بھی کرنی چاہئے ورنہ ہمارا دعویٰ جھوٹا ثابت ہونے کی وجہ سے خارج کر دیا جائے گا اور ہم اس دعوے سے جس کامیابی و کامرانی کی امید باندھے ہوئے ہیں اس میں ناکام ہو جائیں گے۔ بعض افراد خوشی منانے کے ثبوت میں یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ ہماری خوشی میں خوشی منانا اور غم میں غم منانا اگر اسے صحیح اور مستند تسلیم کر بھی لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا ان کی خوشی اور غم کا دن ان کی شخصی اور خاندانی خوشی کے غم کا دن نہیں تھا کیونکہ ان ذوات کی خوشی اور مسرت اسلام کی سربلندی اور قرآن کی حاکمیت میں ہے۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرین کی ولادت و وفات منانے کا بنیادی مقصد اس مناسبت سے پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرین کی پیغام رسالت اور ان کی سیرت طیبہ کو بیان کرنا ہے اچھے کپڑے پہننا لذیذ کھانوں کا ان کی خوشی اور غم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے کیونکہ انھوں نے ہمیشہ ان چیزوں سے اپنی زندگی کو دور رکھا لیکن بد قسمتی سے ان ایام میں ان کی تاسی کرنے کی بجائے اپنی آرزوئیں اور ارمان غالب رہتے ہیں۔

ہم پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے حوالے سے خوشی و مسرت و انبساط کے طور پر جو دن مناتے ہیں وہاں اگر انداز و طریقہ کار اور اہداف و مقاصد پر نظر ڈالیں تو ہمارے اجتماعات معنویت و عقلیت اور استدلال سے خالی و محروم نظر آئیں گے بلکہ یہاں بچوں والی عادات و اطوار اور زنا نہ انداز غالب و نمایاں نظر آتا ہے جشن و میلاد کے نام سے ان تقریبات میں برقی قہقہوں سے چراغاں کرنے، مساجد و امام بارگاہوں کو جھنڈیوں، رنگین کاغذوں اور پھولوں سے سجانے، اسٹیج کو نئے انداز میں بنانے سجانے، پٹاخوں اور واہ واہ کے شور و غل سے مخلوط ہونے کو

خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان چیزوں کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے بچوں اور مشہور سیاسی و سیکولر رہنماؤں کی سالگرہ کی طرح کئی کئی کلو کے کیک پر موم بتیاں جلا کر کیک کاٹنے اور طرح طرح کی مٹھائیاں اور دیسی گھی کے بادام ملے حلوے کے کھانے ان تقریبات کے نمایاں مظاہر ہیں اسی طرح میلاد اور جشن کے نام سے انجام پانے والی یہ تقریبات اگرچہ مساجد و امام بارگاہوں میں ہوتی ہیں مگر ان میں علاقائی و مقامی اور قومی و غیر مذہبی تقریبات کے رسم و رواج کا رنگ غالب نظر آتا ہے ان میں آئمہ طاہرین کی سیرت و صورت کے مناظر بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔

ان تقریبات میں آپ فرسودہ و بے ہودہ باتوں کا آسانی سے مشاہدہ کر سکتے ہیں ان تقریبات کو مزید رونق بخشنے کیلئے ایسے قصائد و مداح سے لوگوں کو محظوظ کرنے اور داد تحسین لینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جو اکثر بیشتر غلط بلکہ غلو گیری پر مشتمل ہوتے ہیں ان ایام میں آئمہ طاہرین کی سیرت و تعلیمات اور ان کے اصل مقام و منزلت و فضیلت کے نور و روشنی سے استفادہ کرتے ہوئے اصلاح معاشرہ کی بجائے ان کی ایسی خود ساختہ اور من گھڑت تعریف و توصیف پیش کرتے ہیں کہ سادہ لوح عوام کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ حضرات بھی انہیں ہی وسیلہ ہدایت و نجات سمجھتے ہیں اور ان کی سیرت و تعلیمات سے آگاہ ہونے اور اسے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے اس پر عمل سے ہدایت یافتہ بننے اور اخروی نجات کی کوشش کرنے کے بجائے ان نجات و ہدایت دینے والی ہستیوں کو مصائب و مسائل و مشکلات کے حل اور مال و دولت اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرنے کا وسیلہ قرار دینے لگتے ہیں۔

بعض برادران اہل سنت والجماعت آیات اسلامی اور میلاد النبی کے علاوہ بعض عرفاء و صوفیاء کرام کے نام سے عرس مناتے ہیں ان مراسم میں اعلیٰ حکومتی عہدیداروں اور وزراء کے علاوہ سربراہان مملکت جو موقع ملنے پر دین و مذہب کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہیں کرتے وہ بھی برادران اہل سنت کی رضا و خوشنودی کیلئے ان عرسوں میں شریک ہوتے ہیں اور مزاروں پر چادر چڑھاتے ہیں۔ ان عرسوں میں اسلامی مناظر اور تعلیمات قرآن و سنت پر عمل تو درکنار بلکہ یہاں تو محرمات اسلام دف، ڈھول، رقص اور گانے کے مناظر کو خوب پزیرائی

دی جاتی ہے اہل تشیع میں بھی بعض لوگ میلے کے نام سے عرس کی اس ثقافت کے پاسدار ہیں ان میلوں اور عرسوں پر مذکورہ حرام کاموں کیلئے چرس اور دیگر نشہ آور اشیاء بھی بہ کثرت سے استعمال کی جاتی ہیں لوگوں کی اکثریت آٹھ دس سو روپے ادھار پکڑ کر یا سال بھر کی بچت سے ان میلوں اور عرسوں میں شرکت کے قابل ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف جاگیر دانہ زندگی گزارنے اور کئی کئی قیمتی گاڑیوں اور وسیع وعریض جائیداد کے مالک پیر و سجادہ نشین حضرات عرس سے واپسی پر نوٹوں سے بھرے بریف کیسوں کے ساتھ گھر لوٹتے ہیں اور غریب عقیدت مند کئی کئی میل کی پیدل مسافت طے کر کے آدھ کلوجیلی و شکر پارے اٹھائے تھکے ماندے گھروں کو لوٹتے ہیں اور پیروں کی دعاؤں اور تعویذات کے اثرات و نتائج کیلئے نئے سرے سے اگلے عرس تک انتظار کرنے لگتے ہیں مگر اسی انتظار میں ان کی زندگی کے ایام گزر جاتے ہیں۔

ساگرہ:

ہماری اسلامی ثقافت میں کسی کی تاریخ ولادت کو ساگرہ کے نام سے منانے کی کسی بھی حوالے سے کوئی سند نہیں ملتی معلوم نہیں یہ ثقافت مسلمانوں میں کہاں سے آئی ہے اور اس نے اس حد تک فروغ پائی ہے اس میں زیادہ تر افراد لوگوں سے کچھ جمع کرنے کی خاطر اور بعض ان سے تقرب حاصل کرنے کی خاطر اپنی ساگرہ مناتے ہیں اسلام میں اور عقل انسانی میں اس کا کوئی وجود نہیں شاید یہ مسیحیوں کی فرسودہ روایات ہوں جسکی وہ میلاد مسیح سے سند لیتے ہوئے کرتے ہیں۔

بعض افراد یہ کہتے ہیں کہ ان مجموعہ آیات میں بعض مراسم ایسے ہیں کہ انہیں برا نہیں کہا جاسکتا اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ان مواقع پر اچھا کھانا کھانے اچھا لباس پہننے اور ایک دوسرے سے میل ملاپ میں کیا قباحت ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ یہ مراسم تو عید کی بنیاد ہیں لیکن کیا قرآن و سنت میں ان مراسم کو نبھانے یا ان کی تائید ہوتی ہے اور تاریخ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ یہ مراسم مسلمانوں میں کہاں سے اور کب سے شروع ہوئیں۔ یہ ہمارا بنیادی نکتہ ہے جسے ہم قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنی فہم و فراست کو استعمال کرتے ہوئے غور فرمائیں کہ یہ مراسم اور انہیں مذکورہ انداز سے نبھانا کس حد تک عقل و منطق اور قرآن و سنت پیغمبر و معصومین سے

مطابقت رکھتا ہے

۱۔ قرآن کریم میں اور آغاز اسلام سے اب تک کتب تاریخ و سیر زمانہ پیغمبر اکرم اور زمانہ آئمہ طاہرین میں اس طرح کے مراسم، میلوں، تہواروں اور عرسوں کا نام و نشان تک نہیں ملتا حتیٰ عید الفطر، عید الفصحیٰ اور عید میلاد النبیؐ پر بھی مسلمانوں میں آج کے دور کی طرح کھانے پینے اور سننے اور قیمتی لباس کا اہتمام کرنے کا کوئی رواج نہ تھا۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کے بیچ البلاغہ میں موجود فرمان، کلمات قصار ۴۲۸ سے ہمارا موقف واضح ہو رہا ہے کہ جہاں امیر فرماتے ہیں۔

”ایک عید کے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ یہ عید صرف اسی کیلئے ہے جس کے روزے قبول ہوں اور جسکی نمازیں مشکور خدا ہوں۔“

امیر فرماتے ہیں کہ مومن و مسلمان کیلئے ہر وہ دن عید کا دن ہے کہ جس میں بندہ خدا کی عصیان و نافرمانی نہ کرے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم عید کا دن خدا کی عصیان و نافرمانی میں گزار دیں اور ہمیں اس کا تقرب و رحمتیں حاصل ہو جائیں۔ بادشاہان ساسان جو قبل از اسلام ایران میں حاکم تھے وہ اپنی رعایا کو اپنے سامنے خاضع رکھنے کیلئے اپنی تخت نشینی اور تاج پوشی کیلئے اس طرح کے مراسم جعل کرتے تھے اور قوم کو ان کاموں میں مصروف رکھتے تھے تاکہ وہ جو ظلم و زیادتیاں کرتے ہیں قوم ان سے بے خبر رہے اور انہیں موضوع گفتگو نہ بنائے وہ اس انسان کو اپنے زیادہ قریب سمجھتے تھے جو ان کے جعل کردہ مراسم میں زیادہ خوشی و مسرت کا مظاہرہ کرے اور وہ اسے مزید تقرب و انعامات سے نوازتے تھے چنانچہ بادشاہان وقت سربراہان مملکت اور دیگر معروف و مقتدر شخصیات کی سرپرستی اور پھر معاشرے میں موجود مختلف طبقات کے اپنے اپنے مفادات اور عوام کی قرآن و سنت و سیرت معصومینؑ سے دوری ان تقریبات و مراسم کو مزید ذوق و شوق سے جاری و ساری رکھنے میں مدد و معاون ثابت ہوئی کیونکہ غربت و افلاس سے مسائل و پریشانیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا اور پھر قرآن و سنت و سیرت و تعلیمات معصومینؑ سے نا آشنائی و بے رغبتی نے ممکنہ سکون و اطمینان کے تمام دروازوں

کو بند کر دیا تو وہ اچھے اچھے کھانوں، نئے اور چمکتے لباس، سیر و سیاحت، میل ملاپ، فضول گپ شپ اور عرس و میلے، تہواروں اور اسی طرح کے دیگر مراسم میں وقت گزارنے اور پیروں کو شیرینی دینے اور انکے مزاروں پر مال و دولت لٹانے کو باعث سکون و اطمینان اور ذریعہ نجات سمجھنے لگے اور عارضی خوشیوں پر جان نچھاور کرنے لگے جسکے نتیجے میں مذکورہ مراسم جڑ پکڑنے لگیں۔ لہذا تاریخ اسلام میں عید کے نام سے ایسا کوئی مظاہرہ نہیں۔ حضرات حسنینؑ کیلئے عید پر جنت سے نئے لباس آنے کی جو کہانی بعض خطیب و مقرر حضرات بیان کرتے ہیں اور اسکی ابتداء اس انداز میں کرتے ہیں کہ خاتون جنت صدیقہ طاہرہؑ نے بچوں کو مطمئن کرنے کیلئے ان سے ویسے ہی کیوں کہہ دیا کہ آپ کے لباس سینے کیلئے درزی کو دئے ہوئے ہیں یہ کہانی چندین لحاظ سے غلط اور بے بنیاد اور جھوٹ پڑتی ہے۔

۱۔ حضرات حسنینؑ کی پرورش آغوش پیغمبرؐ و عائشہؓ و فاطمہؓ زہراؓ سلام اللہ علیہ میں ہوئی لہذا ایسی تربیت کے بعد یہ ممکن نہیں کہ حضرات حسنینؑ عید پر نئے لباس کیلئے پریشان و مضطرب ہوں یا نیا لباس ان کیلئے باعث سکون و اطمینان ہوا اور وہ اس کیلئے ضد کریں۔

۲۔ معصوم ہستیاں کسی بھی حال میں جھوٹ نہیں بول سکتی لہذا کیسے ممکن ہے کہ صدیقہ طاہرہؓ خاتون جنت سلام اللہ علیہ درزی کو لباس نہ دینے کے باوجود ایسے کہہ دیں۔

۳۔ معصوم ہستیاں ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں۔ وہ کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتیں کہ جن پر عمل نہ ہو سکے۔

۴۔ یہ ہماری عادت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو مطمئن کرنے کیلئے ایسی جھوٹی باتیں کرتے ہیں۔ معصوم ہستیاں ایسا نہیں کرتیں۔

۵۔ اپنی عادات کو معصوم ہستیوں پر لا کونہ کریں بلکہ انکے راستے پر چلنے کی سعی کریں۔

۶۔ یہ انکی شان نہیں کہ جس بات کا وجود ہی نہ ہوا اسکا سہارا لے کر کسی کو مطمئن کریں۔ کیونکہ آیہ تطہیر و آیہ مباہلہ ان کی صداقت کی دلیل ہیں۔

۷۔ انھیں اچھے اور نئے لباس نہ ملنے پر پریشان اور نئے لباس ملنے پر مسرت و شاداب دکھانا دراصل انکی

عظمت و فضیلت کو گرانے کی کوشش ہے۔ کیونکہ حضرات حسنین عام بچے نہیں اور نہ ہی صدیقہ طاہرہ عام خاتون ہیں کہ نئے لباس ہی ان کے سکون و اطمینان کا باعث بنیں، اور نہ ہی وہ مادی سوچ کے حامل تھے کہ مادی چیزوں کے چلے جانے کے باعث غمگین ہوں۔

۸۔ معصوم ہستیوں کی تو شان یہ ہے کہ وہ فقر و فاقہ اور غربت و افلاس سے قطعاً پریشان نہیں ہوتے کیونکہ ہر عمر میں ان کی نظر اعلیٰ ترین اہداف پر ہوتی ہے اور وہ انھی اہداف کے حصول کیلئے کوشش کرتے ہیں۔
۹۔ مادی چیزوں کیلئے پریشان ہونا اور ان کے حصول میں ہر قانون و ضابطہ کو توڑنا ہماری عادت تو ہو سکتی ہے معصوم ایسا نہیں کرتے۔

۱۰۔ یہ ایک باطل کہانی ہے اور باطل کو حق کا لبادہ اوڑھنے اور جھوٹ کو سچ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ معصومین علیہ سلام کی سیرت پاک پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس قسم کی کوئی مثال یا نمونہ نہیں ملتا۔ یہ باتیں یا تو سینہ بہ سینہ رواج دینے والوں کی اختراع ہو سکتی ہیں یا مقررین کے خطابات کا مجموعہ ہیں۔ ورنہ قدیم کتب تاریخ میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اگر آج اہل ایران اس طرح کے کسی تہوار کو بطور عید بڑی دھوم دھام اور آب و تاب سے مناتے ہیں۔ تو ممکن ہے کہ وہاں بھی بعض وجوہات کی بناء پر یہ رسم جڑ پکڑ چکی ہو اور انہوں نے غیر منطقی طور پر اسے اپنی ضرورت بنا لیا ہو۔ دونوں صورتوں میں یہ بات پوری ملت اسلامیہ اور عالم تشیع کے لئے کوئی سنت نہیں بن سکتی بلکہ یہ ان کے لیے حسن و استحباب بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی کہیں سے بھی کوئی سند نہیں ملتی۔ حتیٰ وہ جو کہتے ہیں کہ اس سے طبعیت میں شگوفائی آتی ہے، یہ بھی ایک غلط اور فرسودہ بات ہے کیونکہ پوری دنیا میں بیک وقت طبعیت میں شگوفائی نہیں آسکتی بلکہ طبعیت میں شگوفائی کے لحاظ سے دنیا بھر میں ہر علاقہ دوسرے علاقے سے مختلف ہے۔ اگر عید کا کوئی ایسا تصور موجود ہے کہ جس میں انسان کو کسی نہ کسی حد تک خوشی و انبساط کا مظاہرہ کرنا چاہیے تب بھی اسے سلسلے میں جس سنت کو تقویت و دوام بخشنا گیا ہے اور جن مراسم کے جال میں امت اسلامیہ اور وطن عزیز کے مسلمان پھنسے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے دس بیس فیصد افراد ہی عید کی خوشیوں کو اپنی مرضی و پسند اور دل

بخواہ طریقے سے مناسکتے ہیں۔ اور پچاس فیصد افراد انتہائی زحمت و مشقت کے باوجود قرض کے بوجھ تلے دب کر عید کی خوشیوں میں شامل ہوتے ہیں اور وہ بھی معمولی حد تک جبکہ تیس فیصد آبادی ان بے بس ولاچار افراد پر مشتمل ہے کہ جو تمام عیدوں پر کسی بھی قسم کی خوشی و مسرت حاصل کرنے سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے کے صاحب ثروت حضرات اور کسی نہ کسی حد تک عید کی خوشیوں میں حصہ لے سکتے کی اہلیت رکھنے والے مومن و مسلمان دوسروں سے ظلم و زیادتی اور نا انصافی روا رکھنے کے عادی ہو گئے ہیں وہ کشتی اسلام کو سلامتی اور تحفظ کے ساتھ جانب منزل رواں دواں رکھنے کے لیے نظام خمس و زکوٰۃ کو لا کو کرنے پر قطعاً توجہ نہیں دیتے اور جنکے ہاتھوں میں یہ نظام ہے انکی اکثریت خرد برد سے باز نہیں آتی۔

بحیثیت مسلم قوم اکثر مسلمان محتاج و ضرورت مندوں کی مظلومیت اور بے بسی پر پریشان نہیں ہوتے انکی بے حسی اپنی انتہا کو چھو رہی ہے اور وہ مفاد پرستانہ اور خود غرض گانہ زندگی میں مستغرق ہیں۔ افراد کو درکنار یہ اپنے سامنے کشتی اسلام کو ڈوبتے دیکھ رہے ہیں اور بالکل ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ استغاثہ اسلام اور صدائے قرآن و شریعت پر لبیک کہنے اور حقوق العباد کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ مجرمانہ غفلت کا شکار ہیں اور محض اپنی خوشیوں میں ڈوبنے اور اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ میں دن رات رسی یا دکھلاوے کے بعض نیک کام کرنے اور سالانہ آمدن اور اپنی مجموعی مالیت کا ایک فیصد یا ایک فیصد کا پچاسواں حصہ دین یا رسم و رواج پر لگا کر یہ اس غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شاید ایک غیر اسلامی معاشرے کو رواج دینے والے ماحول میں بس وہ ہی ہیں جنکی وجہ سے اسلام کسی نہ کسی حد تک زندہ ہے حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جو غلبہ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور انہی کی وجہ سے امت مسلمہ ظلم و تشدد اور بے بسی کا شکار ہے۔ یہ اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور ہر برائی کو رواج و استحکام بخشنے میں پیش پیش ہیں۔ یہ جسے خوشحال زندگی تصور کرتے ہیں وہ حقیقت میں بدترین موت ہے۔ نہ جانے کس بنیاد پر یہ عید کی خوشیاں مناتے ہیں۔ قرآن و شریعت اور سنت و سیرت و تعلیمات معصومین پر عمل نہ کرنے اور ان کے اجراء و نفاذ کی کوششوں سے دور بھاگنے والوں کو اسلام کے نام پر خوشیاں منانا زیب نہیں دیتا عید منانے کے طریقہ کار سمیت ان کے تقریباً سبھی کام ایک تو احکام تعلیمات قرآن و معصومین کی

مخالفت پر مبنی ہوتے ہیں، دوسرے ان میں نمود و نمائش کے ساتھ ساتھ تعیش پسندی کا عنصر بھی غالب ہوتا ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ یہ لوگ قرآن کریم میں مال و دولت کے خرچ کے طور طریقوں اور اسراف و تعیش پسندی کی مذمت میں وارد آیات کی اپنے عمل سے مخالفت کرتے ہیں۔

آیاتی زمانہ خوشی و مسرت روح کی ہے یا جسم کی۔ اگر خوشی جسم کی ہے جیسا کہ زیادہ تر افراد جسمانی خوشیوں کے پیچھے دیوانے ہوئے جا رہے ہیں تو پھر جنہیں کھانے میں لذت و مرغن اور پسندیدہ چیزیں ملتی ہیں، یہ خوشیاں صرف انہی کے لئے ہیں اور وہ خوشیاں منائیں مگر جو نمود و نمائش کی خاطر قرض اور ادھار لیکر ان کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں اور سود و رشوت، ناجائز منافع خوری، چرس شراب کا کاروبار کر کے یا دیگر حرام ذرائع سے عید کی خوشیوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ یا حرام ذرائع سے حاصل شدہ آمدنی سے مساجد و امام بارگاہوں پر مال و دولت خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے نیک بن سکیں۔ نص قرآنی کے تحت یہ سب اپنے پیٹ میں آگ کی چنگاریاں ڈالتے ہیں اور اپنے جسم کے ساتھ انصاف نہیں کرتے جہاں تک روح اسلام کا تقاضا ہے تو انہیں چاہیے کہ یہ غفلت و مدہوشی کی نیند سے بیدار ہوں تاکہ انہیں نظر آئے کہ اسلام اور امت مسلمہ اس وقت کفر و شرک کے تباہ کن مظالم کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اور جنگ احزاب کی مانند کل کفر کل ایمان کو نیست و نابود کرنے کی خاطر میدان جنگ میں اتر کر اسلام و مسلمین سے نبرد آزما ہو چکا ہے وہ لوگ اپنے تمام اختلافات بھلا کر اسلام و مسلمین کو مغلوب بنانے کے مشکل ترین کام میں مصروف عمل ہیں جبکہ مسلمانوں نے اسی ایک خوشی کے حصول پر تمام تر توجہ مرکوز کر رکھی ہے۔ کفار و مشرکین اس جنگ میں تمام روایتی اور غیر روایتی ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور مسلمان ان کے مقابل ہوتے ہوئے ہر طاقت و قدرت سے غیر مسلح ہیں۔ لہذا ہر مسلمان کی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ وہ عید کے لیے نئے و خوبصورت لباس، پسندیدہ کھانوں اور خوشیاں منانے پر اپنی توجہ مرکوز نہ کرے بلکہ اسلام قرآن و سنت اور تعلیمات معصومہ میں جن جن ذمہ داریوں کا حکم دیا ہے اس کا بار اٹھانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں اور آخرت میں سرخرو ہونے کی کوشش کریں۔

اہل بیت کی شان میں غلو گرائی

صریح آیات قرآن کریم، سنت قطعیہ اور آئمہ طاہرین کی ممانعت کے باوجود ہمارے مناہر مرکب غلو بنے ہوئے ہیں۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اب تو مدارس دینی اور حوزات علمیہ کے فارغ التحصیل بھی اپنے خطاب کو فروغ دینے یا اپنے سے وہابیت کی تہمت کو رفع کرنے کی خاطر کبھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ غلو نہیں اور کبھی کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں۔ لہذا یہ افراد بھی اپنے اس عمل سے مناہر کو غلو کی نجاست سے آلودہ کر رہے ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جبکہ ان کا یہ عمل آیات قرآن کریم کے بالکل منافی ہے۔ سورہ نساء ۱۷۱، مائدہ آیت ۷۲ میں خداوند متعال نے نصاریٰ کو اپنے دین میں غلو کرنے سے منع کیا ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ ”اہل کتاب اپنے دین میں غلو سے کام نہ

لو“ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ”وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جو کہتے

ہیں: مسیح بن مریم ہی خدا ہیں“

۱۔ کتب احادیث بحار انوار جلد ۲۵، صفحہ ۲۶۸ اور کتاب خصال جلد ۳۳ پر پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہے آپؐ نے فرمایا کہ میری شفاعت دو آدمیوں کیلئے نہیں ہے ایک ظالم حاکم دوسرا جو دین میں غلو کرنے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث بحار انوار جلد ۲۵ صفحہ ۲۸۳ پر پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہے کہ اے علیؑ تو میری امت میں عیسیٰ ابن مریم کی مانند ہے ایک گروہ آپؐ کی دوستی میں اور دوسرا آپؐ کی دشمنی میں افراط کرے گا۔

سورہ مبارکہ زخرف ۵۷ کے ذیل میں آیا ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ لوگ آپؐ کے بارے میں تین گروہ ہو جائیں گے۔ ایک آپؐ کی پیروی کرنیوالے دوسرا آپؐ کے بارے میں غلو کرنے والے اور تیسرے آپؐ سے دشمنی کرنے والے۔ آپؐ سے دشمنی کرنے والے اور غلو کرنے والے دونوں جہنم میں جائیں گے۔ خضر ابن یسار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے جوانوں کو غالیوں کی رسائی سے دور رکھیں تاکہ وہ انھیں گمراہ نہ کر سکیں کیونکہ وہ بدترین خلق خدا ہیں یہ لوگ یہود و نصاریٰ و مجوسیوں اور مشرکین

سے بھی بدتر ہیں۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کفر چار ستونوں پر قائم ہے۔ فسق، غلو، شکوک و شبہات۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا سب سے آسان عمل جو انسان کو ایمان سے خارج کرتا ہے وہ غالی کی مجلس میں بیٹھنا اور اسکی بات سننا ہے۔ امام رضا سے نقل ہے آپ نے فرمایا کہ غلات سے دوستی ہمارے ساتھ دشمنی کے برابر ہے اور ان سے دشمنی ہمارے ساتھ دوستی کے برابر ہے۔ انکی تکذیب کرنا ہماری تصدیق کے برابر ہے۔ امام رضا سے منقول ہے کہ ہمارے مخالفین ہمارے فضائل اور ہمارے دشمنوں کی عیب کوئی میں ہم سے منسوب احادیث جعل کرتے ہیں تاکہ لوگ بے دین ہو جائیں۔

غالیوں کا ”تاویل“ قرآن پر اسرار

بعض مذاہب باطل و گمراہان نے صریح یا ظاہر آیات قرآن کریمہ پر عمل سے مسلمانوں کو باز رکھنے کی خاطر آیات قرآنی کے خود ساختہ معانی پیش کئے ہیں جنہیں وہ کبھی تاویل قرآن اور کبھی تفسیر قرآن کا نام دیتے ہیں۔ ان میں سرفہرست غالی اور فرقہ اسماعیلیہ ہیں جنہوں نے آیات قرآنی سے کھیل کر امت مسلمہ میں انتشار اور گمراہی کی ایک مہم چلائی ہے اس راہ میں انہوں نے بہت کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ انہوں نے قرآن کے نام سے قرآن کو کنارے پر لگایا ہے ہم مسلمانوں کو اس گروہ کی پہچان کروانے سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ تاویل قرآن اور تفسیر باطن کے بارے میں کچھ توضیحات بیان کریں تاکہ قارئین کرام پر حق و باطل روز روشن کی طرح واضح ہو جائے اس سلسلے میں کچھ حقائق مرحلہ وار ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر ۱: ”تاویل“ کے لغوی معنی

۱۔ کتاب تہذیب اللغت تالیف ابو منصور محمد احمد ازہری (متوفی ۳۷۰ھ)

۲۔ کتاب مقائیس اللغات تالیف ابن فارس (متوفی ۳۹۰ھ)

۳۔ کتاب السحاق تالیف جویری (متوفی ۳۹۳ھ)

۴۔ کتاب نہایہ تالیف ابن اثیر (متوفی ۶۰۶ھ)

۵۔ کتاب لسان العرب تالیف ابن منظور (متوفی ۷۱۱ھ)

۶۔ کتاب تاج العروس تالیف زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ)

۷۔ کتاب مفردات الراغب تالیف راغب اصفہانی۔

ان سب نے تاویل کے چار معنی کئے ہیں

۱۔ مرجع و عاقبت۔

۲۔ سیاست کرنا۔

۳۔ تفسیر و تدبیر۔

۴۔ لفظ کے ظاہری معنی سے غیر ظاہری معنی کی طرف رجوع کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

نمبر ۲۔ کلمہ ”تاویل“ آیات قرآنی میں

یہ کلمہ قرآن کریم کی سات سورتوں میں سترہ بار آیا ہے۔ ملاحظہ کریں

۱۔ ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِهَاتٌ قَالُمُ الَّذِينَ قَالُوا هِيَ زَيْغٌ مِمَّا زَيَّغُوا عَنْهَا وَمَا يُغْنِي عَنْهُمْ زَيْغُهُمْ أَن يَتَّبِعُونَ مَا تُثَابِهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّسُولُ قَالُ الْعِلْمُ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾ ”اس نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں سے کچھ آیتیں محکم اور واضح ہیں جو اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں اب جن کے دلوں میں کجی ہے وہ انھیں متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور من مانی تاویلیں کریں حالانکہ اس کی تاویل کا حکم صرف خدا کو ہے اور انھیں جو علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں جن کا کہنا یہ ہے کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں“

(ال عمران/ ۷)

یہاں تاویل سے مراد مرجع و عاقبت ہے۔

۲۔ ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَاهُمْ بَكْتَابٍ قَصَصْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هَدَىٰ وَرَحْمَةٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ

یاتی تاویلہ یقول الذین تسوہ من قبل قد جائت رسل ربنا بالحق قہل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا
 او ترد قنع عمل غیر الذی کنا نعمل قد خسروا انفسہم و ضل عنہم ما کاتوا یفترون ﴿۵۳﴾ ”ہم ان
 کے پاس ایسی کتاب لے آئے ہیں جسے علم و اطلاع کے ساتھ مفصل بیان کیا ہے اور وہ صاحبان
 ایمان کیلئے ہدایت و رحمت ہے کیا یہ لوگ صرف انجام کار کا انتظار کر رہے ہیں تو جس دن انجام
 سامنے آجائے گا تو جو لوگ پہلے سے اسے بھولے ہوئے تھے وہ کہنے لگیں گے کہ بیشک ہمارے
 پروردگار کے رسول صحیح ہی پیغام لائے تھے تو کیا ہمارے لئے بھی شفیع ہیں جو ہماری سفارش کریں یا
 ہمیں واپس کر دیا جائے تو ہم جو اعمال کرتے تھے تو اس کے علاوہ دوسرے قسم کے اعمال کریں در
 حقیقت ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا ہے اور ان کی ساری افتر اپڑا زیاں غائب ہوگئی
 ہیں“ (اعراف/۵۲ تا ۵۳)

۴۔ ﴿وہل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتہم تاویلہ کذلک کذب الذین من قبلہم فانظر کیف
 کان الظالمین﴾ ”درحقیقت ان لوگوں نے اس چیز کی تکذیب کی ہے جس کا مکمل علم بھی نہیں ہے
 اور اس کی تاویل بھی ان کے پاس نہیں آئی اس طرح ان کے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی تھی
 اب دیکھو کہ ظلم کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے“ (یونس/۳۹)

۴۔ ﴿و کذلک یحبیک ربک و یعلمک من تاویل الاحادیث و ینم نعمتہ علیک و علی ال یعقوب کما
 اتعما علی ابویک من قبل ابراہیم و اسحاق ان ربک علیم حکیم﴾ ”اور اسی طرح تمہارا
 پروردگار تمہیں منتخب کرے گا اور تمہیں باتوں کی تاویل سکھائے گا اور تم پر اور یعقوب کی دوسری
 اولاد پر اپنی نعمت کو تمام کرے گا جس طرح تمہارے دادا ابراہیم اسحاق پر تمام کر چکا ہے بیشک
 تمہارا پروردگار بڑا جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔“ (یوسف/۶)

۵۔ ﴿وقال الذی اشترہ من مصر لا مراۃ اکرمی مثوہ عسی ان یضعنا او یتخذہ ولد و خلک مکن
 لیوسف فی الارض ولنعلمہ من تاویل الاحادیث واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا

یَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ ”اور مصر کے جس شخص نے انھیں خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے عزت و احترام کے ساتھ رکھو شاید ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا فرزند بنالیں اور اس طرح ہم نے یوسف کو دنیا میں اقتدار دیا تا کہ اس طرح انھیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائیں اور اللہ اپنے کاموں پر غلبہ رکھنے والا ہے یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے۔“ (یوسف/۲۱)

۶۔ ﴿قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنَهُ إِلَّا تَبَاتَكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكَ مَا عَلِمْتُنِي رُبِّي أَتَيْتُكَ مَلَكًا قَوْمَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ ”یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو دیا جاتا ہے وہ نہ آنے پائے گا اور میں تمہیں تعبیر بتا دوں گا یہ تعبیر مجھے میرے پروردگار نے بتائی ہے اور میں نے اس قوم کے راستے کو چھوڑ دیا جس کا ایمان اللہ پر نہیں اور وہ روز آخرت کا بھی انکار کرنے والی ہے۔“ (یوسف/۳۷)

۷۔ ﴿وَقَالَ الَّذِي نَجَّاهُمَا إِذْ كُنَّا فِي الْبُيُوتِ أَتَيْنَاكُم بِتَأْوِيلِ مَا قُلْتُمَا وَلَكِنْ أَتَيْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَالْحَقَّ اتَّبِعُوا وَلَوْ كُنْتُمْ عَادِلِينَ﴾ ”اور ان دو قیدیوں میں سے جس نے رہائی پائی تھی اور اسے وہ بات بڑی مدت بعد یاد آگئی اس نے کہا میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتاتا ہوں مجھے یوسف کے پاس زندان بھیج دیجئے۔“ (یوسف/۴۵)

۸۔ ﴿وَرُبِّ قَدْ آتَيْنَاكَ مِنَ الْمُلْكِ وَاعْلَمْتَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَتَى وَلِيَّ قِيَامِ الْغَايَةِ وَالْآخِرَةِ تَوْفَنِي مُسْلِمًا وَحَقْنِي الصَّالِحِينَ﴾ ”پروردگار تو نے مجھے ملک بھی عطا کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا تو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دنیا و آخرت میں میرا ولی اور سرپرست ہے مجھے دنیا سے فرمانبردار اٹھانا اور صالحین سے ملحق کر دینا۔“ (یوسف/۱۰۱)

۹۔ ﴿قَالَ هَلْ أُقْرَأُ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِي عَلَّمَكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَغْنِ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ ”بندہ صالح نے کہا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا موقع ہے عنقریب میں تمہیں ان تمام باتوں کی تاویل بتا دوں گا۔“ (کہف/۷۸) ”میں نے اپنے طرف سے کچھ نہیں کہا ہے اور یہ ان باتوں کی تاویل ہے جن پر آپ صبر نہیں کر سکے ہیں۔“ (کہف/۸۲)

نمبر ۳

۱۔ آیات قرآنی کو اس کے ظاہری الفاظ سے اپنی خواہشات باطن کی طرف برگشت دینے کا عمل انجام دینے والے خوارج ہیں انھوں نے علیؑ کے خلاف جنگ کرنے کیلئے صریح آیات و روایت رسولؐ کی تاویلات پیش کیں۔

تاویلات کی مذمت میں امیر المومنینؑ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

﴿كَلِمَةٌ حَقٌّ يَرَادُ بِهَا بَاطِلٌ ۖ نَعْمَ أَنَّهُ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ وَلَكِنْ هَتُولَاءُ يَقُولُونَ: لَا أَمْرَ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنَّهُ

لَا يُلْزِمُنَا مِنْ أَمْرِهِ أَوْ قَاجِرٌ يَعْمَلُ فِيهِ أَمْرَهُ أَلَمْ يَنْهَ عَنْهُ ۖ وَيَسْتَمِعُ فِيهَا الْكَافِرُ﴾ ”یہ ایک کلمہ حق ہے

جس سے باطل معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بیشک حکم صرف اللہ کے لئے ہے لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے

کہ حکومت اور امارات بھی صرف اللہ کیلئے ہے حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ نظام انسانیت کے لئے

ایک حاکم کا ہونا بہر حال ضروری ہے چاہے نیک کردار ہو یا فاسق کہ حکومت کے زیر سایہ ہی مومن

کو کام کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور کافر بھی مزے اڑا سکتا ہے“ (نہج البلاغہ کلام/۴۰)

ذیل میں ہم چند مصداق تاویل باطل جو انھوں نے اہل بیتؑ اور آئمہ طاہرین کے بارے میں بیان کیں ہیں

پیش کریں گے جو کہ درحقیقت فضائل و مناقبت اہل بیتؑ نہیں بلکہ آیات الہی کو معمہ اور اہل بیتؑ اطہار کو ان

کے مقام و منزلت سے گرانے کی مذموم کوشش ہے جس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

غالیوں نے علیؑ اور اولاد علیؑ کے نام سے بہت سی روایات جعل کی ہیں جو قرآنی آیات کے سیاق و سباق اور

روایات مسلمہ فریقین کے خلاف ہیں بلکہ یہ انکی اپنی من گھڑت ہیں ان کے چند نمونے قارئین کرام کی خدمت

میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ **سورہ الطارق:** ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ اس میں خداوند متعال نے آسمان اور طارق کی قسم کھائی ہے

اور طارق کی تفسیر نجم الثاقب سے کی ہے جبکہ ان تاویل پر دازوں نے آسمان سے مراد علیؑ اور طارق

سے روح اور نجم الثاقب سے پیغمبر اکرمؐ مراد لیا ہے اور روایت کا راوی حسن ابن علیؑ حمزہ بستانی

ہے جو ملعون اور کذاب مشہور ہے لہذا یہ روایت غیر معتبر ہونے کے علاوہ خود آیت کے بھی خلاف ہے کیونکہ آیت میں خود خداوند متعال نے طارق کی نجم الثاقب سے تفسیر کی ہے۔ لیکن غالیوں نے نجم الثاقب سے مراد پیغمبر اکرمؐ کو لیا ہے لہذا یہ تینوں جملے کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتے۔

۲۔ ﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ﴾: سورۃ القدر کی اس آیت کی تاویل انھوں نے یوں کی ہے یہاں ملائکہ سے مراد وہ مومنین ہیں جو آل محمدؐ کے علم کے حامل ہیں روح سے مراد روح القدس فاطمہ ہیں فجر سے مراد قائم آل محمدؐ ہے اس روایت کے راوی محمد ابن جمہور ہے جو غلات میں سے ہے یہاں ملائکہ اور روح جیسے واضح الفاظ ہوتے ہوئے تاویل کی گئی ہے اس آیت میں ملائکہ سے مراد مومنین لینا کوئی ربط نہیں رکھتا۔

۳۔ ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَاءِ الْعَظِيمِ﴾ (نباء/۳۱): اس آیت میں انھوں نے نباء سے مراد علیؑ کی ولایت کو لیا ہے اس روایت کے راوی بھی محمد ابن فضال، عبدالرحمن ابن کثیر اور ابراہیم ابن الحاق نہاوندی ہیں جو غلات اور روایات جعل کرنے والوں میں سے ہیں۔ یہاں نباء کے بعد لوگوں کے اختلاف کا ذکر ہے جبکہ نزول آیت کے موقع پر ولایت علیؑ لوگوں کے اختلاف کا موضوع نہیں تھا کہ لوگ اس میں اختلاف کر رہے تھے علاوہ ازیں بعد کی آیت صریحاً قیامت کے متعلق ہے یہاں تاویل سازوں نے اسکی دلیل میں ایک روایت پیش کی ہے اگر اسے مان لیا جائے تو اس سے تو یہ ثابت ہوگا کہ علیؑ پیغمبرؐ سے بھی بڑی آیت اور نشانی ہیں یہ عقیدہ غالیوں کا تو ہو سکتا ہے ایک مسلمان کا نہیں۔

۴۔ ﴿فَلَا اقْسَمُ بِلِحَسْنٍ﴾ (نکویر/۱۹۵ تا ۱۹۶): یہاں انھوں نے حُسن سے مراد قائم آل محمدؐ کو لیا ہے جو اس وقت نظروں سے غائب ہیں اس روایت کا راوی جعفر ابن محمد ابن مالک ہے جو غالی اور روایات جعل کرنے میں مشہور ہے اسکے علاوہ اس آیت میں جن چیزوں سے قسم کھائی گئی ہے وہ حقانیت قرآن اور نبوت کے بارے میں ہے۔ یہاں قائم آل محمدؐ سے کوئی ربط نہیں بنتا کیونکہ وہ بعد میں

آنے والے ہیں وہ اس وقت کے لوگوں کیلئے گواہ نہیں بن سکتے۔

۵۔ سورہ رُحْمٰن آیت نمبر ۳۱ یہاں انھوں نے ”ثَقِلَان“ سے مراد کتاب خدا اور اہل بیت کو لیا ہے یہ تاویل کرنے والے محمد بن عیسیٰ یقیناً اور لوان بن عثمان غالی اور فاسد المذہب ہے۔ اس کے علاوہ سورہ رُحْمٰن پورے سورہ میں خطاب انس و جن ہیں۔ لہذا یہاں قرآن اور اہل بیت کی تاویل کرنے میں کوئی ربط نہیں۔

۶۔ سورہ لیل ۱۴ سے ﴿فَاتْلُوهُمْ نَارًا تَلْظِي لَا يَصْلَاهَا إِلَّا شَقِيٌّ كَذِبٌ وَتَوَلَّى وَسِيحِبْهَا

الَاتْقَى﴾ ﴿فَاتْلُوهُمْ نَارًا تَلْظِي﴾ کی تاویل قائم آل محمدؑ سے کی ہے ”سبجنہا الاتقی“ سے علیؑ اور شیعہ ان علیؑ کو مراد لیا ہے۔ اس روایت میں انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تو غصہ میں اور جوش کی حالت میں ہر ہزار انسانوں میں سے ۹۹۹ کو قتل کریں گے۔ کیونکہ وہ سب دشمن اہل بیت ہونگے اور بچنے والے علیؑ اور ان کے شیعہ ہونگے اس حدیث کا راوی عمر ابن شمر ہے جو حدیث جعل کرنے والوں میں سے ہے اسکے علاوہ کیا امام زمانہ انبیاء اور دوسرے آئمہ کی سیرت طیبہ پر چلتے ہوئے ہدایت و رحمت سے پیش آئیں گے یا روئے زمین پر ایک عذاب و نعمت کی صورت میں آئیں گے اگر ہزار میں سے ۹۹۹ افراد کو قتل کریں گے تو دنیا نابود ہو جائے گی کیا امام کی اس سے زیادہ اہانت ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اس میں بچنے والے علیؑ کے شیعہ ہونگے اسکا مطلب یہ ہوا کہ علیؑ مورد عتاب بننے والوں میں سے ہونگے لیکن بچ جائیں گے۔

کلمات اختتامیہ فاصحہ و دعائیہ

ہماری طرح ہزاروں ایسے مسلمان و مومن ہونگے جن پر احساس کمتری حاوی ہے۔ جو بے شمار ناقابل دید مناظر اور ناقابل سماعت باتیں سننے کے باوجود بھی دیگر افراد یا اجتماع کو کسی قسم کا مشورہ اور نصیحت کرنے کو جسارت اور بے ادبی گردانتے ہیں اور اس فریضہ الہی کی انجام دہی سے گریز کرتے ہیں خود ہمارا قلم لکھتے لکھتے رک جاتا ہے اور ہم خود سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کون ہوتے ہیں علماء اور بزرگان قوم و ملت کو نصیحت کرنے والے، قدم بام عرش پر رکھنا چھوڑ دیں کیونکہ آپ اس کے اہل نہیں ہیں۔ لیکن عقل سلیم اور وجدان انسانی کسی بھی فرد یا جامعہ کی ہلاکت و نابودی پر سکوت کو جرم و جنایت سمجھتا ہے اور کسی قسم کی جنبش نہ کرنے کو گناہ گردانتا ہے۔ وجدان بولنے کی دعوت دیتا ہے لیکن معاشرہ اسے خاموش رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کو ملگو، اشتباہ، تردد و تذبذب کی حالت میں خدا نے ہمیں قرآن اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جب بھی تمہیں مشتبہ حالات پیش آئیں تو قرآن اور میرے اہلیت کی طرف رجوع کرو۔ ہم نے بھی اس سلسلے میں آیات قرآن کریم اور کلمات نبج البلاغہ کی طرف رجوع کیا۔ تو کلمہ نصیحت کے بارے میں قاموس قرآن میں دیکھا کہ نصیحت کے معانی خالص ہونے، خالص کرنے، صاف کرنے اور مشورہ دینے کے ہیں۔ قرآن کریم کی ان آیات میں ہم نے انبیاء کی دعوت نصیحت پر قائم ہونے اور بندگان خدا کو ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا حکم پایا:

”اے میری قوم! میں نے تو اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی“ (اعراف/ ۷۹) ”شعیب ان سے نکل آئے اور کہنے لگے: اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچائے اور تمہیں نصیحت کی“ (اعراف/ ۹۳) ”کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ خود تم میں سے ایک شخص کے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں تنبیہ کرے؟“ (اعراف/ ۶۳) ”میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں

تمہارا نا صبح اور امین ہوں“ (اعراف / ۶۸) ”اے موسیٰ دربار والے تمہارے قتل کے مشورے کر رہے ہیں پس (یہاں سے) نکل جا میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں“ (قصص / ۲۰)

خطبات نوح البلاغ میں آیا ہے کہ قرآن خود ناصح ہے

﴿وَأَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ هُوَ النَّاصِحُ الَّذِي لَا يَغْشَى﴾ ”یاد رکھو کہ یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکہ نہیں دیتا ہے“ (خطبہ / ۱۷۶)

خطبہ / ۹۷ خطبہ / ۱۳۲ خطبہ / ۱۲۳ / کلام نمبر ۳۹ خطبہ نمبر ۳۳ / ۳۵ / ۱۰۵ / ۱۲۱ / ۳۱ / ۳۸۔

حضرت امیرؒ نے محمد ابن ابی بکر کے بارے میں فرمایا کہ یہ بیٹا میرے لئے نصیحت کنندہ ہے میں اس کو اپنے لئے نصیحت کرنے والوں میں شمار کرتا ہوں۔ خطبات کے علاوہ کتاب شریف اصول کافی میں ایک باب ہے جسے باب نصیحت ائمہ مسلمین کہتے ہیں۔ جب قرآن و سنت، سیرت ائمہ میں خدا، رسول ائمہ اور مومنین سب کو ایک دوسرے کیلئے نصیحت کرنے کا حق دیا ہے تو ہم کیونکر اس حق سے دست بردار ہو جائیں۔ نصیحت کے معانی اظہار اخلاص اور مشورہ و تنجیز دینا ہے۔ یہاں سے ہمارے اندر ہمت پیدا ہوئی۔ صاحب قاموس لغت نے تفسیر المنار سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ دین ہی نصیحت ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ نصیحت کس کیلئے کریں۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا، قرآن، پیغمبرؐ، ائمہ مسلمین اور عام لوگوں کیلئے یہاں سے ہماری ہمت میں مزید اضافہ ہوا کہ نصیحت میں کوئی تکبر اور بزرگی کا مظاہرہ نہیں ہے اور نہ ہی پاؤں عرش پر رکھنا ہے جب ایک بندہ پیغمبرؐ اور ائمہ مسلمین اور عام لوگوں کیلئے نصیحت کرنے کا حق رکھتا ہے تو کیوں اس فریضہ سے گریز کریں۔ نصیحت کی اہمیت اور پسندیدہ ہونے اور اس میں کسی قسم کی قباحات نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دشمن بھی نصیحت کے دروازے سے نفوذ کرتا ہے جس کا ذکر سورہ اعراف ۲۱ میں یوں ہے ”اور اس نے قسم کھا کر دونوں سے کہا: میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں“

علمائے اعلام سے خاضعانہ درخواست

حضرات علماء اعلامؒ ذولا احترام اسامید گرامی قد رعقائد، احکام و کلائے فقہا و مراجع عظامؒ قائدین

ملت و عوام صاحبان تفسیر شرائع و احکام حاکمان و قاضیان فصل خصام مدیون مال اللہ و مال امام و مال الناس
و تفکرم اللہ داء لا فراکض۔

خداوند کریم و خیر سے دعا ہے آپ سب حضرات کو قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت
فرمائے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَحْرِمَنَّكُمْ شَنَا نِ قَوْمٍ عَلَىٰ لَا تَعْدِلُوا
اعْلَمُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ کیلئے بھر
پور قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ کواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری
بے انصافی کا سبب نہ بنے (ہر حال میں) عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے اور اللہ سے ڈرو
بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے“ (مائدہ/۸)

میں اپنے فقر و بے بسی کے ساتھ علماء اعلام اور دانشمندان زمانہ کے عدل و انصاف کی قضاوت کا محتاج ہوں آپ
حضرات اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں اپنا تاریخی فیصلہ اس صدی کے صفحات پر ضبط تحریر میں
لائیں تاکہ آنے والی نسل بھی اس سے مستفید ہو سکے آپ نے حیات جاودانی کی طرف جاتے ہوئے دار
الغانی کو خیر باد بھی کہنا ہے اور ہم نے بھی روزِ محشر عدالتِ خداوند متعال اور حضور محمدؐ میں حاضری دینی ہے۔ وہ
حقائق جن پر آپ کے بیان و تحریر کی ضرورت ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

روشن حقائق (۱) اپنوں سے جنگ

اپنوں سے اتفاق و اتحاد اور حسن سلوک سے رہنا درس قرآن کریم اور سیرت پاکِ آئمہ معصومینؑ ہے
لیکن اگر کسی وقت اپنوں سے اختلاف و ناچاکی کی صورت حال سامنے آجائے تو پھر حکم قرآن یہ ہے کہ خود
مسلمانوں کا ایک گروہ آپس میں صلح و صفا کی ذمہ داری اٹھائے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلَوْا فَاصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي
حَتَّىٰ تَفِيَّءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ ”اور

اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“ (حجرات/۹)

جس وقت امت مسلمہ کا دنیا نے کفر و شرک اور یہود و نصاریٰ سے مقابلہ ہوا تو اس وقت کفار کی مخالفت و دشمنی میں مسلمانوں کے ظالم و جابر حکمرانوں سے صلح و آشتی کرنا ہمارے آئمہ طاہرین کی سیرت رہی ہے چنانچہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؑ نے روم کو دھمکی دی کہ اگر تم اپنی جگہ سے جنگ کے لئے آگے بڑھنے کی کوشش کی یا اسلام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو میں معاویہ کے ساتھ صلح کرونگا اسی طرح امام محمد باقرؑ کا بادشاہ روم کے خلاف اسلام و مسلمین کی محافظت و دفاع میں ہشام بن عبد الملک کا ساتھ دنیا سیرت آئمہ اطہار علیہم السلام کی روشن تاریخ کا حصہ ہے اس تناظر میں میں آپ حضرات کی توجہ اپنے ملک میں جاری اپنوں سے جنگ و جدال کی اس تحریک کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ جس میں اہل تشیع کی طرف سے سیرت آئمہ معصومینؑ کو نظر انداز کیا گیا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف محاذ آرائی کی جب کہ عالم اسلام کے ممالک یک بعد دیگر دنیا نے کفر و شرک یہود و صلیب کے قبضے میں جا رہے ہیں اور جن ممالک میں بھی مسلمانوں کی حکمرانی ہے انہیں وہ اپنے قبضہ و تسلط میں لینے کی تیاری کر رہے ہیں چاہے یہ سنی بھائیوں کا افغانستان ہو یا گہوارہ تشیع سمجھا جانے والا عراق، حال ہی میں یہ دونوں مسلم ممالک مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر ان کے قبضے میں چلے گئے ہیں اور سوریہ لبنان اور ایران و پاکستان یہود و صلیب کی اسی فہرست میں شامل ہیں جنہیں وہ اپنے قبضہ میں لینے کے لئے بھرپور تیاری سے پرتول رہے ہیں۔ امت اسلامی اس سے پہلے اس طرح کے مصائب و آلام اور تلخ و نا کو اور صورت حال سے کبھی دوچار نہیں ہوئی کہ حرم حضرت علیؑ کئی بار کولیوں اور بموں کا نشانہ بنا اور ساتھ ہی فلسطین کے مسلمانوں کو یکے بعد دیگر اپنے اپنے آشیانوں کو خالی کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے ان کرہناک و الم خیز مناظر پر رونے اور تاسف کرنے کے بارے میں نبیؐ البلاغ

میں امیر المومنینؑ کا فرمان ملاحظہ کریں۔

”مجھے تو یہ بھی اطلاعات ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمانوں اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا ہے اور ان کے زیورات اتار لیتا ہے اور ان کے پاس اس سے حفاظت کو کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا سوائے اسکے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہوئے صبر سے کام لیں یا خوشامد کر کے اس سے رحم کی التجا کریں۔ وہ لدے پھندے ہوئے پلٹ گئے نہ کسی کے زخم آیا یہ کسی کا خون بہا۔ اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے“

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۷)

ایسے حالات میں سیرتِ آئمہ طاہرہؑ سے ہمیں صرف اسلام اور امتِ اسلامی کے مفاد و دفاع میں کام کرنے اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھنے کا حکم ملتا ہے۔ لیکن وطن عزیز کے ایک ایسے علاقے جس کے پانچ اضلاع میں سے ایک ضلع میں اہل تشیع کو اکثریت حاصل ہے وہاں بیس سال سے ایک جنونی اور بے مقصد و بے ہدف تحریک میں قیمتی مال ضائع کرنے کے بعد آج وہاں کے علمائے کرام اور اکابر حضرات نے شیعہ نصاب کے نام سے ایک تحریک چلائی ہے کو یہ وہ اس ملک کے کم از کم اسی فیصد مسلمانوں کی مخالفت مول لینے اور انہیں غصہ دلانے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اس لئے انھوں نے اسی فیصد مسلمانوں کے محترم خلفاء کے ناموں کو درسی نصاب سے خارج کرنے کا مطالبہ کیا ہے انہیں ایسے حالات میں ایسی تحریک کا خیال آیا ہے جب اس سے اہم ترین کام موجود ہیں جیسا کہ خود ان کے علاقے کے گوشہ و کنار میں یہود و صلیب کی طرف سے ایسے سکول قائم ہو چکے ہیں کہ جہاں مسلمان بچوں کو کفر و الحاد کے کارکن اپنی کفالت میں لیکر ایسی تعلیم و تربیت دے رہے ہیں جو سراسر قرآن و سنت و سیرتِ معصومینؑ کی دشمنی و مخالفت پر مبنی ہے ایسے وقت میں جب پورے پاکستان کی تہذیب و ثقافت اور خصوصاً نصابِ تعلیم سے جہاں تک ممکن ہو اسلامی شقوں کو نکالنے کی منصوبہ بندی پر پور پور طریقے سے عمل ہو رہا ہے وہ ۸۰ فیصد مسلمانوں کے محترم خلفاء کے ناموں کو نصاب

سے خارج کرنے کی تحریک چلا کر کفار و مشرکین کے مذموم عزائم اور منصوبوں کو کامیاب بنانے کے عمل میں خود کو شریک کر رہے ہیں اور اسلام دشمنی پر مبنی اس عمل کو اپنے مذہب کے لئے بڑی خدمت گردانتے نظر آتے ہیں لیکن معلوم نہیں کہ یہ کون اور کس کے شیعہ ہیں ایک طرف تو یہ خود کو امام علیؑ کے شیعہ کہتے ہیں تو کیا یہ ان روشن حقائق سے آگاہ نہیں کہ جن خلفاء کرام کے ناموں کو نصاب سے خارج کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں امیر المؤمنین علیؑ کے جانشین اور مخلص و با وفا صحابہ کرام انہی خلفاء کے اداروں اور نظام حکومت میں شریک تھے اور امام علیؑ انہی خلفاء کی حکومتوں کی فتح و کامرانی کے خواہاں تھے۔

اگر یہ علمائے کرام اپنے آپ کو شیعہ علماء سمجھتے ہیں تو جہاں یہ صوم و صلوٰۃ اور دیگر فقہی مسائل سے متعلق توضیح المسائل اپنے تنکے کے نیچے رکھتے ہیں وہاں انہیں اجتماعیات و سیاسیات سے متعلق مسائل کے حل کی خاطر نیچے البلاغہ کو بھی زیر مطالعہ رکھنا چاہئے۔

امیر المؤمنین پیغمبرؐ کے بعد حزب مخالف میں کس طرح رہے ان سے کس طرح کا رویہ اپنایا اور برسر اقتدار آنے کے بعد ان کا مخالفین کے ساتھ کیا سلوک و برتاؤ تھا اس کے واضح نمونے اس کتاب گراں قدر کے نسخے میں موجود و دستیاب ہیں آپ کا یہ فرض بنتا ہے کہ نیچے البلاغہ کی طرف رجوع کریں:

خليفة اول حضرت ابو بکر کی خلافت کے مسائل کے حوالے سے اہل مصر کے نام مالک اشتر کے ذریعے جب ان کو والی مصر بنا کر روانہ کیا:

﴿إِنَّمَا بَعَدَ قَانَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ بَعَثَ مُحَمَّدًا تَلْفِزًا لِلْعَالَمِينَ وَمُهَيْمِنًا عَلَى الْعَرَبِ قَلَمًا مَضَى عَلَيْهِ السَّلَامُ تَنَازَعَ الْمُسْلِمُونَ الْأَمْرَ مِنْ بَعْلِهِ قَوْلَ اللَّهِ مَا كَانَ يَلْقَى قِيَّ رَوْعِي وَلَا يَخْطُرُ بِأَلِيٍّ أَنْ الْعَرَبُ تَزْعِجَ هَذَا الْأَمْرَ مِنْ بَعْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَلَا أَنْتَهُمْ مَنْجُوهُ عَنِّي مِنْ بَعْلِهِ قَمَا رَاعَنِي إِلَّا أَتْنِيَالُ النَّاسِ عَلَى قَلَانٍ يَأْبَعُونَهُ قَامَسَكْتُ يَدِي حَتَّى رَأَيْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدَرَجَعَتْ عَنِ الْإِسْلَامِ يَدْعُونَ إِلَى مُحَقِّقِ دِينِ مُحَمَّدٍ قَخَشِيتُ أَنْ أَلْمَ أَنْصُرَ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهُ أَنْ لَوْ قِيَّ قَلَمًا أَوْ هَلَمَّا تَكُونُ الْمَصِيبَةُ بِهِ عَلَى أَعْظَمِ مَنْفُوتٍ وَلَا يَنْتَكُمُ النَّبِيُّ أَنْتُمْ هِيَ مَنَاعُ أَيَّامٍ قَلِيلٍ يَزُولُ مِنْهَا مَا كَانَ كَمَا يَزُولُ السَّرَابُ أَوْ كَمَا يَنْقُشُ السَّحَابُ قَنْهَضْتُ قِيَّ تِلْكَ الْأَحْدَاثِ حَتَّى زَاغَ الْبَاطِلُ

وزھق واطمان وتھنہ ﴿﴾ ”اما بعد! پروردگار نے حضرت محمدؐ کو عالمین کیلئے عذاب الہی سے ڈرانے والا اور مرسلین کیلئے کواہ اور نگراں بنا کر بھیجا تھا لیکن ان کے جانے کے بعد ہی مسلمانوں نے ان کی خلافت میں جھگڑا شروع کر دیا۔ خدا کواہ ہے کہ یہ بات میرے خیال میں بھی نہ تھی اور نہ میرے دل سے گزری تھی کہ عرب اس منصب کو ان کے اہل بیٹ سے اس طرح موڑ دیں گے اور مجھ سے اس طرح دور کر دیں گے میں نے اچانک یہ دیکھا کہ لوگ فلاں شخص کی بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے ہیں تو میں نے اپنے ہاتھ کو روک لیا یہاں تک کہ یہ دیکھا کہ لوگ دین اسلام سے واپس جا رہے ہیں اور پیغمبر کے قانون کو برباد کر دینا چاہتے ہیں تو مجھے یہ خوف پیدا ہو گیا کہ اگر اس رخنہ و بربادی کو دیکھنے کے بعد بھی میں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد نہ کی تو اس کی مصیبت روز قیامت اس سے زیادہ عظیم ہوگی جو آج اس حکومت کے چلے جانے سے سامنے آرہی ہے جو صرف چند دن رہنے والی ہے اور ایک دن اس طرح ختم ہو جائے گی جس طرح سراب کی چمک دمک ختم ہو جاتی ہے یا آسمان کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو میں نے ان حالات میں قیام کیا یہاں تک کہ باطل زائل ہو گیا اور دین مطمئن ہو کر اپنی جگہ پر ثابت ہو گیا۔“ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۶۲، جواد)

جب خلیفہ دوم نے روم سے جنگ لڑنے کے لئے امیر المومنین سے مشورہ طلب کیا تو علی نے ان کو کیا جواب دیا

﴿وقد وکل اللہ لاهل هذا اللین باعزاز الحوزة وستر العورة والذی نصرہم وھم قلیل لا یتصرون ومنتعہم وھم قلیل لا یمتعون حی لا یموت۔﴾

اتک متی تسرا [تسرا] الی هذا العلو بغسلک فتلقتهم فتکب، لاتکن للمسلمین کاتفہ [کھفہ] دون اقصى بلادهم لیس یعلک مرجع یرجعون الیہ قایعت الیہم رجلا محربا واحفز معہ اهل البلاء [والنصیحة فان اظهر اللہ قذاک ما تحب] وان تکن الاخری، کنت ردء للناس ومثابة للمسلمین ﴿﴾ ”اللہ نے صاحبان دین کیلئے یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ ان کے حدود کو تقویت دے گا اور ان کے محفوظ مقامات کی حفاظت کرے گا اور جس نے ان کی اس وقت مدد کی ہے جب وہ

قلّت کی بنا پر انتقام کے قابل بھی نہ تھے اور اپنی حفاظت کا انتظام بھی نہ کر سکتے تھے وہ ابھی بھی زندہ ہے اور اس کیلئے موت نہیں ہے۔

تم اگر خود دشمن کی طرف جاؤ گے اور نکبت (مصیبت) میں مبتلا ہو گئے تو مسلمانوں کیلئے آخری شہر کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہ رہ جائے گی اور تمہارے بعد میدان میں کوئی مرکز بھی نہ رہ جائے گا جس کی طرف رجوع کر سکیں لہذا مناسب یہی ہے کہ کسی تجربہ کار آدمی کو بھیج دو اور اس کے ساتھ صاحبان خیر و مہارت کی ایک جماعت کو روانہ کر دو اس کے بعد اگر خدا نے غلبہ دے دیا تو یہی تمہارا مقصد ہے اور اگر اس کے خلاف ہو گیا تو لوگوں کا سہارا اور مسلمانوں کیلئے ایک پلٹنے کا مرکز رہو گے“ (نہج البلاغہ جواد، خطبہ ۱۳۴)

اسی طرح نہج البلاغہ میں خطبہ ۱۳۶ میں یہ ملاحظہ کریں کہ جب خلیفہ دوم نے فارس سے لڑنے کے لئے بذات خود جنگ میں شریک ہونے کے لئے علیؑ سے مشورہ طلب کیا تو علیؑ نے انہیں کیا مشورہ دیا۔

”یا درکھو اسلام کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار کثرت و قلت پر نہیں بلکہ یہ دین دین خدا ہے جسے اسی نے غالب بنایا ہے اور یہ اسی کا لشکر ہے جسے اسی نے تیار کیا ہے اور اسی نے اس کی امداد کی ہے یہاں تک کہ اس منزل تک پہنچ گیا ہے اور اس قدر پھیلاؤ حاصل کر لیا ہے ہم پروردگار کی طرف سے ایک وعدے پر ہیں اور وہ اپنے وعدے کو بہر حال پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کی بہر حال مدد کرے گا۔

ملک میں حاکم کی حیثیت موتیوں کی لڑی میں دھاگے کی مانند ہے جو سب کو جمع کئے رہتا ہے اور وہ اگر ٹوٹ جائے تو سارا سلسلہ بکھر جاتا ہے اور پھر کبھی جمع نہیں ہو سکتا آج عرب اگر چہ قلیل ہیں لیکن اسلام کی بنا پر کثیر ہیں اور اپنے اتحاد و اتفاق کی بنا پر غالب آنے والے ہیں لہذا آپ مرکز میں رہیں اور اس چکی کو انہیں کے ذریعے گردش دیں اور جنگ کی آگ کا مقابلہ انہیں کو کرنے دیں آپ زحمت نہ کریں کہ اگر آپ نے اس سرزمین کو چھوڑ دیا تو عرب چاروں طرف سے ٹوٹ

پڑیں گے اور سب اس طرح شریک جنگ ہو جائیں گے کہ جن محفوظ مقامات کو آپ چھوڑ کر گئے ہیں ان کا مسئلہ جنگ سے زیادہ اہم ہو جائے گا۔

ان عجمیوں نے اگر آپ کو میدان میں دیکھ لیا تو کہیں گے کہ عربیت کی جان یہی ہے اگر اس جڑ کو کاٹ دیا تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راحت مل جائے گی اور اس طرح ان کے حملے شدید تر ہو جائیں گے اور وہ آپ میں زیادہ ہی طمع کریں گے۔

اور یہ جو آپ نے ذکر کیا ہے کہ لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے آرہے ہیں تو یہ بات خدا کو آپ سے زیادہ ناگوار ہے اور وہ جس چیز کو ناگوار سمجھتا ہے اس کے بدل دینے پر بھی قادر ہے۔

اور یہ جو آپ نے دشمن کے عدد کا ذکر کیا ہے تو یاد رکھئے کہ ہم لوگ ماضی میں بھی کثرت کی بنا پر جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ پروردگار کی نصرت اور اعانت کی بنیاد پر جنگ کرتے تھے۔“ (نہج

البلاغہ خطبہ ۱۳۶، جوادی)

اور جب لوگوں نے خلیفہ سوم کی بیعت کا اعلان کیا تو علی نے اس وقت کیا فرمایا

﴿لَقَدْ عَلِمْتُ أَنِّي أَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَيْرِي وَوَاللَّهِ لَا سَلْمَ مَا سَلَمْتُ أُمُورَ الْمُسْلِمِينَ وَلَمْ قَبِّهَا حُورٌ إِلَّا عَلَى خَاصَّةِ النَّحْسِ لَا جَرَّ ذَلِكُ وَفَضْلُهُ وَذَهْلًا قِيَمَاتًا قَسَمُوهُ مِنْ زُخْرَقِهِ وَزِيرَجِهِ﴾

”تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں اور خدا کو اہ ہے کہ میں اس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے تا کہ میں اس کا اجر و ثواب حاصل کر سکوں اور اس زیب و زینت دنیا سے اپنی بے نیازی کا اظہار کر سکوں جس کیلئے تم سب مرے جا رہے ہو۔“ (نہج البلاغہ، جوادی

خطبہ ۷۲)

ان کلمات اور سیرت کی روشنی میں امام خمینیؑ نے ان حالات میں شیعہ اور سنی کے اختلافی مسائل کے اچھالنے کو عالمی استعماری سازشوں کا حصہ قرار دیا۔ نہج البلاغہ مردہ مجتہدین کے رسالہ عملیہ جیسی نہیں جیسا کہ شیخ بہائی کی

جامعہ عباسیؒ یا آیت اللہ ابو الحسن اصفہانی کتاب وسیلۃ النجاة جنہیں ان مجتہدین کے مرنے کے بعد طاق نسیان میں رکھ دیا گیا ہے بلکہ نہج البلاغہ کلام امام معصومؑ ہے جس سے آگے بڑھنا یا اس سے دور رہنا دونوں ہی انسان کی ہلاکت و نابودی کا باعث بنتے ہیں۔

اہل تشیع جو کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امامت و رہبری کے سلسلے میں آئمہ معصومینؑ کے معتقد ہیں اور ان کا اعتقاد ہے کہ ان کے آئمہ پوری روئے زمین جہاں جہاں انسان بستے ہیں ان سب کے قائد و رہبر ہیں لہذا انہیں چاہیے کہ گوشہ و کنار میں بسنے والوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے موقف اور کردار کا مظاہرہ کریں جیسا کہ امیر المومنینؑ نے اپنے دور خلافت میں فرمایا کہ شاید حجاز و یمن میں کوئی انسان بھوکا پیاسا ہو اس لئے علیؑ اچھی غذا نہیں کھا سکتے اگر ہم امام المتقین علیؑ کی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے پوری دنیا کو سامنے نہیں رکھ سکتے تو کم از کم اتنا تو کرنا چاہیے کہ پاکستان کی جغرافیائی حدود کے تناظر میں اپنا سیاسی اجتماعی اور اقتصادی موقف پیش کریں چاہے وہ مثبت کردار کا حامل ہو یا منفی کردار کا لیکن بد قسمتی سے جہاں کسی چھوٹے علاقے یا کسی کالونی میں کسی حد تک شیعوں کی اکثریت ہے وہاں انہوں نے وہ موقف و کردار اپنایا ہے جس میں دین اور دوسرے مسلمانوں سے تعلقات کے حوالے سے آئمہ طاہرینؑ کی سیرت پاک کی کوئی بھی نشانی نظر نہیں آتی بلکہ وہاں غلو الحاد ہندوؤں کی رسومات واضح نظر آنے کے علاوہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف شیعہ یہیں پر بستے ہیں اور یہاں پر ان کی اکثریت ہے اور اس ملک کے دیگر گوشہ و کنار میں رہنے والے سب غیر شیعہ ہیں یہاں پر ہماری حکومت ہے اس سے باہر دوسروں کی ہے اس طرح سے انہوں نے دیگر گوشہ و کنار میں رہنے والے شیعوں کی زندگی کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑا ہے اور ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو یہاں پر یہ ایک ایصال ثواب کی مجلس رکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے گوشہ و کنار میں جہاں شیعہ اقلیت میں رہتے ہیں ان کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے اور وہاں وہ انتہائی کمپرسی لاچارگی اور پرخطر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

روشن حقائق (۲) تعلقات انسانی کی اقسام

انسان کے انسان سے تعلقات کے بارے میں قرآن کریم نے اپنے احکامات انتہائی وضاحت کے ساتھ

بیان کئے ہیں اور ان تعلقات کی مندرجہ ذیل اقسام بتائی ہیں۔

۱۔ حاکمیت و رعیت: اس سلسلے میں فرمایا کافرین کو مومنین پر تسلط نہیں ہے۔

۲۔ زوج و زوجہ (میاں بیوی): اس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں۔ (نور) (بقرہ ۲۲۱) (مائده ۱۰۰) (نور ۲۶)

۳۔ برے اعمال برے آدمیوں کے لئے: ﴿الْغَبِيثَاتُ لِلْغَبِيثِينَ وَالْغَبِيثُونَ لِلْغَبِيثَاتِ﴾ ”غبیث چیزیں غبیث لوگوں کے لئے اور غبیث افراد غبیث باتوں کے لئے ہیں“ (نور ۲۶)

۴۔ اچھے اعمال اچھے لوگوں کے لئے: ﴿الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ ۵۔ برادران: ﴿فَتَحْسَبُوهُنَّ يَوْسُفَ وَآخِيَهُ﴾ ”میرے فرزند و جادو یوسف اور ان کے بھائی کو خوب تلاش کرو“ (یوسف ۸۷)

۶۔ برادر شیطانی: ﴿إِنَّ الْمُبْذَرِينَ كَانُوا أَخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾ ”اسراف کرنے والے شیاطین کے بھائی بند ہیں“ (اسراء ۲۷)

۷۔ برادر ایمانی: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ ”مومنین آپس میں بالکل بھائی بھائی ہیں“ (حجرات ۱۰)

ایمان کی علامت اور نشانی:

۱. ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ (بقرہ)

۲. ﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ (بقرہ)

۳. ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُغْنَوْنَ﴾ (بقرہ)

۴. ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (بقرہ)

۵. ﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ (بقرہ)

دوستی حضرت علیؑ کی نظر میں:

اسی طرح امیر المومنین امام علیؑ نے بھی فرمایا کہ تمہارے تین دوست ہیں
۱۔ تمہارا دوست

۲۔ تمہارے دوست کا دوست

۳۔ تمہارے دشمن کا دشمن

اور اسی طرح تمہارے تین دشمن ہیں

۱۔ تمہارا دشمن

۲۔ تمہارے دوست کا دشمن

۳۔ اور تمہارے دشمن کا دوست۔ (کلمات قصار ۲۹۵)

رب العزت نے مومنین کو غیر مومنین سے دوستی سے منع کیا ہے

”آپؐ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو قوم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے وہ ان لوگوں سے

دوستی کر رہی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی کرنے والے ہیں چاہے وہ ان کے باپ دادا یا

اولاد یا برادران یا عشیرہ اور قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں اللہ نے صاحبان ایمان کے دلوں میں

ایمان لکھ دیا ہے“

(مجادلہ/۲۲)

مومنین کی تعریف و پہچان:

مومن کو مندرجہ ذیل صفات سے پہچانا جاتا ہے۔

- ۱۔ ایمان بخدا و انبیاء از آدم تا خاتم الانبیاء ان تمام آیات و روایات کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کے دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اور دشمنوں سے دوستی کا جو رویہ اپنا رکھا ہے۔ یہ قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول مسلمہ کے خلاف ہے ہمارے معاشرے میں بعض علماء اور دینی چہرہ رکھنے والے افراد اور گروہ اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع دونوں نے ایک دوسرے کی ضد اور مخالفت میں اس ملک میں موجود الحادی اور

لادینی قوتوں سے دوستی کر لی ہے جو کہ قرآن کریم کے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی صریح خلاف ورزی ہے:

﴿ذَٰلِهَا الْفَنینَ امْنُوا لَاتَخْلَوْا عَلَیْ وَعَدُوْكُمْ اُولَیَّآءَ﴾ ”اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ“ (ممتحنہ/۱) ﴿وَمَا کُنْتَ مَتَخِلًا مِّنْ عَصَآءَ﴾ ”اور میں کسی گمراہ کرنے والے کو اپنا دگا رہنا نہ والا نہیں ہوں“ (کہف/۵۱) ﴿فَلَنَ اکُوْنُ ظَهِیْرًا لِّلْمَحْرَمِیْنَ﴾ ”میں آئندہ کبھی بھی مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا“ (نقص/۱۷) ﴿فَلَا کُوْنُ ظَهِیْرًا لِّلْکَافِرِیْنَ﴾ ”لہذا آپ کافروں کی پشت پناہ ہرگز نہ بنیں“ (نقص/۸۶)

ان آیات کریمہ کو پس پشت ڈال کر اپنی خود ساختہ خواہشات کے مطابق بنائے ہوئے دورانہ نشی کا شمرہ آج دیکھ رہے ہیں کہ پوری ملک و ملت کفر و الحاد کے زغے میں چلے گئے ہیں معلوم نہیں کہ آئندہ انجام کیا ہوگا لیکن اس سیرت کو اپنانے والے دنیا و آخرت دونوں میں اپنے ماتھے پر لگائے ہو سیاہ داغ کو نہیں دھو سکیں گے۔ اگر کوئی قرآن و سنت کی حدود سے خارج ہو کر جاہلیت پر مبنی اور خلاف قرآن و سنت ایک دوسرے کے مقابلہ بالشل کیلئے جواز بنائیں گے تو قرآن کی آیات اور سنت و سیرت آئمہؑ اس کی اجازت نہیں دیتے چنانچہ اس آیت کریمہ کا ملاحظہ کریں:

﴿لَعَنَیْ سَطَطَ اِلَیْ یَلٰکَ لِنَقْتُلُنِیْ مَا اَنَا بِسَاطِطٍ یٰلَیْکَ لَا قُوَّةَ لِّیْ اِذَا خَافَ اللّٰهُ رَبَّ الْغٰلِبِیْنَ﴾ ”اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔ میں تو عالمین کے پروردگار اللہ سے ڈرتا ہوں“ (مائدہ/۲۸) ﴿لَا تَقَاتِلُوْا (مَقَاتِلُوْا) الْخَوَارِجَ بَعْدَیْ مِنْ طَلَبِ الْحَقِّ فَاصْطٰہُ کَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ قَادِرٌ کَمَ﴾ ”خبردار میرے بعد خوارج سے کرنے والوں سے جنگ نہ کرنا کہ حق کی طلب میں نکل کر بہک جانے والا اس کا جیسا نہیں ہوتا ہے جو باطل کی تلاش میں نکلے اور حاصل بھی کر لے“ (نہج البلاغہ، ۶۱، جوادی)

قرآن و سنت کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی میں الحادی و لادینی قوتوں سے دوستی کرنے والوں کا حساب

لینے والا خدا ہے۔ لیکن حکم قرآن و سنت اور سیرت معصومینؑ سے تجاوز کرتے ہوئے مقامی و علاقائی تشکیلات و مصلحت کو قرآن و سنت پر فوقیت دے کر بعض دینی چہرہ رکھنے والے افراد و علماء نے الحادی اور لادینی طاقتوں سے دوستی و برادری کا جو صیغہ پڑھا ہے اور مسلمانوں کے خلاف اور ان کے مقابلے میں ان لادینی قوتوں کے کارکن بنے ہیں وہ قرآن و سنت کی مذکورہ بالا آیات و روایات کے سراسر خلاف ہیں کیا یہ واضح و روشن حقائق اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ اس ملک میں ہمارے اوپر قرآن و سنت حاکم نہیں بلکہ جہالت و گمراہی حاکم ہے بہر حال ہم نے ہر حال میں قرآن و سنت کے دائرے میں رہنے اور اس سے تجاوز نہ کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔

روشن حقائق (۳) جہالت کی بالادستی

مکتب تشیع خود کو حدیث شریف ثقلین کے تابع و پیروکار گردانتے ہیں ثقلین سے مراد قرآن کریم اور عزت پاک نبی اکرمؐ ہے قرآن کریم میں علم کے مقام و منزلت کے بیان میں سینکڑوں آیات کے ساتھ ساتھ یہ بیان بھی موجود ہے کہ اسلام کے عظیم ترین جہادوں میں سے ایک جہاد ”جہاد ضد جہالت“ ہے عزت پاک کے حوالے سے اہل تشیع امیر المومنینؑ اور اولاد علیؑ کے منصب امامت پر فائز ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ آئمہ طاہرین کو علوم قرآن و سنت کے دروازے سمجھتے ہیں اس حقیقت کی روشنی میں اگر آپ آنکھ کھول کر دیکھیں تو آپ کو معاشرے میں حقائق و معارف و تعلیمات قرآن و سنت و سیرت آئمہ طاہرین کی بجائے ہر طرف جہالت کی حکمرانی نظر آئے گی۔ مساجد میں آئمہ جماعت کی تقاریر اور دیگر مناسبات سے ان کے خطاب کو غور سے سنیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح و روشن ہو جائے گی۔ اہم ترین منصب و ذمہ داری پر فائز یہ علماء کرام نظام سیاست، نظام اجتماعی، حقوق والدین، حقوق ہمسایہ و مسلمین کے بارے میں امام زین العابدینؑ کے مفصل رسالہ حقوق کے ہوتے ہوئے نظام اقتصاد، نظام تعلیم و تربیت، عقائد اسلام، تاریخ اسلام، تاریخ انبیاء و آئمہ طاہرین الغرض معاشرے کی اولین ضروریات پر مبنی تمام احکام و تعلیمات قرآن و سنت و سیرت پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرین کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تقاریر میں فرسودہ قصہ کہانیوں، بے ثمر مثالوں، خوابوں، سب و شتم اور لعن طعن کو شامل کیے ہوئے ہیں۔ سابق زمانے میں اسکی تفسیر تو جیہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے منبر پر جاہلوں کا

قبضہ ہے لیکن میں اس بات سے کلی طور پر اتفاق نہیں کرتا بلکہ میں اس سلسلے میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے منبر پر جہالت کی حکمرانی ہے کیونکہ رعیت تو ہمیشہ حکومت کے تابع ہوتی ہے لہذا جہاں حکومت و حکمرانی میں جہالت ہو وہاں رعیت کا جہالت سے دور ہونا کیسے ممکن ہے چونکہ ہمارے ہاں منبروں پر غیر حقیقی واقعات کے بیان اور جہالت کو فروغ حاصل ہے لہذا مدارس دینی اور حوزات علمیہ سے فارغ التحصیل اور اسلامی مدارس سے پڑھے افراد اور مقررین و خطباء کے تقریر و بیان میں چنداں فرق نہیں ان سب کی تقریر و بیان و خطاب کا مصدر و مأخذ قرآن و سنت و سیرت معصومین نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ حاصل ہونے والا مواد ہے وہ علماء جو ترجمہ و تفسیر قرآن کریم سنت و تعلیمات معصومین اور تاریخ اسلام پڑھنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ بھی اپنے خطاب میں سنی سنائی باتوں اور رائج مواد پیش کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

روشن حقائق (۴) حلال و حرام سے کھیلنا

انسانی زندگی کا امتیاز حد و دوقیود میں رہنا ہے۔ ان حد و دوقیود کو دین و شریعت کی اصطلاح میں حلال و حرام کہتے ہیں۔ ان حد و دوقیود کی پابندی کے لازم و واجب ہونے اور ان کی اہمیت کے بارے میں سورہ مبارکہ تو بہ کی آیت ۲۹ ملاحظہ فرمائیں کہ جس میں اللہ رب العزت نے ان حد و دوقیود کی پابندی نہ کرنے والوں سے جنگ اور مقابلہ کرنے اور ان کی مزاحمت کرنے کا حکم دیا ہے۔ دین و شریعت میں کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے حتیٰ اس نے یہ حق اپنے نبی مکرم کو بھی نہیں دیا ہے

﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لَمَ اَذْنَبْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الْغُلُوُّ وَتَعْلَمَ الْكُفُوفُ﴾ ”اللہ آپ کو معاف

کرے آپ نے انھیں کیوں اجازت دے دی قبل اس کے کہ آپ پر واضح ہو جاتا کہ سچے کون

ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے“ (تو بہ/۲۳) ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي

مَرْضَاتَ زَوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”اے نبی جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دی ہے

اسے آپ حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ آپ اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہیں؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا

رحم کرنے والا ہے“ (تحریم/۱)

انبیائے کرامؑ اور آئمہ اطہار علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ حلال و حرام کو بیان کرنے والے ہیں اور انبیاء و آئمہ کے بعد فقہاء اور علماء کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حلال و حرام کو بیان کریں اور لوگوں پر یہ واضح کریں کہ کون سی چیز اور کون سا عمل حلال یا حرام ہے لیکن ایک عرصے سے علماء اعلام نے اس اہم ترین فرض سے پہلو تہی کرتے ہوئے اپنے اس حق کو عوام الناس کو کرائے پر دے رکھا ہے کہ وہ مرضی و منشا سے دین و شریعت اور ان کے اس حق سے جتنا بھی کھیلیں کھیل سکتے ہیں۔

﴿الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ ”جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور

تماشا بنا دیا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا“

(اعراف/۵۱)

اسلام و شریعت کی بات کرنے والے مسلمانوں کا زندگی کے معاملات میں دین و شریعت کو چھوڑ کر اپنی صوابدید اور مرضی و پسند پر چلنے کا سلسلہ بہت قدیم ہے لیکن عبادات میں دخل اندازی کا سلسلہ اس ملک میں چند سالوں سے شروع ہوا ہے۔ سابق زمانے میں علماء و دانشمند حضرات جب دین میں انحرافات و خرافات کو شامل کرتے تو یا تو آیات کی غلط تفسیر کرتے یا جعلی روایات کا سہارا لیتے تھے۔ لیکن چونکہ اس دور میں دین و شریعت اور اس کے حلال و حرام سے کھیلنا جاہل انسانوں کے ہاتھوں میں آ گیا ہے لہذا وہ زور بازو لاٹھی ڈنڈے، گالی گلوچ اور دھونس دھاندلی سے از خود حلال و حرام وضع کر رہے ہیں۔ لیکن علماء اعلام کی حق بین نظر اس لئے اُن پر نہیں پڑتی کیونکہ وہ ایک عرصے سے حلال و حرام کے بیان اور حلال و حرام میں فرق و تمیز کو واضح کرنے کے حق سے دست بردار ہو چکے ہیں لہذا انہیں یہ یاد نہیں رہا کہ آیا حلال و حرام کا بیان اور ان دونوں میں فرق کو واضح کرنا اُن کی ذمہ داری ہے یا کسی اور کی۔

روشن حقائق (۵) شناخت علماء قرآن و سنت سے وابستگی میں ہے

علماء اعلام اور دین و شریعت کے مروجین کی شناخت آیات قرآنی اور روایات معصومینؑ کی روشنی میں

ہونی چاہیے۔ علماء نہ کسی خاص لباس اور حلیہ کا نام ہے اور نہ کسی حوزہ یا دینی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہونے کے دعویٰ کا نام ہے بلکہ علماء وہ ہیں جن پر قرآن و سنت سے حاصل شدہ عقائد، فروعات، اخلاق و سلوک کا رنگ غالب ہو ان کے چہرے سے خوف خدا اور خشیت کے آثار نمودار ہوتے ہوں اور زبان سے آیات قرآنی و روایات معصومین بیان ہوتی ہوں۔ اس کسوٹی کے علاوہ اگر کوئی (بلغ مبالغہ) کے دعویدار ہی کیوں نہ ہوں وہ دین اسلامی کے اس منصب کے حقدار نہیں ہیں لہذا علماء اور مومنین کا ربط آیات قرآنی اور سنت معصومین کی روشنی میں ہونا چاہیے۔

روشن حقائق (۶) مساجد پر مفاد پرستوں کا قبضہ

عصر حاضر میں ہماری مساجد اپنی تعمیر و زیبائی میں قصور معافی کی مثال ہیں جیسے تاریخ میں ہمیشہ ارباب ظلم و جور اپنی قدرت و سلطنت کے مظاہرے کے لئے ایسی تعمیرات کرتے تھے۔ اسی طرح مساجد کی تعمیر میں حصہ لینے والوں اور ان پر قبضہ جمانے والوں کا مساجد کے اہداف و مقاصد سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ وہ مساجد کے بارے میں وہی سنت جاری رکھے ہوئے ہیں جو صدر اسلام میں مشرکین مسجد الحرام اور دیگر مساجد کے بارے میں روا رکھتے تھے۔

گزشتہ زمانے میں یا تو مسجد کے دروازے نہیں ہوتے تھے اگر ہوتے تو انہیں بند نہیں کرتے تھے تاکہ بندگان خدا کو درگاہ خدا میں عبادت و بندگی اور آیات قرآن کی تلاوت کرنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ یا کوئی مسافر مرد و مومن سفر میں کوئی خانہ و آشیانہ نہ رکھتا ہو تو وہ مساجد میں آرام و سکون کر سکے۔

ظالمین و جابرین کی آنکھوں کا کانٹا ہمیشہ یا خدا کی سر بلندی کے ساتھ مستضعفین و محرومین کی امن و سکون کی زندگی رہی ہے جو کہ ظلم و استبداد کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں لوگوں کا وقفاً و قفاً خدا کی طرف متوجہ ہونا اور معاشرے میں طاقت کا مرکز مستضعف انسان ہیں جو کہ ان ظالمین کے لئے رکاوٹ ہیں لہذا بندگان خدا کو دھوکہ دے کر پہلے ان لوگوں نے مساجد کی تعمیر کی اور بعد میں ان مساجد سے یا خدا و مستضعفین کو ایک ہی ساتھ خارج کیا

آج مساجد بیت اللہ نہیں ہیں پناہ گاہ مستضعفین و محرومین اور صفہ نہیں بلکہ ایک کرائے کے مکان میں تبدیل ہوئی ہیں یہ مساجد دو طرح سے قابضین کی درآمد کا ذریعہ ہیں۔

ایک موقع محل دیکھ کر کرائے پر دے کر پیسہ وصول کرتے ہیں اور دوسرا ہر جمعہ کو چندے کی شکل میں رقم وصول کرتے ہیں مسجد اور جمعہ دونوں اس وقت قابضین کی آمدنی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ اگر کسی جگہ جمعہ ہو رہا ہے تو اسکے قریب ہی جمعہ شروع کیا جاتا ہے جو شریعت و فقہ جعفری کے تحت باطل ہے۔ اس ملک میں یہ سلسلہ بہت فروغ پا رہا ہے اور قابضین اپنے چندے کی خاطر باقی رکھے ہوئے ہیں۔ ہماری علمائے آلام دین و شریعت کے داعیان سے گزارش ہے کہ وہ کبھی اس منظر کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

روشن حقائق (۷) نصیریت کے فروغ کی خاطر وہابیت کا توڑ

محققین و مصنفین اور مقررین و خطباء نامور علماء ذوالمقام و احترام فریقین جو قرآن و سنت کی حاکمیت و بالادستی کے داعی و معترف ہیں۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں حاکمیت کے قائل ہیں حتیٰ حدیث واردہ کی کسوٹی بھی قرآن کو سمجھتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں دو حقیقتیں پیش کر رہے ہیں جو روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ پہلے علماء و محققین اہل سنت و الجماعت سے عرض گزار ہیں۔ ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کرتے کہ اہل سنت کے ایک گروہ نے بغیر کسی سند قرآن و سنت کے شیعوں کے خلاف کفر و شرک اور جواز قتل کے فتویٰ صادر کیے ہیں۔ اور ساتھ ہی شیعوں کو یہود و ہنود سے بدتر قرار دیتے ہیں۔ اور اسکی بنیاد پر انکے قتل کے جواز کے فتویٰ صادر کیے ہیں۔

آپ کے فرقہ کے ایک گروہ نے اپنے قلم و زبان کو بے لجام کر کے اور ایک جنونی شکل اختیار کر کے شیعوں کا استحصال کیا ہے۔ شیعہ جو پیغمبر اکرمؐ کے بعد بارہ ائمہؑ کی امامت کے قائل ہیں اور حضرت علیؑ سے لیکر مہدی موعود تک کو اپنا امام مانتے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ ایک اختلاف ہے۔ لیکن دیگر اصول و فروع جیسے توحید و رسالت، ختم نبوت، قبلہ و کعبہ، نماز روزہ حج زکوٰۃ غرض تمام میں آپ کے ساتھ مشترک ہیں۔ اور اس میں مصروف عمل ہیں۔ لیکن آپ کے اس گروہ نے انھیں یہود سے بدتر مشرک قرار دینے کی تہمت لگائی

ہے اور انکے مال و جان کو مباح گردانا ہے اور اسے موجب حصول جنت قرار دیا ہے۔ ان کے بقول شیعہ ان تمام اعتقادات و فروع پر دل سے ایمان نہیں رکھتے بلکہ دکھاوا کرتے ہیں۔ لہذا یہ منافق ہیں۔

یہاں ہمارا آپ سے یہ سوال ہے اگر شیعہ منافق ہیں تو کیا منافق اسلام سے باہر ہے یا اس کے دائرے کے اندر ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں مشرکین یہود و نصاریٰ سے بدترین ہیں یا مشرکین خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں آیا وہ حضرت محمد کی ختم نبوت کو مانتے ہیں فروع دین پر عمل کرتے ہیں کعبہ کو قبلہ مانتے ہیں۔ جبکہ شیعہ ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ حدیث فریقین میں موجود ہے کہ جو شخص دل سے ایمان نہ لائے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اسکی جان مال عزت و ناموس مسلمانوں پر حرام ہے۔ اور حکومت اسلامی انکے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔

ہمارا دوسرا سوال علماء شیعہ سے ہے۔ کیا وہ افراد جو خدا کی وحدانیت، رسالت و نبوت اور آخرت کے معترف ہیں اور اسکے علاوہ حج نماز روزہ اور دوسرے واجبات کے بھی معتقد ہیں وہ دائرہ اسلام سے باہر ہیں اور یہودیوں کے برابر ہیں۔ ان کی ضد میں آپ کے فرقے نے ملک میں نصیریت اور الحاد کو فروغ دینے میں کردار ادا نہیں کیا ہے اور ایسے بہت سے نمونے آپ کی طرف سے ظاہر نہیں ہوئے ہیں کہ جب ملک میں نفاذ اسلام کیلئے کاوشیں شروع ہوئیں تو آپ نے ہمیشہ سیکولر اور لادین لوگوں کے ایماء پر رکاوٹیں کھڑی نہیں کی ہیں۔ اس میں عوام تو درکنار بعض علماء نے انکا ساتھ دینے کو لائے اہل بیت قرار دیا ہے۔ انھوں نے وہابیت کی مخالفت میں سیکولر اور لادین حلقوں سے پھر پور تعاون کیا ہے۔ یہاں ہم اپنے علاقے کے علماء کے بعض کردار کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ انھوں نے قرآن و سنت اور سیرتِ آئمہ اور فقہاء کرام فتاویٰ کو طاق نسیان میں رکھ کر اپنی اجتہادی استحسانات قیاس علاقے کی مصلحت کو مقدم رکھتے ہوئے دو ایسے لادینی قوتوں کو وہاں بسایا تا کہ انکے سائے میں تحفظ حاصل کریں انھوں نے ہمیشہ اپنی غیظ و غضب کا نشانہ اپنوں کو بنایا چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے نوزخشیہ جو کہ شیعوں کے ہم عقیدہ اور اعمال میں شیعوں کے ساتھ ساتھ تھے فرق صرف اتنا تھا کہ وہ مردہ مجتہد (سید محمد نور بخش) کی تقلید پر اصرار کرتے ہیں۔ انکو اپنے سب و شتم

اور غیظ و غضب کا نشانہ بنایا اور انھیں ایسے زخم لگائے ہیں جو شاید انکی آئندہ نسلوں تک نہ مٹ سکیں۔ اسی طرح اہل سنت والجماعت کی مخالفت میں لادینی قوتوں کا ساتھ دیا۔ اور ان کی معاونت کرنے کو تشیع سے وابستگی قرار دیا۔ کیا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی مخالفت میں کفر والحاد سے تعاون کرنا شرک نہیں۔ کیا ہمیں قرآن کریم، انبیاء، ائمہ کی سیرت میں ایسا کوئی نمونہ ملتا ہے کہ اپنے اندرونی تنازعات کی وجہ سے انھوں نے کفر و شرک سے کوئی کمک یا مدد لی ہو۔ قرآن کریم میں سب سے زیادہ آیات شرک کی مذمت میں آئی ہیں اور شرک پر مرنے والوں کو ناقابل بخشش قرار دیا گیا ہے۔ اگر یزید شرک کو برا کہے تو کیا آپ شرک کو اس کے ضد میں اپنائیں گے؟ آیا مذہب کی بنیاد قرآن و سنت ہے یا مخالفین کی مخالفت۔

کسی عمل میں شریک ہونے یا کسی کو اپنے عمل میں شریک کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ خداوند عالم نے کثیر آیات میں ہر قسم کے شرک کو اپنی ذات سے منزہ کیا ہے چاہے یہ مندرجہ ذیل شرک کی کسی قسم سے بھی تعلق رکھتا ہو:

۱۔ **شرک در خالقیت:** کائنات میں کوئی چیز چاہے وہ جراثیم کے برابر ہی کیوں نہ ہو اسکی تخلیق میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔ حتیٰ معجزات انبیاء میں بھی انبیاء فاعل معجزہ نہیں بلکہ مصدر فعل خدا ہیں۔ اس فعل کو خداوند عالم نے اس نبی کے ہاتھوں انجام دیا ہے۔ لہذا پہلا شرک در خالقیت ہے۔

۲۔ یعنی خداوند عالم نے کائنات کی تخلیق کے بعد کسی بھی شعبے میں تدبیر کو کسی موجود کے حوالے نہیں کیا ہے۔

۳۔ شرک در عبادت یعنی خدا کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ عبادت سے مراد ایسا خضوع و خشوع کرنا جو خدا کے علاوہ کسی اور کیلئے نہیں ہو سکتا۔

یہ تین انواع شرک ہیں۔ ہم اپنے مذہب کے حوالے سے دفاع کرتے ہوئے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہماری کتب عقائد اور علماء و محققین کے فرمودات ان تین قسم کے شرک کے خلاف ہیں۔ لیکن ہم علماء اور محققین اہل عدل و انصاف جو ضمیر و وجدان رکھنے والے سے سوال کر سکتے ہیں کیا ہمارے فرقے کا ایک گروہ اپنے قلم و بیان اور اپنے عمل سے تخلیق کائنات اور رزق دینے میں حضرت علیؑ کو خدا کے شریک قرار نہیں دیتے اور گھوڑے جھنڈے سے حاجتیں مانگنے، جعلی ضربوں پر دھاگے باندھنے وغیرہ کی فرسودہ عقائد کو رواج نہیں

دیا ہے کیا یہ اعمال شرک کے زمرے میں نہیں آتا ہے۔

ملک میں فحاشی و عریانی اور لادینیت کو ایک دوسرے کی محاذ آرائی میں فروغ دیا ہے جس میں اہل سنت اور تشیع دونوں برابر کے شریک ہیں۔ جسکا انجام بھی دونوں نے دیکھا ہے اہل سنت نے افغانستان میں اور شیعہوں نے عراق میں۔ لہذا ان دونوں سانحہ عظمیٰ کو سامنے رکھتے ہوئے ان دونوں گروہوں کو قرآن و سنت کی طرف برگشت کرنی چاہیے اور اپنے مذہب کی بنیاد قرآن و سنت کو قرار دینا چاہیے۔

روشن حقائق (۸) خمس ترویج شریعت کیلئے ہے

جنگی غنائم اور معدنیات کے علاوہ کسب و کاج سے درآمد شدہ آمدنی پر وجوب خمس فقہائے شیعہ کے نزدیک ضروریات مذہب میں شمار کیا جاتا ہے تاہم اس وجوب کی اسناد کے بارے میں بعض نے آیات و روایات کا حوالہ دیا ہے اور بعض نے ضرورت کے تحت اسے آئمہ طاہرین کا جعل قرار دیا ہے۔ لیکن اس کا مصرف کیا ہے اور کس کو اسکا حق تصرف حاصل ہے یہ بات ابھی تک ابہام اور اجمال کا شکار ہے جسکی وجہ سے اس سے مستفیض ہونے والے نقطہ افراط و تفریط پر قائم ہیں بعض نے اسے آگ کا بگولہ قرار دیا ہے کہ جو بھی اسے ہاتھ لگائے گا، وہ جل جائے گا اس نظریے کے قائلین کا کہنا ہے کہ اس کو مصرف مجتہد، ان کے نور نظر فرزند ان اور امین و معتمد وکیل ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ قرآن و سنت سے استناد کیے بغیر خمس کو مصرف مجتہد اور ان کے انتہائی قریبی حلقہ بگوش افراد کے لطف اندوزی کے منظر کو دیکھ کر بعض سماجی و بہودی تنظیموں نے بھی مختلف حیلوں بہانوں سے اسے جمع کرنے کی مہم شروع کر دی۔ چنانچہ انہوں نے اس میں کشش اور جاذبیت پیدا کرنے کی خاطر پندرہ شعبان کو یوم خمس قرار دیا ہے۔ اس تاریخ کے تعیین سے بعض افراد اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہی خمس دینے کا دن ہے جبکہ حقیقت میں یہ خمس جمع کرنے کا دن قرار دیا گیا تھا ان لوگوں نے اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے لوگوں کے گھروں میں صندوقچیاں رکھنے کی مہم شروع کی تاکہ لوگ وقتاً فوقتاً ان میں خمس اور دیگر خیرات ڈالتے رہیں اور پھر وہ امام زمانہ کے نمائندے بن کر خود ہی گھر گھر سے اسے وصول کر لیں گھر گھر تک صندوقچیاں پہنچانے والوں کے لیے یہ بھی رقم جمع کرنے کا ایک کامیاب تجربہ رہا ہے۔ یہ آسان اور کامیاب

ذریعہ آمدنی کو ہمیشہ جاری رکھنے کے راستے میں واحد خدشہ ظہورِ امام زمان (عج) ہو سکتا ہے۔ اسے موخر کرنے کے خاطر کئی نئی پرانی فرسودہ رسومات کو از خود فروغ دینے اور دوسروں کے رسومات سے بھی دفاع کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ یہ تو فی زمانہ خمس کے وجوب اور دریافت کا پس منظر تھا لیکن اسکا صحیح اور حقیقی مصرف کیا ہے اور اسے کہاں خرچ ہونا چاہیے اس میں ابھی تک اجمال و ابہام پایا جاتا ہے۔ مجتہدین اپنے رسالہ عملیہ کے باب خمس میں تحریر فرماتے ہیں کہ خمس سے حاصل شدہ آمدن وہاں خرچ ہونی چاہیے جہاں امام زمانہ کی رضایت و خوشنودی ہوتا ہم اس سلسلے میں کسی نے بھی ابھی تک وہ موارد تصرف بیان نہیں فرمائے کہ جن میں خمس کی رقم صرف کرنے سے امام زمانہ کی خوشنودی یقینی ہو۔ البتہ مجتہدین کی سیرت عملی سے ظاہر ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادوں اور مقرب و کلا کو خمس کی رقم خرچ کرنے کی اجازت دینے کے علاوہ مدارس پر خرچ کرنے کو بھی امام زمانہ کی رضایت و خوشنودی کا ایک مورد قرار دے رکھا ہے۔ لیکن امام زمانہ کو فرزند ان مجتہدین اور ان کے مقرب و کلاء اور دین و مذہب کے نام پر قائم ان مدارس کی کون سی چیز پسند ہے کہ جسکی بناء پر خمس صرف اسی مد میں خرچ ہو سکتا ہے۔ یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہو سکی آیا امام زمانہ ان مدارس کے درود یوار پر لکھی گئی آیات کریمہ کے حوالے سے ان سے راضی و خوش ہو گئے ہیں یا ان مدارس کے اندر پڑھائی جانے والی عربی اور انجلیبی زبانیں امام زمانہ کی خوشنودی کا سبب ہیں یا ان مدارس میں رہنے والوں کے مخصوص لباس سے امام زمانہ خوش ہو گئے ہیں یا عقائد و احکام قرآن و احادیث اور تفاسیر قرآن جو ان میں ناپید ہیں امام زمانہ کی رضا و خوشنودی کا موجب بنے ہیں۔

روشن حقائق (۹) دانشمندی قرآن سے وابستگی میں ہے

جہاں ہم نے علمائے اعلام اور مدرسین عظام سے گلہ اور شکایت کے ساتھ ان سے قرآن کے بارے میں کچھ درخواستیں کی ہیں اسی طرح ملک کے دانشور و دانشمند پڑھے لکھے طبقے سے گزارش ہے کہ وہ قرآن سے لا تعلق رہنے کی بہانہ سازی اور عذر تراشی کے رویے کو ترک کریں کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور ہمیں عربی نہیں آتی کیونکہ یہ بہانہ اور عذر تراشی حقیقت سے دور ہے شاید ہم جیسے سادہ لوح مسلمان آپ کو معذور گردانیں لیکن

درگاہِ خداوندی میں یہ عذر قابل قبول نہیں ہوگا کیونکہ آپ بغیر عربی بھی قرآنی معارف سے آشنائی حاصل کر سکتے ہیں۔ فلسفہ لاطینی زبان میں وجود میں آیا اور وہاں سے دنیا بھر کی زبانوں میں فلسفہ نے فروغ پایا ہے سائنس مغرب میں وجود میں آئی لیکن دنیا کے دیگر ملک اسے اپنی زبان میں پڑھتے ہیں۔ اسی کتاب میں آپ نے قرآن کے بارے میں مغربی دانشوروں کے تاثرات پڑھے ہیں جس سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ وہ کس حد تک قرآن سے قریب ہوئے اور آشنائی حاصل کی۔ اگر آپ حقیقی معنوں میں اس دین سے وابستہ ہیں تو قرآن سے آشنائی ایک ناگزیر حقیقت ہے جس کے بغیر اسلام سے وابستگی ناممکن ہے لہذا آپ کو چاہئے کہ ملک میں موجود معارف قرآن کے اساتید اور دانشمندوں سے اس سلسلہ میں مشورے تجاویز اور نصیحتیں لے کر بغیر کسی تاخیر کے قرآن سے اپنا رابطہ قائم کریں۔ خدا تمام مسلمانوں کو قرآن سے آشنائی اور قرآن کی بالادستی قائم کرنے کی توفیق عنایت کرے آمین۔ آخر میں ربِّ قدوس سے ہر قسم کی غلطی، اشتباہ، کوتاہی سرزد ہوا ہو اسکی مغفرت اور بخشش کا خواستگار ہوں و آخر دعوانا عن الحمد وللہ رب العالمین۔

قرآن سے پوچھو

اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھو

مصادر و مآخذ کتاب قرآن سے پوچھو

تفاسیر اور قرآنیات

☆ معجم المفہرس الفاظ قرآن کریم	محمد قنّاد عبدالباقی
☆ معجم المفہرس الفاظ القرآن الکریم	محسن بیدارفر
☆ کشف الموضوعی القرآن الکریم	دار القرآن الکریم
☆ معجم مفصل لمواضع القرآن	محمد خلیل عیستانی
☆ المقطف من عیون التفاسیر	مصطفی الحصن منصوری
☆ التفسیر التیان	الشیخ طوسیؒ
☆ التفسیر المجمع البیان	طبرسی
☆ التفسیر الشیر	سید عبد اللہ شبر
☆ التفسیر الصافی	قبض کاشانی
☆ التفسیر ذر المشور	جلال الدین سیوطی
☆ التفسیر الکبیر	علی امام قنر الرازی
☆ التفسیر البیان	آیت اللہ ابوالقاسم الخوئی

☆ تفسیر المیزان۔	آیة اللہ محمد حسین طباطبائی
☆ تفسیر الفرقان	آیة اللہ محمد صادق تهرانی
☆ التفسیر المنیر	الدكتور وهبه الزحيلي
☆ تفسیر الشعراوی	الشیخ محمد متولی الشعراوی
☆ ایسر التفاسیر	ابوبکر جابر الجزائری
☆ تفسیر فی ظلال القرآن	سید قطب
☆ تفسیر جلالین	جلال الدین سیوتی
☆ امالی سید مرتضی	سید مرتضی
☆ تفسیر المنار	شیخ محمد عبده
☆ صفوة التفاسیر	الصافيوني
☆ من وحی القرآن	السید محمد حسین الفضل اللہ
☆ تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات و السور البقائي	
☆ تفسیر النور الثقلین	الشیخ عبد علی بن جمعة الحویزی
☆ التفسیر البرهان	علامة بحرانی
☆ تفسیر الوجیز	وهبة الزحيلي
☆ تفسیر تفہیم القرآن	ابو اعلیٰ مودودی
☆ تفسیر نمونہ	آیت اللہ مکارم شیرازی
☆ تفسیر موضوعی	آیت اللہ جواد آملی
☆ تفسیر موضوعی	آیت اللہ مکارم شیرازی
☆ تفسیر موضوعی	آیت اللہ جعفر سبحانی
☆ من ہدی القرآن	آیة اللہ محمد تقی مدرس
☆ تفسیر قرآن	محی الدین ابن عربی اندلیسی
☆ تفسیر مهمات القرآن	البلنسی

☆ تفسیر الکاشف	علامه جواد مغنیه
☆ تفسیر ابن بادیس	علامه ابن بادیس
☆ التفسیر و المفسرون فی ثوبه القشيب	آیت الله هادی معرفت
☆ تفسیر و المفسرون	دکتر محمد حسین ذهبی
☆ علوم القرآن عند المفسرين	مرکز ثقافه و المعارف القرآنیه
☆ تفسیر نوین	باتوی ایران
☆ تفسیر به راءى	آیت الله مکارم شیرازی
☆ تفسیر القرآن الکریم	محمد علی تسخیری و نعمانی
☆ تفسیر ابن عربی	محيى الدين العربی
☆ نحو التفسیر موضوعی لسور القرآن الکریم	مهمد الغزالی
☆ منهج البیان فی التفسیر القرآن	السید ابن حسن الرضوی
☆ محاضرات فی تفسیر القرآن الکریم	سید اسماعیل الصدر
☆ تسنیم تفسیر القرآن	آیت الله جواد آملی
☆ ازاد التفسیر	جمال الدين قريشي بغدادی
☆ التفسیر و المفسرون	الدکتر محمد حسین الذهبی
☆ قواعد التفسیر	خالدین عثمان السبت
☆ تفسیر اسئلة القرآن المجید و اجوبتها	عبد القادر الرازی
☆ تفسیر فتح القدير	محمد علی بن محمد الشوکانی
☆ دانش نامه قرآن	بهاالدین خرمشاهی
☆ الکشاف عن حقائق غوامض التزیل	زمنشیری
☆ در سهائی از علوم القرآنی	دکتر حبیب الله طاهری
☆ معجم مفردات الفاظ قرآن	راغب اصفهانی
☆ معجم التعبيرات القرآنية	محمد ادريس

☆ قاموس قرآن	سید علی اکبر قرشی
☆ قرہنگ نامہ قرآنی	استان قدس رضوی
☆ ترجمہ قرآن کریم	علامہ شیخ محسن علی نجفی
☆ ترجمہ قرآن کریم	علامہ جوادی
☆ ترجمہ قرآن کریم	ابوالاعلیٰ مودودی
☆ ہررسی و ترجمہ انفال	آیت اللہ محمدی کلہایگانی
☆ الحركة الجہادیۃ فی سورۃ الناس	پاسدارش ۵۰ ص ۶۷
☆ المدرسۃ القرآنیۃ	آیۃ اللہ سید محمد باقر الصدر
☆ اساس الایمان فی القرآن	آیت اللہ محمد الیزدی
☆ الاتقان فی علوم القرآن	علامہ جلال الدین السيوطی
☆ ہر سش و پاسخہای قرآنی	محمد بن ابی بکر رازی
☆ منهاج الجدل	الدکتور زاہر عواض الالمعی
☆ احکام القرآن	قاضی ابی بکر ابن عربی
☆ فتوحات مکبہ	محبی الدین ابن عربی
☆ الکون و الارض و الانسان فی القرآن العظیم	عبد الحمید
☆ درسہای از علوم قرآنی	دکتر حبیب اللہ طاہری
☆ روش شناسی تفسیر قرآن	محمود رجبی
☆ علوم القرآن عند المفسرین	مرکز الثقافۃ و المعارف القرآنیہ
☆ فی ضلال القرآن	محمد جعفر الشس الدین
☆ پژوہشی پیرامون تلید در قرآن	ولی اللہ نقی پورفر
☆ الاعجاز فی نظم القرآن	الدکتور محمود السید شیخون
☆ الانسان فی القرآن	عباس محمود عقات
☆ الحوار فی القرآن	آیت اللہ فضل اللہ

- ☆ اسرار الآيات صدر الدين شيرازى
- ☆ التعريف والاعلام عبدالرحمن السهيلي
- ☆ الاشتراك اللفظي في القرآن الكريم محمد نور الدين المنجد
- ☆ معجزة القرآن الجديده بنية الآيات و السور عمر النجد
- ☆ اسلوب دعوت في القرآن آيت الله فضل الله
- ☆ الفرقان والقرآن الشيخ خالد عبدالرحمن العك
- ☆ القرآن في السلام السيد محمد حسين طباطبائي
- ☆ قرآن و عرفان و برهان استاد حسن زاده آملی
- ☆ اطلس القرآن الدكتور شوقي ابو خليل
- ☆ كنجه معارف قرآن ابو الفضل فخر السلام
- ☆ القرآن حكمة الحياة السيد محمد تقى المدرسى
- ☆ اسرار التكرار في القرآن عبدالقادر احمد عطا
- ☆ البيان في روائع القرآن الدكتور تمام حسان
- ☆ دراسات في القرآن-الكريم الدكتور محمد ابراهيم الحفناوى
- ☆ النهى في القرآن الكريم الدكتور جمال ادين المصرى
- ☆ الكتاب و القرآن الدكتور محمد شحرور
- ☆ القواعد الحسان لتفسير القرآن شيخ عبد الرحمن بن ناصر
- ☆ موجز علوم القرآن الدكتور دائود العطار
- ☆ درة التزويل وغرة التاويل ابي عبدالله خطيب الا سكاقي
- ☆ المدخل لعلم تفسير كتاب الله تعالى ابي النصر حدا دى
- ☆ ملاك التاويل احمد بن زبير الغرناطى
- ☆ قواعد التدبر الامثل عبدالرحمن حسن جبنكه الميداني
- ☆ من وحي القرآن آية الله محمد حسين فضل الله

☆ مجازات القرآن	شريف الرضى
☆ معالم القرآن فى عوالم الاكوان	الشيخ احمد محى الدين العجوز
☆ ۵۵۰ معماى قرآنى	محمد حسين قاسمى
☆ التصوير الفنى فى القرآن	سيد قطب
☆ القرآن فى شهر القرآن	الدكتور عبدالحليم محمود
☆ شناخت قرآن	محمود رجبى، محمود اعراقى
☆ التعريف و اعلام	عبد الرحمن السهيلى
☆ من قضايا الاعلام فى القرآن	رمضان الاوند
☆ سير تحول قرآن و حديث	على فاضل عبد الرحمن اتصادى
☆ معرفت شناسى در قرآن	سيد حسين ابراهيميان
☆ فى رحاب الله اصواء على دعاء كميل	عز الدين بحر العلوم
☆ النهى فى القرآن الكريم	جمال الدين المصرى
☆ الفرقان و القرآن	الشيخ خالد عبد الرحمن العك
☆ مجموعه سخنرانيها و مقالات	كنفرانس تهقيقاتى و مفاهيم قرآن
☆ القيامة بين العلم و القرآن	الدكتور داود سلمان السعدى
☆ اعجاز قرآن	علامه سيد مهملد حسين طباطبائى
☆ قرآن باب معرفت الله	امام خمينى
☆ العلاقة الجنسية فى القرآن الكريم	محمد مهملد الاصفى
☆ الظواهر الجغرافية بين العلم و القرآن	عبد العليم عبد الرحمن خضر
☆ معطيات آية الموده	السيد مهملد الهاشمى
☆ پايه هاى اساسى شناخت قرآن	عبد الفتاح طباره
☆ الكون و الارض و الانسان فى القرآن الكريم	رجا عبد الحميد عرابى
☆ برهان قرآن	صدر الدين بلاغى

- ☆ معيارها و عوامل تمدن از نظر قرآن
 ☆ نقدی و برسير تحول القرآن
 ☆ من الذرة الى المجرة
 ☆ قرآن ثقل اكبر
 ☆ دراسات تاريخية من القرآن الكريم
 ☆ البرهان في نظام القرآن
 ☆ الجنس في التصور الاسلامي
 ☆ حول القرآن
 ☆ قرآن در عصر فضا
 ☆ دستور الاخلاق في القرآن
 ☆ الانحرافات الكبرى
 ☆ اساليب البيان في القرآن
 ☆ قبس من نور القرآن الكريم
 ☆ ملاحم القرآن
 ☆ متشابهات القرآن و مختلفه
 ☆ قاموس القرآن
 ☆ تلخيص البيان في محازات القرآن
 ☆ مباحث في علوم القرآن
 ☆ الكشف عن حقائق غوامض التنزيل
 ☆ رحمة من الرحمن في تفسير و اشارات القرآن
 ☆ حقائق هامة حول القرآن الكريم
 ☆ سو كندهای قرآن
 ☆ زوال اسرائيل
- بنیاد باقر العلوم
 علی الرضا صدر الدين
 حمادة احمد العائدي
 سيد علي كمالی دزقولي
 محمد بيومي مهران
 محمد عناية الله اسد سبجاني
 محسن محمد عطوي
 آية الله الفاني الاصفهاني
 دكتور سيد عبد الرضا حجازي
 دكتور محمد عبد الله دراز
 سعيد ايوب
 سيد الجعفر الحسيني
 الشيخ محمد علي الصابوني
 الشيخ ابراهيم انصاري
 محمد بن علي شهر آشوب
 عبد العزيز سيد الاهل
 سيد شريف الرضي
 الدكتور صبيح الصالح
 زمخشري
 محي الدين ابن العربي
 سيد جعفر جعفر مرتضى العاملي
 استاد جعفر سبهاني
 شيخ اسعد بيوض التميمي

- ☆ ادیان آسمانی و مسئله تحریف
☆ لباب نقول فی اسباب النزول
☆ در آستانه قرآن
☆ نامه هدایت
☆ الفصحی لغة القرآن
☆ آسمان وزمین و ستاره کان از نظر قرآن -
☆ بشارت عهدین -
☆ بشارت و المقارنات -
☆ نهاية الكون بین العلم و القرآن
☆ تفسیر القرآن الکریم
☆ پژوهشی درباره قرآن و تاریخ آن
☆ واژه های قرآن
☆ الایات العجائب فی رحلة الانجاب
☆ عجائب القرآن
☆ وجوه قرآن
☆ مباحث فی تفسیر الموضوعی
☆ در اسات فی القرآن الکریم
☆ من اشعه القرآن
☆ شگفتیها از اعجاز در قرآن
☆ کلید های فهم قرآن
☆ القرآن و الاحوال المناخية
☆ علوم طب فی القرآن -
☆ تفسیر الآیات فی کتاب التکامل فی الاسلام
- سید مرتضی عسکری
جلال الدین عبد الرحمن العیوطی
و کتور محمود رامیار
د کتور محمد مهدی رکنی
انور الجنیدی
آیت الله محمد صادقی

- محسن عبد الصاحب المظفر
صدر المثالین
سید محمد باقر حجتی
سید حسین شفیعی دارابی
حامد احمد حامد
السید الحمیلی
ابو الفضل حبیب بن ابراهیم تفلیمی
الد کتور مصطفی مسلم
علی مہمد الاصفی
محمد امین زین الدین
الد کتور محمد جمال الدین قنلی
علی رضا صدر لدینی
محسن عبد الصاحب المظفر
استاد خلیل
استاد احمد امین

☆ رحلة المدرسية	آیت اللہ جوادی بلاغی
☆ سیر تحول قرآن و حدیث	علی قاضل عبدالرحمن انصاری
☆ افسانہ تحریف قرآن	رسول جعفریان
☆ رسالت قرآن	آیت اللہ جوادی آملی
☆ آشنائی با قرآن	استاد مرتضی مطهری
☆ علوم قرآن یا تفسیر موضوعی	آیت اللہ مرتضی حائری یزدی
☆ علوم القرآن	السید محمد باقر الحکیم
☆ السنن التاريخية فی القرآن المجید	الشیخ الزکابی
☆ بحوث فی تاریخ القرآن و علومه	ابو الفضل میر محمدی
☆ الـکون و الانسان بین العلم و القرآن	یسام دقضع
☆ اسرار الکوب فی القرآن	الدکتور داؤد سلمان السعدی
☆ القرآن الکریم و روایات المدرستین	السید مرتضی العسکری
☆ شناخت شناسی در قرآن	آیت اللہ جوادی آملی
☆ بحوث فی اصول التفسیر و مناهجة	فهد بن سلیمان الرومی
☆ منهج القرآن فی تطوير المجتمع	الدکتور محمد البهی
☆ القرآن الکریم و التوراة و الانجیل و العلم	موريس بوكائی
☆ استهائی اجتماعی در قرآن کریم	احمد حامد مقدم
☆ سورة اعلی و زلزال	ملا صدرا
☆ هدايت در قرآن	آیت اللہ جوادی آملی
☆ قرآن و کتابهای دیگر آسمانی	شهید سید عبد الکریم هاشمی نژاد
☆ الی لقرآن الکریم	الامام محمود شلتوت
☆ الظاهرة القرآنية	مالک بن نبی
☆ الاعتذار محمد و القرآن	جان دیون پورت

☆ المبادئ العامة لى تفسير القرآن الكريم	دكتور محمد حسين على الصغير
☆ قصص القرآن	محمد على قطب
☆ قصص الانبياء	علامه شعراوى
☆ قصص الانبياء	علامه ابن كثير
☆ قصص الانبياء	سيد نعمت الله جزائرى
☆ قصص القرآن	آيت الله سيد محمد باقر الحكيم
☆ القصة فى القرآن	سيد جعفر حسيني
☆ اساليب بل بيان فى القرآن	حفيف عبد الفتاح طيار
☆ مع الانبياء فى القرآن	عبد الرحمن بن ناصر سعدى
☆ قصص الانبياء	محمد البستاني
☆ دراسات فنية فى قصص القرآن	علامه شعراوى
☆ قصص الانبياء والمرسلين	

نہج البلاغہ ترجمہ و شرح متعلقات

☆ شرح	محمد عبده
☆ شرح نهج البلاغه	ابو القاسم الخوئي عليه الرحمه
☆ شرح نهج البلاغه .	ابن ابی الحديد
☆ شرح نهج البلاغه	ميشم بحرانی
☆ شرح و ترجمه .	علامه محمد تقی جعفری
☆ فی ضلال نهج البلاغه	علامه محمد جواد مغنیه
☆ ترجمه	علامه ذیشان حیدر جوادى
☆ ترجمه	علامه مفتی جعفر
☆ قاموس نهج البلاغه	محمد علی شرقی
☆ معجم نهج البلاغه	علامه محمد دشتی و محمد کاظم

☆ ترجمه نهج البلاغه -	آیت الله ناصر مکارم شیرازی
☆ ترجمه .	محمد جواد قاضل
☆ الدلیل الی موضوعات نهج البلاغه	
☆ معجم موضوعی نهج البلاغه	
☆ مصادر نهج البلاغه	
☆ خوارج از دیدگاه نهج البلاغه	آیه الله توری همدانی
☆ فی رحاب نهج البلاغه..	آیه الله شهید مرتضی مطهری
☆ نظام حکم دالاراده فی نهج البلاغه	مهدی شمس الدین
☆ شرح نهج البلاغه	آیه الله منتظری
☆ قرهنگ آفتاب	حمید معادیخواه
☆ تصنیف نهج البلاغه	لفیف بیضون
☆ نهج البلاغه	صبحی سالم
☆ ترجمه نهج البلاغه	علامه جوادی
/ترجمه نهج البلاغه	علامه مفتی جعفر

دعای عرفان

☆ صحیفه سجادهء	امام زین العابدینؑ
☆ سلوک عرفان	آیت الله جواد ملکی تبریزی
☆ شرح الصحیفه السجاده	محمد باقر بن محمد شفیع الحسینی
☆ شرح دعای صباح	آقا نجفی قوچانی
☆ شرح دعای صباح	مصطفی بن محمد هادی خوئی
☆ شرح دعاء الصبح	الحاج ملاهادی السبزواری
☆ انیس اللیل در شرح دعای کمیل	شیخ محمد رضا کلباسی
☆ سراج الصعود لیمعارج الشهود	محسن بینا

☆قصص الحكم .	محي الدين ابن عربي
☆نصوص الحكم برفصوص الحكم.	آيت الله حسن زاده آملی
☆شرح دعاء مكارم اخلاق	استاد محمدتقی فلسفی
☆شرح دعاء عرفه	ملا محمد قاضل خراسانی
☆وصال العارفين شرح دعاء عرفه	احمد زمر وديان
☆شرح دعاء نديه	
☆شرح دعاء افتتاح	
☆عشق ورسنگاری	
☆تقی رحاب دعاء افتتاح	آية الله فضل الله
☆تقی رحاب دعاء كمیل	آية الله فضل الله
☆شرح زیارت جامعه	آية الله احمد لاجهائی
☆العرفان الاسلامی	آية سيد محمدتقی مدرسی
☆معرفت شناسی در عرفان	سید حسین ابراهیمان
☆شرح دعاء جوشن کبیر	محمد علی رامهر میز
☆سلوك عرفان	آية الله جواد ملكی تبریزی
☆تأزیاته سلوك از	آيت الله استاد حسن حسن زاده آملی
☆نور علی نور.	آيت الله حسن حسن زاده آملی
☆اسماء الله الحسنى	عبد الله بن صالح بن الغصن
☆اسماء الله الحسنى	دكتور حسن عز الدين
☆اسماء و صفات	شیخ عماد الدین احمد حیدر
☆اسماء الله الحسنى	محمد بن ابی بکر الزرعی دمشقی
☆شرح اسماء الله الحسنى	دكتور حصة بن عبد العزيز الصغير
☆الله اسم الاعظم	دكتور عبد الله بن عمر الدمیجی

☆ القول الاسنى فى شرح اسماء الله الحسنى	مجدى منصور شورى
☆ مقجم اسماء الله الحسنى	سيد احمد محاسب مرسى
☆ كتاب الدعاء	مصطفى عبد القادر عطا
☆ فلاح السائل و نجاح المسائل	السيد ابن طاووس
☆ شرح الاسماء و شرح دعا الجوشن الكبير	الحاج ملا هادى سبزوارى
☆ كميل محرم اسرار امام على	ناموس عرفان
☆ اسماء الهى ازديدگاه قرآن و عرفان	رضا رمضانى كيلاتى
☆ اسماء الله الحسنى	عبد العظيم ابراهيم فرج
☆ معرفت شناسى در عرفان	سيد حسين ابراهيميان
☆ خواص الاسماء الحسنى و شرح معانيها	ضياء الدين الاعلى
☆ فى رحاب الله اصواء اعلى دعاء كميل	عز الدين بحر العلوم
☆ الدعاء عند اهل البيت	محمد مهدي الآصفى
☆ تصحيح الدعاء	يكر بن عبد الله بن ابو زيد
☆ موسوعة له الاسماء الحسنى	الدكتور احمد الشرياصى
☆ اصول النظام اجتماعى فى السلام	الامام محمد الطاهر بن عاشور
☆ الاسلام بين العلماء والحكام	عبد العزيز البدرى

كتب تاريخ وسيرت

☆ احكام العرة و البيت المسلمه	شيخ محمد متولى شعراوى
☆ السيرة النبويه	شيخ محمد متولى شعراوى
☆ تشريع الاسلامى، مناهجه و معاصره	سلمان العيد
☆ الاسلام والتطور الاجتماعى	عبد العالي المظفر
☆ ابعاد عالمية فى عقيدة الاسلاميه	عبد الكريم فكر اسلامى ش ۸ ص ۱۷۳
☆ الاسلام فى مشاكل المجتمعات الاسلاميه	دكتور محمد البهى

- ☆ العودة الى الاسلام لمنهاج وحل لمشكلات دكتور محمد سعيد رمضان البوطي
- ☆ الثورة الاسلامية عقباتها و مكاسبها خطب هاشمي رفسنجاني
- ☆ طاغوت- محمود حكيمي
- ☆ الحرية و الفكرية ، ادواتها اطرها رئيس التحرير فكر اسلامي ش ١١
- ☆ الحركة الاسلامية، هموم و قضايا آية الله فضل الله
- ☆ دور الشعار في النظرية الاسلامية سيد محمد باقر الحكيم فكر اسلامي
- ☆ حنائة الفكر و متانة الطرح ، كلمة هيئة التحرير مجله فكر اسلامي ش ١٧ ص ٤ ☆ تاريخية ، هاني ادريس ، مجله بصائر ش ١١

معاجم وقواميس

- ☆ لسان العرب ابن منظور
- ☆ تاج العروس
- ☆ المنجد
- ☆ لسان للسان تهذيب لسان العرب ابي الفل جمال الدين محمد بن مكرم
- ☆ قاموس اللغات
- ☆ قائد اللغات
- ☆ انوار اللغات
- ☆ معجم الموضوعات المطروقة
- ☆ آئنه اردو لغت
- ☆ اظهر اللغت
- ☆ فيروز اللغت
- ☆ حسن اللغت
- ☆ قرهنگ قرهنگ رائد الطلاب

☆فرہنگ آصفی	_____
☆فرہنگ عمید	_____
☆لغات علمی	_____
☆کشاف اصطلاحات	_____
☆معجم فقہ۔ جواہری	_____
☆کشاف الفنون	_____
☆معجم و مؤلفین	_____
☆موسوعة کشاف اصطلاحات	_____
☆الفنون و العلوم	علامہ محمد التحانوی
مجلات مخصوص بہ قرآن کریم و دیگر مجلات جس میں قرآن سے متعلق مضامین ہیں	
☆رسالت القرآن دارالقرآن الکریم	ش ۱ تا ۱۲ قم ایران
☆پژوہشہائی قرآنی	ش ۱ تا ۸۔ ۲۳ تا ۲۶
☆مجلہ بینات	ش ۱، ۶، ۹، ۱۲ قم ایران
☆المعارج	ش ۱، ۸، ۹، لبنان ش ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰
☆سپارۃ ڈائجسٹ	قرآن نمبر ۱۔ ۲۔ ۳
☆ترجمان وحی	ایران
☆ترجمان القرآن	لاہور
☆مجلہ نقد و نظر	دفتر تبلیغات اسلامی قم
☆مجلہ ثقافت الاسلامیہ	رایزنی ایران دمشق ش ۱ / ۷۰
☆مجلہ الرصد	رایزنی جمہوری اسلامی ایران لبنان
☆کیہانِ اندیشہ	_____
☆مجلہ التوحید	سازمان تبلیغات اسلامی تہران
☆مجلہ المنطلق	لبنان

☆ مجله البینات لبنان - خطابات مصاحبات	☆ آية الله فضل الله
☆ مجله نور الاسلام	☆ جامعة المدرسين
☆ مجله حوزہ	☆ ش ۱۹، ۲۰، ۳۱، ۳۹، ۴۲ تا ۴۹، ۷۹، ۸۰
☆ مجله مشکوة	☆ مشهد
☆ مجلات العربی	☆ الكويت
☆ رسالة الاسلام	☆ كلية اصول الدين بغداد
☆ مجلات النجف -	☆ نجف
☆ مجلات - الاضواء النجف -	☆ نجف
☆ الاعتصام - سازمان تبلیغات اسلامی	☆ ایران
☆ نامه فرهنگ -	☆ وزارة ارشاد
☆ نور الاسلام -	☆ موسسه امام حسين لبنان
☆ اخبار جنگ -	☆ راولپنڈی
☆ اخبار نوائے وقت -	☆ راولپنڈی
☆ مجله ثقافت اسلاميه	☆ رائيزنى جمهورى اسلامى ايران دمشق
☆ مجله رسالت الثقلين	☆ مجمع اهل البيت ايران
☆ مجله دارالتقريب	☆ ایران
☆ مجله رسالت الاسلام -	☆ دارالتقريب الاسلامى مصر
☆ مجله فکر اسلامى	☆
☆ مجله فكر جديد -	☆ لندن
☆ مجله پاسدار -	☆ ایران
☆ مجله فکرو ثقافت - سوالات و جوابات	☆ آيت الله فضل الله
☆ مجله انديشه حوزہ	☆ ش ۱ ص ۱۰۷
☆ مجله کیهان اندیشه	☆ ش ۲۲ ص ۵۸ - ۸۴

- ☆ مجله کیهان اندیشه
☆ مجله کیهان اندیشه
☆ مجله رساله تقرب
- ش ۱۶ ص ۴۷، ۳۳
ش ۱۷ ص ۳۷

ساجیات وثافت

- ☆ نظام سیاسى فى الاسلام
☆ نظام السياسى فى الاسلام
☆ نظام سیاسى فى الاسلام
☆ نظام تربوى فى الاسلام
☆ نظام الحكم و الاداره
☆ نظام مجتمع والحكم
☆ نظام الحكم و الاداره
☆ نظام المالى فى الاسلام
☆ نظام التشريع فى الاسلام
☆ منهج التفسير
☆ المراء ة فى التاريخ والشریعة
☆ المراء ة فى القرآن -
☆ تكوين الاسرة فى السلام -
☆ نقش کتاب در تمدن و فرهنگ اسلامى
☆ حقوق زن در اسلام
☆ حجاب در اسلام
☆ اسلام و ایران
☆ المرأة فى القرآن
- محمد باقر شریف القریشی
مهدى الشمس الدين لبنان
يعقوب محامى اردن
محمد باقر شريف قريشى
محمد باقر شريف القریشی
عبد الهادى فضلى
دكتور محمد نورى
محمد مهدى الآصفى
محمد مهدى الآصفى
صادق م بصائر ش ۱۲، ۱۳، ص ۲ ۴
الدكتور اسعد السحمرانى
عباس محمود العقاد
الدكتور على القائى
آيت الله شهيد مرتضى مطهرى
آيت الله شهيد مرتضى مطهرى
عباس محمود العقاد

- ☆ تكوين الاسرة في الاسلام الدكتور على قائمی
- ☆ المرأة في التاريخ والشریعة الدكتور اسعد سحرانی
- ☆ المرأة المسلمة الدكتور قیسی
- ☆ المرأة بين الفقه والقانون الدكتور محمد مصطفى سباعی
- ☆ زنان صدر اسلام سید محمد بحر العلوم
- ☆ کتاب بلاغات النساء ابی فضل احمد بن طاهر طیفور
- ☆ سیمای زن در اندیشه فقه شیعه زهرا گواهی
- ☆ المرأة معاصره عبدالمحسن الغفار
- ☆ المرأة فی ظل السلام سیده مریم نور الدین فضل الله
- ☆ زن در آئینه قرآن و زردشت یهود و مسیحیت اله و کیلی
- ☆ منزلة زن شعبه نواتین تبلیغات اسلامی
- ☆ زن در اسلام عباس علی محمودی
- ☆ المرأة بین الواقع التاريخی والدور مغیب موسسه بلاغ
- ☆ المرأة فی مجتمع السلامی محمد تقی مدرسی
- ☆ المرأة مسئولیت موقف شیخ حسن الصفار
- ☆ جایگاه اخص زن محمد رضا امین زاده
- ☆ الحجاب فی السلام محمد قوام الوشنوی
- ☆ تعدد زوجات بین العلم و الدین عبدالمحسن علی ابو عبد الله
- ☆ سیمای مسجد رحیم نو بهار
- ☆ موسوعه سین و جیم احمد سالم یادویان
- ☆ منهاج الرسل السید احمد القبانجی
- ☆ علماء والمسئولیت تثقیف الامة حسن الصفاء بصائر ش ۱۰ ص ۶۵
- ☆ نصرانیة و التبشر توحید ۴۷، ۴۶ ص ۲۲، ۱۳۳

- ☆ تاریخ الحركة الاسلامیة المعاصرة فی العراق الخطیب ابن النجف
☆ صراع الارادات ، سلیم الحسنی
☆ قضایا معاصره هاشمی نژاد
☆ الثقافی الحديد مسالیه و اثاره توحید ۱۶ ص ۱۸۱
☆ الاسلام و الاسطورة حسن الباش، مجله بصائر ش ۱۰
☆ خصوصیه ثقافیه و مشکلات النخبة فی المغرب الاقصى بقاریه
☆ الحیات ، محمد رضا حکیمی
☆ الامامت و القيادة دکتور احمد عزالدین
☆ الی و کلائنا فی البلاد آیه الله مهدي حسینی شیرازی
☆ کیف تلیر الامور تبدیلدین و احیائه و واقع
☆ المسلمین و سبیل الفهوض بهم، ابو الاعلی مودودی
☆ الحوار فی الاسلام فضل الله، مجله منطلق عدد ۹۸
☆ الثقافه الرسالیه احمد نائر
☆ خطاب الاسلامی و تحدیه المتقابل
☆ احزاب بعد از مشروطیت پاسدار اسلام ش ۱
☆ احزاب سیاسی پس از مشروطیت ، پاسدار اسلام ش ۲
☆ نقش کتاب در تمدن و فرهنگ اسلامی ، ضیاء الدین
☆ مفهوم التعلیم عند الغربیین ۹
☆ الدعوة و الخطابة ، علی عبد العظیم
☆ علامه شیخ غلام محمدایک بے داغ قیادت امامیه آر کنائریشن بلتستان ریجن

سیرت ائمه اور حسینیات

- ☆ اثوره الحسینیہ۔ محمد نعمه السماوی
☆ الامام حسین فی مکہ مکرمہ شیخ نبم الدین الطبسی

- ☆ نگاہ بہ حماسہ حسینی۔ صالحی نجف آبادی
- ☆ حماسہ حسینی۔ آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطهری
- ☆ لؤلؤ مرجان آیت اللہ نوری
- ☆ فی رجاہ الحسینؑ۔ آیت اللہ حسین فضل اللہ
- ☆ طریقہ کربلا۔ آیت اللہ حسین فضل اللہ
- ☆ ثورۃ الحسینؑ یقظۃ الضمیر و تحریر الادارۃ سید باقر الحکیم محلہ فکر اسلامی ش ۱۶
- ☆ تحریفات عاشورا۔ حجت الاسلام و مسلمین آغا پشوائی
- ☆ الائمہ الاثنی عشر دراسة تحليلية فی المنهج راشد الراشد
- ☆ حیات فکری و سیاسی امامان شیعہ۔ رسول جعفریان
- ☆ النلوۃ۔ آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
- ☆ مجاہد اعظم۔ علامہ سید شا کر حسین امروہوئی
- ☆ موسوعة مقتل الامام الحسینؑ۔ محمد عینی آل مہاکس
- ☆ الفکر الثروی عند شہید ثانی محمد تہامی، محلہ بصائر ش ۱۱
- ☆ تاریخ غیب صغراء۔ آیت اللہ سید محمد صدر
- ☆ سیرت ائمہ اثنی عشر۔ استاد عادل ادیب
- ☆ فی رجاہ الاهلبیت۔ آیت اللہ حسین فضل اللہ
- ☆ میزاری شیرازی۔ سید محمود مدنی
- ☆ سیمائی مسجد رحیم نوبہار
- ☆ المرأة المسلمة۔ دکتر ابراہیم قیصی
- ☆ ازمنہ المدرسۃ بین تصنیفات الحل و استراتيجیہ الحل الاجتماعی سید محمود مدنی